سالگرہ نمبر
ثمینہ عظمت علی و شمیم فضل
خالق کی خصوصی تحریریں
گھر کے ہر فرد کے لئے
ماہنامہ
پاکیزہ
کراچی
اپریل 2021ء
بانی
معراج رسول
الف بے جیم ڈاٹ کام

ماہنامہ

# پاکیزہ

کراچی

بانی : معراج رسول

مدیرۂ اعلیٰ : عذرا رسول

مدیرہ : نزہت اصغر

معاون : آمنہ حماد

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

**منیجر اشتہارات**

محمد شہزاد خان

0333-2256789

**سرکولیشن منیجر**

سید منیر حسین

0333-3285269

سرورق ماڈل: انمول

میک اپ: روز بیوٹی پارلر

فوٹو گرافی: موسیٰ رضا

قیمت فی پرچا (پاکستان) 100 روپے

قیمت فی پرچا (سعودی عرب) 12 ریال یا مساوی متحدہ عرب امارات

سالانہ (اندرونِ ملک) 1500 روپے ..... جلد: 49 ..... شمارہ: 01 ..... اپریل 2021ء



www.pklibrary.com

HAPPY Birthday

# سالگرہ مبارک

## اداریہ


مجھے کچھ کہنا ہے — مدیرہ 07


## سلسلے وار ناول


میرا سارا رنگ اتار دو — افشاں آفریدی 10

میں عشق ہوں — نایاب جیلانی 112


## ناولٹ


وہ ہجر جو ہم کو لازم تھا — شیریں حیدر 60

پھانس — شمیم فضل خالق 97

ماں تیرا شکریہ — ناہید سلطانہ اختر 143

سرابے خواب و خیال — فرح بخاری 210


## عورت کہانی


عورت حسن نصیب — فرحین اظفر 176


## افسانے


سالگرہ — ثمینہ عظمت علی 41

لال چڑیا شگناں والی — نزہت جبیں ضیا 47

لمحہ فکریہ — شاہدہ ذاکر 91

پیمانہ — نظیر فاطمہ 162

تحفہ — طیبہ عنصر مغل 166

توکل — عائشہ خان 195

پیا سنگ — طاہرہ بختیار 199

خوشیاں لے کر آیا چاند — نشا وقار 203


## خصوصی مضامین


شمع ہدایت — اختر شجاعت 236

وہ آئے بزم میں — نزہت اصغر 242

پردے — شائستہ زریں 248



پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول • مقام اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500

پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی




www.pklibrary.com

## مستقل عنوانات


| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| دین کی باتیں | ادارہ | 8 | خوش ذائقہ | شگفتہ یاسمین | 278 |
| بہنوں کی محفل | مدیرہ | 254 | بزم پاکیزہ | پاکیزہ بہنیں | 280 |
| پاکیزہ ڈائری | آمنہ حماد | 271 | روحانی مشورے | ادارہ | 282 |
| میں اکثر گنگناتی ہوں | صغریٰ زیدی | 276 | حسن نکھاریئے | مہ جبیں | 284 |
| ہومیو کلینک | | | | | 286 |



Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35895313 ,35802552, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com


505

www.pklibrary.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# مجھے کچھ کہنا ہے.....!

عزیز قارئین.....السلام علیکم!

ماہنامہ پاکیزہ کا سالگرہ نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ سب کو اپنے ہر دلعزیز رسالے کی سالگرہ بہت، بہت مبارک ہو۔ بس اب ہمارا سفر گولڈن جوبلی کی جانب ہے۔ ان شاءاللہ!

پاکیزہ صرف اپنے ملک پاکستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا بھر میں جہاں، جہاں اردو زبان جانی، بولی، سمجھی، لکھی اور پڑھی جاتی ہے وہاں ماہنامہ پاکیزہ کی پزیرائی ضرور کی جاتی ہے۔ یقیناً یہ ایسا خوب صورت رشتہ و تعلق ہے کہ جو خلوص کی ایک دلکش ڈور سے بندھا ہے جو نہ نظر آنے کے باوجود نہایت مستحکم ہے اور ان شاءاللہ اسی طرح یہ مضبوط سلسلہ چلتا رہے گا۔

اپنے اجرا کے اول روز سے ماہنامہ پاکیزہ اپنے منفرد تعمیری، اصلاحی مواد کے باعث جُداگانہ اہمیت کا حامل رہا ہے اور ان گزرتے برسوں میں یہی کوشش جاری رکھی گئی ہے کہ تفریح اور دلچسپ عناصر کے ساتھ ساتھ سبق آموز، موثر اور قابلِ غور موضوعات پر مبنی تحریریں شامل ہوں اور اس سعیِ خالص میں ہماری مایہ ناز و ہونہار قلمکار بہنوں نے بھرپور ساتھ بھی دیا۔ نوآموز ان بھی اپنی سینئر مصنفات کی تخلیقات سے یقیناً استفادہ کرتی رہیں جبھی اچھی سے اچھی تحریریں منظرِ عام پر آرہی ہیں اور سب ہی اپنے قلم کا حق ادا کررہی ہیں۔

قرطاس و قلم کی نعمت اور صلاحیت پانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں مگر جو اس کی اہمیت جان لے تو کیا کہنے۔ پھر وہی معاشرے کا اصلاح ساز اور نسلوں کا کردار ساز بن جاتا ہے۔ تعمیری ادب ہی زندگی گزارنے کا شعور، سلیقہ و طریقہ سکھاتا ہے۔ قلب و نظر کو وسعت بخشتا ہے اور شخصیت سازی کے گرانقدر اصول و ضوابط طے کرتا ہے۔ الحمدللہ اسی نظریے کے تحت آج ہم کامیابی کی راہوں پر گامزن ہیں۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ آگہی و شعور دینے کا یہ عمل آپ کے اور ہمارے مشترکہ تعاون سے تادیر جاری رہے، الٰہی آمین۔

مدیرہ

نزہت اصغر



www.pklibrary.com

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار کرایا۔ پھر فرعون اور اس کے لشکر نے بغاوت اور زیادتی (کی نیت) سے ان کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں اس (بات) پر ایمان لایا ہوں کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اس (خدائے واحد) کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں (اس کے) فرمانبرداروں میں سے ہوں (۹۰)۔ جواباً کہا گیا کہ اب (ایمان لاتا ہے) اور یقیناً پہلے تو نے نافرمانی کی ہے اور تو فساد کرنے والوں میں سے رہا۔ (۹۱) پس آج کے دن ہم تیرے بدن (لاش) کو نجات دیں گے تاکہ تو اپنے پیچھے آنے والوں کے لیے نشانی رہے۔ اور یقیناً لوگوں میں سے بہت ایسے ہیں جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔ (۹۲) اور یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو بہت ہی اچھے مقام پر جگہ دی۔ اور انہیں پاک چیزوں سے روزی دی پس جب تک ان کے پاس علم نہ آ گیا انہوں نے اختلاف نہ کیا۔ یقیناً تیرا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان ان چیزوں میں فیصلہ کرے گا۔ جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ (۹۳) پس تمہیں اس میں شک ہو جائے جو ہم نے تیری طرف اتارا ہے۔ تو تم ان لوگوں سے، پوچھو جو تم سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔ بے شک تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حق آیا ہے۔ پس تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔ (۹۴) اور نہ تم ان میں سے ہونا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا۔ ورنہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ (۹۵) یقیناً وہ لوگ جن پر تمہارے پروردگار کی بات (کہ وہ کافر ہی رہیں گے) سچی ثابت ہو چکی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (۹۶) جب تک وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں گے۔ اگرچہ ان کے پاس ہر نشانی آ جائے۔ (۹۷) پس کوئی بستی ایسی نہیں ہوئی کہ وہ (عذاب کو دیکھ کر) ایمان لائی ہو تو اس کو اس کے ایمان نے کوئی فائدہ دیا ہو سوائے یونس کی قوم کے، کہ جس وقت وہ ایمان لائے ہم نے دنیا کی زندگانی میں ان سے رسوا کرنے والا عذاب ہٹا دیا۔ اور ایک مدت تک ہم نے انہیں فائدہ پہنچایا۔ (۹۸) اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو جتنے زمین میں ہیں ضرور سب کے سب ایمان لے آتے۔ پس کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں۔ (۹۹) حالانکہ کسی نفس کے لیے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ بغیر اذنِ خدا ایمان لے آئے۔ اور وہ (کفر کی) پلیدی کو انہیں لوگوں پر قرار دیتا ہے، جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ (۱۰۰) کہہ دو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسے (غور سے) دیکھو۔ اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں ان کو نشانیاں اور ڈرانے والے کچھ کفایت نہیں کرتے۔ (۱۰۱) پھر کیا وہ ایسے دنوں کا انتظار کرتے ہیں جیسا کہ ان لوگوں کے دن تھے جو اُن سے پہلے گزر گئے ہیں۔ کہہ دو پس تم انتظار کرو۔ یقیناً میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ (۱۰۲) پھر ہم اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے نجات دیں گے۔ (۱۰۳) اسی طرح سے ہم پر حق ہے کہ ہم مومنوں کو نجات دیں۔ (اے رسول) کہہ دو اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں شک میں ہو، پس میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ لیکن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں، جو تمہیں (دنیا سے) پورا، پورا لے لیتا ہے۔ اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں مومنوں میں سے ہی رہوں۔ (۱۰۴)

(سورۂ یونس ۱۰ پارہ ۱۱ آیات ۹۰ تا ۱۰۴)



www.pklibrary.com

# آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی

## اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ ﷺ

ہمارے پیارے نبی افضل الانبیا، خاتم النبین سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفاتی اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام سیدنا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے جس کے معنی و مفہوم اللہ کے پیارے محبوب کے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے اپنا حبیب بنایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی قسم کھائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شفیع اور مشفع بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو توحید کا رکن بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کو اپنی بیعت قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مرتبے میں بلند ہیں۔

(کتاب الشفا)

1۔ **القرآن:** ترجمہ: "اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا۔ اور تمہارے گناہ معاف کرے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔"

(آیت ۳۱ سورۂ آل عمران)

2۔ **الحدیث:** ۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لوگو! میں خدا کے سامنے اس بات کی برائی کرتا ہوں کہ انسانوں میں میرا کوئی دوست ہے مجھ کو خدا نے اپنا حبیب (پیارا) بنایا ہے۔ جیسے ابراہیمؑ کو اس نے اپنا خلیل بنایا تھا۔ (مسلم)

۲۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ لوگو! خدا سے محبت کرو کہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں عطا کرتا ہے اور اسی کی محبت کے سبب سے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کے سبب سے میرے اہل بیت سے محبت کرو۔

(ترمذی)

3۔ **الوائے:** ۱۔ تمام حالات میں محمدؐ ایک انتہائی مذہبی انسان کے طور پر نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان کو تمام مذاہب کے عقیدت مند فوراً پہچان لیں گے۔ ایسے شخص کے طور پر جس کا خدا کی ذات سے گہرا لگاؤ تھا یا بہت گہرائی سے وہ خدا کے وجود سے آشنا تھے۔ (بیچنر)

۲۔ ایسا شخص جو خدا کی رضا چاہے اور خدا اس کی رضا چاہے ان معنوں میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا سے جدا نہیں تھے۔

(تھامس کارلائل)

4۔ **الفضائل:** ۱۔ جو کوئی یہ چاہے کہ اسے عزت و وقار ملے تو وہ روزانہ باضو حالت میں ایک ہزار مرتبہ اس اسم مبارک (سیدنا حبیبؐ) کا ورد کرے جہاں بھی جائے گا لوگ عزت سے پیش آئیں گے۔

(قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسما النبی ﷺ سے اقتباس)



www.pklibrary.com

# میرا سارا رنگ اتار دو

افشاں آفریدی سلسلے وار ناول

یہ دنیا دار العمل ہے، جہاں انسان کے دو ہی امتحان ہیں، ایک شکر کا دوسرے صبر کا مگر جب حضرتِ انسان حسد یا ہوس کی خاطر تقدیر سے لڑنے کی ٹھان لے تو پھر اس کے اپنے فیصلے ہی اس کی آزمائش بن جاتے ہیں۔ جو آنکھوں اوٹ ہے چہرہ اسی کو دیکھ کر جینا یہ سوچا تھا کہ آساں ہے مگر آساں نہیں ہوتا نہ بھلا وا نہ سمجھوتا، جدائی سی جدائی ہے ادا سوچو تو خوشبو کا سفر آساں نہیں ہوتا محبت کے انوکھے روپ سنوارتی ایک حسین تحریر...

حادثوں میں گزری ہے راس بس تباہی ہے
زندگی کی چاہت میں زندگی گنوائی ہے
خواب اب نہیں میرے ، نیند تک پرائی ہے
عارضی محبت تھی مستقل نبھائی ہے

امیدوں، جذبوں، فیصلوں اور احساسِ جرم پر مبنی کچھ ایسے کرداروں کی کہانی جو دل سے دیکھتے، دل سے سنتے اور دل سے ہی سوچتے ہیں



www.pklibrary.com

www.pklibrary.com

## گزشتہ اقساط کا خلاصہ

شیرازی ولا میں مقیم مظفر اور سائرہ کی بیٹی ردا کی منگنی اس کی مرضی سے آصف کے ساتھ ہوتی ہے۔جس میں یو ایس اے سے تین سال بعد واپس آ کر مظفر صاحب کا یتیم بھتیجا عکرمہ بھی شریک ہوتا ہے۔دُرِ مکنون، سائرہ بیگم کی بھانجی تھی۔جس کی ذمے داری مظفر احمد نے اس کے ماں باپ کے انتقال کے بعد اٹھائی تھی۔ایک رات دُرِ مکنون کی طبیعت خراب ہونے پر دادی اسے سکون آور دوا دیتی ہیں اور عکرمہ کو اس کے ساتھ ہونے والے حادثے کا بتاتی ہیں۔اسٹڈی میں دُرِ مکنون کو دیکھ کر آنسو بہاتے مظفر شیرازی، عکرمہ کے ذہن میں ہلچل مچائے ہوئے تھے۔مظفر صاحب نے اپنی نئی ول بنوائی تھی وہ لے کر عکرمہ نکلتا ہے تو زاویار کا شیری کے ساتھ رویہ دیکھ کر سوچتا ہے کہ کوئی عورتوں کے ساتھ اس طرح بھی برتاؤ کرتا ہے۔خولہ، دُرِ مکنون سے عکرمہ کے بارے میں پوچھتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ اگر آپ اس گھر میں بہو بن کر آئیں تو بہت خوش رہیں گی، اس جملے کو سن کر عکرمہ ایک انجانے سے احساس سے دوچار ہوا تھا۔عکرمہ کو زاویار سے مل کر یاد آ جاتا ہے کہ اس نے صفدر صاحب کے آفس کے باہر اسے دیکھا تھا اور لڑکی سے اس کا خراب برتاؤ بھی یاد آ جاتا ہے زاویار کو دیکھ کر دُرِ مکنون بے ہوش ہو جاتی ہے۔عینی، دُرِ مکنون سے ملنے آتی ہے اور اس کا حوصلہ بڑھاتی ہے، عکرمہ کو یہ جان کر شاک لگتا ہے کہ دُرِ مکنون کے خوف اور وحشت کی وجہ اظہار بھائی ہیں۔سائرہ بیگم، دُرِ مکنون کو بتاتی ہیں کہ زاویار نے رشتے سے انکار کر دیا ہے اور وہ اس کا رشتہ جلد از جلد کرنا چاہتی ہیں کیونکہ ان کے بعد عکرمہ اور سیف کی فیملی اس کی ذمے داری نہیں اٹھا سکے گی۔عکرمہ اندر آتا ہے تو دُرِ مکنون بتاتی ہیں کہ کوئی طاہرہ آنٹی آئی ہیں، عکرمہ بہت تیزی سے ان سے ملنے کے لیے جاتا ہے۔دادی، عکرمہ اور مظفر صاحب کو بتاتی ہیں کہ انہوں نے طاہرہ کو دُرِ مکنون کی میڈیکل فائل زوہا کے ذریعے دے دی ہے۔درِ مکنون جب طاہرہ بانو کے پاس سے واپس آتی ہے تو عینی کا فون آتا ہے۔اس کے فون رکھتے ہی دوبارہ بیل ہوتی ہے تو وہ عینی کا ہی سمجھ کر اٹھاتی ہے لیکن وہ زاویار کا فون تھا اور وہ اس سے معافی مانگتا ہے درِ مکنون کچھ کہہ نہیں پاتی رونے لگتی ہے عکرمہ جو گاڑی کی چابی بھول گیا تھا وہ درِ مکنون کو روتا دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے اور اس سے فون لے لیتا ہے لیکن دوسری طرف زاویار کی موجودگی اس کے لیے حیران کن تھی۔ردا کی شادی میں سائرہ بیگم، درِ مکنون کو ایک فیملی سے ملواتی ہیں رخصتی کے بعد آصف اپنی پھپھو کو ائرپورٹ چھوڑنے جاتا ہے تو واپسی پر ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔آصف کا آپریشن تھا تو سب اسپتال میں تھے اظہار صاحب کو اپنی فیملی کے ساتھ واپس جانا تھا عکرمہ ٹکٹ لے کر آتا ہے تو اظہار اسپتال میں نہیں تھے، وہ پریشان ہو جاتا ہے اور زوہا کے ساتھ گھر آ جاتا ہے، سیڑھیوں پر دُرِ مکنون کا دوپٹا پڑا دیکھ کر وہ دادی کے کمرے کا دروازہ بجا ڈالتا ہے۔ماسٹر کی سے جب وہ لوگ دادی کا کمرا کھولتے ہیں تو دہشت زدہ رہ جاتے ہیں کیونکہ درِ مکنون کمرے کے انتہائی سرے پر دیوار کے قریب اوندھے منہ پڑی تھی۔عکرمہ جب اسپتال سے گھر آتا ہے تو واچ مین اسے اظہار صاحب کا گولڈ پلیٹڈ پسٹل کی شکل کا لائٹر لا کر دیتا ہے کہ کل گیٹ کے پاس گرا ہوا تھا۔عکرمہ کو اچھی طرح یاد تھا کہ کل زارا نے اظہار صاحب کو لائٹر دیا تھا اور انہوں نے گاڑی میں اسموکنگ بھی کی تھی ان کا ارادہ اسپتال سے ڈائریکٹ ائرپورٹ جانے کا تھا اور وہ انہیں اسپتال ڈراپ کر کے ٹکٹس لینے گیا تھا تو لائٹر واپس شیرازی ولا کیسے آیا۔اس کے بدترین خدشات حقیقت کا روپ دھار چکے تھے۔دُرِ مکنون کو کومہ میں گئے دو ہفتے ہو گئے تھے۔مظفر شیرازی بہت زیادہ پریشان ہوتے ہیں تو دادی کہتی ہیں کہ ڈاکٹر تو پرامید ہیں جب وہ صحت یاب ہو کر آئے گی تو جشن صحت منائیں گے اور اسی تقریب میں، میں اسے اپنے پوتے سے منسوب کر دوں گی۔مظفر صاحب کے پوچھنے پر دادی سیف کا نام لیتی ہیں تو مظفر صاحب کہتے ہیں کہ یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ درِ مکنون ان کی اور سائرہ شیرازی کی سگی بیٹی ہے۔عکرمہ بھی یہ بات سن لیتا ہے۔دادی کہتی ہیں کہ انہیں درِ مکنون کو دیکھ کر ہمیشہ لگتا تھا کہ وہ ان کی ہے۔نہیں جانتی تھیں کہ یہی سچ ہے۔جب سے اسے درِ مکنون سے اپنے اور اس کے رشتے کا پتا چلا تھا وہ اور بھی زیادہ ذمے دار ہو گیا تھا کہ وہ اس کی سگی چچا زاد تھی۔دُرِ مکنون گھر آتی ہے تو سب اس کے استقبال کے لیے موجود ہوتے ہیں آصف کو وہیل چیئر پر دیکھ کر وہ آزردہ ہو جاتی ہے۔عکرمہ، دادی اور مظفر صاحب کو بتا دیتا ہے کہ دُرِ مکنون اس کا انتخاب ہے۔سائرہ بیگم، عکرمہ کے دُرِ مکنون سے شادی کے فیصلے پر بہت سیخ پا ہوتی ہیں کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ردا کو آصف سے طلاق دلوا کر عکرمہ سے شادی کر دیں۔دادی نے زوہا کو بلا کر درِ مکنون تک عکرمہ کا پرپوزل پہنچوایا تو درِ مکنون انکار کر دیتی ہے۔عکرمہ، درِ مکنون سے بات کر کے اسے اس رشتے پر کنونس کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ سوچتی ہے کہ اس کا انکار بہتر ہے۔طاہرہ بھی دُرِ مکنون کو سمجھاتی ہیں تو وہ عکرمہ سے رشتے کے لیے ہاں کر دیتی ہے۔ولی (عکرمہ کا دوست) بھی یہ سن کر بہت خوش ہوتا ہے۔عکرمہ کا بھائی عبید آ رہا تھا تو عکرمہ کی شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں، عکرمہ فضول رسومات نہیں کرنا چاہتا تو زارا اسے سمجھاتی ہے کہ وہ نہیں چاہتا تو درِ مکنون تو چاہتی ہوگی۔عکرمہ، درِ مکنون سے بات کرتا ہے تو وہ کوئی اعتراض نہیں کرتی۔زاویار کا فون آتا ہے اور وہ درِ مکنون سے معافی مانگتا ہے تو دُرِ مکنون، عکرمہ کو اپنے اور زاویار اور اپنے ماضی کے رشتے کے بارے میں بتاتی ہے۔زاویار، دُرِ مکنون کی دوست عینی کا بھائی تھا عینی اور درِ مکنون اس سے پہلے



www.pklibrary.com

ایک پروجیکٹ میں مدد لیتی ہیں اور پھر وہ ان کے لیس میں ایڈمشن کے لیے ان کی تیاری کرواتا ہے، زاویار، دُرِمکنون کو پسند کرنے لگتا ہے۔
صوفیہ (دُرِمکنون کی ماں) مکرم صاحب کی چھٹی بیٹی تھی جوان کی دوسری بیوی سے تھی ان کی پہلی بیوی سے سات بیٹیاں ہوئیں۔ جن میں دو پیدا ہوتے ہی مر گئیں۔ ان کو اولادِ نرینہ کی خواہش نے دوسری شادی پر مجبور کیا لیکن دوسری بیوی سے بھی بیٹی ہوئی تو مجبوراً دل کو سمجھا لیا۔ چار بیٹیوں کی شادی کے بعد ان کی (پہلی بیوی کی) سائرہ اور صوفیہ ہی رہ گئی تھیں۔ شادی کے لیے جب زاہد علی نے اپنی والدہ کو ان کے گھر رشتے کے لیے بھیجا جو اس کالونی میں نئے، نئے شفٹ ہوئے تھے۔ زاہد علی کی والدہ نے جب مکرم صاحب کی بیٹیوں کو دیکھا تو سوچا کہ زاہد علی نے سائرہ کو ہی پسند کیا ہوگا اور ان کے لیے رشتہ ڈال دیا جو قبول ہو گیا۔ شادی سے ایک ہفتہ پہلے جب وہ سب سے چھپ کر اپنے دوست مظفر کے ساتھ ان کے گھر گئے تو دلہن کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔ انہوں نے شادی سے انکار کیا تو مظفر کی والدہ نے ان کے لیے سائرہ کا رشتہ دیا جو قبول کر لیا گیا لیکن سائرہ کے دل سے یہ بات نہ نکلی۔ سائرہ کی لگاتار چار بیٹیاں ہوئیں جن میں سے ایک پیدائش کے فوراً بعد انتقال کر گئی اب اتنے سال بعد صوفیہ اور سائرہ دونوں امید سے ہو گئیں۔ صوفیہ کے ساتھ کچھ مسائل تھے لیکن اس بار وہ خوش تھیں کہ خدا نے ان کی گود ہری کی لیکن جب ان کے مردہ بچے نے جنم لیا تو مظفر نے اپنی بیٹی (دُرِمکنون) صوفیہ اور زاہد علی کی گود میں ڈال دی۔ اس بات سے صرف زاہد علی اور مظفر ہی باخبر تھے۔ دُرِمکنون، صباحت کی منگنی کی شاپنگ کے لیے جاتی ہے تو ٹیکسی خراب ہو جاتی ہے تو ٹیکسی والا اسے راستے میں ہی اتار دیتا ہے۔ وہاں زاویار آ جاتا ہے وہ اس کے ساتھ جاتی ہے وہ راستے میں اسے پرپوز کرتا ہے..... ایک جگہ زاویار کولڈ ڈرنک لینے کے لیے رکتا ہے ان کے پیچھے کچھ بدمعاش ٹائپ لوگ لگ جاتے ہیں جو اسلحے کے زور پر دُرِمکنون کو اغوا کر لیتے ہیں اور زاویار موت کے خوف سے اسے ان لوگوں کے پاس چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ عکرمہ کہتا ہے کہ وہ زاویار کو معاف کر دے۔ عبید اور سدرہ بچوں سمیت کراچی آ گئے تھے۔ دُرِمکنون، طاہرہ کے ساتھ ایک کاؤنسلنگ نشست میں جا رہی تھی۔ دُرِمکنون، سدرہ، عبید اور عکرمہ کے ساتھ شاپنگ کے لیے جاتی ہے تو واپسی پر زاویار کو شیرازی ولا کے باہر دیکھ کر ڈسٹرب ہوتی ہے لان میں آصف اور ردا کی آوازیں اسے گھٹن کا احساس دلاتی ہیں لاؤنج میں جانے لگتی ہے تو سائرہ بیگم کی ناگوار باتیں اس کے کان میں پڑتی ہیں۔ طاہرہ، دُرِمکنون کو کہتی ہیں کہ قرآن کی ہر آیت ہمیں وعظ و نصیحت کرتی ہے اگر ہم سننا چاہیں تو..... آصف گھر چھوڑ کر کسی کو بھی بتائے بغیر کہیں چلا گیا تھا اور اس سب کی ذمے دار سائرہ بیگم، دُرِمکنون کو ٹھہراتی ہیں۔ عکرمہ، ردا کو تسلی دیتا ہے کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آصف کے سامان میں سے ایک ٹریولنگ ایجنسی کا بل ملتا ہے جس سے ان لوگوں کو یہ پتا چل جاتا ہے کہ وہ لندن گیا ہے۔ دادی کی باتوں سے اسے سائرہ شیرازی کی نفرت اور عناد کی وجہ معلوم ہوتی۔ سائرہ بیگم چاہتی ہیں کہ عکرمہ اور دُرِمکنون کی شادی ابھی نہ ہو لیکن کوئی بھی شادی ملتوی کرنے کے حق میں نہیں ہوتا۔ آصف کا میسج آتا ہے، ردا کے پاس کہ عکرمہ اور درمکنون کی شادی انجوائے کرنا۔ عکرمہ، ردا کو یقین دلاتا ہے کہ وہ جلد آصف کو ڈھونڈ کر لائے گا۔ سائرہ بیگم، افروزہ سے بات کرتے ہوئے درمکنون کو سنانے کے لیے کہتی ہیں کہ اگر صوفیہ آج ہوتی تو میں اس سے عکرمہ کو مانگ لیتی..... لیکن اب کسی سے نہیں کہہ سکتی۔ یہ بات سن کر دُرِمکنون، عکرمہ سے بات کرنے جاتی ہے مگر کر نہیں پاتی۔ سائرہ بیگم، دادی کو بتاتی ہیں کہ آصف نے ردا کو ایک طلاق بھیج دی ہے اور درمکنون سے کہتی ہیں کہ جب تم یہاں آئی تھیں تو ہر فرد نے تمہیں خوش کرنے کے لیے بہت کچھ کیا، آج تمہیں اس مشکل وقت میں ردا کا خیال کرنا ہے۔ ان کی باتوں کے زیرِ اثر درمکنون خواب میں بھی دیکھتی ہے میمی خالہ کے مطالبے پر ماما انہیں مایوس نہیں کرتیں، وہ چونک کر اٹھ جاتی ہے۔ طاہرہ آنٹی کی ہدایت پر وہ اور عکرمہ درس لے رہے تھے۔ پارلر جانے کے لیے تیار ہوتے ہوئے دُرِمکنون کو جیولری دیکھ کر اپنی ماما یاد آتی ہیں تو زوہا اسے تسلی دیتی ہے۔ نکاح کے بعد سب باہر چلے جاتے ہیں تو سائرہ بیگم کہتی ہیں کہ اصل سے خطا نہیں اور کم اصل سے وفا نہیں..... عینی کا فون آتا ہے تو عکرمہ، دُرِمکنون کی اس سے بات کرواتا ہے، عینی اسے بتاتی ہے زاویار کا نکاح ہو رہا ہے، شیری سے۔ وہ رخصت ہو کر شیرازی ولا آتی ہے تو اس کے محسوسات مختلف تھے۔ شہرین، میمونہ بیگم کو زاویار کے متعلق بتاتی ہے تو وہ سوچتی ہیں کہ آغا جان اور شہریار سے بھی اس کا دل صاف ہو جائے گا۔ جلال انصاری (آغا جان)، شہریار کو کہتے ہیں کہ وہ زاویار کو کال کر لیں۔ عاصمہ، زاویار کے باپ شہریار سے طلاق لے چکی تھیں۔ شہریار انصاری، زاویار کو فون کرتے ہیں اور زاویار کے بدتمیزی سے جواب دینے پر فون بند کر دیتے ہیں۔ میمونہ بیگم، شہرین کو بتاتی ہیں کہ آغا جان چاہتے ہیں کہ خولہ کی یا شہرین کی شادی زاویار سے ہو جائے۔ زاویار تین سال پہلے کے اس منظر سے کسی طرح نکل نہیں پا رہا تھا۔ تین سال بعد آغا جان، زاویار کے سامنے تھے اور ان کے انداز بھی خاصے بدل گئے تھے، ان کے ساتھ شہریار اور عینی بھی تھے۔ آغا جان، زاویار سے کہتے ہیں کہ گزرے دنوں کو بھول جاؤ اور اپنا دل صاف کر لو..... لیکن وہ کہتا ہے کہ کچھ نقصان ناقابلِ تلافی ہوتے ہیں۔ عاصمہ، زاویار کو سمجھاتی ہیں کہ آغا جان کے لیے جو کدورت اس کے دل میں ہے وہ نکال دے لیکن زاویار کہتا ہے کہ وہ یہ نہیں کر سکتا۔ زاویار، طارق اور خولہ کی انگیجمنٹ میں جاتا ہے تو طارق اس کے اور



www.pklibrary.com

آغا جان کے درمیان ہونے والی ناراضی پر بات کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ ان باتوں کو چھوڑو اور اپنی خوشی کو انجوائے کرو۔ عاصمہ، زاویار کو جلال انصاری کا فیصلہ ماننے کے لیے راضی کرنا چاہتی ہیں تو وہ بتاتا ہے کیونکہ طارق اپنی کسی ڈاکٹر کولیگ میں انٹرسٹڈ تھا اس لیے آغا جان نے طارق کو خولہ سے منسوب کر دیا حالانکہ شہریار انصاری، طارق سے عینی کا رشتہ کرنا چاہتے تھے' یہ انکشاف سن کر وہ حیران رہ جاتی ہیں۔ عاصمہ، زاویار سے وعدہ لیتی ہیں کہ وہ ان کے اور اپنے پاپا کے کیے کی سزا خود کو نہیں دے گا تو زاویار کوشش کرنے کا کہتا ہے۔ آغا جان، شہرین کے ساتھ زوی سے ملنے آتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ زاویار شادی کر لے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پاس آپ کے سوال کے جواب میں نہ کے سوا کچھ نہیں۔ زاویار باپ سے کہتا ہے کہ شیری کو اس کے نام پر نہ بٹھائیں اسے اس سے شادی نہیں کرنی ہے۔ جس پر اس کو شہرین کی طرف سے تھینکس کا میسج ملتا ہے تو اسے ایک اطمینان سا محسوس ہوتا ہے۔ زاویار اور اس کے دوستوں نے آج ایک اغوا شدہ لڑکی کو بازیاب کرایا تھا اس کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا تھا مگر اس کے گھر والے اسے قبول نہیں کر رہے تھے کہ کئی لڑکیوں کے سامنے اسے اغوا کیا گیا اب اگر وہ اس لڑکی (کلثوم) کو قبول کر لیں گے تو باقی چار لڑکیوں کی شادی میں مسئلہ ہوگا۔ زاویار، کلثوم کو یونیورسٹی کے گرلز ہاسٹل میں چھوڑتا ہے۔ نازیہ، عاصمہ کو بتاتی ہیں کہ دُرِ مکنون کی شادی عکرمہ سے ہو رہی ہے تو زاویار بہت اپ سیٹ ہو جاتا ہے۔ وہ ساحل سمندر پر آتا ہے تو کلثوم اسے فون کرتی ہے وہ فون سن کر ہاسٹل پہنچتا ہے تو وہ بتاتی ہے کہ اس کی والدہ کی طبیعت خراب ہے اور وارڈن سرفراز کے منع کرنے کی وجہ سے جانے نہیں دے رہی تو زاویار اسے اسپتال لے جاتا ہے، کلثوم کی ماں اس کی شادی ایک چار بچوں کے باپ سے کرنا چاہتی ہے اور زاویار کو کہتی ہیں کہ وہ اسے یہ شادی کرنے پر راضی کرے۔ زاویار، اسما (آفس کی لڑکی) کے ذریعے دُرِ مکنون سے بات کرتا ہے تو وہ زاویار کو دُرِ مکنون کے حوالے سے چھیڑتی ہے تو وہ اس کو بتاتا ہے کہ اس مہینے درِ مکنون کی شادی ہے وہ اس کی دوست ہے اور اس سے ناراض تھی تو وہ اس کو منانا چاہتا تھا۔ زاویار، اسما کو یہ کہہ کر بہلا دیتا ہے لیکن خود کو بہلانا اتنا ہی مشکل تھا۔ سرفراز، زاویار کو بتاتا ہے کہ بابر زمان کا پتا چل گیا ہے۔ تین سال پہلے اس کے باپ نے ایک لڑکی (دُرِ مکنون) کے اس کی نجی جیل سے بازیاب ہونے پر اس پر کیس ہونے کی وجہ سے شوکت زمان نے باہر بھیج دیا تھا اور اب وہ چند ہفتوں میں لاہور آنے والا ہے۔ زاویار لاہور جانے کا ارادہ باندھتا ہے تو سرفراز نے اسے تنبیہہ کی۔ زاویار فون کر کے آغا جان سے دو شرطیں رکھتا ہے کہ اگر وہ اس کو اپنے کچھ کام، ٹکٹس اور کیش دیں گے اور فیملی کو اس کے بارے میں نہیں بتائیں گے تو وہ لاہور آنے کے لیے تیار ہے اس پر آغا جان شیری سے شادی کا کہتے ہیں۔ زاویار، عاصمہ، مہران اور مومنہ کو بتاتا ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے ابروڈ جانا چاہتا ہے اور اس سے پہلے وہ لاہور جائے گا کیونکہ پاپا اور آغا جان بہت بلا رہے ہیں۔ عاصمہ اسے جانے کی اجازت تو دیتی ہیں لیکن سوچتی ہیں کہ نہ جانے کیا سوچا ہے زاویار نے اپنے دل میں...... سرفراز، زاویار کو بتاتا ہے کہ وہ کلثوم سے دوسری شادی کرنا چاہتا ہے، جس کی وجہ سے ننا شا اسے چھوڑ کر اپنے میکے چلی گئی ہے۔ سرفراز، زاویار کو تنبیہہ کرتا ہے کہ بابر زمان اور شوکت زمان بار سوخ اور خطرناک لوگ ہیں وہ کسی بھی طرح قانون شکنی نہ کرے۔ زاویار، سرفراز سے کہتا ہے کہ اس کی خالہ میرج بیورو چلاتی ہیں وہ کلثوم کے لیے کسی رشتے کی بات کرے گا۔ زاویار کا لاہور میں استقبال اس کی توقع سے بڑھ کر ہوا تھا۔ رات میں زاویار باہر نکل جاتا ہے تو شیری پریشان ہو کر اسے فون کر کے واپس بلاتی ہے۔ آغا جان، زاویار سے کہتے ہیں کہ گناہ کا سرزد ہو جانا بشریت ہے اور تائب ہو جانا انسان کو ولیوں کے درجے تک لے جاتا ہے۔ آغا جان کی اچانک طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ ان کی طبیعت تھوڑی ہی بہتر ہوتی ہے تو عینی، زاویار سے کہتی ہے کہ اسے دُرِ مکنون کی شادی میں لے جائے تو وہ کہتا ہے کہ آغا جان کو اس حالت میں چھوڑ کر میں نہیں جا سکتا۔ زاویار، آغا جان سے ملنے جاتا ہے تو وہ اس سے شادی کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ زاویار کہتا ہے کہ آپ ٹھیک ہو جائیں تو میں کسی بات سے انکار نہیں کروں گا۔ سب زاویار کے ہاں کہنے سے خوش ہوتے ہیں تو شیری کہتی ہے کہ میری رضامندی کی کوئی اہمیت نہیں...... شیری، زاویار سے کہتی ہے کہ کسی کو مات دینے کے لیے تم مجھے مہرہ نہیں بنا سکتے۔ زاویار کہتا ہے کہ میں آغا جان کے لیے اس فیصلے پر راضی ہوں اگر تم راضی نہیں ہو تو تم انکار کر دو۔ ابا (کامران صاحب) شیری کو بلا کر کہتے ہیں کہ ہم اس رشتے پر راضی ہیں اس لیے تم سے نہیں پوچھا لیکن تمہارا جو بھی فیصلہ ہوگا وہ ہمیں قبول ہے تو شیری کچھ کہہ نہیں پاتی اس کے سر جھکانے پر کامران صاحب اسے دعائیں دیتے کمرے سے نکل جاتے ہیں۔

## اب آگے پڑھیے

### قسط نمبر 25

''بس کیا یہی وجہ ہے زوی؟''

''ہاں یہی وجہ ہے۔''

''آر یو شیور زوی۔''



www.pklibrary.com

''یس آئی ڈو۔''

''تو گویا تم یہ سب آغا جان کی محبت میں کر رہے ہو؟''

''تمہیں کوئی شک ہے اس میں۔'' نکاح نامے پر دستخط کرتے ہوئے یہ بازگشت اس کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی۔

انصاری ہاؤس کے لاؤنج میں سب جمع تھے۔ چار گھنٹے کے نوٹس پر اس نکاح کا انعقاد ہو رہا تھا۔ عینی اسکائپ پر آغا جان، خولہ اور طارق کو لائیو دکھا رہی تھی۔

پرپل اور گولڈن کنٹراسٹ کے سوٹ میں ملبوس، برائڈل میک اپ اور جیولری سے سجی شہرین کے ساتھ بیٹھا زاویار ہمیشہ کی طرح سنجیدہ تھا۔ تاہم اس وقت اس کے چہرے پر سکون درج تھا۔ آغا جان کو خوشی دینے کے خیال نے اسے مطمئن کر دیا تھا۔

''مبارک ہو۔'' زاویار کے دستخط کرتے ہی لاؤنج میں مبارک باد کا شور اٹھ کھڑا ہوا۔

سب سے پہلے شہریار انصاری نے زاویار کو سینے سے بھینچا تھا۔ شہرین نے بلا ارادہ اس کے چہرے پر کچھ کھوجا۔ اونچا لمبا زاویار انصاری اس وقت باپ کے گلے سے لگا ہوا تھا اس کے لبوں پر سنجیدہ سی مسکراہٹ تھی۔

''ہمیشہ خوش و آباد رہو۔'' اقرار چچا کے بعد کامران صاحب نے اسے گلے سے لگایا تھا۔ مبارک باد دی۔

''سدا آباد رہو میری جان۔'' میمونہ بیگم نے آکر پیار سے اس کی پیشانی کو چوم لیا تھا اور پھر شہرین کو بھی اس کے ساتھ اٹھا کر کھڑا کیا۔

''ماشاء اللہ! کس قدر خوب صورت جوڑی ہے۔ اللہ ساتھ بنائے رکھے۔ سدا سہاگن رکھے۔''

خالہ اور ممانیوں کی دعائیں پُرخلوص تھیں۔ عینی وغیرہ اب تصویریں بنوا رہی تھیں۔ خولہ اور طارق کے خوب صورت پیغامات اسے اپنے سیل پر مل رہے تھے۔

''بھئی یہ اپنی شہرین تو پہچانی ہی نہیں جا رہی۔'' اقرار صاحب نے قریب آکر بھانجی کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

''بولتی جو بند ہے اس کی اس وقت۔''

''خیریت کیا لپ اسٹک میں ایلفی ملا دی تھی۔ جو یہ خاموش ہے۔''

''غالباً شرما رہی ہے۔''

''چلو اچھا ہے۔ کسی وجہ سے ہی سہی یہ چیٹر باکس بند ہے آج۔''

''لگتا ہے میمونہ پھوپی نے قسم دے رکھی ہے انہیں۔''

سب کی چھیڑ چھاڑ کا ہدف شہرین تھی۔

زاویار نے بے خیالی میں اس کی طرف دیکھا۔

چند گھنٹے پہلے وہ لڑکی جو اس سے دو بدو سوال جواب کر رہی تھی اسے کٹہرے میں لے آئی تھی۔ اس وقت اس کی منکوحہ کے روپ میں اس کے پہلو میں کھڑی تھی۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے دل کو کسی نے چٹکی میں لے کر مسل ڈالا ہو۔

''دُرِ مکنون، آپ کی اس لمبی پلاننگ میں ایک گھڑی ایک ہم سفر کا بھی کوئی گزر ہے کہ نہیں؟''

''اس destiny اور destination کے بیچ میں ایک راہ خواہش کی بھی ہوتی ہے۔ کیا آپ خواب دیکھنے میں بلیو نہیں کرتیں..... اور اگر آپ کسی کی خواہش کسی کا خواب ہوں تو.....؟''

''میرے گھر والے میری شادی کے لیے بے تاب ہیں اور میرا دل آپ کے لیے.....''

''جب بھی کبھی آپ نے کسی ہم سفر کا ساتھ چننا چاہا تو کیا میں اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھ سکتا ہوں؟'' خیالات



www.pklibrary.com

کی پرواز اسے کئی سال پیچھے لے گئی تھی۔
آنکھوں کی پتلیوں پر کوئی منظر آٹھہرا تھا۔
سی گرین کلر کے سوٹ میں اپنی، اپنی سی دُرِ مکنون اس کے پردۂ تصور پر ابھر رہی تھی۔
''کیوں زوی بھائی، غضب لگ رہی ہیں ناں شیری آپی۔ میں نے برائڈ بنایا ہے انہیں۔'' شیبا کی آواز اسے حقیقت کی دنیا میں بڑی بے دردی سے کھینچ لائی تھی۔
سی گرین سوٹ میں ملبوس سادہ سی دُرِ مکنون کا ہیولہ خوب صورتی کا شاہکار بنی شہرین میں ڈھلا تو وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا۔
''بولیں، بولیں۔ چپ کیوں لگ گئی آپ کو۔'' عینی نے بھی بہن کا ساتھ دیا تھا۔
اسی لمحے شہرین نے نظر اٹھا کر سر اونچا کر کے ساتھ کھڑے زاویار انصاری کو دیکھا تھا۔ دونوں کی نگاہیں ملی تھیں۔ کچھ تھا اس کی آنکھوں میں زاویار اس سے نظر نہ ملا سکا۔
''میرا خیال ہے اب ان دونوں کو آغا جان کے پاس لے چلتے ہیں۔ وہ ان دونوں کے منتظر ہیں۔ کچھ دیر میں وزیٹنگ آورز بھی ختم ہو جائیں گے۔'' وہ دونوں سب کی شوخیوں اور چھیڑ چھاڑ کی زد میں تھے کہ اقرار چچا نے آ کر سب کو الرٹ کیا۔
''کھانا تو کھا لیں یہ دونوں۔'' میمونہ بیگم نے بیٹی کی طرف دیکھا۔ جس نے دوپہر کو بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔
''کھانا بعد میں پھپھو ـــ مجھے تو یوں بھی فی الحال بھوک نہیں۔'' زاویار رسٹ واچ پر نظر دوڑاتے ہوئے فیصلہ کُن لہجے میں بولا تو صنوبر نے بے اختیار اسے ٹوک دیا۔
''تمہیں بھوک نہیں ہے مگر شہرین کو تو ہو سکتی ہے۔ خیر سے اب بیوی والے ہو گئے ہو زوی۔ اب کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت خیال رکھنا کہ دوسرے فریق سے بھی پوچھا جاتا ہے۔'' صنوبر کے لہجے میں محبت تھی شرارت بھی تھی۔
زاویار نے چونک کر بلا ارادہ شہرین کی طرف دیکھا تھا۔ پھر سنجیدگی سے سوال کیا اس سے۔
''چلنا ہے ابھی یا کھانا کھا کر نکلیں۔''
''مجھے ابھی بھوک نہیں ہے۔'' شہرین سنجیدگی سے بولی تو سب بے ساختہ ہنس پڑے۔ انداز کچھ ایسا تھا کہ وہ دونوں ہی پزل ہو گئے۔
''مما میں یہ جیولری اتار دوں۔ اسپتال جا رہی ہوں۔ بہت آکورڈ لگے گا۔'' ماں کی طرف مڑ کر کہا۔
''کوئی ضرورت نہیں۔ آغا جان کتنا خوش ہوں گے تمہیں ایسے دیکھ کر۔ اور پھر ابھی واپس آ کر بھی snaps بنائیں گے سب تمہارے اور زوی کے ساتھ۔'' میمونہ بیگم نے پیار سے منع کر دیا تھا۔
''یوں بھی زوی نے تو دل بھر کر دیکھا بھی نہیں تمہیں۔ اس سے داد و توصیف وصول نہیں کرنی؟'' صنوبر بیگم نے شوخی سے اسے چھیڑا تو شہرین مرزا کو دل کی دھڑکن میں ہلکا سا ارتعاش محسوس ہوا۔
''تو گویا تم یہ سب آغا جان کی محبت میں کر رہے ہو۔''
''تمہیں کوئی شک ہے اس میں۔''
زاویار کے ان الفاظ کی بار، بار بازگشت اس ارتعاش کو یک دم جامد کر گئی۔
''مجھے شال دے دیجیے۔'' صنوبر خالہ سے نظر چراتے ہوئے اس نے ماں کی طرف دیکھا۔
ذرا دیر بعد وہ زاویار کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر آ کر بیٹھی تو شال اس طرح سر سے لی ہوئی تھی کہ اس کا آدھا چہرہ چھپ سا گیا تھا۔ پیچھے صنوبر، عینی اور شیبا وغیرہ تھیں۔ تمام راستے ان کی چھیڑ چھاڑ اسی طرح چلتی رہی۔



www.pklibrary.com

دوسری گاڑی میں شہریار صاحب، میمونہ بیگم اور کامران مرزا بھی آرہے تھے۔ ساتھ میں ابرار اور اقرار چچا کی بیٹیاں بھی تھیں۔

شہرین نے اس خوب صورت ماحول کی تازگی کو گہری سانس کے ذریعے اندر اتارا اور کچھ دیر کے لیے پلکیں موند کر سر سیٹ سے لگا لیا۔ ڈرائیو کرتا زاویار چند ثانیے کے لیے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ اور پھر اگلے لمحے اس کی نگاہ سیاہ تارکول پر جم گئی تھی۔ آغا جان سے ملنے کی اجازت صرف ان دونوں کو ملی۔ اور وہ جو سارے جہان میں زاویار کے ساتھ گھومتی پھرتی تھی۔ آج آغا جان کے سامنے اس کی معیت میں جاتے اس کے قدم جھجک سے گئے۔

''ماشاء اللہ! میرے بچو خوش رہو۔ آباد رہو۔'' ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر آغا جان کی آنکھوں میں جیسے ستارے اتر آئے تھے۔ زاویار لپک کر ان کے پاس آیا تھا۔ پیچھے سہج، سہج قدم اٹھاتی شہرین تھی۔

''آپ خوش ہیں اب آغا جان۔'' زاویار کو اپنے اوپر جھکا کر انہوں نے اس کا ماتھا چوما تھا۔ زاویار نے ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے استفسار کیا۔

''بہت خوش ہوں میرے بچے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ تم دونوں نے جیسے ساری دنیا کی دولت میرے قدموں میں لا ڈالی ہے۔'' آغا جان کی نقاہت بھری آواز مسرت سے لبریز تھی۔ انہوں نے ذرا فاصلے سے کھڑی جھجکی، شرمائی، شرمائی سی شہرین کو دیکھا تو اشارے سے قریب بلایا۔ ''اِدھر آؤ بیٹا۔''

''جیتی رہو۔'' اس کا سر تھپکتے ہوئے انہوں نے تکیے کے نیچے سے کچھ نوٹ نکال کر شہرین کی طرف بڑھائے تو وہ سٹپٹا گئی۔

''رکھ لو بیٹا۔ بہت پیار سے دے رہا ہوں۔ بہت پیاری بیٹی ہو تم۔'' آغا جان کا بس چلتا تو ہفت اقلیم کی دولت لا کر ڈھیر کر دیتے ان دونوں کے قدموں میں۔

''تم دونوں نے میری خواہش کا مان رکھ کر جیسے دوبارہ زندہ کر دیا ہے مجھے۔''

''آپ کی ہر خوشی، ہر خواہش سر آنکھوں پر ہے آغا جان۔ میں آپ کی خاطر کچھ بھی کرنے کو تیار ہوں۔ پلیز جلدی سے صحت یاب ہو کر گھر آجائیں۔'' زاویار نے ان کا ہاتھ پھر سے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اس لمحے وہ سب کچھ بھول گیا تھا جیسے۔ نہ اسے اپنے لاہور آنے کا مقصد یاد رہا تھا نہ بابر زمان کا خیال ذہن میں تھا اس وقت۔

شہرین نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا تھا۔ جس کے چہرے اور آنکھوں سے آغا جان کی محبت عیاں تھی۔

''تو گویا تم یہ سب آغا جان کی محبت میں کر رہے ہو۔''

''تمہیں کوئی شک ہے اس میں۔''

اور اس لمحے اسے یوں لگا جیسے وہ وہاں موجود ہی نہیں ہے۔ جیسے وہ اس منظر کا حصہ ہی نہیں ہے۔ آغا جان اور زاویار انصاری کے درمیان اس کا وجود بہت مس فٹ تھا۔

''تم نے صحیح کہا تھا زوی۔ یہ سب تم نے واقعی آغا جان کی محبت میں کیا ہے۔ لیکن اس سب میں، میں کہاں ہوں؟''

☆.....☆.....☆

''دُرِ مکنون اب تمہاری ذمے داری ہے عکرمہ۔ اس کا خیال رکھنا۔ غلطی کرے تو درگزر کر دینا بیٹا۔ بچی ہے، میں جانتا ہوں کہ تمہارے ظرف کی آزمائش ہے وہ۔ مگر یہ بھی یقین ہے کہ انسان تو بہت ہوں گے مگر انسانیت بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے اور تمہارا شمار آخر الذکر لوگوں میں ہوتا ہے۔'' وہ ولی اور اطہر وغیرہ کو دروازے تک چھوڑ کر واپس آیا تو لاؤنج میں خوش مگر متفکر سے مظفر صاحب اس کے پاس چلے آئے۔

دُرِ مکنون کے ساتھ گھر کی بقیہ خواتین بھی اوپر چلی گئی تھیں۔ لاؤنج میں خاموشی تھی۔



www.pklibrary.com

''چچا جان پلیز..... ایسے مت کہیں۔ دُرِمکنون میرے لیے آزمائش نہیں ہیں۔ میں نے زندگی کا ساتھی بنایا ہے انہیں۔ آپ ان کی طرف سے بے فکر ہو جائیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اطمینان رکھیں۔ ٹرسٹ کیجیے بہت خوش ہوں میں اور ان شاء اللہ دُرِمکنون بھی خوش رہیں گی۔'' مضبوط لہجے میں کہہ کر اس نے انہیں تسلی دی تھی۔ مظفر صاحب نے اس کی کشادہ پیشانی کو محبت سے دیکھا۔

جو اس وقت مسکرا رہا تھا۔

''ان شاء اللہ۔ میری دعا ہے تم ہمیشہ خوش رہو۔''

''آمین۔'' گہری مسکراہٹ سمیت اس نے کہا تو مظفر صاحب نے اس کا کندھا تھپکا اور اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھ گئے۔

''کم آن عکرمہ۔ اب آ بھی جاؤ۔ تمہارا فوٹو شوٹ ابھی ڈیو ہے۔'' سدرہ بھابی کی آواز پر اسے اوپر کے پورشن کی طرف آنا ہی پڑا۔ اور پھر اس کے نہ، نہ کرنے کے باوجود سدرہ نے مان کر نہ دیا۔

''بس کریں بھابی۔ میرا خیال ہے آج کے لیے کافی ہے یہ سب۔''

''چپ کرو عکرمہ۔ ارے شادی کی یہ snaps تو یادگار ہوتی ہیں۔'' سدرہ نے زوم سیٹ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''یادیں یادگاروں کی محتاج نہیں ہوتیں بھابی۔'' جواباً اس نے اپنا موقف بیان کیا تو سدرہ ہنس پڑیں۔

''دیکھ لو دُرِی۔ لوگ اس قدر خوب صورت بیوی پا کر شاعری کرتے ہیں۔ جبکہ یہ صاحب ہیں کہ فلاسفی بگھار رہے ہیں۔''

''اب میں فلاسفر ہوں یا شاعر۔ گزارہ تو کرنا ہی پڑے گا مسز عکرمہ کو۔'' عکرمہ کے چہرے پر نرم مسکراہٹ تھی۔

دُرِمکنون اس وقت اپنے آپ میں کھوئی ہوئی تھی۔ دیور بھابی کی چھیڑ چھاڑ سمجھنے سے قاصر تھی۔ بالآخر کام مکمل ہوا تو سدرہ سامان سمیٹ کر کمرے سے نکلیں۔ عکرمہ دروازہ لاک کر کے پلٹا تو اسے کمرے کے بیچوں بیچ وحشت زدہ سا کھڑا پایا۔

''آرام سے بیٹھ جائیں دُرِمکنون۔ آپ کھڑی کیوں ہیں؟'' عکرمہ کے لہجے میں حد درجے نرمی تھی۔ مگر وہ دُرِمکنون کے خوف کو زائل کرنے میں ناکام رہا۔ وہ اسی طرح کھڑی رہی۔ گزرے سال میں یہ پہلی بار تھا کہ عکرمہ خود سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ دُرِمکنون کو کیسے مخاطب کرے۔ گہری سانس بھر کر اس نے سائڈ بورڈ پر رکھا بوکے اٹھایا اور نپے تلے قدم چلتا۔ اس کے پاس آ رکا۔

''ویلکم ان مائی لائف۔ مسز عکرمہ شیرازی۔'' بوکے اس کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے عکرمہ کا لہجہ ہمیشہ سے زیادہ حلاوت لیے ہوئے تھا۔ اس پر طرزِ تخاطب دُرِمکنون کے دل کو کچھ ہوا۔ وائٹ للی کے پھول اس کے پسندیدہ تھے۔ اس نے ایک نظر بوکے کو دیکھ کر عکرمہ کی طرف نگاہ اٹھائی۔

''آپ کی فرینڈ عینی نے بتایا تھا کہ آپ کو (roses) کے بجائے للی فلاورز پسند ہیں۔ اس لیے اس بار غلطی نہیں کی ہے۔'' وہ اس کے چہرے سے اس کی حیرت کو پا گیا تھا۔

ہلکے سے ہنس کر بولا تو دُرِمکنون نے چہرہ جھکا لیا۔ عینی کا ذکر اسے بہت کچھ یاد دلا گیا تھا۔

''اور یہ رہا آپ کا گفٹ۔'' اسے خاموشی سے سوچتا پا کر عکرمہ نے اپنی جیب سے کچھ نکال کر اس کی طرف بڑھایا تو وہ خود میں لوٹی۔ چونک کر عکرمہ کی جانب دیکھا اور پھر بے اختیار سر کو نفی میں جنبش دی۔

عکرمہ کے چہرے پر حیرت اتری تھی۔

''کیا ہوا؟''

''گفٹ نہیں۔ بس..... بس ایک وعدہ چاہیے آپ سے۔''

بہت اچانک بہت غیر متوقع بات کہی تھی اس نے۔ عکرمہ نے چونک کر بنظرِ غائر دیکھا اسے۔



www.pklibrary.com

آج وہ حسین نہیں حسین تر لگ رہی تھی۔ مگر خود سے کس قدر بے پروا تھی۔ اس لمحے جیسے کچھ ٹھان لیا تھا اس نے۔

''بتائیں کریں گے مجھ سے وعدہ!'' بہت امید سے وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

عکرمہ کو لگا کہ اگر اس نے انکار کر دیا تو جیسے وہ ٹوٹ کر بکھر جائے گی۔

''کیسا وعدہ۔ بتائیں کس بات کا عہد لینا چاہتی ہیں آپ؟''

نرمی سے سوال کرنا عکرمہ دُرِ مکنون کے حوصلے کا سبب بنا۔

''یہی کہ آپ دوسری شادی کریں گے۔ اور وہ بھی بہت جلد۔ پلیز وعدہ کریں مجھ سے۔''

''دوسری شادی.....!'' اس کا مطالبہ اس قدر حیران کُن تھا کہ وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

اس کے ذہن نے یک دم کچھ کیلکولیٹ کیا تھا۔

''اچھا اِدھر آئیں۔ یہاں بیٹھیں آ کر۔'' بجائے اس کے سوال کا جواب دینے کے عکرمہ نے سامنے رکھے صوفوں کی طرف اشارہ کیا۔

دُرِ مکنون کو لگا جیسے وہ بمشکل اپنے پیروں پر کھڑی ہے۔ اس لیے بلا چون و چرا... کیے صوفوں کی طرف چلی آئی۔

عکرمہ اس کے مقابل بیٹھا تو کچھ دیر سنجیدگی سے اس کی طرف نظر مرکوز رکھی۔ جس نے دُرِ مکنون کو بے چین کیا۔

''کیا میں اس مہربانی کی وجہ جان سکتا ہوں؟''

''جی؟'' دُرِ مکنون سمجھ نہیں سکی۔

''مطلب یہ کہ دوسری شادی کی اجازت تو عموماً خاتونِ خانہ مر کر بھی دینے کو تیار نہیں ہوتیں۔ جبکہ میں نے تو ایسا کوئی مطالبہ کیا بھی نہیں آپ سے۔ پھر یہ عنایت کیوں؟'' دُرِ مکنون کے چہرے پر پھیلی حیرت کے جواب میں وہ اپنی فکر چھپاتے ہوئے مسکرا کر بولا تو وہ متذبذب سی ہو کر ہونٹ کاٹنے لگی۔

''اس لیے کہ مجھے معلوم ہے آپ میرے ساتھ کبھی خوش نہیں رہیں گے۔''

وہ نہیں چاہتی تھی کہ رنجیدگی اس کے چہرے سے عیاں ہو مگر وہ اسے چھپا بھی نہیں پا رہی تھی۔

جواباً عکرمہ یک دم ہنس پڑا تھا۔

''کمال ہے، آپ نے کبھی بتایا نہیں کہ آپ کو کشف بھی ہوتے ہیں۔''

''دوسروں کے بارے میں نہ سہی۔ مگر خود سے متعلق اتنا علم تو سبھی کو ہوتا ہے۔''

نہ جانے عکرمہ طنز کر رہا تھا یا مذاق، وہ سمجھ نہیں سکی، شرمندگی سے بولی۔ پلکوں کو بھیگنے سے بچانے کے لیے اسے بہت جدوجہد کرنی پڑ رہی تھی۔

''تو پھر اپنے اس علم کی بدولت انسان کو صرف اپنے بارے میں بات کرنی چاہیے، ورنہ یہ تو بڑی ناانصافی کی بات ہے مسز کہ انسان اپنی رائے پر مبنی دوسروں کے بارے میں بھی مفروضے قائم کرے اور پھر بنا دوسرے فریق کا موقف جانے خود ہی فیصلہ بھی کر لے۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔'' وہ حقیقتاً شرمندہ ہو گئی تھی۔

''تو پھر کیسی بات ہے؟ ابھی ہماری شادی کو صرف چند گھنٹے ہوئے ہیں اور آپ نے یہ اندازہ بھی لگا لیا کہ میں آپ کے ساتھ خوش نہیں رہوں گا۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ دُرِ مکنون لاجواب سی سر جھکا گئی۔

''ویسے آپ کا نام گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں آنا چاہیے۔ کیونکہ آپ غالباً دنیا کی وہ واحد بیوی ہیں جس نے شادی کی پہلی رات اپنے شوہر سے ایک عدد سوتن کا مطالبہ کیا۔ ورنہ اب تک تو یہی سنتے آئے ہیں کہ بسترِ مرگ پر بھی بیوی اپنے شوہر سے دوسری شادی نہ کرنے کا وعدہ لے رہی ہوتی ہے۔'' اس کی خاموشی پر وہ بولا تو دُرِ مکنون



www.pklibrary.com

نے پشیمانی سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

''آپ پلیز میری بات کو سنجیدگی سے لیجیے۔ میں واقعی سچ کہہ رہی ہوں۔'' عکرمہ کی مسکراہٹ پر وہ پریشان سی کہہ اٹھی تھی۔ جس پر عکرمہ کے لبوں پر سجی مسکراہٹ آہستہ، آہستہ غائب ہوگئی۔

''جھوٹ میں بھی نہیں کہہ رہا مسز عکرمہ۔ میں جانتا ہوں کہ لوگوں پر سے آپ کا اعتماد متزلزل ہو چکا ہے مگر مجھے... اپنے آپ کو اور اس رشتے کو ایک موقع دے کر تو دیکھیں۔ مجھے یقین ہے آپ کے سارے خدشے غلط ثابت ہوں گے۔''

دُرِ مکنون بے چینی سے اسے سن رہی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کس طرح قائل کرے۔ اسے شدید رنج نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا کہ وہ ایک بار پھر سائرہ بیگم کے لیے تکلیف کا باعث بنی ہے۔ اس لیے یہی بہتر سمجھا کہ وہ خود ہی اس کھیل کا اختتام کر ڈالے۔

''میں اس یقین اور بے یقینی کے کھیل میں آپ کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ آپ کی فیملی کے بہت ارمان آپ سے وابستہ ہیں۔ میری وجہ سے وہ کبھی پورے نہیں ہوسکیں گے۔''

''اور میں؟ کیا میری سوچ، میرے خواب، میرے احساسات کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے آپ کے نزدیک۔ میں نہیں جانتا دُرِ مکنون کہ اب تک آپ نے مجھے اپنے دل میں جگہ دی ہے یا نہیں۔ مگر میں دے چکا ہوں آپ کو۔ آپ کا ایک خاص مقام ہے میرے دل میں۔ میری زندگی میں دُرِ مکنون۔'' وہ چپ ہوئی تو وہ بے ساختہ بولتا چلا گیا تھا۔ اس کے لہجے میں خلوص تھا۔ آنکھوں میں بے ریا جذبے۔ لیکن دُرِ مکنون کے حواسوں پر سائرہ بیگم سوار تھیں۔

''مگر اس رشتے میں کوئی زبردستی ہے نہ جلدی۔ میں آپ کو رشتہ نبھانے کے لیے فورس نہیں کروں گا لیکن بدلے میں آپ سے بھی یہی چاہوں گا کہ آپ مجھ سے اس قسم کا مطالبہ دوبارہ نہیں کریں گی۔'' عکرمہ کا انداز اب دوٹوک تھا۔

دُرِ مکنون نے سہمی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں جانتا ہوں کہ میں کوئی پرفیکٹ انسان نہیں ہوں۔ اپنی کمیوں بیشیوں کے ساتھ ہوں۔ مگر آپ کو خوش رکھنے کی ہمیشہ کوشش کروں گا۔ یقین کریں میری طرف سے کبھی کوتاہی نہیں ہوگی۔ بس ٹرسٹ کیجیے مجھ پر اور خود پر بھی.....'' کئی دن بعد وہ اسے ناصحانہ انداز میں سمجھا رہا تھا۔

دُرِ مکنون کے حلق میں آنسوؤں کی نمی سے کڑواہٹ گھل رہا تھا اس لمحے۔

''آپ ایک بہت اچھی لڑکی ہیں درمکنون۔ بس اپنی منفی سوچوں کو ذہن سے جھٹک دیں تو یقین جانیں زندگی جنت بن جائے گی آپ کے اور میرے لیے۔'' اس کی آنکھوں سے ٹپ، ٹپ آنسو ٹپکنے لگے۔

''میں اگر شاعر ہوتا تو کوئی خوب صورت سی غزل کہتا۔ آپ کے حسن کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے مگر کیا کروں سادہ سا digits سے کھیلنے والا بندہ ہوں۔ اس لیے بس اتنا ہی کہوں گا کہ آپ سے زیادہ حسین لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی اور نہ دیکھنا چاہتا ہوں۔'' جملے کے اختتام پر وہ مسکرایا تھا اور پھر ٹیبل پر رکھے ٹشو باکس سے ایک ٹشو نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

''پلیز آنسو خشک کرلیں۔ میں گلٹی فیل کر رہا ہوں۔'' کچھ تھا اس کے انداز میں دُرِ مکنون شرمندگی سے آنسو صاف کرنے لگی۔

''یہ میری طرف سے آپ کے لیے ایک چھوٹا سا گفٹ ہے۔'' مخملیں ڈبیا اس کی طرف دوبارہ بڑھائی تو وہ تذبذب میں پڑ گئی۔

''ایک نظر دیکھ لیں۔ پسند نہ آئے تو اسے بھی ریجیکٹ کرنے کا حق رکھتی ہیں آپ۔'' وہ طنز نہیں کر رہا تھا مگر ہلکا



www.pklibrary.com

سا شکوہ تھا لہجے میں۔

دُرِ مکنون یک دم دونوں ہاتھ میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

عکرمہ متاسف سا اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر کیسے وہ اس لڑکی کا دل اور اعتماد جیت پائے گا۔

☆.....☆.....☆

''مما پلیز میں اس حلیے میں ہوٹل نہیں جاؤں گی۔'' اسپتال کی لابی میں کھڑے وہ سب لوگ ابھی یہ فیصلہ کرنے میں لگے تھے کہ ڈنر کے لیے کون سے ہوٹل چلا جائے۔ شہرین نے ماں کے کان میں التجائی سرگوشی کی تھی۔

''کیا مطلب اس حلیے میں؟ دلہن ہو تم چند گھنٹوں کی۔'' میمونہ نے باقاعدہ آنکھیں دکھائی تھیں اسے۔

آغا جان کا حکم تھا کہ اس نئے نویلے جوڑے کو ڈنر کسی ہوٹل میں کرا کے گھر لے کر جایا جائے۔

''بہت اوور لگ رہی ہوں میں اس طرح۔ پلیز جیولری تو اتارنے دیں۔'' وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

''اوور نہیں دلہن لگ رہی ہو۔ ماشاء اللہ بہت روپ آیا ہے تم پر۔'' میمونہ نے محبت سے بیٹی کو دیکھا تھا۔ جس کی شادی کا ارمان جانے کتنے سالوں سے دل میں چھپا رکھا تھا۔ زاویار ان کا من پسند داماد تھا اور لاڈلا بھتیجا بھی۔ اس وقت ان کی خوشی آسمان کو چھو رہی تھی۔ اس خوشی نے باپ کی علالت کا غم بھی دھندلا دیا تھا جیسے۔ حتیٰ کہ اپنے بیٹے طارق کی کمی بھی انہیں بہت زیادہ محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

''بالکل صحیح کہا پھپھو نے۔ خبردار شیری آپی! ذرا جو سنگار میں کمی آنے دی آپ نے۔'' شیبا اور عینی ثنا سمیت سر پر سوار تھیں۔ اقرار اور ابرار چچا جی بیٹیاں بھی ساتھ تھیں۔ پھر اس کی ایک نہ چلی۔

ڈنر میمونہ بیگم اور کامران صاحب کی طرف سے تھا۔ آغا جان کے ڈاکٹر نے بھی ان کی طرف سے تسلی بخش رپورٹ دی تھی۔ لہٰذا ٹیبل پر ماحول بڑا خوشگوار تھا۔

''زاویار خود ہی کھائے جا رہے ہو۔ ساتھ میں بیوی بیٹھی ہے تمہاری اسے بھی تو پوچھو۔''

صنوبر پھپھو نے اچانک ہی اسے مخاطب کر لیا تھا۔ جو اس وقت اقرار چچا کے ساتھ آغا جان کی حالیہ رپورٹ پر تبصرہ کرنے میں مصروف تھا۔

پھوپی کے کہنے پر اس نے ساتھ بیٹھی شہرین پر نظر ڈالی۔ نکاح کے بعد سے لے کر اب تک شہرین کافی چپ تھی۔

''بی ایزی شیری۔ سب گھر والے ہی تو ہیں ساتھ۔ کھانا ٹھیک سے کھاؤ۔ تمہیں رائس دوں؟''

زاویار کا انداز اور لہجہ معمول کا سا تھا۔

شہرین نے گہری نظر سے اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ بھی سپاٹ تھا۔

''نہیں..... مجھے نہیں چاہیے۔'' اس کا تو یوں کچھ کھانے کو مطلق دل نہیں چاہ رہا تھا۔ جو پلیٹ میں صنوبر نے نکال کر دیا تھا وہ وہی نہیں کھا پا رہی تھی۔

''اُف کتنی پیاری لگ رہی ہے اپنی دُری۔ دیکھیے تو شیری آپی زوی بھائی۔'' ٹھیک اسی لمحے عینی نے اچانک خوشگواریت سے کہتے ہوئے اپنا سیل فون ان دونوں کے سامنے کر دیا تھا۔

زاویار انصاری کا ہاتھ پانی کی طرف بڑھتے، بڑھتے ایک سیکنڈ کے لیے رکا۔

حسین عروسی جوڑے میں کسی کی بات پر مسکراتے ہوئے وہ بے تحاشا حسین لگ رہی تھی۔ زاویار تو زاویار، شہرین بھی لمحہ بھر کے لیے نظر نہیں ہٹا سکی۔

''ذرا دکھاؤ تو۔'' صنوبر، پھپھو نے عینی کا سیل اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔

''ماشاء اللہ، اللہ نصیب اچھے کرے۔ آج ہی شادی تھی اس کی بھی؟'' تصویریں دیکھ کر وہ پوچھنے لگی تھیں۔



www.pklibrary.com

''جی..... یہ ردا آپی نے بھیجی ہے مجھے ابھی۔ میں کل سے زوی بھائی کا سر کھا رہی تھی کہ مجھے کراچی دُرّی کی شادی میں لے جائیں۔ کیا معلوم تھا کہ آج اپنے بھائی کو دولھا اور شیری آپی کو دلہن بنا دیکھوں گی۔'' عینی کی خوشی دیدنی تھی۔

''چلو اب تو خوش ہو ناں۔ کراچی جانے سے زیادہ خوشی ملی تمہیں یہاں۔'' زاویار نے ہلکے سے بہن کا سر تھپکا اور نظر..... دُرِ مکنون کی تصویر ہٹالی۔

''آف کورس بھائی!'' عینی خوش تھی۔

''اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ آج اگر تم کراچی چلی گئی ہوتیں تو اس وقت طارق کی طرح تم بھی اسکائپ پر دیکھ رہی ہوتیں اپنے بھائی کی شادی۔''

صنوبر پھپھو نے بردباری سے کہا تو وہ سب سر ہلانے لگے۔

''نہ جانے مجھے اور زاویار کو اس نئے بندھن میں باندھنے میں اللہ کی کیا مصلحت ہے۔ اور دُرِ مکنون کو زاویار سے دور کرنے میں کون سی بھلائی۔''

عینی اسے ایک کے بعد دوسری تصویر دکھا رہی تھی۔ دُرِ مکنون دلہن بن کر غیر معمولی حد تک اچھی لگ رہی تھی۔ شہرین اسے دیکھتے ہوئے سوچے گئی۔ یہاں تک کہ سب لوگوں نے واپسی کا ارادہ باندھا۔

اور جس وقت وہ سب انصاری ہاؤس پہنچے۔ ان کے پیچھے رہ جانے والوں نے زاویار کے کمرے کو ٹھیک ٹھاک سجا دیا تھا۔

سائڈ ٹیبلز اور بیڈ کراؤن پر بوکے رکھے گئے تھے۔ دیواروں پر پھولوں کی لڑیاں لٹکا دی گئی تھیں۔ بیڈ پر نفیس سا بیڈ کور ڈالا گیا تھا۔ حتیٰ کہ کرٹنز بھی بدل دیے گئے تھے۔ اصلی پھولوں کی خوشبو سے کمرا مہک رہا تھا۔

زاویار کمرے میں داخل ہوا تو اپنا کمرا پہچانا نہیں جا رہا تھا۔ اس کے کمرے کا پرانا صوفہ نکال کر وہاں خوب صورت دیوان سجا دیا گیا۔ جسے پچھلے ہی ہفتے آغا جان نے آرڈر کیا تھا۔

غور کرنے پر اندازہ ہوا کہ بیڈ کی سائڈ ٹیبلز پر رکھے لیمپس بھی بدل دیے گئے تھے۔ کرسٹل کٹ والے شیڈز کی روشنی کمرے کو اور بھی روشن بنا رہی تھی۔ چند گھنٹوں میں کمرے کا نقشہ بدل دیا گیا تھا۔ وہ متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر لیڈیز پرفیوم اور میک اپ کٹس کا اضافہ بھی نظر انداز کیے جانے کے لائق نہ تھا۔ نہ جانے آغا جان کب سے یہ تیاریاں کر رہے تھے۔

اس نے گہری سانس بھر کر شہرین کی طرف دیکھا۔ جو چپ چاپ دیوان کے ساتھ پڑے سنگل صوفے پر بیٹھی اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں حیرت بھری ستائش تھی۔

''تم سینڈلز اتار کے ایزی ہو کر بیٹھ جاؤ شیری۔''

زاویار کے تردد سے کہنے پر شہرین نے اس کی جانب دیکھا تھا۔ پھر مدھم لہجے میں بولی۔

''اٹس اوکے..... میں ایزی ہوں۔''

''کبھی، کبھی چیزیں کس قدر تیزی سے تبدیل ہو جاتی ہیں شیری۔ جیسے یہ کمرا.... اور جیسے تمہاری میری زندگی۔'' کچھ دیر دونوں کے درمیان خاموشی گونجتی رہی جسے زاویار کی آواز نے توڑا۔

کافی کلر کا کوٹ اتار کر الماری میں ٹانگتے ہوئے وہ بولا تو انداز تمہیدی تھا۔ شہرین نے کوشش کر کے توجہ اس کی جانب مبذول کی۔

''میں جانتا ہوں یہ سب کچھ تمہارے اور میرے لیے بہت اچانک ہے شیری۔ مگر شاید یہ سب ایسے ہی ہونا تھا اور امید کرتا ہوں کہ آغا جان کی خاطر اٹھایا یہ قدم تمہیں اور مجھے منزل کی جانب لے چلے گا۔''



www.pklibrary.com

زاویار کا یہ لہجہ یہ انداز اور یہ گفتار۔ شہرین کے لیے قطعی نیا تھا۔ اجنبی تھا۔

''مگر جو رشتے کسی دوسرے کی خاطر کسی مجبوری کے تحت باندھے جائیں، وہ بے روح جسم کی طرح ہوتے ہیں زاویار انصاری..... جن میں نہ زندگی کی حرارت ہوتی ہے اور نہ محبت کی حدت۔'' وہ سوچ رہی تھی مگر کہہ نہ سکی۔ اور سر جھٹک کر اس کی جانب دیکھا جو الماری میں کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پلٹا۔

''سوری۔ سب کچھ اس قدر جلدی میں ہوا کہ میں تمہارے لیے ڈھنگ سے کچھ لے بھی نہیں سکا۔ البتہ یہ رنگ ہے۔ آج تمہیں دینے کے لیے میرے پاس اس رنگ کے سوا کچھ بھی نہیں۔'' اس کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے زاویار نے اس کی جانب بلو کلر کا رنگ کیس بڑھایا تھا۔

''کون سا گفٹ؟ آر یو شیور کہ آپ نے مجھے کوئی گفٹ دیا تھا۔ مگر مجھے تو کسی گفٹ کے اوپر آپ کا نام نہیں ملا۔ ہاں البتہ ایک بے نام تحفہ ضرور ملا۔ کیا وہ آپ نے دیا تھا۔''

ماضی کی حسین یادوں سے نکل کر ایک آواز پھر اس کے گرد پھیل گئی تھی۔ اسے اپنا لہجہ تھکا تھکا اور چہرہ دھواں، دھواں محسوس ہوا۔

یہ رنگ شہرین کو دیتے ہوئے اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سینے سے دل نکلا جا رہا ہو۔

''معاف کر دینا دُرِ مکنون۔ اب میری ہر شے پر شہرین کا حق ہے۔ بس ایک یہ دل ہے کہ تمہارے سوا کسی کا ہوتا ہی نہیں۔''

''تھینک یو۔'' ایک عالمِ بے اختیاری میں اس نے زاویار کے بڑھے ہوئے ہاتھ سے رنگ باکس لے کر کھولا تھا۔ وائٹ گولڈ کی رنگ میں لگے سفید اور نیلے نگینے چمک کر اپنی بہار دکھا رہے تھے۔


طاہر جاوید مغل کے سحر انگیز قلم کا جادو

کانچ محل

خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ سسپنس ڈائجسٹ

حساس معاشرتی پہلوؤں پر ایک جراح کی نشتر کاری.....

رنگین و سنگین احساسات و جذبات کی جنگ اور

عبرت اثر انجام پر مشتمل ایک خوبصورت داستان

بہت جلد سسپنس کے صفحات کی زینت




www.pklibrary.com

''دیکھیے مسٹر زاویار نہ میں بے نام تحفے قبول کرتی ہوں نہ بے نام تعلق استوار۔'' دُرِ مکنون جیسے یہیں کہیں موجود تھی۔

دھڑکن کا تسلسل، ہو تم اور مجھ میں مسلسل ہو تم

اس نے لاشعوری طور پر سر جھٹکا اور شہرین کی طرف دیکھا جو چپ چاپ رنگ کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

''تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا اس میں شہرین کا کوئی قصور نہیں۔ وہ بہت اچھی بچی ہے زندگی سے بھرپور۔ اس کا ساتھ تمہارے لبوں پر مسکراہٹیں بکھیر دے گا زوی بیٹا۔ اس رشتے کو ایمانداری سے نبھانے کی کوشش کرنا۔ بہت مان ہے مجھے تم پر۔''

آغا جان کی نصیحت بھری درخواست اس کے کانوں میں گونجی تو وہ خود میں لوٹا اور گہری سانس بھرتے ہوئے شہرین کے مقابل آ بیٹھا۔

''پسند آئی تمہیں؟'' رنگ نکال کر شہرین کی انگلی میں پہناتے ہوئے وہ شعوری کوشش کر کے مسکرایا تھا۔

''تمہاری چوائس ہے زوی۔ کیسے پسند نہ آتی۔'' شہرین نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھ کر کہا جو رنگ پہننے سے جیسے سج سا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

''بس کریں دُرِ مکنون۔ مت روئیں اتنا۔'' اسے پانی لا کر دیتے ہوئے عکرمہ کا ذہن اس کے آنسوؤں کا محرک تلاش کرنے میں لگا ہوا تھا۔ دُرِ مکنون بمشکل خود کو کنٹرول کر سکی اور کچھ منٹوں بعد وہ چپ ہوئی تو عکرمہ نے پوچھا۔

''کیا ہوا ہے؟ کسی نے کچھ کہا ہے آپ سے؟'' وہ جیسے کسی نتیجے پر پہنچا تھا اس لمحے۔

''نہیں۔'' اس کا سر نفی میں ہلا۔

''کچھ تو ضرور ہوا ہے۔ آج پارلر سے آنے کے بعد بال روم جانے سے پہلے تک آپ بالکل ٹھیک تھیں۔ پھر نکاح کے بعد ایسا کیا ہوا ہے کہ آپ اس طرح اپ سیٹ ہو گئی ہیں؟'' عکرمہ کے سنجیدگی سے پوچھنے پر اس نے نظر جھکا لی۔ مبادا وہ اس کی آنکھیں ہی پڑھ ڈالے۔

''ایسا کچھ نہیں ہوا ہے۔ جیسا آپ سمجھ رہے ہیں۔ مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا۔'' عکرمہ کی گہری نظروں کے ارتکاز پر اسے کہنا ہی پڑا تھا۔

''تو گویا یہ فرمائش آپ کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے۔'' وہ بے یقین تھا جیسے۔

''دوسری شادی کرنا کوئی غلط کام تو نہیں ہے۔'' دُرِ مکنون نے نگاہ چرا کر کہہ دیا تھا۔

''ہوں، دوسری شادی کرنا غلط نہیں ہے مگر کسی اور کی زبردستی دوسری شادی کروانا درست فعل نہیں ڈیئر مسز۔'' عکرمہ کا طرزِ تخاطب اسے نظر جھکانے پر مجبور کر گیا تھا۔

''میں نے کوئی زبردستی نہیں کی۔ آپ ٹھنڈے دماغ سے سوچ کر تو دیکھیے ایسا کرنے میں بھلائی ہے آپ کی۔''

''برائی تو نہ کرنے میں بھی نہیں ہے۔'' عکرمہ سے بحث میں جیتنا مشکل تھا۔ مگر اس وقت دُرِ مکنون کچھ سوچ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

''آپ خوش رہیں گے اس طرح۔ ابھی ہی دیکھ لیں۔ ان چند گھنٹوں میں بھی سوائے اسٹریس کے کیا دیا میں نے آپ کو۔''

یہ پہلی بار تھا کہ دُرِ مکنون اس طرح ضد پر اتر آئی تھی۔ عکرمہ نے کچھ سوچتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ آج کی رات جب وہ دُرِ مکنون سے بہت مختلف رویے کی امید رکھ رہا تھا، وہ گزرے دنوں کے مقابلے میں بہت پُراعتماد تھی۔



www.pklibrary.com

''دے تو میں بھی کچھ نہیں سکا آپ کو۔ ایک عہد تک تو دیا نہیں آپ کو۔ تو کیا اس بنیاد پر آپ مجھ سے راستہ علیحدہ کرنے کا فیصلہ کر سکتی ہیں؟''

سوال سخت تھا۔ دُرِ مکنون لاجواب سی اسے دیکھنے لگی تھی۔ اس کے دل کو اس استفسار نے بری طرح جھنجوڑا تھا۔

''میں سمجھ نہیں پا رہا کہ اس قدر مایوسی کیوں ہوئی آپ کو خود سے، مجھ سے اور اس رشتے سے۔''

کیا اس نے عکرمہ کو الجھا دیا ہے؟ پشیمانی کے احساس سے اس کی پلکیں بوجھل ہو گئیں۔

''ایز وے۔ آپ نے میرے لیے اس قدر حساسیت کے ساتھ سوچا۔ میری فکر کی، آئی ایم رئیلی گریٹ فل۔ آپ نے واقعی ثابت کر دیا ہے کہ آپ میرے لیے ایک بہت اچھی بیوی رہیں گی۔ دادی نے ٹھیک کہا تھا۔ میں واقعی بہت لکی ہوں۔'' کچھ دیر خاموشی کے بعد وہ بولا تو اس کا لہجہ بھی مسکرا رہا تھا۔ دُرِ مکنون نے بے اختیار نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''چائے پئیں گی؟'' نظروں کے ٹکراؤ پر اس نے یک دم استفسار کر لیا تھا۔

دُرِ مکنون نے بلا ارادہ نفی میں سر ہلا دیا۔

''پی لیں۔ اچھا فیل کریں گی۔ میں بنا کر لاتا ہوں۔'' وہ تحکم سے کہتا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھولتا۔ باہر سے آنے والی آوازوں نے ان دونوں کو چونکا دیا تھا۔

دادی کی گھبرائی ہوئی آواز پر عکرمہ کے دروازے کی طرف بڑھتے قدموں کی رفتار میں تیزی آئی تھی۔

دُرِ مکنون کا دل بری طرح دھڑک اٹھا۔ وہ متوحش سی باہر نکلی تھی۔ سامنے دادی کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے عکرمہ کی تقلید کرتے ہوئے بھاری شرارے کے باعث اس کی رفتار قدرے کم تھی۔

''سائرہ بیٹا۔ ہوش کرو، ہوش کرو۔'' اماں بستر پر بے ہوش پڑی سائرہ بیگم کو ہلا جلا رہی تھیں اور بری طرح گھبرائی ہوئی تھیں۔

''عبید بیٹا جلدی آؤ۔''

''کیا ہوا دادی۔ کیا ہو گیا چچی جان کو۔'' عکرمہ متفکر سا اندر آیا تھا۔

دادی اسے اور اس کے پیچھے آتی دُرِ مکنون کو دیکھ کر شرمندہ سی ہو گئیں۔

''بس بیٹا اچانک بے ہوش ہو گئی۔ مجھ سے بات کر رہی تھی ابھی۔'' دادی کے اوسان خطا تھے۔ عکرمہ نے آگے بڑھ کر سائرہ بیگم کی نبض چیک کرنے کے لیے ان کا ہاتھ اٹھایا تو اس میں دبے ہوئے کاغذ پر نظر پڑی۔ اس نے آہستگی سے کاغذ نکال کر پڑھا تھا۔ پھر تشویش سے دادی کی جانب دیکھا تو وہ یک دم رو پڑیں۔

''آج صبح کی ڈاک سے آیا تھا لفافہ۔ سائرہ مصروف تھی اس لیے اس وقت اٹھا کر رکھ دیا تھا۔ ابھی ذرا دیر پہلے یہ لفافہ کھولا تو۔'' دادی کی آنکھوں سے یکدم آنسو بہہ نکلے تھے۔

دُرِ مکنون گھبرائے ہوئے انداز میں ان دونوں کو دیکھ اور سن رہی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن دادی کی بات پر یک دم تیز ہوئی تو اس نے آگے بڑھ کر عکرمہ کے ہاتھ سے کاغذ لے لیا۔ آصف نے ردا کو دوسری طلاق بھی لکھ بھیجی تھی۔

''نن..... نہیں۔'' وحشت زدہ انداز میں کاغذ پھینک کر وہ سائرہ بیگم کے بے ہوش وجود کو دیکھنے لگی۔ عکرمہ انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس دوران سدرہ اور عبید بھی کمرے میں داخل ہوئے۔

سدرہ نے گھبرائے ہوئے انداز میں دلہن بنی آنسو بہاتی دُرِ مکنون کو خود سے لگایا تو وہ یک دم بلک، بلک کر رونے لگی۔

''میمی کو ٹھیک ہونا ہوگا بھابی نہیں تو.....''



www.pklibrary.com

''ریلیکس میری جان۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' سدرہ کی سمجھ سے بالاتر تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔
عکرمہ نے بھائی اور بھابی کو مختصر ساری بات کہہ سنائی۔
''چچا جان کہاں ہیں اس وقت؟'' عبید فکرمند ہوئے۔
''وہ غالباً سو رہے ہیں۔ جبھی چچی جان یہاں اوپر دادی کے پاس آئی تھیں۔'' عکرمہ نے جواب دیا تھا۔
''میں گاڑی نکالتا ہوں۔ تم چچی جان کو نیچے لانے میں ہیلپ کرو۔ ہمیں اسپتال جانا ہوگا عکرمہ۔''
عبید نے سائرہ بیگم کو ہلا جلا کر دیکھا۔ اور پھر یک دم فیصلہ کُن لہجے میں کہہ کر دادی کی طرف مڑے۔
''آپ فکرمند نہ ہوں دادی۔ چچی جان صدمے کی وجہ سے بے ہوش ہوگئی ہیں۔ ٹھیک ہو جائیں گی۔ آپ دعا کریں۔''
''میں بھی ساتھ جاؤں گی۔'' دُرِمکنون نے بے ساختہ کہا تو دونوں بھائیوں نے یک دم اس کی جانب نگاہ اٹھائی۔
''میرا نہیں خیال کہ اس کی ضرورت ہے۔ آپ اور عکرمہ یہیں رہیں دادی کے پاس۔ میں اور سدرہ جائیں گے اسپتال۔''
عبید نے جواب دینے میں پہل کی تو دُرِمکنون نے تڑپ کر عکرمہ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں التجا تھی۔
''پلیز۔'' وہ پھر سے رو پڑی تھی۔
''اوکے، آپ چینج کر لیں۔ میں لے جاتا ہوں آپ کو۔''
عکرمہ نے چند ثانیے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر فیصلہ کُن لہجے میں بولا۔
''مگر۔'' عبید اور دادی نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ اس نے یک دم دُرِمکنون کو مخاطب کر لیا تھا۔
''صرف پانچ منٹ ہیں آپ کے پاس۔ جتنی دیر میں ہم چچی جان کو کار تک لے کر جاتے ہیں آپ تیار ہو کر نیچے آجائیں۔''
عکرمہ کے کہتے ہی وہ جیسے زندان سے آزاد ہوئی تھی۔ کمرے سے نکلتے، نکلتے اس کی نگاہیں سائرہ بیگم کو فکرمندی سے دیکھتی رہی تھیں۔
''یہ تم کیا کر رہے ہو عکرمہ۔ میں اور سدرہ لے جائیں گے چچی جان کو۔ چچا جان کی اگر آنکھ کھلی تو انہیں بھی تو کوئی جواب دینے والا، سنبھالنے والا ہونا چاہیے گھر پر۔'' سائرہ بیگم کو کار تک پہنچاتے ہوئے عبید نے عکرمہ سے اختلاف رائے کیا تھا۔
''تو آپ اور بھابی رہ جائیں گھر پر۔ دُرِمکنون بہت اپ سیٹ ہیں چچی جان کی وجہ سے۔ وہ انہیں چھوڑنے پر ہرگز راضی نہیں ہوں گی اس لیے میں نے منع نہیں کیا انہیں۔'' عکرمہ سائرہ کے ساتھ، ساتھ دُرِمکنون کے لیے بھی فکرمند تھا۔
بہت ردوکد کے بعد بمشکل وہ عبید کو گھر رہنے کے لیے قائل کر سکا۔ اتنی دیر میں دُرِمکنون گلابی سوٹ میں ملبوس کالی شال اوڑھے نیچے آگئی تھی۔ اس کے بیٹھتے ہی عکرمہ گاڑی زن سے نکال لے گیا۔
''یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ میمی پلیز آنکھیں کھولیں پلیز۔ دیکھیں تو میں ہوں آپ کے پاس۔ آپ کی ہر بات مانوں گی۔ یقین کریں۔ بس پلیز آنکھیں کھول دیں۔'' باوجود کوشش کے وہ خود پر قابو نہیں رکھ پا رہی تھی بری طرح روتے ہوئے وہ سائرہ بیگم سے مخاطب تھی۔
''ایمرجنسی'' میں سائرہ بیگم کو فوری طبی امداد دی گئی تھی اور اتفاق سے سائرہ کی ڈاکٹر دوست اس وقت ڈیوٹی پر موجود تھیں۔ انہوں نے سائرہ بیگم کو فوراً ہینڈل کیا اور انہیں اندر لے گئیں۔
''بہت صحیح ٹائمنگ ہے تمہاری سائرہ۔ میری ڈیوٹی ابھی کوئی گھنٹا پہلے ہی شروع ہوئی ہے۔'' ڈاکٹر مہناز ایگزامینیشن روم کا دروازہ بند کر کے سائرہ شیرازی کی طرف پلٹیں۔ جنہیں نرس بیڈ پر لٹا کر باہر جا چکی تھی۔



www.pklibrary.com

''اگر گھنٹا پہلے تم کو یہاں لایا جاتا تو تمہارا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا۔''

''مجھے تمہاری ڈیوٹی آورز کے بارے میں افروزہ نے بتادیا تھا۔ اس لیے میں نے یہی ٹائم چنا تھا اس کام کے لیے۔'' بلڈ پریشر اپریٹس اپنے بازو پر سے ہٹاتے ہوئے وہ اٹھ بیٹھی تھیں۔

''اوں ہوں۔ لیٹی رہو۔ کہیں کوئی نرس اچانک نہ آجائے۔ گو کہ میں نے منع کردیا ہے کسی کو بھی اِدھر آنے سے مگر پھر بھی احتیاط بہتر ہے۔'' مہناز نے انہیں اٹھتے دیکھ کر ٹوکا تو وہ دوبارہ لیٹ گئیں۔

''ویسے اگر تمہارے گھر والے تمہیں کسی اور اسپتال لے جاتے تو؟''

''نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا تھا۔ ایک تو یہ اسپتال میرے گھر سے سب سے نزدیک ہے۔ دوسرے کل رات ہی میں نے قصداً عکرمہ اور عبید وغیرہ کے سامنے تمہارا ذکر کیا تھا کہ میں اپنا بی پی وغیرہ ٹیسٹ کرانے تمہارے پاس آؤں گی۔ ایک دو روز میں۔'' سائرہ بہت مطمئن لہجے میں بولیں تو مہناز مسکرادیں۔

''ہوں، مان گئے تمہاری تدبیر کو۔''

''تھینکس کہ تم نے ہیلپ کرنے کی حامی بھرلی۔''

''کیسے نہ بھرتی۔ افروزہ کو میں انکار نہیں کرسکتی۔ تمہیں تو معلوم ہے بہت لاڈلی بہن ہے وہ میری اور پھر تمہاری پرابلم اس قدر geniun ہے کہ میرا خود دل چاہا کہ تمہارا ساتھ دوں۔ حالانکہ یہ سب کرنا بہت ان پروفیشنل ہے۔''

''آئی نو، اینڈ آئی ایم رئیلی گریٹ فل۔'' سائرہ شیرازی کے چہرے پر لمحے بھر کے لیے پشیمانی کا رنگ ابھرا جسے ان کی زہریلی سوچوں نے فوراً پھیکا کرڈالا۔

''بہرحال اب یہ سوچو کہ تم میری فیملی سے کیا کہوگی میرے بارے میں۔''

''یہ تو تم ہی بتاؤ کہ کیا کہوں؟'' ڈاکٹر مہناز نے الٹا سوال کرڈالا تھا۔

''کچھ بھی ایسا کہو کہ وہ میری ہر بات ماننے پر راضی ہوجائیں۔ تم تو جانتی ہو آج کل اولاد والدین کے کہنے میں کہاں رہی ہے۔ ہر کوئی اپنی چلانا چاہتا ہے۔ چاہے والدین کا دل کتنا ہی دکھی کیوں نہ ہو۔''

''ہوں، جانتی ہوں۔'' ڈاکٹر مہناز نے گہری سانس بھری۔

افروزہ کے ذریعے انہیں علم تھا کہ ڈاکٹر مہناز کی اکلوتی اولاد انہیں اپنی ہٹ دھرمی کے باعث چھوڑ کر جاچکی ہے۔ اس لیے ان کی دکھتی رگ کو چھیڑا تھا انہوں نے۔ اور ان کا یہ داؤ خالی نہیں گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

دُرِمکنون اور عکرمہ کو باہر بیٹھے تقریباً گھنٹا ہوچلا تھا اور یہ وقت گویا دُرِمکنون کے دل پر سے گزرا تھا۔ پل، پل اذیت لمحہ، لمحہ پچھتاوا۔

''یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا۔ کاش میں نے ممی کی بات مان لی ہوتی۔ انہیں وہ خوشی دے دی ہوتی جو وہ چاہتی تھیں۔'' بار، بار یہ خیال اس کے دل کو چھیڑ کر دکھی کر جاتا۔

''اونہوں۔'' کاش'' شیطانی کلمہ ہے۔ جو ہوا وہ ایسے ہی ہونا تھا۔ تمہیں اس طرح نہیں سوچنا چاہیے۔''

طاہرہ آنٹی کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجے تو وہ سر جھٹک کر دعا کرنے لگی۔

کاریڈور میں لگی بینچ پر بیٹھی وہ اس قدر خوفزدہ لگ رہی تھی کہ عکرمہ کو اس پر ترس آنے لگا۔

''بی ایزی دُرِمکنون۔ اللہ سے اچھی امید رکھیے۔'' اس کے پاس بیٹھتے ہوئے عکرمہ کا لہجہ دلاسا دینے والا تھا۔ گھر سے بھی کئی بار کال آچکی تھی۔



www.pklibrary.com

دُرِ مکنون اس کی طرف دیکھ کر بے آواز رونے لگی تھی۔
''اگر میمی کو کچھ ہو گیا تو میں خود کو کیسے معاف کر سکوں گی؟''
''آپ کا اس میں کیا قصور۔ کیا آپ کے کہنے پر آصف نے یہ سب کیا ہے؟'' عکرمہ کو اس کے الفاظ متحیر کر گئے تھے۔
''آخر آپ ہر بات کا الزام خود کو کیوں دیتی ہیں؟'' عکرمہ کے سوال نے اسے لب بھینچنے پر مجبور کر دیا۔
اب وہ اسے کیسے بتاتی کہ سائرہ کو اصل صدمہ ردا کی طلاق سے نہیں دُرِ مکنون کی شادی سے پہنچا ہے۔ وہ تو خود ردا کو آصف سے چھڑوانا چاہتی تھیں۔ مگر اصل مسئلہ دُرِ مکنون تھی جس کے باعث وہ اپنے منصوبے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکی تھیں۔ ردا کو عکرمہ سے منسوب کرنا ان کی دیرینہ آرزو تھی۔ جو اس شادی کی وجہ سے پوری ہونا مشکل تھی اب اور ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کیا کہے اتنے میں ڈاکٹر مہناز کو اپنی جانب آتا دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
''کیسی ہیں میمی۔'' دُرِ مکنون سب کچھ بھول کر بے ساختہ پوچھ بیٹھی تھی۔ ''انہیں ہوش آ گیا۔ کیا ہو گیا تھا انہیں۔''
ڈاکٹر مہناز اس کے اس طرح تڑپ اٹھنے پر قدرے متاثر ہوئیں۔ اور بنظرِ غائر اس کی طرف دیکھا۔ جس کا سادہ جوڑا بھی اس کا دلہنا پا چھپانے میں ناکام تھا۔
''بہتر ہیں وہ اب۔ آپ لوگ انہیں صحیح وقت پر یہاں لے آئے۔ نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے ان کا۔ غالباً کوئی شدید صدمہ پہنچا ہے انہیں۔'' ڈاکٹر مہناز کے آخری جملے پر دُرِ مکنون کی نظر جھک گئی۔
"is she critical?" عکرمہ نے تردد سے سوال کیا تو ڈاکٹر مہناز نے دُرِ مکنون سے نظر ہٹا کر اس کی دیکھا۔
"no, she is not" کافی اسٹیبل ہے کنڈیشن الحمدللہ۔'' ڈاکٹر مہناز نے مسکرا کر بتایا تو وہ دونوں قدرے پُرسکون ہوئے۔
''آپ درِ مکنون ہیں؟'' ڈاکٹر مہناز نے اب دُرِ مکنون کو مخاطب کیا تھا۔ وہ گال کو ہتھیلی کی پشت سے صاف کرتے ہوئے سر ہلا گئی۔
''آپ کا نام کئی بار پکارا انہوں نے۔ لگتا ہے آپ دل کے قریب ہیں ان کے اسی لیے بے ہوشی میں بھی انہوں نے آپ کا نام لیا تھا۔'' ڈاکٹر کا یہ جملہ ان دونوں کو بیک وقت حیران کر گیا۔ دُرِ مکنون نے بے ساختہ عکرمہ کی طرف دیکھا تھا۔ جو اپنے چہرے کے تاثرات کو چھپانے کی خاطر دوستانہ انداز میں مسکرا دیا۔
''اینی وے، فی الحال انہیں سکون آور ادویات دے کر انڈر آبزرویشن رکھا ہے۔ ان شاء اللہ کل تک صورت حال کلیئر ہو جائے گی۔ جب تک انہیں ڈسٹرب نہیں کیا جائے گا۔ اس دوران آپ چاہیں تو گھر جا سکتے ہیں۔''
مہناز انہیں صورتِ حال بتا کر پلٹ گئیں تو وہ دونوں شکر کرتے گھر لوٹنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ دادی، مظفر صاحب اور ردا سمیت عبید بھی وہاں چلے آئے۔ عکرمہ نے انہیں ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا تو سب نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا۔
''چچا جان کی آنکھ کھل گئی تو وہ رکنے پر راضی نہ ہوئے اس لیے یہاں آنا پڑا۔'' واپسی میں عبید، عکرمہ، دادی اور دُرِ مکنون کے ساتھ کار میں آ کر بیٹھے تو بولے۔
''آپ نے انہیں بتایا کہ اس سارے واقعی کی اصل وجہ کیا تھی۔'' عکرمہ پوچھ رہا تھا۔
''نہیں... مگر میرے خیال میں ردا اور چچا جان کو اب اس حقیقت سے لاعلم رکھنا درست نہیں۔ آج نہیں تو کل یہ بات ان کے علم میں آنی ہی ہے اور آنی چاہیے بھی۔'' عبید کی رائے مستحکم تھی۔ عکرمہ نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔



www.pklibrary.com

''مظفر میاں کی صحت کے پیشِ نظر نہیں بتایا سائرہ نے۔ اکیلے ہی وہ یہ دکھ اٹھا رہی ہیں۔'' دادی نے دکھ سے بتایا۔

''تو رزلٹ دیکھ لیں اس کا۔ چچا جان کو بچاتے، بچاتے چچی جان خود بیمار پڑ گئی ہیں۔ کیا فائدہ ہوا اس کا۔'' عبید نے سنجیدگی سے تجزیہ کیا تو کار میں بیٹھے وہ تینوں نفوس خاموش رہ گئے۔

''کیا ہوگا جب شیرازی انکل کو اس المیے کا پتا چلے گا۔ کیسے برداشت کریں گے وہ یہ غم۔'' دُرِمکنون ونڈ اسکرین کے پار آگے بڑھتی مظفر شیرازی کی کار کو دیکھ کر دکھ سے سوچتی رہ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

دُرِمکنون کی سسکیاں اس کی نیند میں خلل ڈال رہی تھیں۔ اس کے بہتے ہوئے آنسو اس نے اپنی پیشانی پر گرتے محسوس کیے تو تڑپ کر آنکھیں کھول دیں۔

دُرِمکنون اس کے سرہانے بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے سے دکھ مترشح تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو صاف کرنا چاہے۔

مگر یہ کیا۔ اس کے ہاتھ لگانے کی دیر تھی دُرِمکنون جیسے کسی پرچھائی کی طرح وہاں سے غائب ہوگئی تھی۔ اس کی شبیہہ ہوا میں تحلیل ہوگئی تھی۔

''درمکنون۔ دُرِمکنون۔''

یک دم وہ وحشت سے چلّاتا اٹھ بیٹھا تھا۔

اس نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے کی کوشش کی۔ کمرے میں قدرے اندھیرا تھا۔ تاہم سائڈ ٹیبل پر رکھے لیمپ کی مدھم روشنی نے اردگرد کے ماحول کو کسی حد تک دیکھنے کے قابل بنا رکھا تھا۔

''اوہ میرے خدایا۔''

ساڑھے تین سال بعد آج پہلی بار اس نے کوئی دوسرا خواب دیکھا تھا۔ یہ وہ خواب نہیں تھا جو وہ ایک طویل عرصے سے دیکھتا چلا آرہا تھا۔ اسے احساس ہوا کہ کچھ دیر پہلے دُرِمکنون اس کمرے میں نہیں محض اس کے خواب میں آئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بالوں میں پھنسالیں۔

''پلیز دُرِمکنون۔ واپس آجاؤ۔'' آج اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نہیں گالوں پر آنسوؤں کی نمی تھی۔ اس کے دل کی رفتار تیز نہیں تھی بلکہ اس قدر سست تھی کہ اسے سانس لینے میں دقت سی محسوس ہوئی۔

اس نے دونوں گالوں پر ہاتھ پھیر کر نمی صاف کی اور چند گہری، گہری سانسیں لے کر آنکھیں کھول دیں۔

یک دم اس کے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا تھا۔ اس نے برق کی سی تیزی سے مڑ کر دیکھا۔

''آر یو او کے زوی۔'' شہرین نیند سے بھری آنکھیں کھولے اسے فکرمندی سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ناگفتہ بہ سا تاثر تھا۔

زاویار انصاری کا ذہن جیسے کرنٹ کھا کر ہوش میں آیا۔

اسے یاد آیا آج اس کی شادی ہوئی تھی اور سامنے موجود شہرین کوئی خواب نہیں ایک جیتی جاگتی حقیقت تھی۔

''زوی۔ کیا ہوگیا ہے تمہیں۔ تم خواب میں ڈر گئے ہو کیا؟''

زاویار پتھرایا ہوا اسے تکے جا رہا تھا کہ شہرین نے گھبرا کر سوال کیا۔

''نن۔ نہیں۔'' وہ فوری طور پر خود کو کمپوز نہیں کر پا رہا تھا۔

گزشتہ کئی سالوں سے محض تنہائی اس کے اس ہیجان کی گواہ تھی۔ بند کمرے میں اسے کسی سے کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ مگر آج وہ شہرین کے سامنے عیاں ہوگیا تھا گویا۔



www.pklibrary.com

''مم..... میں ٹھیک ہوں۔ تت..... تم سو جاؤ۔ سوری۔ میری وجہ سے تمہاری نیند خراب ہوئی۔'' اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے شہرین سے نظر چرالی تھی۔

''لو یہ پانی پیو۔'' ذرا دیر میں شہرین پانی کا گلاس لیے اس کے پاس چلی آئی۔ جسے اس نے بعجلت تھام لیا تھا۔ حلق میں گویا کانٹے اُگ آئے تھے اس کے۔ اس نے ایک ہی گھونٹ میں گلاس خالی کر ڈالا۔

''اور پانی دوں؟'' شہرین کی آنکھوں سے نیند اب اڑ چکی تھی۔ وہ بہت متفکر سی اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''نہیں۔ شکریہ اور پلیز یہ لائٹ آف کردو۔ میں اندھیرے میں سونے کا عادی ہوں۔''

اسے شہرین کی تشویش بھری نگاہیں چبھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ ایسے میں اندھیرا کر کے وہ خود کو چھپا لینا چاہتا تھا۔

''اوکے۔'' کچھ کہنے کا ارادہ ملتوی کر کے کمرے کی لائٹ آف کرتے ہوئے شہرین باتھ روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔ فجر کی اذانیں ہونا شروع ہو چکی تھیں۔ اللہ اکبر کی آواز زاویار کے ڈپریشن کو کم کرنے میں بہت معاون تھی۔ جو بتا رہی تھی کہ ہمارے ہر دکھ سے بڑا اللہ اور اس کی رحمت ہے۔

''یارب، مجھے سکون دے۔'' وہ دوبارہ لیٹنے کے بجائے اٹھ بیٹھا۔

بیڈ کے ساتھ رکھی چپلوں میں پیر پھنساتے ہوئے وہ ایک عجیب سی بے اختیاری کے حصار میں محدود تھا۔

☆.....☆.....☆

بہت عجیب سا خواب دیکھ رہی تھی وہ۔ گھبراہٹ اور گھٹن کا احساس حاوی تھا اس پر کہ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ کمرے کی نامانوس فضا نے ذہن کو جگایا تو کل رات گزرے واقعے کی یاد ذہن میں دھیرے، دھیرے تازہ ہونے لگی جس نے اسے مکمل طور پر بیدار کر دیا۔

''میمی۔'' اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔

اسے یاد آیا کل اس کمرے میں وہ دادی جان کی گود میں سر رکھ کر لیٹی تھی اور نہ جانے کب دواؤں کے اثر سے اسے نیند آ گئی۔ کچھ پتا نہ چلا۔

''اوہ، میں کتنی دیر سوتی رہی۔'' گھڑی صبح کے نو بجا رہی تھی۔ ہلکی سی رضائی اس پر ڈال دی گئی تھی۔ بلا ارادہ اس کی نظر اپنے بائیں جانب لیٹے عکرمہ پر پڑی تو بے اختیار لاشعوری طور پر وہ بیڈ کی پرلی جانب سرک گئی تھی۔

خوف اور گھبراہٹ نے یک دم اسے آلیا.. تو دل چاہا کہ وہ اس کمرے سے نکل کر بھاگ جائے۔ اس نے گہری، گہری سانسیں لے کر خود کو پُرسکون کرنے کی کوشش کی اور دزدیدہ نظروں سے عکرمہ کی طرف دیکھا اور آہستگی سے اٹھ بیٹھی۔ وہ سو رہا تھا اس کے چہرے کے نقوش میں نرمی تھی۔ چند ثانیوں کے لیے دُرِمکنون کی نگاہ بلا ارادہ اس کے چہرے پر ٹکی رہ گئی۔ گزرے ایک سال کا ہر دن جیسے تصور کے پردے پر کسی فلم کی طرح چلنے لگا۔

عکرمہ کا حسنِ سلوک، اس کے احسانات، اس کا فکر کرنا، اس کی ہمدردی اور اب نکاح کا یہ بندھن۔

کس کس ڈور سے باندھ رکھا تھا اس شخص نے اسے۔ ہمدردی کی، تحفظ کی، امان کی اور اب رشتے کی ڈور۔ وہ کس کس ڈور کو توڑ سکے گی، کس، کس احسان کو چکا سکے گی..... اور کل رات..... کل رات عکرمہ نے جو کچھ اس سے کہا وہ لمحے بھر کے لیے سماعتوں میں تازہ ہو کر اسے عجیب سے احساسات میں جکڑ گیا۔ وہ سادہ مگر خوب صورت الفاظ اس کے حافظے کا حصہ بنے تو وہ عکرمہ کے چہرے کو بنا پلکیں جھپکے دیکھے گئی۔

''اُف اللہ! اور میں نے کیا، کیا کہہ ڈالا کل۔'' حنائی انگلیاں ہونٹوں پر رکھے وہ سوچنے لگی پھر یہ شاید اس کی نگاہوں کے ارتکاز کا اثر تھا یا عکرمہ کی نیند گہری نہیں تھی کہ اچانک اس نے آنکھیں کھول دیں۔

دُرِمکنون اس کے لیے تیار نہیں تھی۔ سٹپٹا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اس دوران عکرمہ کا ذہن مکمل طور پر بیدار



www.pklibrary.com

ہو چکا تھا۔

''کیری آن مسز۔ کل رات جملہ حقوق محفوظ ہوئے ہیں آپ کے نام۔ معائنہ کرنے کی اتھارٹی حاصل ہے آپ کو۔'' اس کے اس طرح جھینپنے پر عکرمہ مسکرا کر بولتا اٹھ بیٹھا تھا۔ ''مگر یہ کام پہلے کرنا چاہیے تھا۔ اب بھلا ہو بھی کیا سکتا ہے''۔

عکرمہ کے انداز میں شوخی تھی۔ انگلیوں کی مدد سے بال سنوارتے ہوئے وہ اس سے کہہ رہا تھا۔ دُرِ مکنون نے عرق آلود ماتھا بے اختیار آنچل سے صاف کیا اور لاشعوری طور پر بیڈ کے کنارے کی طرف مزید سرک گئی۔ کچھ دیر دونوں کے مابین خاموشی حائل رہی۔

''کیا ہوا..... پریشان ہیں؟'' خوف اس کے چہرے سے مترشح تھا۔ عکرمہ نے نرمی سے سوال کیا تو اس نے خشک ہوتے گلے کو تر کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''پتا نہیں میمی خالہ کیسی ہوں گی۔'' اس کے انداز میں تفکر تھا۔

''وہ پہلے سے بہت بہتر ہیں۔'' عکرمہ نے اطمینان دلایا۔

''آپ کو کیسے پتا؟'' وہ اس کی طرف رخ پھیرتے ہوئے بولی۔

''ابھی کچھ دیر پہلے ہی چچا جان کے ساتھ اسپتال سے واپس آیا ہوں میں۔ چچی جان اب بالکل ٹھیک ہیں۔''

''کیا میں بھی جا سکتی ہوں ان سے ملنے۔'' اس کی بے تابی دیکھنے کے لائق تھی۔

''ہوں۔'' عکرمہ سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''آپ لے چلیں گے مجھے؟''

''ہوں۔ آپ ناشتا کر کے تیار ہو جائیں۔ پھر چلتے ہیں۔''

''مگر مجھے ناشتا نہیں کرنا۔'' عکرمہ کے حامی بھرنے پر وہ بے ساختہ بولی تھی مگر جب عکرمہ سے نگاہ ٹکرائی تو سٹپٹا گئی۔

''میرا مطلب ہے کہ واپس آ کر کھا لوں گی۔ ابھی قطعاً بھوک نہیں ہے مجھے۔'' اس کا انداز بے تابانہ تھا اور لہجہ ملتجی۔

عکرمہ نے اسے ٹوکنا چاہا مگر کچھ سوچ کر چپ ہو رہا۔

''اوکے۔ آپ چینج کر کے آ جائیں۔''

''تھینک یو۔'' دُرِ مکنون کا چہرہ یک دم چمک گیا تھا۔

ناشتے کھانے کے معاملے میں وہ کس قدر سخت گیر تھا وہ اچھی طرح جانتی تھی مگر آج وہ چپ چاپ مان گیا تھا۔

وہ فریش ہو کر باہر نکلی تو اسے اپنا منتظر پایا۔

سفید شلوار سوٹ میں وہ قدرے تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ دوپٹا سر پر لینے کے بعد چادر اوڑھتے ہوئے کچھ خیال آنے پر اس نے عکرمہ کی طرف دیکھا۔

''آپ کب گئے تھے اسپتال۔''

''صبح چار بجے۔''

''اتنی صبح..... مگر کیوں۔ سب خیریت تھی ناں!'' وہ پریشان ہو گئی تھی۔

''ہوں۔ خیریت تھی۔ رات چچا جان کو سونے کے لیے ان کے کمرے میں چھوڑ کر اوپر آیا تو کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ میں نے کھڑکی سے جھانکا تو پتا چلا کہ چچا جان کار باہر نکال رہے تھے۔ ان فیکٹ چچی جان کے



www.pklibrary.com

اس طرح collapse کر جانے سے وہ بہت اپ سیٹ تھے۔ اس پر ردا کی طلاق کے صدمے نے انہیں حد درجے فکرمند کر دیا تھا۔ میں انہیں اکیلے جانے نہیں دے سکتا تھا۔ اس لیے ان کے ساتھ چلا گیا۔"

ایک بار پھر عکرمہ نے اس کی تسلی کی خاطر بتایا تو وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے داب کر کچھ سوچنے لگی۔ گویا مظفر صاحب کو ردا کی دوسری طلاق کے بارے میں بتا دیا گیا ہے۔ اس کے لبوں سے گہری سانس خارج ہوئی۔

وہ اپنی سوچوں میں کچھ اس طرح مستغرق تھی کہ اسے دروازے پر ہونے والی دستک بھی سنائی نہیں دی۔

عکرمہ کے دروازہ کھولنے پر دادی باہر کھڑی نظر آئیں۔

شفقت سے عکرمہ کی احوال پرسی کر کے وہ اندر داخل ہوئیں تو دُرِ مکنون ان کی طرف بڑھ آئی۔ جسے انہوں نے محبت سے گلے لگا لیا تھا۔

"کیسی ہو بیٹا؟"

"میں ٹھیک ہوں دادی۔"

"ماشاء اللہ... اور تمہیں ٹھیک ہی رہنا بھی چاہیے۔" اسے خود سے الگ کرتے ہوئے انہوں نے اس کا ماتھا چوم لیا تھا۔

اس نے دیکھا کل رات کے مقابلے میں اس وقت دادی قدرے بہتر لگ رہی تھیں۔ ردا کے ساتھ ہونے والے حادثے نے انہیں اندر سے گزند لگائی تھی مگر عکرمہ کی خوشی بھی وہ ماند پڑنے دینا نہیں چاہتی تھیں۔

انہوں نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ مگر آنکھوں میں اداسی ٹھہری ہوئی تھی۔

"چلو اب فٹافٹ تیار ہو کر باہر آؤ۔ طاہرہ اور فارینہ آئی بیٹھی ہیں تمہارے لیے۔ سائرہ کی طبیعت بھی اب بہتر ہے ان شاء اللہ آج شام نہیں تو کل صبح گھر آجائیں گی وہ۔"

"مگر۔"

"کوئی اگر مگر نہیں۔ جاؤ جلدی سے کپڑے چینج کرو۔ ایک دن کی دلہن ہو خیر سے۔ میں بھیجتی ہوں سدرہ کو تمہیں تیار ہونے میں مدد دے گی۔" دادی محبت سے اسے ڈپٹتے ہوئے دروازہ بند کر کے چلی گئیں۔

سائرہ بیگم اسپتال میں تھیں اور ردا کے ساتھ ہونے والے اس المیے نے اسے گویا جڑوں سے اکھاڑ رکھا تھا ایسے میں اسے اس طرح سجنا، سنورنا بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اور اس کی یہ سوچ اس کے چہرے سے بھی عیاں تھی جو عکرمہ سے مخفی نہیں رہی تھی۔

"دادی کو میری شادی کا ہمیشہ سے بہت ارمان رہا ہے دُرِ مکنون۔ مگر میرے ہائیر اسٹڈیز کے خواب کے باعث ان کی یہ خواہش بہت دیر سے پوری ہوئی۔ البتہ میرے حوالے سے ہٹ کر بھی آپ کا ان کے دل میں اور ان کی زندگی میں بہت اہم مقام ہے۔ وہ آپ کے لیے بھی ویسے ہی ارمان رکھتی ہیں جیسے میرے لیے۔ آپ کو ان کی اور چچا جان کی خاطر۔ ان کی خوشی کی خاطر اپنے آپ کو خوش رکھنا ہوگا۔ جیسے وہ ردا کے لیے افسردہ ہونے کے باوجود ہمارے لیے خوش ہیں۔" وہ اس کے چہرے سے سب کچھ پا گیا ہے۔ یہ احساس ہی اسے شرمندہ کر دینے والا تھا۔

"جی، میں جانتی ہوں۔"

"تو پھر زیادہ نہ سوچیں اور وہ ہی کریں جو انہوں نے کہا ہے۔ دادی کو خوش رکھیں گی تو ان کا پوتا آپ کا سدا شکر گزار رہے گا۔" سنجیدگی سے کہتے کہتے وہ شوخ ہوا تو دُرِ مکنون نے سٹپٹا کر نظر اٹھائی۔ عکرمہ کے چہرے پر گہری مسکراہٹ تھی جو اسے جھینپنے پر مجبور کر گئی تھی۔

☆.....☆.....☆



www.pklibrary.com

صبح انصاری ہاؤس میں پُرتکلف ناشتا تھا۔ وہ دونوں کمرے سے نکلے تو گھر میں کچھ مہمان بھی اپنے منتظر ملے۔ رفتہ، رفتہ ان کی شادی کی اطلاع رشتے داروں کو ملتی جارہی تھی اور ان میں سے کچھ ان دونوں سے ملنے چلے آئے تھے۔ خوشیوں بھرے اس ماحول میں اس خبر نے اور بھی رنگ بھر دیا کہ ڈاکٹرز نے آغا جان کو اسی ہفتے اسپتال سے ڈسچارج کرنے کی نوید سنادی تھی۔

اقرار چچا کی لائی اس اطلاع نے گھر بھر میں جیسے زندگی دوڑادی۔ بہت اچھے ماحول میں ناشتا کیا گیا تھا۔

پھر اسے اور شہرین کو ڈرائنگ روم میں لا بٹھایا گیا جو اس وقت بلو اینڈ وائٹ کنٹراسٹ والے ہلکے کام کے سوٹ میں ملبوس میچنگ جیولری اور میک اپ میں بہت دل آویز لگ رہی تھی۔

زاویار نے اس کی انگلی میں وائٹ گولڈ کی رنگ دیکھی تو دل کی ایک دھڑکن مس ہوتی محسوس ہوئی۔

''دُرِ مکنون۔'' اس کی سانس کے ساتھ یہ نام نکل کر جیسے فضا میں تحلیل ہوگیا تھا۔

زوئی بھائی۔ پلیز اِدھر دیکھیے۔ ہم مووی بنانے لگے ہیں۔'' عینی اور مونا اس کے سر پر سوار تھیں اس لمحے۔ جبکہ خولہ کی کال پر شہرین مصروف تھی۔

باقی سب خوش گپیاں لگا رہے تھے۔ زاویار نے بمشکل خود کو کمپوز کیا اور مصنوعی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر بہنوں کی جانب متوجہ ہوا۔

''زوی لو، خولہ بات کرے گی تم سے۔'' دھیمی آواز میں کہتے ہوئے شہرین نے اسے کارڈلیس تھمایا۔ تو اس نے بغور شہرین کے چہرے کو دیکھا۔ جو فجر کے وقت سے لے کر اب تک خاموشی کے حصار میں مقید تھی۔ اس کے چہرے پر کچھ تھا جو وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

''بہت، بہت مبارک ہو زوی۔ میں بہت خوش ہوں تمہارے لیے۔'' خولہ کی مسرور آواز اسے بھی مسکرانے پر مجبور کر گئی۔

''تھینک یو۔ ویسے تم سب لوگ موجود ہوتے تو اور بھی اچھا ہوتا۔ مگر یہ سب کچھ بہت اچانک کرنا پڑا۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے۔''

شہرین نے بے ساختہ اس کے چہرے پر نظر جمائی تھی۔ جو خولہ سے باتیں کرتے وقت اچھے موڈ میں تھا۔ صبح کے مقابلے میں وہ اس وقت خاصا فریش لگ رہا تھا۔

''ہوں۔ معلوم ہے مجھے۔ مگر کوئی بات نہیں، تمہارے ولیمے پر ساری کسر نکالیں گے ہم۔'' خولہ مسکرا کر بولی تھی۔

''ہوں۔'' وہ محض مسکرا دیا تھا۔

''مگر پلیز ولیمہ ہرگز بھی ایمرجنسی میں نہیں ہونا چاہیے۔ بندے کو leave لینی ہوتی ہے۔ تیاری کرنی ہوتی ہے۔ اور اس وقت مجھے... چھٹی نہیں مل سکتی۔''

''اس کا مطلب ہے تم کل اظہار بھائی کے ساتھ پاکستان نہیں آرہیں؟''

''نہیں۔'' اس کے سوال پر خولہ نے سست سے انداز میں جواباً کہا تھا۔

''ان فیکٹ زارا بھابی دُرِ مکنون کی شادی کی وجہ سے بچے میرے پاس چھوڑ کر گئی ہیں۔ ابھی ان کی ویکیشنز نہیں ہیں ناں۔ اسکول کھلے ہوئے ہیں۔ کل اجی بھائی بھی جارہے ہیں کراچی۔ ولیمہ اٹینڈ کر کے لاہور آجائیں گے وہ۔ اس لیے بچوں کے پاس کسی کو تو ہونا چاہیے۔ یوں بھی میں نے ریزائن کر دیا ہے۔ نوٹس پیریڈ ختم ہونے میں ابھی دو ہفتے باقی ہیں، اس کے بعد لاہور کی ٹکٹ لوں گی میں۔''

خولہ نے عکرمہ کا نام لیے بغیر بات مکمل کی تھی۔ مگر دُرِ مکنون کا ذکر زاویار کے احساس کو چھیڑ گیا۔ بلا ارادہ



www.pklibrary.com

سامنے بیٹھی شہرین کی طرف نگاہ اٹھی تو اس کو اپنی جانب دیکھتا پایا۔
ایک بار پھر اسے لگا جیسے شہرین کی خاموشی باتیں کرتی ہے۔ سوال کرتی ہے۔ ایسے سوال جن کا جواب دینا اس کے لیے بارِ گراں تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ چاہتی تو تھی کہ صبح ہی سائرہ شیرازی کے پاس اسپتال چلی جائے مگر اس کی مہلت نہ مل سکی۔ مظفر صاحب کو عکرمہ کی بے آرامی کا علم تھا، اس لیے اسے آرام کرنے کے لیے بھیج دیا تھا۔
جبکہ گھر میں موجود مہمانوں کی وجہ سے دُرِ مکنون بھی وقت نہیں نکال سکی۔ البتہ زارا، ردا، سیف اور زوہا ناشتے کے بعد اسپتال چلے گئے تھے۔
ولیمہ ایک دن کے وقفے کے بعد تھا۔ اس لیے بھی گھر میں کوئی افراتفری نہیں تھی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد عکرمہ اور عبید بھائی نے اسپتال جانے کا قصد کیا۔ وہ تو کب سے تیار بیٹھی تھی۔ فوراً ساتھ چل دی۔
ان سب کے اسپتال پہنچتے ہی زوہا وغیرہ جو صبح سے وہاں تھے گھر لوٹ گئے۔
عکرمہ کے ساتھ چلتے ہوئے ایک عجیب اور نامانوس احساس نے اسے چھوا تھا۔ آج سے پہلے وہ کئی بار عکرمہ کی معیت میں گھر سے نکلی تھی مگر آج پہلی بار تحفظ کے ساتھ، ساتھ اپنائیت کے خوب صورت احساس نے اسے گھیرا تھا۔
وہ جو سب گھر والوں کے درمیان بھی اپنے اکیلے پن سے جان نہ چھڑا پاتی تھی۔ آج ساتھ چلتے عکرمہ شیرازی سے بننے والے اس نئے رشتے نے اس کو ''تنہائی'' محسوس ہونے نہ دی۔ اور یہ احساس اس قدر قوی تھا کہ وہ خود کو اس کے حصار سے نکال نہیں سکی۔
''چچی جان کی طبیعت بہت بہتر ہے اب۔ آپ ان کے لیے اس قدر فکر مند نہ ہوں۔'' اسے اپنے خیالات میں اس قدر مستغرق دیکھ کر ساتھ چلتے عکرمہ نے مسکرا کر اسے تسلی دی تھی۔
''نہیں، میں فکر مند تو نہیں ہوں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔
''ماشاء اللہ کیا کہنے۔ بے فکری میں یہ حال ہے۔'' جواباً وہ ہلکے سے ہنس کر کہہ گیا تھا۔ دُرِ مکنون نے عکرمہ اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ کس قدر پُرسکون اور خوش لگ رہا تھا۔
''ابھی کے لیے اتنا ہی کافی ہے، باقی معائنہ گھر جا کر کر لیجیے گا مسز۔'' ساتھ چلتے ہوئے ہلکی سی سرگوشی کرتا وہ اسے بری طرح شرمندہ کر گیا تھا۔ پھر وہ اس کی طرف نظر اٹھا ہی نہ سکی۔ یہاں تک کہ وہ عبید اور سدرہ کی تقلید میں کمرے میں داخل ہوئے۔ سائرہ شیرازی سامنے بیڈ پر تکیے سے لگی بیٹھی تھیں۔
اس کے دل میں آیا جا کے ان کے گلے سے لگ جائے۔ کل رات سے کس قدر پریشان تھی وہ ان کے لیے۔ مگر وہی فطری جھجک آڑے آ گئی اور کچھ سائرہ شیرازی کی نگاہوں نے بھی اس کے قدم بوجھل کر دیے تھے۔
آف وائٹ خوب صورت تراش خراش والے سوٹ پر فیروزی کام بنا ہوا تھا۔ اس پر فیروزی دوپٹا اوڑھے سدرہ کے ہاتھوں خوب نک سک سے تیار ہوئی دُرِ مکنون، سائرہ شیرازی کے دل پر کسی بجلی کی طرح گری تھی۔
''اس جیسی حسین ساحرہ سے کوئی کیسے صرفِ نگاہ کر سکتا ہے۔ عکرمہ کی زندگی سے اسے نکال کر ردا کو لانا اس قدر آسان بھی نہ ہوگا۔'' حاسدانہ سوچ نے ان کی نگاہوں میں جیسے آگ سی بھر دی۔
عکرمہ کے پہلو میں کھڑی وہ بہت جچ رہی تھی۔ عکرمہ نے بیڈ کے نزدیک آتے ہی اس کے لیے کرسی بستر کے قریب کر کے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔
''ایسا پروٹوکول دینے والا، ایسا خوبرو اور ایسی نفیس پرسنیلٹی والا ہم سفر میری ردا کا نصیب کیوں نہ بنا۔ اے میرے


www.pklibrary.com

مالک...!'' ان کے دل نے جیسے تڑپ کر شکوہ کیا تھا۔ حالانکہ کچھ روز پہلے وہ اپنی بیٹی کے نصیب پر کس قدر نازاں تھیں۔

اور جس دُرِ مکنون کی حرماں نصیبی سے انہیں قطعی امید نہ تھی کہ اسے کوئی راہ چلتا تک بھی اپنانے پر راضی ہوگا آج خاندان کا سب سے کامیاب اور وجیہہ شخص اس کا شریکِ سفر تھا۔

''آپ اب کیسا فیل کر رہی ہیں چچی جان؟'' عبید کے پوچھنے پر وہ بمشکل اپنے زہریلے خیالات سے جان چھڑا سکیں۔

''بہتر ہوں میں پہلے سے۔'' وہ بتانے لگی تھیں۔

پھر سدرہ، عبید اور عکرمہ نے یکے بعد دیگرے کئی سوالات کیے اور پھر اِدھر اُدھر کی باتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

کسی نے بھی قصداً ردا کی طلاق کا موضوع نہ چھیڑا نہ ہی سائرہ بیگم نے اس کا ذکر نکالا۔ دُرِ مکنون حسبِ معمول خاموش بیٹھی بس ان کے چہرے کو دیکھتی رہی۔ یہ چہرہ اسے ماما کی یاد دلاتا تھا۔

کافی دیر خوش گپیوں کے بعد سدرہ اور عبید نے اجازت چاہی۔ سدرہ کو پاس ہی کسی عزیز کے گھر جانا تھا۔ کافی عرصے کے بعد وہ پاکستان آئی تھیں۔ اس لیے رشتے داروں سے بھی ملنا ملانا چل رہا تھا۔ عکرمہ نے دُرِ مکنون کی طرف دیکھا تو احساس ہوا وہ ابھی گھر جانے کے موڈ میں نہیں۔ جبکہ عبید ان دونوں کو گھر ڈراپ کرنے کی آفر کر رہے تھے۔

''اٹس اوکے بھائی۔ آپ لوگ چلیے ہم کچھ دیر بعد یہاں سے نکلیں گے۔'' عکرمہ نے اس کے بِنا کہے ہی سدرہ سے معذرت کی تو دُرِ مکنون سمیت سائرہ نے بھی اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

عکرمہ نے دُرِ مکنون کے چہرے پر ایک نظر ڈال کر کیسے اس کے دل کی بات جان لی تھی، وہ اس ذہنی ہم آہنگی پر متاثر ہوئے بِنا نہ رہ سکیں۔ عکرمہ کے کہنے پر سلام دعا کر کے وہ دونوں رخصت ہوئے ہی تھے کہ سیل فون پر ولی کی کال آنے پر عکرمہ معذرت کرتا کمرے سے نکل گیا۔

میسی خالہ کے ساتھ تنہا ہونے کے احساس نے اس کا دل دھڑکا دیا۔ بے اختیار نظر اٹھا کر ان کی جانب دیکھا تو اُن کی چبھتی ہوئی نگاہوں کے باعث ماتھے پر پسینہ پھوٹ پڑا۔

''دیکھ لیا تم نے اس بے جوڑ شادی کا نتیجہ؟ نظر آ گیا تمہیں اپنا انجام؟''

یک دم وہ غرانے لگی تھیں۔ وہ ان کے بیڈ کے بالکل پاس بیٹھی تھی، بھونچکا ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔

''جج..... جی؟''

''کہا بھی تھا میں نے کہ روک دو اس شادی کو۔ عکرمہ محض ہمدردی کر رہا ہے تم سے۔ مگر تم نے نہ مانا۔ کیا سمجھا تھا تم نے کہ اس طرح تم شیرازی ولا کی مستقل مکین بن جاؤ گی... ہونہہ۔''

تنفر سے ان کا رنگ سرخ سے نیلا پڑ گیا تھا۔ دُرِ مکنون فق چہرہ لیے انہیں یک ٹک دیکھ رہی تھی۔

''اس رشتے کا انجام کیا ہوگا جس کا آغاز ہی ایسا ہوا ہے۔ کل پوری رات عکرمہ تمہیں گھر پر چھوڑ کر یہاں اسپتال میں رہا۔ مظفر کے ساتھ۔ جانتی ہو کیوں؟'' وہ تمسخرانہ انداز میں سوال کر رہی تھیں۔

''کیونکہ وہ تمہارے ناپاک وجود کو برداشت نہیں کر سکا۔ تم جیسی لڑکی جس کا کردار اس قدر مشکوک ہو۔ اس سے ہمدردی کرنا آسان ہے مگر رشتہ نبھانا..... ہونہہ۔ کس گمان میں ہو تم کہ وہ تم کو بسائے گا۔ اس جیسے شریف اور باکردار مرد کے لائق نہیں ہو تم۔ نہ جانے کس، کس کا دل بہلا کر یہاں تک پہنچی ہو۔ پوری دنیا میں تمہیں اپنی کالک تھوپنے کے لیے عکرمہ ہی ملا تھا۔ سات گھر تو ڈائن بھی چھوڑ دیتی ہے۔ تم نے اسی گھر کے محسن کی زندگی تباہ کر ڈالی جس نے تمہیں آسرا دیا۔'' نفرت سے ہنکارا بھر کر وہ اس پر تیز کھولتے تیل جیسے خاکستر کرتے الفاظ انڈیلتی چلی گئیں۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ بیماری کے بستر پر ہیں۔



www.pklibrary.com

''وہ وقت جو اسے تمہارے ساتھ گزارنا چاہیے تھا وہ اس نے یہاں اس بیمار ماحول والے اسپتال میں گزارنا گوارا کیا۔ بلکہ منہ دکھائی میں دیا گفٹ تمہیں اپنے ہاتھوں سے پہنایا بھی نہیں ہوگا اس نے۔ یقین ہے مجھے۔'' انہوں نے دُرِمکنون کو بغور دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ یا کانوں میں کوئی نیا زیور نہیں تھا۔

اسے یاد آیا عکرمہ کا دیا گفٹ تو وہیں سینٹر ٹیبل پر پڑا رہ گیا تھا۔ آج سدرہ نے کہا بھی کہ وہ اسے پہن لے مگر وہ پھر سے بھول گئی تھی۔

''منہ دکھائی تو اسے اپنے ہاتھوں سے پہنائی جاتی ہے، جسے دیکھنے کی دل میں خواہش ہو۔ لیکن جسے محض مجبوری میں بیاہ کر لایا جائے۔ اس کی صرف ذمے داری اٹھائی جاتی ہے۔ سمجھیں تم!''

عکرمہ کی واپسی تک وہ بت بنی دُرِمکنون کی روح کو چھیلتے، رگیدتے الفاظ اس کے اندر اتار گئی تھیں۔

مظفر صاحب اور دادی کے اسپتال پہنچنے پر عکرمہ نے واپس چلنے کا پوچھا تو وہ فوراً تیار ہوگئی۔ اس کے چہرے سے آزردگی عیاں تھی۔ واپسی پر وہ دونوں اکیلے تھے۔ کچھ دیر دونوں کے مابین خاموشی رہی جسے بالآخر عکرمہ نے توڑا۔

''چچی جان کی کسی بھی بات کو دل سے نہ لگایئے گا۔ وہ اس وقت ڈیپریشن میں ہیں۔''

دُرِمکنون نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں کی تہ میں چھپی نمی عکرمہ کی زیرک نگاہوں سے مخفی نہیں تھی۔ گو وہ نہیں جانتا تھا کہ انہوں نے اس سے کیا کہا ہے مگر اس کے چہرے سے اندازہ ضرور ہوگیا تھا کہ وہ شدید رنجیدہ ہے۔

''جی۔'' عکرمہ کی جانب رخ پھیرتے ہوئے اس نے سست لہجے میں کہا۔

''کبھی، کبھی انسان اپنے دکھ کے ہاتھوں مجبور ہوکر وہ کچھ کہہ دیتا ہے جو اسے نہیں کہنا چاہیے۔''

وہ جانتی تھی کہ اب چاہے وہ لاکھ تردید کرے عکرمہ نے اس کے چہرے سے سب پڑھ لیا ہے۔ اس لیے خود میں گم چپ رہی۔ اور اس کی اس خاموشی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عکرمہ اسے گھر لے جانے کے بجائے ایک ریسٹورنٹ لے آیا تھا۔

''مجھے یہاں کا سی فوڈ بہت پسند ہے۔ ٹرائی کر کے دیکھیں، شاید آپ کو بھی اچھا لگے۔''

خوب صورت ماحول ساحل کا پانی اور عکرمہ کا اندازِ گفتگو۔ کچھ بھی تو نظر انداز کیے جانے کے لائق نہ تھا وہ خود کو متوجہ رکھنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

مگر بار، بار سائرہ شیرازی کی زبان سے نکلے الفاظ اس کی سماعتوں میں زہر گھول دیتے اور وہ عکرمہ کے چہرے پر ان کی کہی ہوئی باتوں کا عکس تلاش کرنے لگتی۔ اور ہر بار عکرمہ اس کی آنکھوں کے آگے چٹکی بجا کر اسے متوجہ کرتا۔ جس پر وہ جھینپ جاتی۔

''اب گھر چلیں..... دادی انتظار کر رہی ہوں گی۔'' بالآخر اس نے ڈیزرٹ سے انصاف کرتے عکرمہ سے پوچھا تو اس نے سر ہلا کر بل ادا کرنے کے لیے قریب سے گزرتے ویٹر کو اشارے سے پاس بلا لیا۔

''جی ضرور۔ گھر جا کر نظر بھی اتروانی ہے۔ دادی کے بقول میرا خون بہت ہلکا ہے۔ آپ گھر پہنچ کر اپنے وضو کا پانی دے دیجیے گا مجھے۔'' ساتھ چلتے، چلتے وہ اسے چھیڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔ جس پر دُرِمکنون افسردگی سے مسکرا دی تھی۔

☆.....☆.....☆

''بہت بہت مبارک ہو زاویار۔ آئی وش یو آل دا بیسٹ۔!''

سمفراز نے اسے گرم جوشی سے بھینچتے ہوئے مبارک باد دی۔ جس کی اچانک آمد اسے خوش کر گئی تھی۔

''تھینکس آلاٹ یار۔'' اس سے الگ ہوتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔ ''میں تمہیں قطعاً ایکسپیکٹ نہیں.....



www.pklibrary.com

..... کر رہا تھا۔ تم یہاں کیسے؟'' اس نے مسرت آمیز حیرت کو الفاظ دیے تھے۔

''بس دیکھ لو میری تم سے محبت کس قدر زور آور ہے۔'' سرفراز ہنس کر صوفے پر فروکش ہوتے ہوئے بولا تو زاویار کے لبوں کی مسکراہٹ دوچند ہوگئی۔

"undoubtedly" بڑے یقین سے کہا تھا اس نے۔

''ان فیکٹ میں اسلام آباد ڈیڈی سے ملنے آیا تھا کہ تمہاری شادی کی خبر ملی۔ ڈائریکٹ فلائٹ پکڑ کر پہنچا ہوں یہاں۔''

"I am honored" سرفراز نے اپنی گوناگوں مصروفیت سے کس طرح وقت نکالا ہوگا اسے اندازہ تھا۔

''بائی داوے کیا پھر سے انکل کے پاس explanation کال ہوگئی۔'' اسلام آباد کے ذکر پر اسے خیال آیا تھا۔ سنجیدگی سے استفسار کیا تو سرفراز نے گہری سانس بھر کر پشت صوفے کی بیک سے لگالی۔

''تمہیں تو پتا ہے زاویار۔ کبھی، کبھی پریشر کچھ ایسا بھی آجاتا ہے کہ ڈیڈی مزاحمت نہیں کر پاتے۔ ایسے میں میری کال آجانی تو بنتی ہے ناں۔'' وہ پھیکے پن سے مسکرا دیا تھا۔

''اس بار کیا کسی ہائی پروفائل کے بندے پر ہاتھ ڈال دیا تھا تم نے؟''

''ہوں۔ یہی سمجھ لو۔ جب تک بات مخالف پارٹی کی رہے تو ٹھیک ہے مگر جب ڈیڈی کے واقف کاروں کو چھیڑ دو تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔''

''آخر کب تک تم یہ پریشرز لو گے سرفراز۔ تمہاری فیملی ہے، بچہ ہے۔ اس کام میں بہت رسک ہے۔''

''ہوں۔ ڈیڈی کا بھی یہی کہنا ہے۔ وہ چاہتے ہیں میں نتاشا اور علی کو لے کر اوورسیز سیٹل ہو جاؤں۔ میرے دماغ کے خناس کا یہی علاج سمجھ میں آتا ہے انہیں۔'' سرفراز فکرمند تھا مگر مسکرا رہا تھا۔ اس طرح کے پریشر گیم میں تو وہ کئی سال ''پک'' رہا تھا۔

''تو تم نے کیا جواب دیا انہیں؟''

''وہی جو ہمیشہ سے دیتا چلا آرہا ہوں۔ میں نے آرمڈ فورس اس لیے نہیں چھوڑی تھی کہ اوورسیز جا کر سیٹل ہو جاؤں۔ اس ملک کے سسٹم کو ٹھیک ہونے اور اس کے flaws سے لڑنے کے لیے ہمیں یہیں رہ کر کام کرنا ہوگا زاویار۔ ورنہ یہ حقائق سے فرار ہمارے ملک کو کھوکھلا کر دے گا۔''

''آئی نو۔ تم بھی درست کہتے ہو۔'' وہ کھوئے، کھوئے لہجے میں بولا۔ ذہن کی پرواز vales کے داخلہ فارم تک جا پہنچی۔ اس نے تو خود یہاں ''ضروری کام'' نبٹا کر بیرون ملک جانے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ آغا جان کی بیماری اور اب یہ شادی اچانک اس کے کام میں رخنہ ڈالنے کا سبب بنی تھی۔ ورنہ اس کا پروگرام تو طے تھا۔

''مگر محض ایک شخص کر بھی کیا سکتا ہے۔'' اس نے خود کو متوجہ کیا تھا۔

''اگر ہر شخص یہی سوچے گا تو پھر تبدیلی کے لیے آسمان سے فرشتے نہیں اتریں گے زاویار۔ اپنے، اپنے حصے کا دیا جلاتے چلو، روشنی ہو ہی جائے گی۔'' سرفراز کا لہجہ مضبوط تھا۔ اس سے اختلاف کرتے ہوئے اس نے قطعیت سے کہا تو وہ لمحے بھر کے لیے اس کے چہرے کو تکتا رہ گیا۔

''چلو خیر ہے۔ مجھے چھوڑو تم اپنی سناؤ۔ بابر زمان کا کچھ پتا چلا۔'' اس کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر سرفراز نے اچانک پوچھ لیا تھا۔

''ہوں۔ اگلے ہفتے پہنچ رہا ہے پاکستان۔'' بابر زمان کے ذکر پر اس کی کنپٹیوں میں خون کی گردش تیز ہوگئی تھی۔

''اچھا۔ مگر تم نے اس تک پہنچنے کے لیے جو کاریڈور چنا ہے وہ بہت ان سیف ہے۔ کیا تم اسے..... reconsider کرنے کا سوچتے ہو؟'' سرفراز کو اس سے متعلق ایک، ایک رپورٹ حاصل تھی۔ اس کے



www.pklibrary.com

بھائی کے یہاں جاب نہ کرنے کے باوجود وہ اس کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ اس کے فکرمندانہ سوال پر زاویار نے تیکھے پن سے اسے دیکھا۔ تو گویا اس وجہ سے وہ یہاں آیا تھا۔

''I am not a kid anymore۔ اپنے برے بھلے کی تھوڑی بہت سمجھ مجھے بھی ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔ مگر ہم انسان ہیں اور انسان سے غلطیاں ہو جاتی ہیں زاویار۔ تمہارے اکاؤنٹ میں اتنا بڑا اماؤنٹ ابھی ابھی ٹرانسفر ہوا ہے۔ تم کراچی سے اچانک یہاں چلے آئے ہو۔ کچھ ماہ بعد بیرون ملک اسٹڈیز کے لیے جانے والے ہو اور اب یہ شادی۔ تم کیا کرنے والے ہو زاویار.....؟'' سرفراز کے لہجے میں دوستانہ فکرمندی اور خلوص تھا۔

''جب اتنا کچھ جان چکے ہو تو پھر یہ بھی پتا ہوگا کہ آگے میں کیا کرنے والا ہوں۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گیا تھا۔ سرفراز نے چند ثانیے سنجیدگی سے اس کے چہرے کو دیکھا اور پھر یک دم صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''بدگمانی مت رکھو۔ یہ سب مجھے مولا بخش نے بتایا۔ وہ فکرمند تھا تمہارے لیے۔ کل رات اسی نے ٹیکسٹ کی تمہاری شادی کی اطلاع۔ بہرحال میں اب چلتا ہوں۔ تم نے تو نہ بھابی سے ملوایا نہ مٹھائی کھلائی۔'' رسانیت سے اسے سمجھا کر وہ خوشگواری سے شکوہ کرنے لگا تھا۔ جس پر زاویار کو پشیمانی کے احساس نے یک دم اپنی لپیٹ میں لیا۔

''پلیز تم بیٹھو، میں شہرین کو بلا کر لاتا ہوں۔'' غصے کو جھٹکتے ہوئے اس نے اخلاق سے کہا تو سرفراز ہلکے سے مسکرا دیا۔ ذرا دیر بعد وہ شہرین کے ساتھ اندر داخل ہو رہا تھا۔ ان کے پیچھے، پیچھے ملازم ٹرالی میں لوازمات دھرے اندر آتا نظر آیا۔

''یہ ہیں میری مسز شہرین۔ اور شیری یہ سرفراز ہے میرا دوست۔ میرا ایکس کولیگ۔'' اس کے تعارف پر ان دونوں نے ایک دوسرے کو سلام کیا تھا۔

شہرین اسے پہچان گئی تھی۔ کراچی میں ان کی پہلی ملاقات پر یہ سرفراز ہی تھا جس نے زاویار کا نمبر اسے نوٹ کرایا تھا۔ ایک آدھ بار اسپتال میں بھی اس نے اسے آتے جاتے دیکھا تھا مگر تعارف آج ہو رہا تھا۔

''زاویار بہت اچھا انسان ہے بھابی۔ آئی ایم شیور اس کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزرے گی آپ کی۔'' لہجے میں فخر اور یقین دونوں تھے۔

شہرین مسکرا دی۔

''ان شاء اللہ! اسی یقین کے سہارے تو ان کا ہاتھ تھاما ہے۔'' کچھ تھا اس کے انداز میں، لہجے میں۔ زاویار نے بے اختیار اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ نئی نویلی دلہنوں والے مخصوص حلیے میں بہت جاذب نظر لگ رہی تھی۔ زاویار کی طرف دیکھنے سے کتراتے ہوئے وہ خوشدلی سے مسکرا کر سرفراز کی طرف متوجہ تھی۔

''آئی وش یو بوتھ آ ویری ہیپی میریڈ لائف۔''

''آمین!'' شہرین نے بے آواز کہا تھا۔

پھر کھانے کا دور چلا اور اس دوران سرفراز، زاویار اور شہرین خوشگوار گفتگو کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس نے جانے کی اجازت لی۔

''آج رات یہیں رک جاتے سرفراز۔'' اس نے ایک بار پھر اصرار کیا تھا۔ وہ اسے چھوڑنے باہر آیا تھا۔

''آئی وش آئی کین مگر کل علی کا اسکول میں پہلا دن ہے۔ علی سے زیادہ نتاشا میری جان کو آجائے گی۔ اگر آج رات میں گھر نہ پہنچا تو۔'' کار کا دروازہ کھولتے ہوئے سرفراز نے مجبوری بتائی تھی۔

''ہوں۔ آئی انڈر اسٹینڈ۔'' وہ مسکرا دیا۔ نتاشا بھابی کے لیے سرفراز کا اس طرح محبت سے بولنا اچانک اسے کلثوم کی یاد دلا گیا۔ جس سے کچھ دن پہلے سرفراز شادی کرنے کے لیے تیار تھا۔



www.pklibrary.com

کچھ تھا اس کے چہرے پر سرفراز جسے پا گیا تھا۔

''نتاشا اور میرے درمیان اب سب ٹھیک ہے۔ نازیہ آنٹی کے تھرو ایک اچھے پروپوزل کے لیے ہاں کہہ دی ہے کلثوم نے۔ تھینکس، تم نے شاید درست مشورہ دیا مجھے۔ میں کلثوم کو فنانشلی تو سپورٹ کر سکتا تھا مگر ایموشنلی نہیں۔ نتاشا کی میرے دل اور میری زندگی میں جو جگہ ہے وہ میں کسی اور کو دے ہی نہیں سکتا۔''

''میں جانتا ہوں۔ کچھ لوگ ہماری زندگی میں آکسیجن کی طرح ہوتے ہیں۔ ہم ان کے بغیر جی ہی نہیں سکتے۔'' سرفراز کو رشک سے دیکھتے ہوئے اس کے لہجے میں تھکن اتر آئی تھی۔

''شہرین بھابی بہت اچھی لگی ہیں مجھے۔ تم بہت لکی ہو زاویار۔'' سرفراز کا انداز تنبیہہ لیے ہوئے تھا۔ زاویار نے کسی خیال سے نکل کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ گہری تادیبی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ڈونٹ وری۔ میں کمٹمنٹ نبھانے والا بندہ ہوں سرفراز۔''

''میرے کہنے کا مقصد یہ نہیں تھا یار۔'' سرفراز اس کے اس طرح جتانے پر یکبارگی شرمندہ سا ہو گیا۔

''اٹس او کے سرفراز۔ ضروری نہیں کہ دوسروں کے بارے میں ہمارے تمام مفروضے ہمیشہ درست ثابت ہوں۔''

''please don't get me wrong'' سرفراز درحقیقت نادم ہو گیا تھا۔

''جانے دو۔ تم میرے لیے فکرمند رہتے ہو۔ حق جتاتے ہو۔ فرض سمجھتے ہو اپنا۔ مجھے تمہارے خلوص نے خرید رکھا ہے۔ کہوں بھی تو کیا۔''

سرفراز کی ندامت پر وہ کھلے دل سے بولا تو سرفراز مسکرا دیا۔

''شکر الحمدللہ۔ دیر سے ہی سہی۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی تمہارے۔''

جواباً زاویار متبسم اسے دیکھنے لگا تھا۔

''او کے اللہ حافظ۔ بھابی کو سلام دینا میرا۔''

''ہوں دوں گا۔ تم بھی کراچی کا چکر لگاؤ شہرین بھابی کے ساتھ۔ عاصمہ آنٹی بھی انتظار کر رہی ہوں گی تمہارا۔''

''ہوں۔ آؤں گا ان شاء اللہ!''

''اور ہاں۔ یہ کلثوم نے دیا تھا تمہارے لیے پچھلے ہفتے۔ کہہ رہی تھی کہ جب بھی تم سے ملاقات ہو۔ تمہیں دے دوں۔''

اگنیشن میں چابی ڈالتے ہوئے اچانک سرفراز کو کچھ یاد آیا تو اس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک بند لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے سوالیہ انداز میں کہتے ہوئے لفافہ تھام لیا تھا۔

''پتا نہیں۔ ہو سکتا ہے اپنی شادی کا دعوت نامہ بھیجا ہو اس نے۔'' سرفراز نے خیال ظاہر کیا۔

''او کے۔''

''ویسے جاتے، جاتے ایک خبر دے جاؤں تمہیں؟'' اس کے خیال سے سرفراز کو اب چلے جانا چاہیے تھا فلائٹ کو دیر ہو سکتی تھی اسے۔ مگر وہ کچھ سوچ کر پوچھ رہا تھا۔

''ہاں کہو۔''

''بابر زمان اگلے ہفتے نہیں، اگلے ماہ واپس آئے گا پاکستان۔''

سرفراز کی اطلاع اسے جھٹکے سے دوچار کر گئی۔ اس نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا۔

''کیوں؟'' اس کے ماتھے کی رگیں تن گئی تھیں۔



www.pklibrary.com

''شوکت زمان پچھلے ماہ بائی پاس کے لیے امریکا گیا ہے۔ اس کے لوٹنے سے پہلے بیٹا بھی نہیں آئے گا واپس۔ دونوں کی اگلے ماہ روانگی ہے اپنے، اپنے ٹھکانوں سے۔'' سرفراز نہایت سنجیدگی اور اعتماد سے بولا تو وہ چند لمحے اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

''تمہیں یہ اطلاع کس نے دی؟''

''اسی نے جس نے تمہیں خبر دی۔ اسی لیے میں نے کہا تھا کہ نہ یہ بندہ معتبر ہے نہ اس کی اطلاع۔''

''پھر تو جو خبر تمہیں ملی۔ وہ بھی تو غلط ہو سکتی ہے۔''

''نہیں، میں نے دوسرے ذریعے سے بھی پتا کروالیا۔ یہ خبر مصدقہ ہے۔ اینی وے، یہ تمہاری زندگی کا ایک خوب صورت پیریڈ ہے۔ اسے انجوائے کرو اور آغا جان کو سلام دینا میرا۔ نیکسٹ ٹائم ان شاء اللہ ان سے بھی ملاقات رہے گی۔'' اسے گہری سوچ میں دھکیل کر سرفراز کار آگے بڑھا لے گیا تو وہ سست قدموں سے اندر چلا گیا۔ بابر زمان سے ملنے کا جس قدر بے تابی سے وہ منتظر تھا۔ اسی قدر اس کام میں تاخیر ہوتی جا رہی تھی۔

''اور تم اس سے مل کر کیا کرو گے زاویار انصاری؟ اب بھلا کر بھی کیا لو گے؟'' اس کے اندر کسی کی آواز گونجی تھی۔ جسے ذہن سے جھٹکتے ہوئے وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ کہ ہاتھ میں پکڑے لفافے نے اپنی جانب توجہ مبذول کرائی۔ اس نے کسی خیال کے تحت اسے کھول لیا۔

''زاویار صاحب! السلام علیکم!

آپ کیسے ہیں؟ یقیناً خوش باش ہوں گے۔ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ آپ کی زندگی میں کبھی کوئی دکھ نہ آئے۔ جو لوگ دوسروں کے دکھ سمیٹتے ہیں اللہ انہیں ہمیشہ سکھی رکھتا ہے۔ جو کچھ آپ نے میرے لیے کیا ہے۔ میں مر کر بھی آپ کا احسان نہیں چکا سکتی۔ میری ذات اور پورا خاندان آپ کا سدا احسان مند رہے گا۔ آپ کی خالہ نے میرے لیے ایک اچھے جیون ساتھی کا انتخاب کیا ہے۔ امید ہے آگے زندگی اچھی گزرے گی۔ اللہ آپ کے دین و دنیا کو روشن کرے اور عزت و عافیت میں رکھے۔ آمین!

والسلام..... کلثوم''

سفید ورق پر لکھے الفاظ تھے یا تپتی لو میں خوشگوار بارش کی ٹھنڈی ٹھار بوندیں، اسے اپنے اندر کی جلن پر برف پڑتی محسوس ہوئی۔

''اللہ تمہیں بھی سدا خوش و آباد رکھے دُرِ مکنون۔''

خط کے کاغذ کو تہ کرتے ہوئے بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا تھا۔ اور پھر کلثوم کی جگہ زبان سے نکلنے والے دُرِ مکنون کے نام نے اسے خود ہی چونکا دیا۔ کلثوم اک بار پھر اسے درمکنون کی یاد دلا گئی تھی۔

کس قدر پیار سے اے جانِ جہاں رکھا ہے
دل کے رخسار پہ اس وقت تیری یاد نے ہاتھ
یوں گماں ہوتا ہے گرچہ ہے ابھی صبحِ فراق
ڈھل گیا ہجر کا دن آ بھی گئی وصل کی رات

دریچے سے باہر کی تاریکی پر نظر جماتے ہوئے وہ خود میں کھو سا گیا تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز پر پلٹ کر دیکھا۔ شہرین کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ نگاہیں ملنے پر وہ دھیرے سے مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ میں ایک عجیب سے اداسی تھی۔ جس نے زاویار کو یک دم بے چین کر دیا تھا۔

''چائنیز چلیں؟'' کسی نادیدہ قوت نے اسے شہرین کے پاس لا کھڑا کیا اور یہ کہلوایا تھا۔ جس پر اس نے لمحے بھر کے لیے اس کی طرف حیرت سے دیکھا تھا اور پھر کچھ سوچ کر سر اثبات میں ہلا گئی تھی۔ (جاری ہے)



www.pklibrary.com

# سالگرہ

ثمینہ عظمت علی

ماہم گلابی فراک میں اس قدر پیاری لگ رہی تھی کہ زارا وارفتگی سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ پھر اسے اپنی امی کی بات یاد آئی کہ بعض اوقات بچوں کو اپنی ماں کی نظر بھی لگ جایا کرتی ہے۔

اس نے ماہم کے من موہنے چہرے سے اپنی نگاہیں ہٹائیں اور معوذتین (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) پڑھنے لگی پھر اس نے ٹیبل پر نگاہ دوڑائی۔ ساری تیاری مکمل تھی۔ کیک، گڈی بیگز، اسنیکس..... وہ خود بھی نیا سوٹ پہنے بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اس نے ماہم کو کیک اور دیگر لوازمات والی ٹیبل کے آگے کھڑا کر کے موبائل سے اس کی تصاویر لیں۔ مختلف کارٹون کیریکٹرز کی شکل کے گڈی بیگز اس کی تین چار دن کی مسلسل محنت کا نتیجہ تھے۔ بازار کے بیگز کافی مہنگے پڑ رہے تھے۔ بس زارا کے اندر کا آرٹسٹ جاگ اٹھا۔ اس نے بازار میں ان



www.pklibrary.com

کے مختلف ڈیزائنز کا جائزہ لیا، باقی کسر گوگل نے پوری کردی۔ اس نے اسٹیشنری سے مطلوبہ سامان لیا اور خود کام میں جت گئی۔ اس کے شوہر نے پہلے تو اس کا بہت مذاق اڑایا اور اسے ان خرافات سے دور رہنے کی تلقین لیکن زارا کے سر پر تو ماہم کی سالگرہ اسکول میں منانے کا سودا سوار تھا۔ اور اس کی تین دن کی محنت ایسا رنگ لائی کہ اس کا میاں کاشف بھی اس کو سراہنے پر مجبور ہو گیا نہ صرف یہ بلکہ وہ خود اپنے ایک دوست کی ہول سیل کی دکان پر جا کر ان گڈی بیگز میں ڈالنے کے لیے رنگین پنسلیں، اسٹکرز اور چاکلیٹس بھی لے آیا۔

☆☆☆

زارا کا تعلق ایک غریب گھرانے سے تھا گو کہ وہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی اور اس کے والدین نے حتی المقدور اسے اچھے طریقے سے پالنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کے باوجود ان کے پاس زیادہ اللوں تللوں کی گنجائش نہ تھی اور نہ ہی دھوم دھام سے سالگرہ یا دیگر تقریبات منانے کا رواج تھا۔ اپنے ہی طبقے کے لوگوں کے بیچ رہتے زارا کو خود بھی ان چیزوں کا احساس نہ تھا۔ اور وہ اپنے ابو کے لائے ہوئے سستے کھلونوں اور امی کے سیے ہوئے کپڑوں پر ہی خوش رہتی۔ پڑھائی میں اچھی تھی۔ دل لگا کر پڑھتی تھی۔ اس کی ماں تو میٹرک کراتے ہی اس کی شادی کر دینا چاہتی تھی لیکن اسکول کی ہیڈ مسٹریس نے ان سے کہا کہ وہ زارا کو کم از کم بی اے ضرور کروائیں اور خود انہوں نے زارا کو تاکید کی کہ وہ ٹیچنگ کا کوئی کورس بھی کر لے۔ وقت تو پر لگا کر اڑ جاتا ہے۔ زارا کی قسمت کہ اِدھر اس نے بی اے کیا اور اُدھر گورنمنٹ ٹیچرز کی بے شمار اسامیوں کا اعلان ہوا، یہاں بھی اس کی ان ہی ٹیچر نے فارم بھرنے سے لے کر امتحان دینے تک اس کا ساتھ دیا اور زارا کو نزدیک کے دیہی علاقے میں جاب مل گئی۔

ابھی جاب ملے کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ اس کے لیے کاشف کا رشتہ آ گیا۔ وہ ایک پڑھا لکھا خوش شکل لڑکا تھا اور نوکری بھی بہت اچھی نہ سہی تو بری بھی نہیں تھی اور آگے ترقی کے امکانات روشن تھے۔ زارا نے بہت احتجاج کیا، وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''امی پلیز، ابھی تو مجھے جاب ملی ہے، مجھے کچھ تو اس گھر کے لیے کرنے دیں۔ ساری زندگی ابو نے بہت محنت کی ہے اب مجھے موقع ملا ہے کہ میں ان کو کچھ آرام دوں، آپ کے لیے کچھ کروں۔ میں نے کل ہی ایک کام والی کے لیے بات کی ہے تاکہ آپ کو بھی آرام ملے۔'' لیکن زارا کے والدین نے اس کی ہر بات رد کر دی۔

''والدین کے لیے سب سے اہم فریضہ بیٹی کا گھر بسانا ہوتا ہے، ہم ابھی خود سب کام کر سکتے ہیں۔'' یہ ان کا موقف تھا۔

یوں زارا بیاہ کر کاشف کے گھر آ گئی اور اس کے بعد وہ اپنے والدین کے اس فیصلے پر ان کی اور خدا کی بہت شکر گزار رہی۔ کاشف بھی اس کی طرح اکلوتا تھا، اس کے باپ کا انتقال ہو چکا تھا اور گھر میں بس اس کی ماں تھی۔ زارا کو جب گرمی میں اسکول سے آ کر تیار کھانا ملتا تو وہ اپنی قسمت اور ساس کی بے حد شکر گزار رہتی۔ قدرت نے اس کی گود میں پیاری سی بیٹی کا تحفہ ڈالا تو وہ مزید سرشار ہو گئی۔

کاشف نے کوشش کر کے اس کا ٹرانسفر نزدیک کے اسکول میں کروا دیا تھا۔ یہ اسکول اس کے سابقہ اسکول کے مقابلے میں بہت بہتر تھا۔ وہ گاؤں والا اسکول تو کافی ٹوٹا پھوٹا تھا اور بچے بالکل مفلوک الحال..... وہاں اس کے ساتھ محض ایک ٹیچر اور تھی جو ہیڈ مسٹریس کے فرائض بھی انجام دیتی تھی۔ اس نئے اسکول کی بچیاں گو کہ زیادہ خوش حال گھرانوں سے تعلق نہیں رکھتی تھیں لیکن پھر بھی کافی بہتر تھیں۔ یہاں کی ٹیچرز بھی کافی ماڈرن تھیں۔ زارا خود بھی کماتی تھی اور کاشف بھی اس کا بہت خیال رکھتا تھا اور اس کی اپنی زندگی مالی لحاظ سے اتنی بری نہیں تھی لیکن اس کے... باوجود یہ ماحول اس کے لیے نیا اور خوش کُن تھا۔ نت نئے فیشن، پارٹیاں، اسمارٹ فون، فیس بک، واٹس ایپ وغیرہ.....



www.pklibrary.com

''میرے بچوں کے اسکول میں آج پی ٹی ایم ہے پلیز تم بھی میرے ساتھ چلو۔ یار وہاں ٹیچرز بہت انگریزی بولتی ہیں۔ تمہاری گرامر بھی اچھی ہے.....'' زارا کی کولیگ عائشہ نے ایک دن زارا سے کہا۔ زارا شرما گئی، یہ ٹھیک تھا کہ محنت سے پڑھنے کی وجہ سے وہ پڑھائی میں بہت اچھی تھی اور یہاں کی کافی ٹیچرز قابلیت میں اس سے پیچھے تھیں۔ لیکن انگریزی روانی سے بولنے کی عادی نہیں تھی بلکہ عائشہ ہی گفتگو کے دوران انگلش جھاڑتی رہتی تھی۔

''ارے بھئی یہ کوئی گلی، محلے والا انگلش میڈیم اسکول نہیں ہے، بڑا ہائی لیول ہے، کراچی اور حیدرآباد کے بعد اب یہاں برانچ آئی ہے۔ بہت مہنگا ہے۔ میرے تو دونوں بچے وہیں پڑھتے ہیں۔'' اس نے فخر سے بتایا۔

عائشہ کے ساتھ اسکول جا کر واقعی زارا کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس کی محدود زندگی کے محدود تر مشاہدے میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی۔ یہ کوئی حیرت کدہ تھا جہاں وہ داخل ہوئی۔ سجے سنورے کلاس روم، لش لش کرتے فرش اور فرنیچرز، ماڈلز اور اداکاروں جیسی خوب صورت اور خوش لباس ٹیچرز۔ اٹھنے بیٹھنے بولنے کے مغربی انداز، غیر معمولی پرسنالٹی کی مالک پرنسپل، انگریزی فلموں جیسے بچے۔ زارا کو تو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ بچوں اور زیادہ تر ٹیچرز کا تعلق اس کے اپنے شہر سے ہی تھا۔

''ہاں تو میں نے کیوں سمجھ لیا کہ میرے شہر میں سب میرے جیسے لوگ ہی ہوں گے۔ اچھا خاصا شہر ہے، یہاں امیر لوگ بھی تو ہوتے ہیں یہ اور بات کہ ان سے ہمارا کوئی تعلق یا رشتہ نہ ہو۔'' اس نے خود کو سمجھایا اور یہی وہ لمحہ تھا جب اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی بیٹی ماہم کو اسی اسکول میں پڑھائے گی۔

گھر آ کر اس نے اپنی ساس اور میاں کو ساری تفصیل بتائی اور کہا کہ وہ فیصلہ کر چکی ہے کہ وہ ماہم کا ایڈمشن وہیں کروائے گی۔

''کرا لینا بھئی.....ابھی تو میری گڑیا ایک سال


## قارئینِ بیرونِ ملک متوجہ ہوں!

محکمہ ڈاک نے دوسری مرتبہ بیرون ملک ڈاک خرچ پر تقریباً 200 سے 250 فیصد اضافہ کر دیا ہے جس کی وجہ سے ہم بحالت مجبوری بیرون ملک ڈاک خرچ میں اضافہ کر رہے ہیں۔

جو کہ اس ماہ نومبر 2020 سے لاگو ہو گا جس کی تفصیل تمام رسائل میں فراہم کر دی گئی ہے۔

سرکولیشن منیجر
جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز




www.pklibrary.com

کی بھی نہیں....." کاشف نے ماہم کو گود میں اچھالتے ہوئے کہا۔

اس کی ساس بھی اسے مسکرا کر دیکھتی رہیں۔ وہ ماہم کی ماں تھی اور ان کی بے حد خدمت گزار اور فرمانبردار بہو تھی۔ ان کو اس کی خواہش پر کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔

زارا تو بس ماہم کو دو سال کی عمر میں ہی اسکول بھیجنے پر تیار تھی لیکن اس بات پر کاشف، ساس حتیٰ کہ اس کے اپنے ماں باپ نے بھی اس کا ساتھ نہ دیا۔ کوئی بھی اتنی چھوٹی بچی کو اسکول بھیجنے پر رضامند نہ تھا۔

"لیکن وہاں ڈھائی سال کی عمر میں ہی پلے گروپ میں لے لیتے ہیں۔ بچہ اسکول سے مانوس ہو جاتا ہے، ڈسپلن آتا ہے۔"

"یہ تو ڈے کیئر ہی ہوگیا، کیا ضرورت ہے جب گھر میں ماہم کو سنبھالنے کے لیے امی موجود ہیں۔" کاشف نے کہا۔

"بیٹا بچے کی پہلی درس گاہ تو ماں یا دادی کی گود ہوتی ہے۔ تم بھی اسکول کے بعد ماہم کو بہت اچھی طرح سنبھالتی ہو اور میں بھی اس کی دیکھ بھال میں کوئی کمی نہیں چھوڑتی۔" اس کی ساس نے کہا۔ اس میں کوئی شک نہ تھا، ماہم کی دادی نے اسے بسم اللہ پڑھنا، پہلا اور دوسرا کلمہ اور درود شریف تک سکھا دیا تھا۔ میاں اور ساس کے علاوہ جب اس کے اپنے والدین نے بھی مخالفت کی تو زارا کے پاس انتظار کے سوا کوئی چارہ نہ رہا اور اس نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ اگلے سیشن تک جب کہ ماہم بھی سوا تین سال کی ہوچکی ہوگی تو وہ ضرور ہی اس کا ایڈمشن کروادے گی۔

شومئی قسمت ماہم کے تین سال پورے ہونے سے پہلے ہی اچانک اس کی دادی کا انتقال ہوگیا۔ زارا کے لیے یہ بڑی آزمائش تھی، ایک تو ان کے درمیان کبھی ساس بہو والا روایتی رشتہ نہیں رہا تھا۔ دونوں میں بے حد ہم آہنگی تھی، دوسرے زارا جاب کرتی تھی تو اسے گھر کی اضافی ذمے داریوں کی کوئی پریشانی نہیں تھی۔

وہ اکثر اپنی ساتھی ٹیچرز کو جاب کے ساتھ گھر، شوہر، بچوں اور خاندان کی الجھنوں میں مبتلا دیکھتی تو خدا کا بے حد شکر ادا کرتی۔ اس کی دوستیں بھی اس کی کارکردگی اور چھٹی نہ کرنے کی وجہ سے اس پر رشک کرتی تھیں۔

اب جو گھر، بچی، کاشف کے کاموں کے علاوہ ماں کے جانے پر اس کی دل گرفتگی، یہ سب زارا کو سنبھالنا تھا۔ سب سے زیادہ مسئلہ ماہم کو سنبھالنے کا تھا۔ ان کا گھر زارا کے میکے سے بہت دور تھا، اب تو کاشف بھی ماہم کو اسکول بھیجنے کے حق میں تھا، درمیان میں گرمیوں کی چھٹیاں آجانے سے زارا کو بھی کچھ سکون ملا۔ اگست میں نیا تعلیمی سال شروع ہونے پر اس کے اسکول جانے کا فیصلہ ہوگیا۔ ویسے بھی وہ تین سال کی تو ہو ہی چکی تھی۔

ایڈمشن اور ماہانہ فیس اس کی توقع سے کہیں زیادہ تھی۔ کاشف بھی گڑبڑا گیا کیونکہ ماں کی اچانک طبیعت خراب ہونے اور ان کے چند روزہ علاج پر ہی اس کی اچھی خاصی رقم خرچ ہوگئی۔ پھر اس کی امی کو پنشن ملا کرتی تھی وہ بھی بند ہوگئی۔

زارا بھی گڑبڑا گئی کیونکہ... انہوں نے فیملی بھی بڑھانی تھی لیکن اسکول میں داخل ہوتے ہی اس پر دوبارہ وہ سحر طاری ہوچکا تھا جو پہلی بار ہوا۔ وہ اپنی ساری بچت خرچ کر کے بھی اس خواہش سے دست بردار ہونے پر تیار نہ ہوئی۔

نئے داخل ہونے والے بچوں کے والدین کی تعارفی تقریب میں تو وہ بالکل ہی پاگل ہوگئی۔ اب تو وہ سارے چالان وغیرہ ادا کر چکے تھے آج ان کو وی آئی پی پروٹوکول دیا گیا۔ پورا اسکول دکھایا گیا، شہر کے نمایاں لوگ اپنے بچوں کے ساتھ وہاں موجود تھے اور وہ اپنی بچی ماہم کے ساتھ۔ اس کا سر فخر سے بلند ہوگیا۔

ایک جگہ ذرا گہما گہمی تھی۔ پورا ایریا کسی کی سالگرہ کی تیاری کے لیے سجا ہوا تھا جو بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ غبارے، پپی برتھ ڈے کے بینرز، پھول، اونچی ٹیبل.....



www.pklibrary.com

''کسی بچے کی سالگرہ ہوگی۔'' عائشہ نے کہا۔

''کیا مطلب.....؟'' زارا نے پوچھا۔

''بھئی یہ برتھ ڈے ایریا ہے، جب کسی بچے کا برتھ ڈے ہوتا ہے تو اس کے پیرنٹس کیک وغیرہ لے کر آتے ہیں اور یہاں سیلیبریٹ کیا جاتا ہے۔''

''واہ.....'' زارا تو دنگ رہ گئی۔ ''اتنی اہمیت، اتنی عزت، ایسا اہتمام.....'' بس اسی لمحے زارا کے دل میں شدید ترین آرزو پیدا ہوئی کہ جلد از جلد ماہم کی سالگرہ بھی یہاں منائی جائے لیکن اس کے لیے اسے کافی انتظار کرنا ہوگا۔ اس نے دل ہی دل میں اندازہ لگایا، ابھی تو اگست تھا اور ماہم اپریل میں پیدا ہوئی تھی۔

لیکن آنے والے دنوں میں اسے اندازہ ہوگیا کہ یہ تاخیر اس کے لیے غنیمت تھی کیونکہ تقریباً ہر ماہ ماہم اسکول سے ایک گفٹ پیک لیے آتی تھی کہ آج فلاں بچے کا برتھ ڈے تھا تو یہ ملا ہے، زارا ان اشیا کو دیکھ کر اندازہ لگاتی کہ ایک پیکٹ ہی کتنا مہنگا ہوگا۔ اور ایسے پیکٹ ساری کلاس کو دیئے ہوں گے۔ وہ دل ہی دل میں اس خرچے کا اندازہ لگاتی۔ اس نے گھر کے کاموں میں مدد کے لیے ایک کام والی رکھی تھی لیکن بچت کے چکر میں اس نے اسے فارغ کردیا۔ کاشف کا بھی پروموشن ہوا تھا لیکن اس سے تنخواہ میں کوئی زیادہ اضافہ نہیں ہوا تھا۔ اِدھر ماہم کے اسکول کی بھاری فیس کے علاوہ آئے دن کے اخراجات،، آج ریڈ ڈے تو کل یلو ڈے، فلاں ایکٹویٹی کے لیے فلاں سامان پکنک کے پیسے، پارٹی کے پیسے، مختلف کیریکٹرز کے لیے نت نئے کاسٹیومز.....اب تو زارا نے ٹیوشن پڑھانی بھی شروع کردی اور دو کمیٹیاں بھی ڈال دیں، ایک ماہم کی سالگرہ کے لیے اور دوسری اس کی دیگر شاپنگ کے لیے۔

آخر کار اپریل کا مہینہ بھی آن پہنچا۔ زارا کا جوش و خروش عروج پر تھا۔ عائشہ اور دیگر دوستوں اور مختلف پروگرامز میں ماہم کے اسکول جانے کی وجہ سے اسے بھی بہت سی نئی باتوں اور نئے ٹرینڈز کا علم ہو چکا تھا مزید کسر موبائل اور انٹرنیٹ نے پوری کردی تھی۔ آئے دن اسٹاف روم میں اداکاروں کی شادیاں ہنی مون، بچوں کی سالگرہیں ڈسکس ہوتیں، انسٹاگرام پر ان کی تصاویر ایک دوسرے کو دکھائی جاتیں اور زارا ان میں بھرپور دلچسپی لیتی۔

اس نے میاں سے ضد کر کے ماہم کی سالگرہ کی شاپنگ کراچی سے جا کر کی، اس نے جو ڈریس اس کے لیے پسند کیا تھا وہ اچھا خاصا مہنگا تھا لیکن زارا جانتی تھی کہ اس سے کم میں وہ بات نہیں ہوگی اور پھر اسے فیس بک، انسٹا اور واٹس ایپ وغیرہ پر پکس شیئر بھی تو کرنی تھیں۔

گڈی بیگز پر اس نے پھر بھی سمجھوتا کرلیا کہ پھر تو اس کا بجٹ بالکل ہی ساتھ نہ دیتا لیکن اس کا حل یہ نکالا کہ وہ ان کو خود تیار کرے گی، نہ صرف اس لیے کہ اس سے بچت ہوگی بلکہ جو آج کل (do it your self) کا فیشن چلا ہوا تھا وہ بھی پورا ہوگا۔

شہر کی ایک اچھی خاصی بیکری سے اس نے کیک بنوایا، اسنیکس آرڈر کیے۔ گڈی بیگز بنائے۔

ماہم گلابی فینسی فراک میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔ کاشف ٹیکسی لے آیا، سامان زیادہ ہونے اور ماہم کی ٹیل فراک کی وجہ سے اس نے کاشف کو تاکید کی تھی کہ وہ انہیں ٹیکسی میں لے جائے ویسے تو وہ ماہم کو اپنی بائیک پر ہی اسکول چھوڑنے جاتا تھا۔ جب بھی زارا کو جانا ہوتا تو بھی بائیک ہی استعمال ہوتی لیکن آج تو اہم دن تھا۔

آج برتھ ڈے ایریا کی شکل ہی کچھ اور تھی، پرانی سیٹنگ ختم کر کے نئی کی گئی تھی جو پہلے سے کہیں زیادہ اچھی تھی، ٹیبل بھی زیادہ بڑی تھی اور صوفہ اور کرسیاں بھی رکھی تھیں۔

''کیا ماہم کی وجہ سے.....؟'' زارا نے دل میں سوچا..... ''ہو بھی سکتا ہے۔'' اس نے خود ہی اپنی بات کی تائید کی۔ ماہم تو ٹیچر کی بہت ہی فیورٹ ہے وہ ہر روز اس کے گالوں پر اسٹکر لگاتی ہیں، پی ٹی ایم میں اس کی اتنی تعریف کرتی ہیں، مائے اسٹار، مائے پرائڈ وغیرہ ماہم کی ٹیچر نے ان کا استقبال کیا، ماہم کو پیار کیا لیکن نہ جانے کیوں وہ زارا کو عجلت میں نظر آئیں۔



www.pklibrary.com

انہوں نے کلاس سے کچھ بچوں کو بلوایا۔ زارا نے حیرت سے پوچھا کہ سارے بچے کیوں نہیں آئے تو انہوں نے کہا کہ سارے بچے نہیں آسکتے، ابھی زارا نے مزید کچھ پوچھنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ آیا جی نے ٹیچر سے آکر کہا "میڈم نے کہا ہے کہ ایریا جلدی فارغ کریں کیونکہ آج برتھ ڈیز اور بھی ہیں۔"

"جی جی..... مسز کاشف پلیز جلدی کیک کٹوائیں، کبھی، کبھی ایک ہی دن ایک سے زیادہ بچوں کی پارٹی ہوتی ہے تو اسپیس کا مسئلہ ہوتا ہے۔" ٹیچر نے بالآخر اتنا بتانا گوارا کر ہی لیا۔

"وہ میڈم....." زارا نے پوچھنا چاہا..... کیونکہ اس نے اکثر تصویروں میں دیکھا تھا کہ پرنسپل بھی کیک کاٹنے کے وقت موجود ہوتی ہیں۔

"میڈم بزی ہیں اور وہ کیسے ہر بچے کی برتھ ڈے پر آسکتی ہیں..... پلیز ڈونٹ ویسٹ دا ٹائم....." مس نے جلدی سے ماہم کا کیک ٹیبل پر رکھوایا، کیک اور دیگر سامان کو دیکھنے یا سراہنے کا وقت ان کے پاس نہیں تھا۔

"وہ آپ کا فوٹو گرافر....." گو کہ ماحول کے سرد پن کے باوجود زارا ماہم کی کافی تصویریں لے چکی تھی لیکن آخر کیک کٹتے وقت تو زارا اور کاشف نے اس کے ساتھ ہی کھڑا ہونا تھا اور ٹیچر نے بھی اور زارا یہ بھی جانتی تھی کہ اسکول کا اپنا فوٹو گرافر ہر تقریب میں موجود ہوتا ہے۔

"چلیں آپ کیک کٹوائیں میں تصویر لیتی ہوں۔" ٹیچر نے اس بار فوٹو گرافر کی غیر موجودگی کی وجہ بتانا بھی ضروری نہ سمجھا۔

ابھی ماہم نے بمشکل کیک پر چھری پھیری ہی تھی کہ قدرے بھگدڑ سی مچ گئی۔

"جلدی کرو راحمہ..... وہ لوگ آگئے ہیں اور میری کلاس بھی....." زارا اور کاشف حیران پریشان سب دیکھ رہے تھے۔ سامنے بچوں کی ایک لائن جو شاید فور کلاس کے تھے آرہی تھی۔ ویسے تو صرف وہ بچہ گھر کے کپڑے پہن کر آتا تھا جس کی سالگرہ ہوتی لیکن یہ پوری کلاس رنگ برنگے قیمتی کپڑوں میں ملبوس تھی۔ ماہم کی کلاس کی دو بچیاں ایلسا اور آنا کے کاسٹیوم میں گلدستے لیے ایک ٹیچر کے ساتھ گیٹ کی طرف جارہی تھیں۔ اب زارا نے دیکھا کہ فوٹو گرافر بھی گیٹ پر الرٹ کھڑا تھا۔

"بس ہو گیا آپ کا..... پلیز یہاں سے ہٹ جائیں، ماہم کو ساتھ لے جائیں یا کلاس میں بھیج دیں، آپ کی مرضی ہے۔ پلیز..... اور تم لوگ....." انہوں نے درشتی سے ہیلپر اسٹاف سے کہا۔ "اٹھاؤ یہ سب جلدی....." انہوں نے زارا کے لائے سامان کی طرف اشارہ کیا..... دو لڑکے جلدی، جلدی سامان سمیٹنے لگے۔ ٹیچر اپنے چند بچے لیے چلی گئی۔

"بھئی آج ایم این اے کے بچے کی سالگرہ ہے اسی لیے سارے اسکول میں آفت آئی ہوئی ہے۔" ایک لڑکے نے کہا۔

"ہاں بھئی اب تو کچھ دن پہلے ہی منسٹری بھی مل گئی ہے انہیں ہر بار شاندار پارٹی کرتے ہیں بیٹے کی سالگرہ پر..... پچھلے سال یاد ہے جمپنگ کیسل لگوایا تھا۔"

"اوئے جلدی کر..... چل ادھر اسٹور میں ڈال دے۔ بعد میں گھر لے جائیں گے۔" کسی ملازم نے کہا۔

زارا نے سامنے دیکھا۔ میڈم، منسٹر اور اس کے بیٹے کے ساتھ خوشی، خوشی اسی طرف آرہی تھیں۔ فوٹو گرافر کھٹا کھٹ تصویریں لے رہا تھا، ایک ٹیچر ویڈیو بنا رہی تھی۔ دو ملازم مل کر جہازی سائز کیک اٹھا کر لا رہے تھے۔ پھر گیٹ پر مشہور فوڈ چین کے ٹرک آکر رکے اور ان کے باوردی ملازم بڑے، بڑے پیکٹ اٹھا کر اندر آنے لگے۔

لرزتے قدموں اور کپکپاتے ہونٹوں اور نم آنکھوں کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے زارا کی نظر اسٹور کے ادھ کھلے دروازے پر پڑی جہاں اس کے بنائے ہوئے گڈی بیگز بکھرے ہوئے تھے اور ڈول کیک اوندھے منہ پڑا تھا۔

❁❁❁



www.pklibrary.com

# لال چنریا شگناں والی

نزہت جبیں ضیا

''اری زبیدہ......! بس بھی کردے سونا، عصر کا وقت آ گیا ہے۔ افطار کی بھی تیاری کرنی ہے کہ نہیں۔ گھوڑے گدھے بیچ کر سوئی ہے کیا......؟'' کلثوم نے باقاعدہ چلّاتے ہوئے زبیدہ کے اوپر سے ململ کی تنی چادر کھینچ ڈالی۔

''اُف اماں......! کیا مصیبت ہے بھئی، اتنا اچھا خواب دیکھ رہی تھی۔ قسم سے سارا ستیاناس کر ڈالا......'' زبیدہ جھنجلا کر اٹھ بیٹھی۔

''چپ کر...... الٹے سیدھے خواب دیکھنا چھوڑ دے...... حقیقت کی دنیا پر نظر رکھ۔ اٹھ جلدی سے...... افطار کی تیاری کر لے عصر پڑھ کر، لائٹ ہے ابھی...... میں ایک قمیص سی رہی ہوں۔''

''ہائے اماں! یہ کیا کہہ رہی ہو۔ کم از کم خواب دیکھنے کا حق تو مت چھینو۔ ہم لوگ خوابوں میں ہی تو جینے والے لوگ ہیں۔ اسی میں خوش رہنے دو ہمیں......'' بکھرے بالوں کو سمیٹ کر کیچر میں جکڑتے ہوئے وہ اداس کے لہجے میں بولی۔

''اسی لیے کہتی ہوں موئے رسالے پڑھنا چھوڑ دے۔ بہت باتیں کرنی آ گئی ہیں تجھے...... یہ عاشقی، معشوقی کے قصے پڑھ، پڑھ کر اب ٹیم ضائع نہ کر اور





www.pklibrary.com

جلدی سے اٹھ کر نماز پڑھ کر باورچی خانہ سنبھال....."
کلثوم نے اس کی باتوں پر سر پیٹ کر کہا۔

"ارے اماں بس بھی کردو..... باورچی خانہ، افطار کی تیاری..... ایسے گردان لگا رکھی ہے جیسے ہمارے یہاں درجنوں قسم کے پکوان بنتے ہیں افطار میں۔ پندرہ منٹ بھی نہیں لگتے چند پکوڑے تلنے میں، لیموں کا زیادہ پانی والا شربت بنانے میں اور گنتی کی میٹھی ٹکیاں بنانے میں۔" اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"شکر ادا کرو اللہ کا..... بھوکا تو نہیں رکھتا ناں ہمارا مالک ہمیں۔" کلثوم نے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

"ہائے اللہ! کتنا اچھا خواب تھا۔ ایک امیر لڑکا..... مجھے سامنے والی پان کی شاپ پر کھڑا مسلسل دیکھ رہا تھا..... پھر اس نے اپنا فون نمبر بھی دیا تھا۔ ہائے اللہ فون نمبر تو یاد نہیں....." اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر پلنگ سے اتر کر چپل پہن کر غسل خانے کی سمت بڑھ گئی تاکہ وضو کر کے پہلے نماز پڑھ لے۔

کلثوم کافی عرصہ پہلے بیوہ ہوگئی تھی، اس کا شوہر وکیل ایک مل میں معمولی جاب کرتا تھا۔ جس کی وفات کے بعد مل سے معمولی رقم ملی تھی۔ اس وقت زبیدہ بارہ سال کی، توفیق آٹھ سال کا، ثریا چھ سال کی تھی۔ کلثوم نے ملنے والی اس رقم سے گھر کے کونے میں ایک کمرا کرایے کے لیے بنا دیا تھا۔ بچے اتنے چھوٹے تھے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ کہیں سے آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ عزیز رشتے دار سب ہی ان کے جیسے غریب تھے۔ کوئی مدد کرنے کے قابل نہیں تھا اس لیے کرایے کے کمرے کی صورت ہر مہینے کچھ رقم ملنے کا معقول ذریعہ تھا۔ بچے گورنمنٹ اسکول میں پڑھ رہے تھے۔ زبیدہ شروع سے ہی دونوں بچوں میں سب سے الگ تھلگ تھی۔ بڑی بیٹی تھی، باپ لاڈ بھی کرتا تھا۔ اللہ نے رنگ روپ بھی اچھا دیا تھا۔

"ہائے کلثوم یہ چاند تمہارے گھر میں کیسے اتر آیا....." محلے والے حیران رہ جاتے۔

"یہ پریوں جیسی لڑکی تمہارے گھر کیسے پیدا ہوگئی.....؟ زبیدہ اس پری کے لیے تو کوئی شہزادہ ہی آئے گا؟" بچپن سے یہی باتیں اور یہی جملے سنتے، سنتے زبیدہ بڑی ہوئی تھی کہ وہ سب سے الگ ہے۔ اس محلے میں، سارے خاندان میں، اس جیسی کوئی حسینہ نہیں۔ وہ عام نہیں بلکہ بہت خاص لڑکی ہے جس کے لیے خاندان اور محلے کی دوسری لڑکیوں کی طرح کوئی معمولی کام کرنے والا لڑکا نہیں بلکہ کوئی لمبی چمکتی گاڑی والا، جینز اور کلرفل ٹی شرٹ پہن کر پیروں میں بھاری جوگرز پہنے، آنکھوں پر قیمتی دھوپ کا چشمہ لگائے، انگلیوں میں قیمتی سگریٹ دبائے ہوئے۔ کسی بنگلے میں رہنے والا اکلوتا بیٹا ہی بارات لے کر آئے گا۔ اور وہ جب اپنے شہزادے کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر دھیرے، دھیرے تفاخر سے چلتی ہوئی اپنے شہزادے کی لمبی سی گاڑی میں اس کے پہلو میں بیٹھے گی تو..... بے شمار نظریں اس کی جانب مرکوز ہوں گی۔ کتنی لڑکیوں کے لبوں سے آہ نکلے گی..... کتنی لڑکیاں اس کی قسمت پر رشک کریں گی۔ کتنے لڑکے اس کی طرف دیکھ کر دل مسوس کر رہ جائیں گے اور لڑکوں کے تصور کے ساتھ ہی "ایاز" چھم سے سامنے آجاتا۔ دُبلا پتلا سیدھا سادہ کم گو اور واجبی سی صورت شکل والا ایاز جس کے لیے شروع سے اس کے ذہن میں یہ بات ڈالی گئی تھی کہ اس کا بیاہ ایاز سے ہوگا۔

ایاز اس کی خالہ کا بیٹا تھا جس کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور خالہ نے بیوگی کے بعد ایاز کو باپ بن کر پالا..... غریبی اور مفلسی کے دن گزار کر بے تحاشا محنت کر کے بچپن سے ہی چھوٹی موٹی دکانوں پر کام کرتے ہوئے اس نے بمشکل میٹرک کیا تھا اور اب ایک فیکٹری میں معمولی ملازمت کر لی تھی۔ اماں بیچاری نے گھروں میں کام کر کے محلے والیوں کے کپڑے سی، سی کر زندگی گزاری تھی۔ بیٹے نے ملازمت کی تو کچھ ڈھارس ہوئی تو..... گھروں میں کام کرنا تو چھوڑ دیا مگر کپڑے برابر سلائی کرتی۔ ایاز نے ماں کو ہمیشہ محنت کرتے دیکھا تھا، اب وہ چاہتا تھا کہ ماں کو آرام دے، اس کے لیے کچھ



www.pklibrary.com

کر سکے وہ ماں جس نے جوانی سے بیٹے کے لیے بہت کچھ کچھ کیا تھا۔ لیکن شاید قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ جب ذرا سکھ کے دن نصیب ہوئے تو موت نے مہلت نہیں دی اور وہ ایاز کو داغِ مفارقت دے گئیں۔ وہ بالکل تنہا رہ گیا۔ گھر بھی کرایے کا تھا۔ پھر ماں کی موت کے بعد اس کے لیے بہت ساری مشکلات پیدا ہو گئیں اس کا اکیلے گھر میں رہنا بے حد مشکل تھا۔ ایسے میں کلثوم نے بھانجے کو اپنے کمرے میں رہنے کی آفر کر دی۔ اس طرح اس کا کرایہ بھی بچ جاتا اور کھانے پینے کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا۔ ماں کے چالیسویں تک تو وہ اپنے گھر میں رہا پھر خالہ کے گھر رہنے لگا۔

زبیدہ بچپن میں تو خاموش رہتی لیکن جیسے، جیسے بڑی ہوتی گئی اس بات کا احساس شدت پکڑتا گیا کہ ایاز اس کے قابل نہیں۔ ایاز کے پاس تو کچھ بھی نہیں..... وہ خود کسی کے گھر میں پڑا ہے۔ بھلا زندگی کی کون سی آسائش اسے دے سکے گا۔ گنتی کے چند روپے پورے مہینے کے بعد جیب میں ڈال کر گھر واپس آنے والا کیا کھائے گا، کیا کھلائے گا؟ وہ تو ڈھنگ سے اپنی زندگی گزارنے کے قابل بھی نہیں..... تو مجھے کہاں سے پال سکے گا۔ آہستہ، آہستہ اس کے دل میں یہ بات مکمل طور پر بیٹھ گئی کہ وہ ایاز سے شادی نہیں کرے گی بلکہ کسی خوابوں کے شہزادے کے ساتھ بیاہ کر جائے گی۔ وہ اپنی بیزاری کا کھلم کھلا اظہار کرنے لگی۔ ویسے بھی ایاز خود بھی ریزرو رہنے والا تھا، زیادہ آتا جاتا نہیں کبھی کبھار ہی کلثوم کی طرف آتا ورنہ باہر کے راستے سے اپنے کمرے میں ہی آتا جاتا۔ اس کا کھانا تین ٹائم کبھی کلثوم تو کبھی توفیق لے کر چلے جاتے..... وہ صبح، صبح کام پر چلا جاتا، شام کو لوٹتا تو کلثوم خالہ اسے چائے دیتیں..... اس روز وہ چائے لے کر گئی تو ایاز خلافِ معمول لیٹا ہوا تھا۔

''خیر تو ہے ایاز بیٹا.....''

''خالہ سر میں شدید درد ہو رہا ہے، صبح سے ہی طبیعت خراب ہے، مشکل سے کام کیا سارا دن..... ساری رات بھی بخار رہا ہے مجھے۔''

''ہائے اللہ! بتایا کیوں نہیں..... رات کو ہی گولی کھا لیتے، سکون آ جاتا..... اچھا میں ابھی توفیق کے ہاتھ دوا بھیجتی ہوں۔'' کلثوم نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بخار محسوس کرتے ہوئے کہا۔ ایاز نے اثبات میں سر ہلایا۔

تب ہی کلثوم نے سوچ لیا کہ جلد از جلد چند عزیزوں کو بلوا کر تھوڑا بہت جو زبیدہ کے نام سے جمع کر رکھا ہے اس کے حوالے کر کے ایاز کے ساتھ نکاح پڑھوا دے گی۔ ایک تو فرض کی ادائیگی بھی ہو جائے گی۔ مرحوم بہن کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی اور ایاز کی تنہائی بھی دور ہو جائے گی۔ وہ ویسے ہی اتنا شرمیلا تھا کہ زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی رہتا۔ خالہ کے گھر بس ضرورت کے تحت آتا۔ توفیق اور ثریا اکثر اس کا مذاق اڑاتے اور اماں سے جھڑکیاں کھاتے۔

''سچ میں اماں! آپا لڑکا اور ایاز بھائی لڑکی لگتے ہیں..... آپا جتنی تیز، چالاک اور بولنے والی ہے، ایاز بھائی بیچارہ اتنا ہی چپ، خاموش اور سیدھا، معصوم سا ہے۔'' توفیق ہنس کر اپنی بات جاری رکھتا۔

''تو، تجھے کیا تکلیف ہے اگر وہ عورت کی طرح ہے تو..... تو اپنے کام سے کام رکھ اور مجھے اس سے نہ ملایا کر آئی سمجھ.....'' زبیدہ کو ایاز کا نام اپنے نام کے ساتھ سن کر بھی غصہ آ جاتا۔ وہ تو اب اس رشتے کو مانتی ہی نہیں تھی جو بچپن میں اماں اور خالہ نے مل کر طے کر دیا تھا۔

''اماں! ایک بات کہوں.....؟'' کلثوم، ایاز کو پاپے، چائے کھلا کر ساتھ ہی گولی دے کر آرام کرنے کا مشورہ دے کر آتی تو کچن میں کھانا بناتی زبیدہ اس کے پاس پلنگ پر آ کر بیٹھ گئی اور اس کے کاندھے دبانے لگی۔

''بول کیا بات ہے، یوں مسکا نہ لگا مجھے۔'' کلثوم نے اسے کو دیکھ کر کہا۔

''اماں مجھے سلک کی لال چُنری دلا دے، آج کل بہت چل رہی ہے ڈراموں میں..... وہ عائزہ ہے ناں اس نے بھی پہنی تھی اتنی پیاری لگ رہی تھی قسم سے اور میں..... میں تو عائزہ سے بھی حسین ہوں، میں تو اتی



www.pklibrary.com

پیاری لگوں گی کہ تو بھی دیکھتی رہ جائے گی۔'' وہ اکڑ کر ''میں'' پر زور دیتے ہوئے بولی۔

''پاگل ہوئی ہے کیا.....؟ پتا بھی ہے سلک کتنا مہنگا ہوتا ہے..... میری بیگم صاحبہ بھی ایک جوڑا لائی تھی، ہزاروں کا ہوتا ہے۔ ایک مہینے کی تنخواہ سے بھی زیادہ کا۔'' کلثوم نے آنکھیں پھیلا کر کہا۔

''اچھا چل ایک کام کرتی ہوں.....'' زبیدہ کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر کلثوم نے اچانک حل نکالا۔

''کیا.....؟'' زبیدہ نے فوراً پوچھا۔

''تیری شادی کا جوڑا لال چنری والا بنادوں گی..... تیری خواہش بھی پوری ہو جائے گی اور شادی کا جوڑا بھی بن جائے گا۔''

''اماں! کیا ہو گیا ہے تمہیں.....؟ میری شادی پر..... زبیدہ کی شادی کا جوڑا، معمولی سا سلک کا چنری والا ہوگا کیا.....؟ میری شادی کا جوڑا تو ایسا ہوگا کہ گلی کی ساری لڑکیاں جل، جل کر راکھ ہو جائیں گی۔ ڈراموں اور فلموں میں، افسانوں میں جو دبکے اور نگینوں والے بنارسی لہنگے ہوتے ہیں ناں خوب، خوب گھیر والے..... وہ پہنوں گی میں۔'' وہ گردن اکڑا کر منہ بنا کر بولی۔

''چپ کر پگلی نہ ہو تو..... دیوانے کی بڑ ہے تیری بولیاں، الٹی سیدھی باتیں ہی سوچتی رہتی ہے..... ہمارے گھروں میں بری اور شادی کے جوڑے کخواب کے نہیں آتے پگلی..... اپنی حدوں میں رہ کر بات کیا کر اور گولی مار موئے ڈراموں کو آئی سمجھ.....'' کلثوم کو اس کی بات اچھی نہیں لگی ہمیشہ ہی بڑی، بڑی باتیں کرتی تھی۔

''دیکھ لینا اماں..... ایسا ہی ہوگا بس انتظار کر لے تھوڑا سا.....''

''نہیں انتظار کوئی نہیں کرنا اب مجھے..... میں نے فیصلہ کر لیا ہے اس عید پر تیرا اور ایاز کا نکاح کر دینا ہے۔ وہ بیچارہ اکیلا، رہ، رہ کر بیمار رہنے لگا ہے۔ کتنی بار کہا اس کو ادھر آجایا کر دل بہل جائے گا مگر وہ مانتا ہی نہیں..... مگر شادی کا بھی خود سے نہیں کہتا..... میں ہی تو ہوں، اب دونوں طرف سے مجھے ہی کرنا ہے اس کے بارے میں بھی مجھے ہی سوچنا ہے..... اس لیے خوابوں سے نکل کر نکاح کی تیاری کر.....'' ماں کی بات پر زبیدہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔

''نہیں اماں..... اتنی جلدی نہیں..... میں نے شادی وادی نہیں کرنی ایاز سے۔ اور اماں میں چھوٹی ہوں ابھی..... مجھے اتنی جلدی شادی نہیں کرنی۔''

''پاگل ہوئی ہے.....؟ مت ماری گئی ہے تیری..... کیا بکواس کر رہی ہے یہ۔ اتنے جوتے لگاؤں گی کہ دماغ کا خناس نکل جائے گا..... بے شرم نہ ہو تو.....'' وہ آپے سے باہر ہو گئی۔

''اماں..... میری مرضی بھی کوئی چیز ہے..... بالکل اچھا نہیں لگتا مجھے ایاز..... ساری زندگی سسک، سسک کر نہیں جینا ہے مجھے۔ میرا حق ہے میری زندگی پر..... مجھے مرضی سے گزارنے دو۔ اتنی ہی ہمدردی ہے ایاز سے تو گلی میں رشتے داروں میں اتنی ڈھیر ساری لڑکیاں ہیں، ان میں سے کسی سے شادی کروا دو اس کی۔ تمہاری جان چھوٹ جائے گی اور میری بھی۔ مجھے انتظار کرنے دو اپنے خوابوں کے شہزادے کا..... مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔''

''اری بے حیا..... کیا بکے جا رہی ہے۔ تو جھونپڑی میں رہنے والی دو ٹکے کی لڑکی ہے جس کی ماں لوگوں کے گھروں کے گند صاف کرتی ہے، جھاڑو لگاتی ہے، جھوٹے برتن دھوتی ہے، ان کا اترا پہن، پہن کر جھوٹا کھا، کھا کر تو جوان ہوئی ہے..... اور..... ایسے بڑے گھر سے کسی شہزادے کے خواب دیکھ رہی ہے جو ہمیں پیر کی جوتی سے زیادہ نہیں سمجھتے.....''

''اماں! گدڑی میں لعل بھی تو ہوتے ہیں..... یہ تو قسمت اور نصیب کی بات ہوتی ہے..... ڈراموں میں کیسے غریب لڑکیوں کو امیر ترین لڑکے مل جاتے ہیں، ان کے نصیب بدل جاتے ہیں۔ جھونپڑی والیاں محلوں کی مالکن بن جاتی ہیں تو بھلا میں کیوں نہیں بن سکتی۔ اور میں تو ان ڈرامے والیوں سے کہیں زیادہ خوب صورت



www.pklibrary.com

ہوں۔ ان کا تو ہزاروں لاکھوں کا میک اپ ہوتا ہے۔ اور میں تو ویسے ہی حسین ہوں۔ مجھے تو ویسے بھی شہزادہ مل سکتا ہے۔ اور اماں..... اللہ کا واسطہ ہے مجھے اس جھنجٹ میں نہ ڈال..... جان چھوڑ دو میری۔"

"چٹاخ....." کلثوم کا بھرپور تھپڑ زبیدہ کے میدے جیسے گال پر پڑا ایک لمحے میں اس کا گال سفید سے سرخ ہو گیا تھا۔

"بس کر دے..... بس کر دے اپنی بکواس زبیدہ..... خوابوں اور افسانوں سے نکل آ..... اپنی حیثیت کے مطابق خواب دیکھا کر۔ کتنی بار سمجھایا ہے تجھے..... یہ خوب صورتی کو لے کر اتنے اونچے، اونچے محل نہ بنا..... کھوکھلی بنیادوں پر قائم کی جانے والی عمارتیں، جاگتی آنکھوں میں سجے سپنے بھی کھوکھلے اور بھیانک تعبیر کے ساتھ جب سامنے آتے ہیں ناں تو..... اپنے سپنوں کی عمارت کے ملبے تلے اپنے سپنوں سمیت دفن ہونا پڑتا ہے۔ اتنے اونچے محل تعمیر نہ کر کہ جب یہ محل مسمار ہوں گے تو..... تو..... بھی اپنے خوابوں سمیت مسمار ہو جائے گی۔ زبیدہ ہم جیسے لوگوں کو بڑے، بڑے خواب دیکھنے کا بھی حق نہیں..... ورنہ کھڑے قد سے گر کر سنبھلنے کا وقت بھی نہیں ملتا۔ کتابوں اور ٹی وی میں دیکھنے والی محبت پیسوں کی محتاج ہوتی ہے..... وہ حقیقت نہیں ہوتی ہر کوئی اپنے کردار کو ادا کر کے پیسہ لیتا ہے۔ حقیقت سے تعلق نہیں ہوتا..... نکال دے اپنے دل و دماغ سے یہ خناس..... اپنے گھر کو، اپنی حیثیت کو دیکھ کر خواب دیکھا کر..... بکواس کرنے سے زندگی نہیں گزرتی ہے..... کوئی شہزادہ تیری بہتی نالی اور گٹر سے سنی ہوئی گلیوں میں، ٹین کی ٹپکتی چھتوں والے آنگن میں نہیں آنے والا..... تیرے آنگن میں تیرے جیسا ہی آئے گا سمجھی....." کلثوم بولے جا رہی تھی، زبیدہ اپنے تمتماتے گال پر ہاتھ رکھے لال بھبوکا چہرے کے ساتھ ماں کو گھور رہی تھی۔

"اماں، بول چکی ناں..... دل بھر گیا ناں تمہارا..... اور مارنا ہے تو مار لو۔ نکال لو اپنی بھڑاس....." اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا..... اور دندناتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

"ہائے ربا، اس لڑکی کو عقل دے..... بالکل باؤلی ہو گئی ہے۔ آج سے اس کا ٹی وی، رسالے سب بند کر دیتی ہوں، منحوس ماری، بگڑ گئی ہے بکواسیں دیکھ کر۔ ردی والے سے جانے کس وقت رسالے خریدتی ہے۔" کلثوم نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

رمضان المبارک شروع ہو چکا تھا۔ ساتھ ہی گرمی نے بھی زور پکڑ لیا تھا۔ رمضان المبارک کے شروع سے ہی آس پاس کی خواتین اپنے کپڑے کلثوم سے سلوانے آ جاتیں۔ وہ سحری سے فارغ ہو کر سلائی کرنے بیٹھ جاتی۔ دن چڑھے وہ آبادی سے کچھ فاصلے پر بنے بنگلوں میں جھاڑو پوچے اور برتن دھونے کا کام کرتی۔ تقریباً سہ پہر کے بعد وہ گھر لوٹتی۔ ایک روزہ، دوسرے شدید گرمی..... پھر آ کر وہ کچھ دیر صحن میں نیم کے درخت کے نیچے چارپائی پر آرام کرتی۔ توفیق سحری کے بعد سو جاتا پھر اٹھ کر موٹر سائیکل کی دکان پر کام سیکھنے چلا جاتا تو افطار کے وقت واپس آتا۔ ثریا دن بھر اِدھر اُدھر پاس پڑوس میں سہیلیوں کے گھر رہتی۔ رمضان میں اسکول کی چھٹیاں بھی ہوتی تھیں..... زبیدہ اماں کے سلے ہوئے کپڑوں پر ترپائی، بٹن وغیرہ لگاتی۔ کلثوم شام کو اٹھ کر سلے ہوئے کپڑے دینے چلی جاتی اور زبیدہ باورچی خانے میں آ جاتی۔ افطار کے نام پر دو تین چیزیں تیار کرتی۔ مغرب سے پہلے توفیق بھی آ جاتا، ثریا بھی آ جاتی کبھی کبھار ایاز بھی آ جاتا۔ وہ زبیدہ کی سرد مہری محسوس کرتا۔ زبیدہ جان بوجھ کر اس کو کم مائیگی کا احساس دلاتی۔ بڑی، بڑی باتیں کرتی۔ وہ بیچارہ چپ چاپ سنتا۔ اسی لیے اسے خالہ کے یہاں آنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ جبکہ خالہ کی باتوں سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی کہ زبیدہ جلد ہی اس کی دلہن بننے والی ہے۔ لیکن اس روز اتفاق سے صحن سے ملحق ایاز کے کمرے کی کھڑکی کلثوم سے غلطی سے کھلی رہ گئی تھی۔

صحن میں ہوتی ماں بیٹی کی باتیں ایاز نے سن لی



www.pklibrary.com

تھیں۔ اس کا دل بری طرح ٹوٹ گیا تھا۔ بچپن سے آج تک اس نے زبیدہ کا ساتھ ہی چاہا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں صرف زبیدہ ہی تھی..... اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ ایسا فیصلہ کرسکتی ہے۔ سب کچھ جان کر بھی ایاز انجان بنا رہا۔

رمضان المبارک کا دوسرا عشرہ چل رہا تھا، اچانک کلثوم کی طبیعت خراب ہوگئی۔ بخار کی وجہ سے اٹھا تک نہیں جارہا تھا۔ ایک دن تو کام کی چھٹی کرلی لیکن وہ جانتی تھی کہ بیگم صاحبہ غصے کی تیز ہیں نکال بھی سکتی ہیں تب ہی زبیدہ سے کہا کہ وہ کام پر چلی جائے۔

''اماں، پاگل ہوگئی ہے کیا.....؟ میں اور کام کروں گی..... بالکل بھی نہیں۔''

''اری پاگل..... وہ مجھے نکال دے گی، اچھے خاصے پیسے ملتے ہیں، کھانا اور کپڑے الگ بہت مشکل ہوجائے گی۔'' کلثوم نے نقاہت بھرے لہجے میں کہا۔

''کوئی بات نہیں..... مرنہیں جائیں گے ہم..... مگر میں ماسی نہیں بنوں گی۔'' اس نے قطعیت سے کہا۔

''اچھا، جاکر کم از کم میری حالت کا بتادے..... اور تنخواہ کے کچھ پیسے لے آ، میری دوا کی پرچی دکھا کر۔'' کلثوم نے کہا۔

''ہاں یہ کرسکتی ہوں.....'' وہ راضی ہوگئی۔

کائن کے کالے پرنٹڈ سوٹ پر اماں کی سفید بڑی سی چادر اوڑھ کر وہ بیگم صاحبہ کے گھر چل دی۔ ایک دو بار وہ یہاں سے گزری تھی۔ تب اماں نے بیگم صاحبہ کا گھر بتایا تھا۔ بیگم صاحبہ لکھ پتی بیوہ خاتون تھیں جن کا ایک بیٹا اور ایک شادی شدہ بیٹی امریکا میں رہتے تھے۔ وہ ویسے تو کلثوم کا خیال رکھتی تھیں مگر کام کے معاملے میں کافی سخت تھیں۔ چادر اچھی طرح سے لپیٹ کر وہ چھوٹے، چھوٹے قدم اٹھاتی اندر آئی تھی۔ لاؤنج میں بیگم صاحبہ بیٹھی تھیں۔

''سلام بیگم صاحبہ.....!''

''وعلیکم السلام.....'' انہوں نے اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے اجنبی نظروں سے اسے دیکھا۔

''کون ہو تم.....؟ کیا کام ہے؟'' لہجہ تھوڑا سا تیکھا تھا۔ آج کل کے حالات کے پیشِ نظر وہ تھوڑا سا گھبرا گئی تھیں۔

''جی میں..... میں کلثوم کی بیٹی ہو..... زبیدہ.....''

''کلثوم کی بیٹی ہو تم؟'' قدرے حیرانی سے ایک بار پھر آنکھیں پھاڑ کر اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ کہاں گہری سانولی رنگت اور بھدے نقوش والی پستہ قد کلثوم..... اور کہاں یہ گوری چٹی، خوب صورت اور مناسب خدوخال والی لڑکی۔

''جی بیگم صاحبہ، میں کلثوم کی بیٹی ہوں، اماں کو بہت تیز بخار ہے..... کل سے وہ بستر سے لگی ہوئی ہیں، اس لیے وہ ایک دو دن اور نہیں آپائیں گی۔ اور اماں نے کچھ پیسے بھی منگوائے ہیں۔ دوائی لینی ہے۔'' اس بات سے قطعی بے خبر تھی کہ اس کا ملیح چہرہ دو آنکھوں کی زد میں تھا۔ اسی وقت بیگم صاحبہ کا اکلوتا بیٹا سیف اپنے کمرے سے نکلا تھا اور سفید چادر کے ہالے میں چمکتا خوب صورت چہرہ دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔

''یہ کون ہے.....؟'' اس کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ کام کرنے والی ماسی کی بیٹی ہے۔

''پیسے تو تم لے لو..... مگر کلثوم کب تک نہیں آئے گی؟'' بیگم صاحبہ نے کہا۔ ''کام کی مشکل ہوجائے گی یہاں..... تم آجاؤ جب تک وہ نہیں آسکتی۔''

''جی..... وہ مجھے گھر پر کام.....''

''ہاں، ہاں دو چار دن کی تو بات ہے، مما تو نہیں کرسکتی ناں کام..... تم آجاؤ.....'' مردانہ آواز پر وہ پلٹی..... دائیں جانب دیکھا۔

''اُف اللہ.....'' بلیک کلیوں والا شیروانی کالر کا کرتا، بلیک گھیر دار شلوار، دراز قد، گورا چٹا، شہزادوں جیسا..... یہ تو وہی شہزادہ تھا۔ جو روزانہ خواب میں آتا، مسکراتا اور اس کے ہاتھ تھامنے کے لیے آگے بڑھتا۔ وہ بھی دو قدم آگے بڑھتی، اپنا نازک ہاتھ آگے بڑھاتی۔ اور پھر..... اماں ظالم سماج کی طرح آکر اسے جگا دیتیں۔ کبھی گلی میں ٹین ڈبے والے کی تیز آواز پر وہ...



www.pklibrary.com

ہڑبڑا کر نیند سے جاگ جاتی اور اپنا سر پیٹ لیتی۔

"ہائے اللہ کم از کم ہاتھ تو پکڑنے دے دیا کرو ظالمو....." آج وہی شہزادہ سامنے کھڑا تھا۔ اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ..... چہرے پر بجی دھیمی مسکان، آنکھوں میں چھپے خوب صورت جذبے ایک لمحے میں..... بس ایک لمحے میں زبیدہ نے صدیوں کا سفر طے کرلیا تھا۔ اسے لگا بس.....! یہی اس کا خواب اور اس کی تعبیر ہے۔

"کیا ہوا؟" شہزادہ دو قدم آگے بڑھا تو..... وہ خیالات سے چونکی۔

"جی، جی..... ٹھیک ہے بیگم صاحبہ..... میں آجاؤں گی۔" سر جھکا کر ہامی بھری۔ دل عجیب انداز سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ شہزادے کی والہانہ نظروں کی زد میں تھی۔

"گڈ!" وہ مسکرایا۔

"ٹھیک ہے، کل سے اسی ٹائم آجانا۔" اپنے پرس سے چند روپے نکال کر زبیدہ کی جانب بڑھاتے ہوئے بیگم صاحبہ نے کہا۔

"جی ٹھیک ہے۔" سر اٹھانے کی ہمت نہیں تھی تب ہی بلیک چپل کے اندر شہزادے کے گورے، گورے پیروں کو دیکھتے ہوئے سعادت مندی سے کہا اور جانے کے لیے واپس پلٹی، جب یہاں داخل ہوئی تھی تب دل میں الگ خیالات تھے اور جب واپس جارہی تھی تو نہ جانے کیوں اسے لگ رہا تھا کہ اس کا خواب پورا ہونے والا ہے۔ افسانوں اور ڈراموں میں ہونے والے کردار حقیقت میں بھی مل سکتے ہیں، ان کا تعلق بھی حقیقت سے ہوتا ہے۔ وہ بھی عام انسان ہوتے ہیں..... ہماری طرح کے....." سوچتے، سوچتے وہ گھر پہنچ گئی تھی۔

"اماں.....! بیگم صاحبہ کافی غصے میں تھیں....." اس نے گھر آکر ماں کے ہاتھ میں پیسے دیتے ہوئے کہا۔

"ہائے پھر..... تو نے کیا کہا.....؟"

"میں نے کہہ دیا کہ اماں اٹھ بھی نہیں سکتی تو کیسے آسکتی ہے۔"

"ہائے کہیں وہ نکال ہی نہ دے مجھے..... اب کیا ہوگا.....؟" وہ حقیقتاً پریشان ہوگئی۔

"ہاں یہ بات تو ہے کہ تمہارے کام کے چھوٹ جانے سے پریشانی تو ہوجائے گی کافی....." زبیدہ نے منہ بنا کر پریشان لہجے میں کہا۔

"چلو..... دو چار دن کی بات ہے..... میں ہی چلی جاؤں گی....." زبیدہ نے گویا احسان جتایا۔

"ہائے سچ میں..... تو چلی جائے گی؟" کلثوم کے اداس چہرے پر خوشی دوڑ گئی۔

"پھر..... کیا کروں..... عید سر پر کھڑی ہے، اتنی ساری تیاری کرنی ہے..... اگر اس میں کام بھی چھوٹ گیا تو عید سے پہلے ملنے والے پیسے بھی نہیں ملیں گے بیگم صاحبہ کی طرف سے کتنی پریشانی ہوجائے گی۔ ثریا اتنی سی ہے وہ تو جا بھی نہیں سکتی۔ اب مجھے ہی جانا پڑے گا ناں....." احسان جتایا۔

## خوب صورت پیغام

☆ مسجد کے لیے لکھا جاتا ہے Mosque جس کا مطلب ہے۔ مچھروں کا گھر۔ اس لیے انگلش میں بھی آپ Masjid لکھیں۔

☆ مکہ کے لیے لکھا جاتا ہے Mecca۔ جس کا مطلب ہے۔ شراب خانہ۔ اس لیے آپ ہمیشہ ہی Makkah لکھیں۔

☆ رسول اکرمؐ کے نام کو مختصر کر کے اکثر Mohd لکھ دیا جاتا ہے۔ ایسا نہ کریں اور ہمیشہ Muhammad ہی لکھیں۔

مرسلہ: فریدہ ہاشمی مخفی، کراچی



www.pklibrary.com

''ہائے میری بچی..... ! تو نے بہت اچھی بات سوچی ہے بس دوا کا کورس ہو جائے تو ذرا سا دم آ جائے گا پھر میں چلی جاؤں گی۔ دو چار دن تو ہمت کر لے بس۔'' کلثوم کو اس پر ڈھیروں پیار آ گیا تھا۔ آگے بڑھ کر اس کی بلائیں لے لیں۔

دوسرے دن جانے سے پہلے اس نے خاص طور پر آئینے میں خود کو دیکھا۔ آنکھوں میں کاجل ڈالا، چہرے پر پاؤڈر لگایا۔ پاؤں خوب دھو کر اچھی والی جوتی پہنی..... سر پر چادر ڈال کر دیکھا۔

''ہائے اللہ زبیدہ! سچ میں تو کتنی پیاری ہے ڈراموں کی ہیروئن سے بھی زیادہ حسین اور دلکش.....'' آپ ہی آپ مسکرائی۔

اتفاق سے گھر میں داخل ہوتے ہی سیف نظر آ گیا۔ اسکائی بلو نائٹ ڈریس پہنے وہ شاید ابھی، ابھی سو کر اٹھا تھا۔ بکھرے بال، خمار آلود آنکھیں..... دل دھڑکا۔

''سلام صاحب.....'' جلدی سے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام.....'' میٹھی مسکان اور نرم لہجہ..... سامنے بیگم صاحبہ کھڑی دیکھ رہی تھیں اس نے جلدی سے جھاڑو اٹھائی اور صفائی کرنے لگی۔

''اچھی طرح سے صفائی کرنا زبیدہ، دو دن سے ایسا ہی پڑا ہے سب کچھ۔''

''جی بیگم صاحبہ فکر نہ کریں، سب کچھ چمکا دوں گی۔'' اس کے ہاتھ اور تیزی سے حرکت میں آ گئے۔ سیف اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ سیف کے کمرے میں آئی۔ صفائی کے لیے ہلکا سا ناک کیا۔

''آجاؤ.....'' وہ بیڈ پر نیم دراز ہاتھ میں سگریٹ پکڑے لیٹا تھا۔ زبیدہ نے حیرت سے دیکھا۔ رمضان المبارک میں وہ کس دھڑلے سے سگریٹ پی رہا تھا۔ روزہ بھی نہیں تھا۔

''اچھی طرح ڈسٹنگ کرنا.....'' سیف نے کہا تو کپڑا لے کر وہ الماری، سائڈ بورڈ اور ٹرالی کی صفائی کرنے لگی۔ سیف لیٹا ہی رہا۔ کبھی، کبھی کن انکھیوں سے وہ اسے دیکھ لیتی۔

''اُف کتنا شاندار انداز ہے اس کا سگریٹ پینے کا بھی.....''

''زبیدہ.....! تم کلثوم کی سگی بیٹی ہو..... میں نے پچھلے سال اسے دیکھا تھا تو وہ عجیب سی موٹی، کالی اور بھدی سی ہے؟''

''جی.....!'' وہ شرما گئی۔

''لگتا تو نہیں۔'' سیف نے کاندھے اچکائے۔ پھر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ کچن کی صفائی کر رہی تھی کہ پیچھے سے وہ آ گیا۔

''ایک گلاس دھو کر دے دو پہلے۔'' کانچ کا نازک سا گلاس آگے بڑھایا۔

''اچھا جی.....'' گلاس پکڑنا چاہا تو جان بوجھ کر سیف نے اس کے ہاتھ سے اپنے ہاتھ کی انگلیاں ٹچ کیں..... زبیدہ کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ وہ گڑبڑا گئی لیکن..... شکر ہے کہ گلاس ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔

''کیا ہو گیا ہے.....؟'' سیف نے معنی خیز انداز سے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''کام میں دھیان لگاؤ اپنا ابھی گلاس ٹوٹ جاتا تو۔'' مما کو آتا دیکھ کر ایک دم سے سیف نے لہجے کو سخت بنا کر کہا اور کچن سے باہر نکل آیا۔

زبیدہ پلٹ کر جلدی، جلدی برتن دھونے لگی۔ پھر جانے تک سیف کا سامنا نہیں ہوا۔ دوسرے دن بھی وہ نظر نہیں آیا۔ زبیدہ کا کام میں بالکل بھی دل نہیں لگا۔ وہ تو صرف سیف کے لیے دل پر پتھر رکھ کر یہ گندا کام کر رہی تھی..... اور وہ ہی غائب تھا۔ بادلِ ناخواستہ بے دلی سے کام نپٹا کر افطار سے کچھ دیر پہلے وہ گھر پہنچی۔ کلثوم، ثریا کے ساتھ شاید دوا لینے گئی تھی۔ توفیق بھی نہیں آیا تھا۔ وہ گھر میں داخل ہوئی تبھی دروازے پر دستک ہوئی..... ایاز آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں شاپر تھا۔ پہلے ہی موڈ خراب تھا اوپر سے ایاز کو دیکھ کر حلق تک کڑوا ہو گیا۔

''اماں نہیں ہیں.....'' بیزاری سے کہا۔

''ہاں..... پتا ہے مجھے.....'' میں تمہارے لیے



www.pklibrary.com

یہ عیدی لے کر آیا تھا..... اگر دل کرے تو پہن لینا ورنہ..... گزشتہ عیدیوں کی طرح پھینک دینا..... یہ میرا فرض ہے، میری خواہش ہے تو بس پوری کروں گا..... آگے تمہاری مرضی.....'' شاپر سامنے چارپائی پر رکھ کر وہ الٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔

''عیدی..... ہونہہ..... کون سا ہزاروں کی عیدی ہوگی وہی گھسے پٹے جھمکے..... کانچ کی سستی چوڑیاں، پراندہ یا کون مہندی کے ساتھ گھٹیا لپ اسٹک.....'' وہ... ہڑبڑائی اور شاپر پر نظر بھی نہیں ڈالی۔ اٹھا کر اپنے کمرے میں سامان کے پیچھے ڈال دیا تاکہ اماں بھی نہ دیکھ سکے۔ اس کا دل بالکل بھی نہیں چاہ رہا تھا کہ کل کام پر جائے..... لیکن..... لیکن..... کلثوم کا بخار ابھی ٹوٹا نہیں تھا۔ وہ تو جانے کے قابل بھی نہیں تھی۔ زبیدہ نے دوسرے دن چھٹی کرلی، وہ تو ایک فی صد بھی دل سے کام کرنے پر تیار نہیں تھی۔ سیف کی پہلی نظر، میٹھی مسکان، اس کے دیکھنے کا انداز..... اور اس کا خوابوں کے جیسا سراپا ہی تو تھا جس کی وجہ سے وہ ناپسندیدہ کام کر رہی تھی۔

''کہیں وہ واپس امریکا تو نہیں چلا گیا۔'' ننھا سا دل یہ سوچ کر سہم گیا تھا..... سارا دن وہ بے کل، بے کل سی رہی دن میں ذرا دیر آنکھ لگی تو خواب میں امیر لڑکا دیکھا اور اماں ظالم سماج بن کر درمیان میں آگئیں۔ سوچوں کا لامتناہی سلسلہ تھا جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔

دوسرے دن بادلِ ناخواستہ اسے کام پر جانا پڑا..... دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس کی زندگی کا ڈراما بس یہیں پر ختم ہوگیا تھا۔ تشنہ..... اور ناکام..... شہزادہ لوٹ گیا تھا۔ اس کے خوابوں میں رنگ بھرے بنا..... اس کے ہاتھ تھامے بغیر..... کوئی وعدہ..... کوئی عہد و پیماں کیے بنا ہی لوٹ گیا۔ بے حد مضمحل اور تھکے، تھکے انداز سے وہ بنگلے میں داخل ہوئی۔ عین سامنے بالکل سامنے پھولوں کی کیاریوں کے پاس وہی شہزادہ کھڑا تھا۔ لائٹ گرے شرٹ اور بلیک پینٹ میں ملبوس..... آہٹ پر وہ پلٹا۔

''تم، تم..... کل کیوں نہیں آئی تھیں.....؟'' وہ بے ساختہ آگے بڑھا..... لہجے میں بے چینی تھی..... بے قراری تھی..... عین سامنے سیف کو دیکھ کر ابھی خوشی سے نکل نہ پائی تھی کہ اس کے والہانہ انداز میں آگے بڑھ کر..... بے چینی سے سوال کرنے پر اس کا دل.... بے تحاشا دھڑکا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ابھی اچھل کر دل باہر نکل آئے گا..... یہ انداز، یہ لہجہ، یہ بے قراری، بے وجہ نہ تھی..... یعنی اس نے بھی زبیدہ کی کمی بے تحاشا محسوس کی تھی۔ وہ بھی زبیدہ کے نہ آنے پر بے قرار تھا..... گویا دونوں طرف آگ برابر لگی ہوئی تھی۔ دو دن اگر وہ.... بے چین رہی ہے تو ایک دن سیف بھی بے قرار رہا تھا۔

''آپ نے انتظار کیا.....؟'' بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا..... دوسرے لمحے جملے کی ادائیگی کا احساس ہوا تو دانتوں تلے زبان دبالی۔

''ہاں..... میں تو ڈر ہی گیا تھا..... کہ تم نے کام چھوڑ تو نہیں دیا مجھے تمہارا آنا اچھا لگتا ہے.....'' کتنی سادگی سے کہہ رہا تھا۔

''اُف اللہ.....'' زبیدہ کو لگا جیسے وہ آسمانوں میں اڑ رہی ہو..... اس کی تپسیا رنگ لا رہی ہو۔

''تم بہت حسین ہو زبیدہ.....'' الفاظ تھے کہ بم..... وہ تو چکرا گئی۔

''یا اللہ..... اتنی جلدی..... اتنی جلدی مجھے میرے خوابوں کی تعبیر مل جائے گی۔ یا اللہ..... یہی..... یہی تو ہے وہ جس کے خواب دیکھتی آئی ہوں، کیا یہ شہزادہ مجھے اپنا لے گا، اپنی رانی بنا کر اس محل میں لے آئے گا۔'' شرم و حیا سے وہ نظر اٹھانے کے قابل بھی نہیں رہی تھی..... یوں ایک دم سے وہ اظہار کر دے گا، اس کے حسن کا معترف ہو کر..... اتنی جلدی، اتنی جلدی یہ سب کہہ دے گا۔ یہ بے قراری، یہ والہانہ پن اور پھر..... یوں اعتراف..... زبیدہ کے قدم تو زمین پر نہیں ٹک رہے تھے..... لگتا تھا آسمانوں پر اڑ رہی ہو۔

''شکریہ صاحب.....'' بمشکل کہہ پائی اور تیزی سے اندر کی طرف چلی گئی۔ کیونکہ دور سے ہی سامنے لاؤنج میں کھڑی بیگم صاحبہ نظر آگئی تھیں جن کی نظر اس



www.pklibrary.com

پر نہیں پڑی تھی۔ مزید ایک، دو اور تین دن..... تین دنوں میں وہ زمین سے آسمان تک پہنچ گئی۔ سیف سے اتنی باتیں..... وہ بھی ہر بات کا جواب اتنی معصومیت اور پیار سے دیتا۔

''آپ تو گوروں کے شہر میں رہتے ہو وہاں پر تو کتنی حسین، حسین لڑکیاں ہوتی ہیں گوری، چٹی اور نازک، میدے اور شہد جیسی.....'' وہ آنکھیں پھیلا کر کہتی۔

''ہاں مگر سچ کہوں تو ساری کی ساری پھیکی اور..... بے رونق ہوتی ہیں۔ جو کشش اور خوب صورتی یہاں ہے وہ وہاں پر کہاں.....؟ مجھے تو یہیں کی لڑکی پسند آگئی ہے۔'' اس کی ذو معنی بات پر زبیدہ کے گال شرم سے سرخ ہوگئے، وہ شرما کر جلدی سے پلٹ کر تیز، تیز ہاتھوں سے صوفے جھاڑنے لگی۔ اس کے ہاتھوں سے زیادہ تیز اس کی سانسیں چل رہی تھیں۔ کلثوم کی طبیعت ٹھیک بھی ہوگئی..... لیکن زبیدہ نے اسے جانے سے منع کر دیا۔

''اماں کل تو شاید چاند رات ہو جائے۔ عید کی تین چھٹیاں تو ملیں گی ناں بس دو ہی دن تو رہتے ہیں، میں ہی چلی جاتی ہوں۔ تو آرام کر.....''

''میری بچی کتنا خیال رکھنے لگی ہے میرا۔'' کلثوم محبت سے اسے دیکھنے لگی۔

☆☆☆

اس روز بیگم صاحبہ نے عیدی کے نام پر کلثوم، ثریا اور اس کے لیے جوڑے دیے تھے ساتھ میں کچھ رقم بھی تھی۔ ساتھ ہی سیف نے بھی مما سے چھپ کر اسے چپکے سے چند ہزار تھما دیے تھے۔

''میری طرف سے عیدی ہے۔ ویسے تو تمہیں سوٹ دینا چاہ رہا تھا مگر..... پھر سوچا پیسے تمہارے کام آجائیں گے۔''

''شکریہ جی.....! آپ نے خیال سے جو کچھ بھی دیا بہت ہے۔'' وہ مسکرائی۔

''ہائے.....'' سیف نے دل پر ہاتھ رکھا۔ ''دینے کو تو بہت کچھ دل کرتا ہے مگر.....'' قدرے جھک کر خوب صورت ہیرو والے انداز سے کہا۔ زبیدہ نے اس کی بات پر چونک کر بڑی، بڑی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

اس کے لبوں پر جاندار مسکراہٹ تھی۔

''سنو..... امریکا چلو گی؟'' سیف نے کہا۔

''ہائیں..... یہ، یہ کیا کہہ رہے ہیں صاحب..... مذاق، مت کریں، ہم تو امریکا خواب میں بھی نہیں دیکھتے جانا تو بہت دور کی بات ہے۔'' لہجے میں مایوسی تھی۔

''تقدیر بدلتے دیر کب لگتی ہے.....'' لہجہ ذو معنی تھا۔ زبیدہ نے پلکیں اٹھائیں سیف کی آنکھوں میں یقین تھا۔ اعتماد، بھروسا تھا۔

''صاحب جی.....!'' وہ بمشکل کہہ سکی۔

''تم ہاں تو کرو.....'' وہ دوبارہ گویا ہوا۔

''میں..... بہت غریب ہوں جی..... ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔''

''تم غریب ہونے کے ساتھ، ساتھ بے حد حسین بھی ہو زبیدہ..... یہ تمہیں بھی اچھی طرح معلوم ہے، یہی پلس پوائنٹ ہے تمہاری غربت کے باوجود تمہیں دوسروں سے الگ کرتا ہے۔ تم، عام لڑکی نہیں ہو۔ میں اتنا تو سمجھ سکتا ہوں..... اور تم..... اتنی بچی بھی نہیں ہو کہ میری بات کو نہ سمجھو.....'' اُف تو یہ اتنا کھلم کھلا اظہار..... یوں صاف لفظوں میں اپنی محبت کا یقین دلا رہا تھا۔

''صاحب جی.....'' وہ خمار آلود لہجے میں بولی۔

''صاحب جی نہیں سیف الرحمٰن کہو.....'' سیف نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

''دیکھ لو اماں.....! آخر کار میں جیت گئی..... تم ہار گئیں۔ میرے لیے وہ ٹٹ پونجیا، ایاز نہیں بلکہ سیف الرحمٰن جیسا شہزادہ اللہ پاک نے آخر کار بھیج دیا۔ میرے خوابوں کی تعبیر ملنے والی ہے۔ اماں، بس..... اُف..... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں امریکا چلی جاؤں گی۔ اللہ پاک تو نے تو مجھے میری خواہش سے زیادہ دے دیا ہے۔ واقعی..... میں ہوں ہی اتنی حسین..... آخر کار..... میرے حسن کا جادو چل ہی گیا۔'' سارا راستہ وہ یہی سوچتی ہوئی گھر لوٹی تھی۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ جاتے ہی اماں کو چارپائی سے اٹھا کر پورے صحن میں گھما



www.pklibrary.com

ڈالے۔ زور، زور سے قہقہے لگاتے، اتنی زور سے کہ ایاز بھی سن سکے۔ محلے کی لڑکیاں بھی، رشک وحسد سے اس کو دیکھتی رہیں۔ وہ خوب ہنسے، خوب ناچتے..... اور اماں کو بار، بار جتائے کہ اماں میرے خواب سچ تھے۔ میرے جذبے سچے تھے..... میرا ہاتھ تھامنے، مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے میرا شہزادہ آ گیا ہے۔

''لیکن نہیں..... ابھی نہیں..... اماں صبر کر لو تھوڑا..... بہت جلد..... خوشخبری سناؤں گی تمہیں۔''

آپ ہی آپ سوچتے، خیالات کی نفی کرتے..... مسکراتے ہوئے بے تحاشا مسرور، گنگناتی ہوئی ہواؤں میں اڑتے ہوئے گھر آئی تھی۔ کلثوم بھی کپڑے اور پیسے دیکھ کر خوش ہو گئی تھی۔

''زبیدہ اِدھر بیٹھ اور میری بات ذرا غور سے سن لے.....'' ماں کی بات پر وہ پاس بیٹھ گئی۔

''زبیدہ میری بچی..... میں چاہتی ہوں کہ تو ایاز سے نکاح کر لے..... میری طبیعت خراب رہنے لگی ہے کم از کم ایک فرض تو پورا کر دوں میں.....''

''اماں.....'' اس کا منہ کڑوا ہو گیا۔

''اماں تھوڑا سا صبر کر لو..... میرا دماغ خراب مت کرو..... اچھا بھلا موڈ لے کر آئی تھی، تم نے آتے ہی دماغ خراب کر دیا۔'' وہ جھنجلا کر وہاں سے اٹھی اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

''ہائے ربا! اس لڑکی کو عقل دے۔'' کلثوم نے سر پیٹ لیا۔

دوسرے دن متوقع چاند رات تھی آج زبیدہ وقت سے پہلے ہی کام پر آ گئی تھی۔ سیف ابھی سو رہا تھا۔ صفائی وغیرہ سے فارغ ہوتی تو سیف کے کچھ دوست آ گئے۔ سیف اٹھا اور نہا کر ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ جاتے، جاتے خوب صورت اسمائل دیتے ہوئے ڈرائنگ روم میں چائے لانے کے لیے کہا۔

''ہائے آپ کے دوست بھی روزہ نہیں رکھتے.....'' زبیدہ نے آنکھیں پھیلا کر اٹھلا کر سوال کیا۔

''نہیں۔'' مختصر جواب دے کر وہ چلا گیا۔

''جلدی سے لے آنا.....'' جاتے، جاتے مڑ کر دیکھا اور مسکرایا زبیدہ نے شرما کر اثبات میں سر ہلایا۔

چائے لے کر گئی تو..... سیف کے ساتھ اور دو لڑکے تھے..... شکل صورت میں عام سے مگر بہت پیسے والے لگ رہے تھے۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر زبیدہ کو دیکھ رہے تھے۔ زبیدہ فوراً ہی واپس آ گئی۔ باہر آئی تو یاد آیا کہ وہ چینی رکھنا تو بھول گئی..... دوبارہ چینی کا پوٹ لے کر ڈرائنگ روم کی طرف آئی تو اندر سے آتی آوازوں کو سن کر اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔

''واہ یار.....! کیا نوکرانی رکھی ہوئی ہے..... اتنی خوب صورت، تیرے تو خوب مزے ہوں گے۔'' ایک لڑکے کی آواز آئی..... ساتھ ہی دوسرے کا چھچھورا سا قہقہہ ابھرا۔

''میں بھی یہی کہنے والا تھا..... بلکہ..... میں تو شیئرنگ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔'' آنکھ مار کر انتہائی خباثت بھرے لہجے میں وہ بولا۔

''لاحول ولاقوۃ یار میرا ذوق اتنا گھٹیا بھی نہیں کہ ایک کام کرنے والی ملازمہ کے ساتھ مزے کروں..... ہاں..... ٹائم پاس کرنے کو کچھ باتیں ضرور کر لی ہیں۔ تم لوگوں کو تو پتا ہے خوب صورتی میری کمزوری ہے مگر..... اس کا بھی کچھ معیار ہے۔ یہ دو ٹکے کی لڑکیاں دس گھروں میں منہ مارنے والیاں..... یہ بھلا کس قابل ہیں، میرا کیا ہے آج رات کی فلائٹ سے واپسی ہے میری۔ دو چار دن اسے پاگل بنا دیا..... عادتاً چھیڑ چھاڑ کر لی..... ورنہ ایسی لڑکیوں کو تو گھاس بھی نہ ڈالوں..... اتنے دنوں سے بور ہو رہا تھا۔ مما بڑی سخت ہیں ان کے سامنے باہر کی لڑکی بھی نہیں لا سکتا اس لیے گھر آئے مفت کے مال سے کام چلا لیا۔ کل سے تو یہ یاد بھی نہیں رہے گی۔ امریکا میں کمی تھوڑی ہے لڑکیوں کی..... ہاں تم لوگ چاہو تو پٹا لو..... جاتے، جاتے بات کر لو۔ ایسی لڑکیوں کو لڑکوں سے نہیں بس دولت کی ہوس ہوتی ہے۔''

''اُف.....'' یہ سیف کے الفاظ تھے..... تینوں کا



www.pklibrary.com

خباثت بھرا قہقہہ اس کی سماعتوں میں زہر کے مانند آ کر لگا تھا۔ ایک تو سیف کے منہ سے نکلے وہ زہر میں بجھے الفاظ کے تیر..... وہ..... وہ..... صرف ٹائم پاس کر رہا تھا۔ اسے الو بنا رہا تھا۔ اپنے چند دن رنگین کرنے کو اسے سبز باغ دکھا رہا تھا اور وہ..... پاگل بن رہی تھی۔ نہ جانے کیسی الٹی سیدھی باتیں سوچنے لگی تھی۔ یہ امیر زادے کیسے دلوں سے کھیل لیتے ہیں..... ضبط کی لاکھ کوشش کے باوجود آنکھوں سے آنسو پھسل کر گالوں تک آ گئے۔ اتنی بے عزتی، اتنی ہتک..... وہ شرمندگی کے مارے سر سے پیر تک پسینے میں شرابور ہو گئی۔ کچھ بھی تھا وہ ہلکے کردار کی لڑکی نہیں تھی۔ اب دکھ، ندامت اور شرم سے پانی، پانی ہو رہی تھی۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر وہ پلٹی اور تیزی سے بیرونی گیٹ کی طرف تقریباً دوڑتے ہوئے بڑھی۔ نہ صرف گیٹ سے بلکہ..... اس گھر سے اور اس احاطے سے ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے نکلتی چلی گئی۔ آنسوؤں کا پھندا لگ رہا تھا۔ آنکھوں میں آنسوؤں کی وجہ سے دھندلاہٹ تھی۔

''اماں..... واقعی تم نے سچ کہا تھا..... ہمیں تو اونچے خواب دیکھنے کا بھی حق نہیں..... خواب میں کیوں ہمیشہ شہزادے کے ہاتھ تھامنے سے پہلے تم آ کر مجھے جگا دیتیں..... اماں تم ماں تھیں، تمہیں پتا تھا ناں کہ یہ ہاتھ کسی شہزادے کے لیے نہیں بنے ہیں تب ہی ہمیشہ عین وقت پر آ جاتیں۔ تم کتنی سچی ہو اماں..... واقعی یہ سب تو ڈراموں میں ہی ہوتا ہے۔ حقیقت میں تو غریبوں کے لیے غریب ہی لکھ دیے جاتے ہیں..... اور جو ملنا نہیں تو اس کے خواب کیوں دیکھنا..... اماں، میں پاگل تھی، نادان تھی، اوقات سے زیادہ مانگ لیا ہے۔''

وہ سارے آنسو راستے میں ہی بہا دینا چاہتی تھی۔ خواب جب ٹوٹتے ہیں تو ان خوابوں کی کرچیاں آنکھوں کو زخمی کر دیتی ہیں۔ ان کرچیوں کے ذرّے نکالتے، نکالتے ہاتھ تک زخمی ہو جاتے ہیں۔

''نہ ایسے خواب دیکھتی نہ ہی یوں اپنی آنکھوں کو خوابوں سمیت زخمی کرتی..... کتنی پاگل تھی میں بھی..... ایسے کیسے ایک امیر زادے کی چند ذو معنی باتوں پر بھروسا کر لیا۔'' وہ سارا راستہ خود کو کوستی لعنت ملامت کرتے آئی تھی۔ گھر آتے، آتے وہ کسی حد تک خود پر کنٹرول کر چکی تھی۔

افطار کے بعد نماز پڑھ کر سجدے میں گئی تو دعا کے ساتھ ڈھیر سارے آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے اس وجہ سے نہیں کہ سیف اسے نہیں ملا بلکہ..... اس لیے کہ وہ بری طرح بیوقوف بنی۔ اپنی حیثیت کو جانتے ہوئے اس نے آسمان کو چھونا چاہا..... اتنی پاگل کیسے بن گئی تھی وہ..... ڈھیر سارے آنسو بہا کر وہ کسی حد تک نارمل ہو گئی تھی۔ تب ہی باہر گلی میں شور اٹھا تھا۔ عید کا چاند نظر آ گیا تھا۔ نماز پڑھ کر سجدے میں جا کر اسے بہت سکون ملا تھا، دل کو اطمینان ملا، وہ کمرے سے باہر نکلی تو بالکل مختلف اور مثبت سوچوں کے حصار میں تھی۔ اماں سے ملی، چھوٹے بہن بھائی تو بہت خوش تھے۔ نئے کپڑے جو پہننے تھے..... زبیدہ، اماں اور بچوں سے مل کر کمرے میں آئی۔ یونہی بے خیالی میں..... سامان کے نیچے دبے شاپر پر نظر پڑی جو ایاز عیدی کے نام پر دے کر گیا تھا۔ آگے بڑھ کر شاپر کھولا..... شاپر کے اندر سے..... خوب صورت لال اور ہری سلک کی چنری پھسل کر چارپائی پر گری۔

''ہائے اللہ..... اتنی خوب صورت، اتنی پیاری اور مہنگی چنری.....'' حیرت اور خوشی کے ساتھ غیر یقینی انداز میں آنکھیں پھاڑ کر چنری کو دوبارہ دیکھا..... ہاتھ میں اٹھا کر محسوس کیا..... اتنی نرم ملائم..... دونوں ہاتھوں میں چنری لے کر بے ساختہ اس نے آنکھوں سے لگائی..... دو آنسو آنکھوں سے بہہ نکلے..... ایاز..... معمولی تنخواہ دار..... اس کی خوشی اور خواہش کے احترام کے لیے اتنی مہنگی چنری لے آیا..... اسے کیسے زبیدہ کے دل کی خبر ہوئی..... اسے کیسے پتا چلا کہ زبیدہ اس چنری کے لیے کتنی اتاولی ہو رہی تھی..... اس کا دل کتنا مچل رہا تھا لیکن وہ خریدنے کے قابل نہیں تھی۔ یہ تھی ایاز کی محبت کہ پتا نہ ہونے کے باوجود بھی اس نے



www.pklibrary.com

زبیدہ کی پسند کے لیے اتنے پیسے خرچ کیے..... یعنی کہ وہ..... دل سے زبیدہ کو چاہتا تھا۔

''اللہ پاک مجھے معاف کردے، میں نے ایاز جیسے مخلص اور محبت کرنے والے انسان کا دل دکھایا..... اس کی ہمیشہ ہتک کی۔ اس کی لائی ہوئی ہر چیز کو کمتر جانا۔'' باہر صحن میں اماں کے پاس سے شاید ایاز سلام کرنے آیا تھا۔ آواز سن کر زبیدہ کمرے سے نکلی۔ آج اس کے دل میں ایاز کے لیے خوب صورت جذبات تھے۔

''السلام علیکم..... چاند مبارک.....'' آواز پر ایاز پلٹا۔ کلثوم نے بھی حیرت سے زبیدہ کے خوشگوار لہجے اور مسکراتے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔ ایاز نے نظر اٹھائی۔ ریڈ اور گرین چنری کے ہالے سے اس کا چمکتا چہرہ..... ایاز نے آنکھیں پھاڑ کر پھر جھپک، جھپک کر دوبارہ بغور دیکھا۔ حیرت اور خوشی میں وہ چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''وعلیکم السلام چاند مبارک.....'' وہ خواب کی سی کیفیت میں بولا۔ کلثوم نے حیرت سے زبیدہ کو دیکھا۔ زبیدہ آج بالکل نئی اور الگ لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ، اس کا انداز، سب کچھ خوشگوار تھا۔ ایاز تو ابھی تک اسے گھورے جا رہا تھا۔

''ایاز بیٹا بیٹھو..... میں نے آج حلوا بنایا تھا کھا کر جانا لے کر آتی ہوں.....'' کلثوم نے اٹھتے ہوئے کہا اور باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔

''کیا دیکھ رہے ہو پہلی بار دیکھا ہے کیا؟'' وہ دو قدم آگے بڑھ آئی۔

''واقعی..... مجھے تو یہی لگ رہا ہے کہ تمہیں پہلی بار دیکھ رہا ہوں..... میری دی ہوئی چنری، دو سال پہلے دی ہوئی چوڑیاں پچھلے سال دیے ہوئے سلور کے جھمکے..... ساری چیزوں کو آج قبول کر کے میرے لیے تو یہ نئی انجانی اور انوکھی خوشی ہے۔ میں اس کو کیا سمجھوں.....؟'' ایاز کی بات پر وہ چونکی..... ایاز کو یاد تھا۔ دو سال پہلے کی چوڑیاں، پچھلے سال کے جھمکے..... اس کا دل بھر آیا..... کتنا سچا تھا ایاز۔

''ایاز..... شاید مجھ میں سمجھ کی کمی تھی، پتا نہیں کیسی سوچ پال رکھی تھی میں نے کہ کھرے کھوٹے کی تمیز بھی کھو بیٹھی۔ لیکن..... اب..... اب سمجھ آگئی ہے ایاز۔ اماں کہہ رہی تھیں کہ جلدی ہماری شادی کرنا چاہتی ہیں..... تو..... میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ.....؟''

''کہ..... کہ..... کیا زبیدہ.....؟'' وہ زبیدہ کی بات درمیان سے کاٹ کر بے تابی سے بولا۔

''وہی جو اماں چاہتی ہیں۔'' وہ معصومیت سے بولی۔

ایاز پُرشوق نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ارے واہ..... سچی میں۔'' وہ والہانہ انداز سے بولا۔

''کتنی پیاری لگ رہی ہو زبیدہ لال اور ہری چنری بھی تمہارے اوپر سج کر خود پر ناز کرنے لگی ہے۔'' ایاز اس کے کانوں کے پاس آ کر گنگنایا۔

''کیوں نہ اترائے یہ چنری..... تم نے اتنے پیار سے جو خریدی ہے..... ایاز یہ تو بہت مہنگی ہوگی ناں.....'' اچانک اسے خیال آیا۔

''پگلی..... تمہاری خواہش اور پسند سے زیادہ قیمتی تو نہیں..... میرے لیے تو..... بس تم..... اور تمہارا ساتھ سب سے قیمتی ہے..... یہ چنری کیا چیز ہے..... ویسے قسم سے زبیدہ..... آج برسا برس بعد مجھے چاند رات کی صحیح اور دلی خوشی ملی ہے۔ کل آنے والی عید میرے لیے بہت مبارک ہوگی..... میری دعا..... میری چاہت اور میری تمنا..... میرے ساتھ ہوگی۔ میرے لیے تمہارے ساتھ سے زیادہ قیمتی کوئی شے نہیں ہے زبیدہ.....'' وہ جذب سے کہہ رہا تھا۔

نہ جانے کیوں زبیدہ کا دل بھر آیا۔ وہ شرما رہی تھی اور ایاز نظروں ہی نظروں سے اسے دل میں اتار رہا تھا۔ سامنے سے آتی کلثوم نے قدم وہیں روک لیے۔ سامنے کا منظر دیکھ کر اس کے دل میں ڈھیروں اطمینان اتر آیا تھا۔ یہ عید اس کے گھر کے لیے ڈھیروں خوشیاں لا رہی تھی۔

❁❁❁



www.pklibrary.com

ناولٹ

# وہ ہمسفر جو ہم کو لازم تھا

شیریں حیدر

## چوتھا اور آخری حصہ

''ہا..... ہا..... ہا'' وہ بے ساختہ ہنسا تھا، اتنا کہ جب وہ میرے گھور کر دیکھنے پر رکا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''اس میں اتنا ہنسنے والی کیا بات ہے؟'' میں نے پہلے اسے غصے سے گھورا تھا اور اب سوال کر رہی تھی۔

''سوری مگر ہنسی مجھے اس بات پر آئی ہے کہ ان خفیہ کیمروں کا اس سے بہترین استعمال۔ تاریخ میں آج تک کسی نے نہیں کیا ہوگا، کیمرے بنانے والی کمپنی بھی ایسا استعمال نہیں سوچ سکتی ہوگی..... اس پر مجھے آپ کی ذہانت کی داد دینی چاہیے۔'' وہ رکا تھا اور اب اپنے لہجے میں سنجیدگی پیدا کرنے کی کوشش رہا تھا۔

''آپ مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟'' میں نے غصے سے سوال کیا۔

''ہرگز نہیں۔ میں واقعی اتنا حیران ہوا ہوں کہ سمجھ ہی نہیں آ رہا ہے کہ ہنسوں یا روؤں۔''

''یہ کیا بات ہوئی، حیران ہونے پر تو آدمی اور طرح سے ری ایکٹ کرتا ہے، ہنستا ہے اور نہ روتا ہے۔''

''ہنسی آ گئی آپ کے طریقۂ جاسوسی پر اور رونا آ گیا کہ کس طرح پیار کے نام پر لوگ اپنی شریف اور سادہ بیویوں کو دھوکا دیتے ہیں، ان کے اعتماد کا ناجائز فائدہ اٹھا کر۔'' اس کے لہجے میں سنجیدگی اترتے، اترتے درد اتر آیا تھا۔

''کیا سبھی مرد ایسے ہوتے ہیں؟'' میں نے سوال کیا۔



www.pklibrary.com

''نہیں کچھ میرے جیسے بھی ہوتے ہیں۔'' وہ پھر مزاح کے موڈ میں جانے لگا۔

''اپنے منہ میاں مٹھو، بڑا زعم ہے آپ کو اپنی شرافت پر۔ کوئی اور اس کی گواہی دے تو تب بات ہے۔''

''میں بہت کچھ ہوں مایا، کہانیاں گھڑنے والا، ناکام شوہر جو اپنی بیوی کو سکون اور خوشی نہ دے سکا کہ مجھے دولت کمانے کے گُر نہ آئے۔ شاید بہت اچھا باپ بھی نہیں ہوں مگر میں دھوکا دینے والے شوہروں میں سے نہیں ہوں، میں نے کبھی کسی لڑکی سے غلط سلط تعلقات نہیں رکھے، شادی سے پہلے اور نہ بعد میں..... حتیٰ کہ اپنی بیوی کے جانے کے بعد بھی نہیں۔''

''میں تو یونہی کہہ رہی تھی.....'' میں نے بات کو سنبھالا دیا۔ ''اب آپ بتائیں کہ میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے؟''

''آپ کراچی چلی جائیں مستقل یا پھر سی ایم صاحب سے کہیں کہ وہ لاہور آ جائیں۔''

''مجھے بتائیں کہ کیا میں اسے confront کروں اس معاملے میں، اسے وہ ریکارڈنگ دکھاؤں آخر اس کے جھوٹ اس کے منہ پر کیوں نہ ماروں؟'' میرا لہجہ جوشیلا ہو گیا۔

''ان سب کا کچھ فائدہ نہ ہوگا.....''

''کیا مطلب..... کیوں، کیا وہ شرمندہ نہیں ہو گا، مجھ سے معافی نہیں مانگے گا، ماضی کو دفن کر کے نئے انداز سے میرے ساتھ زندگی نہیں گزارنا چاہے گا؟''

''ہو سکتا ہے کہ آپ کے اندازے درست ہوں، خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ مگر بدقسمتی سے ایسا ہوتا نہیں ہے۔ جب کوئی چوریوں رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا ہے تو وہ خود اپنی غلطی ماننے کے بجائے اس شخص کو موردِ الزام ٹھہرا دیتا ہے جس نے اس کے سامنے وہ مال رکھا جس سے اس کے اندر چوری کی رغبت پیدا ہوئی۔''

''بڑا تجربہ ہے آپ کا۔ لگتا ہے کہ کچھ ایسا آپ

www.pklibrary.com

کے ساتھ ہو چکا ہے؟'' میں نے طنز سے سوال کیا۔

''کہانیاں لکھتا ہوں مایا جی..... مجھ سے بہتر انسانی نفسیات بلکہ یوں کہیں کہ مردوں کی نفسیات کو اور کون سمجھے گا، میں نے نفسیات بطور مضمون پڑھی بھی ہے اور اس کے بارے میں جانتا ہوں، میں ابھی تک اس کے بارے میں پڑھتا رہتا ہوں، جہاں کوئی اچھی کتاب ملتی ہے میں اپنے لیے خرید لیتا ہوں۔''

''ہوں، صرف کتابوں میں پڑھ لینے سے انسان ماہرِ نفسیات نہیں بن جاتا۔''

''ویسے میں نے یہ سب اس لیے اتنے وثوق سے کہا کہ اگر میں سی ایم صاحب کی طرح کرپٹ ہوتا، میں ان کی جگہ ہوتا اور میری بیوی یوں مجھے رنگے ہاتھوں پکڑ لیتی تو میں بھی ایسا ہی کرتا..... لگ بھگ ہر مرد ایسے حالات میں ایسا ہی کرتا۔''

''اچھا۔ اگر آپ کو اپنی ذہانت پر اتنا ہی مان ہے تو آپ لکھاری کے بجائے ماہرِ نفسیات کیوں نہیں بن گئے؟'' میں نے بات کو بدلنے کی کوشش کی۔

''ہاہ..... وہ تو میرا خواب تھا، میری لگن تھی۔ مگر حالات نے مجھے کہانی کار بنا دیا.....'' اس کے لہجے میں یاس جھلک رہی تھی۔

☆☆☆

''اب یوں زندگی نہیں گزاری جا سکتی مہتاب..... یا تم لاہور آ جاؤ یا پھر میں کراچی آ جاتی ہوں!'' میں نے فیصل سے ہی کچھ ٹپ لیے تھے اور اب چیک کرنا چاہ رہی تھی کہ وہ کس حد تک مجھ سے بے وفائی کا مرتکب ہو رہا تھا۔ فیصل نے سختی سے منع کیا تھا کہ میں اسے اس موضوع پر واضح کچھ نہ کہوں، اس کی چوری کا اسے نہ بتاؤں، نہ علم ہونے دوں کہ میں اس کی منفی اور واہیات سرگرمیوں کو جان گئی تھی۔

''ہاہ..... جانِ مہتاب۔'' اس نے گہری سانس لی۔ ''میں تو کب سے کہہ رہا ہوں کہ تم کراچی آ جاؤ، تمہاری طرف سے ہی ہمیشہ انکار ہوتا ہے کہ تمہارا پیشہ، تمہارا کام اہم ہے۔''

''سو تو ہے..... تم کیوں نہیں آ جاتے لاہور، اب تک تو تم لاہور ہی میں کام کر رہے تھے ناں، کراچی گئے ہوئے تو تمہیں تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے اور پھر کراچی میں اوپر تلے کیسے، کیسے مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے۔''

''کراچی، کراچی ہے میری جان، جو مواقع کراچی میں میسر ہیں وہ لاہور میں کہاں۔''

''کیسے مواقع؟'' میں نے فوراً سوال کیا۔

''ترقی کے مواقع..... اور کس چیز کے مواقع؟'' وہ ہنسا۔ ''تمہیں لگتا ہے کہ مجھے نظر بازی کے مواقع میسر ہیں یہاں؟'' اس کے سوال میں ہی اس کا جواب تھا۔

''کیسی فضول باتیں کر رہے ہو تم۔'' دل میں آیا کہ اس سے کہوں۔ ''ہاں، یہی کچھ کر رہے ہو تم وہاں۔'' مگر خود کو ایسا کہنے سے روکا۔ ''میں نے ایسا کچھ کب کہا۔''

''ویسے جان اس دوری میں جو رومانس ہے وہ لاجواب ہے، تم سے ملنے کی خواہش میں اتنی تڑپ پیدا ہو جاتی ہے کہ دل ہمک، ہمک کر کہتا ہے۔ ''چلو چلو لاہور چلو..... مگر مجبوریوں اور مصروفیات کے باعث کم، کم آ پاتا ہوں۔''

''اگر دل کہتا ہے تو آ جاؤ ناں لاہور، کراچی میں تو میرے لیے ایڈجسٹ کرنا مشکل ہے، لاہور تو اپنا شہر ہے، ساری عمر یہاں گزری ہے۔''

''سب کچھ کراچی میں ہے مایا، جاب، مارکیٹ، اہم ترین موضوعات، کاسٹ، لوکیشنز، بہتر تکنیکی ماہرین..... یہ سب کچھ لاہور میں نہیں ہے ابھی۔'' وہ وضاحت دے رہا تھا۔

''تو یہ سب کچھ تم لے کر آ ؤ ناں لاہور میں، یہاں یہ سب متعارف کرواؤ۔'' میں نے تجویز دی۔

''ہاں ہو تو سکتا ہے..... آئیڈیا اچھا ہے۔''

''اگر نہیں تو میں اپنی ملازمت سے استعفیٰ دے دیتی ہوں؟'' میں نے پہلا پتا پھینکا۔

''نہیں نہیں..... ابھی نہیں، جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہ کرو مایا، مجھے بھی سوچنے کا وقت دو، ممکن ہے کہ



www.pklibrary.com

میں لاہور والا آپشن اختیار کرلوں۔"

"اب میں یوں تم سے دور نہیں رہ سکتی مہتاب، یہ بھی کوئی زندگی ہے بھلا۔"

"ہم کوئی نوعمر عاشق اور معشوق نہیں ہیں مایا، نہ ہی ہم اتنے کم عمر نوجوان ہیں کہ جلد بازی میں اپنی زندگیوں کو لے کر اتنے اہم فیصلے کرنے میں غلطیاں کریں جن کا ازالہ نہ ہوسکتا ہو۔"

"ہم کوئی اتنا پرانا جوڑا بھی نہیں ہیں جن کی شادی کو دس، بیس برس بیت چکے ہوں اور آپسیں کشش کم یا ناپید ہوچکی ہو۔" میں نے اس کی بات کا جواب دیا۔ "ابھی تو ہمارے بچے بھی نہیں ہیں۔"

"کم آن مایا، بچے زنجیریں ہوتے ہیں، ہم دونوں پریکٹیکل لوگ ہیں، بچوں کی گنجائش ہی کہاں ہیں ہماری زندگیوں میں۔"

"بچے تو پل ہوتے ہیں مہتاب، میاں بیوی کے بیچ تعلقات کو مضبوط کرنے والے پل۔ ان کے آنے سے تو رشتے مضبوط اور خوب صورت ہوجاتے ہیں۔"

"ہم اس بحث کو ملاقات پر چھوڑ دیتے ہیں... فی الحال تم سناؤ کہ کیسی گزر رہی ہے، کوئی نئی تازہ؟"

"کوئی نئی تازہ نہیں ہے میرے پاس مہتاب، سب کچھ پرانا اور باسی ہے۔" میرے لہجے میں چڑچڑاہٹ واضح تھی۔

"میں آرہا ہوں، جلد..... تیار رہو۔" کہہ کر اس نے فون بند کردیا۔ نہ میں نے اس سے پوچھا کہ کب اور نہ ہی مجھے اس کا شوق تھا۔ مجھے جس کرب سے گزار رہا تھا وہ اس نے میرے اندر غصے کا طوفان بپا کر رکھا تھا۔ میرا من چاہ رہا تھا کہ میں اس پر چیخوں، چلاؤں اور اسے آئینے میں اس کا مکروہ چہرہ دکھاؤں مگر میں نے خود کو مسلسل قابو میں رکھا تھا صرف فیصل کے کہنے پر، اس کا کہنا تھا کہ مجھے سمجھداری سے اس معاملے کو ہینڈل کرنا چاہیے..... مگر میں فیصل کا کہنا کیوں مان رہی تھی، وہ میرا تھا ہی کون؟

☆☆☆

"مایا آنٹی۔" اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ ہولے، ہولے کانپ رہا تھا۔ ہلکی سی گھنٹی بجی تھی اور دروازہ کھولنے پر باہر بلال کھڑا نظر آیا تھا، گھنٹی کا بٹن اس کے قد سے اونچا تھا، جانے کس طرح اس نے لپک یا اچھل کر اسے دبایا ہوگا اسی لیے اتنی ہلکی گھنٹی بجی تھی کہ میں نے اسے نظر انداز کردیا تھا مگر چھٹی حس نے کہا کہ مجھے چیک کرلینا چاہیے۔

"کیا ہوا بیٹے؟" میں نے بیٹھ کر اسے اپنے ساتھ لگالیا۔ پہلا خیال یہی آیا تھا کہ فیصل اسے سوتے میں، گھر کے اندر لاک کرکے کہیں چلا گیا ہوگا، جاگنے پر اسے نہ پاکر وہ ڈر گیا ہو اور میرے پاس آیا ہوگا۔

"پاپا....." بمشکل اس کے منہ سے نکلا۔

"آجائیں گے پاپا جلدی بیٹا۔" میں نے اپنے ہاتھ سے اس کے آنسو پونچھے۔ "آؤ اندر چلتے ہیں۔"

"نہیں، پاپا اپنے کمرے میں نیچے گرے ہوئے ہیں۔ شاید وہ مرگئے ہیں۔" اس نے اپنے گھر کی طرف اشارہ کیا تو میں نے دیکھا کہ ان کے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اس کے سامنے ایک بینچ پڑا ہوا تھا، یقیناً بلال نے اس بینچ پر چڑھ کر دروازے کی کنڈی کھولی ہوگی۔ میں نے اسے فوراً ہاتھ سے تھاما اور ان کے دروازے کی طرف لپکی۔

اس نے فیصل کے بیڈروم کی طرف اشارہ کیا۔ تو میں اس طرف کو بھاگی۔ وہ زمین پر آڑا ترچھا پڑا ہوا تھا، بے ہوش تھا اور اس کے پہلو سے خون کی ایک لکیر غسل خانے کی طرف جارہی تھی۔ یقیناً باپ کو اس حالت میں پڑے دیکھ کر اسے اس خوف نے گھیرا ہوگا کہ وہ اپنی ماں کے بعد باپ سے بھی محروم ہوگیا ہے۔ بچہ ہی تو تھا بیچارہ معصوم، اتنی سی عمر میں ماں کو کھویا تھا جب بچے معمولی سی چیز کھوجانے پر بھی ملول ہوجاتے ہیں۔ اسے سیدھا کرنے کی کوشش کی، وہ میرے اندازے سے کہیں بھاری تھا، میں اپنے فلیٹ کی طرف بھاگی، اس کے فلیٹ کا دروازہ پورا کھول دیا تھا کہ کہیں بند نہ ہوجائے۔ اپنے فون سے ایمبولینس کو کال کرکے



www.pklibrary.com

بلایا اور اپنا فرسٹ ایڈ باکس لے کر دوبارہ اس کے فلیٹ کی طرف چلی۔

چند منٹ میں ایمبولینس پہنچ گئی اور اسے لے کر عازم اسپتال ہوئی۔ میں نے بلال کا لباس تبدیل کروایا اور اس کا فلیٹ لاک کیا، اپنے فلیٹ میں آ کر اپنا لباس تبدیل کیا، چولھا بند کیا جس پر رکھے فرائنگ پین سے دھواں پھیل رہا تھا کیونکہ میں اپنا ناشتا بنانے لگی تھی۔ چھٹی کے دن کا آغاز ہی دیر سے ہوتا ہے۔ اپنی گاڑی میں بلال کو لے کر میں اسپتال پہنچی۔ میرے خیال میں فیصل کو دل کا دورہ پڑا تھا اور گرنے سے اسے چوٹ لگی تھی مگر وہاں پہنچ کر علم ہوا کہ وہ پھسل کر گرا تھا اور اور اسے سر اور پسلیوں میں چوٹیں آئی تھیں۔ وہ اب ہوش میں تھا اور بہتر تھا۔ میں نے ایمرجنسی کے دروازے کے شیشے کے مربع میں سے بلال کو اس کے پاپا کا چہرہ دکھایا تو وہ مطمئن ہو گیا تھا۔

''اب گھر چلیں..... پاپا کل گھر آ جائیں گے۔'' میں نے اسے پوچھا۔

''میں گھر پر اکیلا کیسے رہوں گا؟'' اس نے معصومیت سے سوال کیا۔ ''مجھے اکیلے بہت ڈر لگتا ہے مایا آنٹی۔''

''آپ گھر پر اکیلے کیوں رہیں گے، میرے پاس رہیں گے پاپا کے آنے تک۔'' وہ خوش ہو گیا تھا۔ واپسی پر میں نے اسے اس کا پسندیدہ پزا بھی لے کر دیا تھا اور اس سے اگلے روز کے اسکول لنچ باکس کے لیے جوس بھی خرید لیا تھا۔ سینڈوچ میں خود بہت اچھے بناتی تھی۔

''کل آپ مجھے اسکول ڈراپ کریں گی مایا آنٹی؟''

''کیوں، آپ کی اسکول وین نہیں آتی کیا؟''

''آتی ہے مگر میں سمجھا کہ آپ مجھے چھوڑنے جائیں گی، کبھی کبھار پاپا بھی مجھے چھوڑنے جاتے ہیں، آپ کی گاڑی میں اسکول جاؤں گا تو میرے سارے دوست مجھ سے جیلس ہوں گے.....''

''مگر آپ اپنے دوستوں کو جیلس کیوں کرنا چاہتے ہیں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ہم سب ایک دوسرے کو جیلس کرنے کے لیے بہت کچھ کرتے ہیں، کبھی کبھار جھوٹی، سچی باتیں بتا کر اور کبھی کبھار اپنے ماما اور پاپا کی چیزوں کی شو مار کر۔'' وہ اپنی معصومیت میں بتا رہا تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ یہ سوچ ہمارے بچوں کے دماغوں میں کہاں سے آ رہی تھی اور اس کے منفی اثرات کے بارے میں کسی کو فکر تھی کہ نہیں؟ کتنی بڑی بات وہ کر رہا تھا۔ ''بس ایک بات میں، میں کسی کو جیلس نہیں کر سکتا آنٹی، جب وہ سب اپنی، اپنی ماما کی باتیں کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان کی ماما اُن کا کتنا خیال کرتی ہیں۔ میری تو ماما ہیں ہی نہیں اور یہ بھی نہیں معلوم کہ جب وہ تھیں تو میرا کتنا خیال کرتی تھیں۔'' اس کی دکھ بھری بات سے میں اپنے خیالوں سے چونک گئی تھی۔

☆☆☆

''ہائیں..... مجھے دیکھ کر تمہیں حیرت یا خوشی نہیں ہوئی؟'' اس نے سوال کیا۔ ''اور یہ تم سویرے، سویرے کہاں چلی گئی تھیں، اسپتال تو تم نو بجے جاتی ہو ناں؟'' بلال کو اسکول ڈراپ کر کے لوٹی تو وہ پہلے سے موجود تھا۔ مجھے اپنی ایپ سے اس کے آنے کا علم ہو چکا تھا۔ جب اس نے کہا تھا کہ جلد آئے گا تو مجھے اندازہ تھا کہ وہ جلد..... بہت جلد ہو گی۔

ویسے تو میں ذرا دیر سے اٹھتی تھی مگر بلال کی معصوم سی خواہش کو پورا کرنے کے لیے رات کو میں نے جلد اٹھنے کا الارم لگایا تھا۔ اگر وہ اپنی وین میں جاتا تو بھی مجھے سویرے، سویرے اٹھ کر اسے تیار تو کرنا تھا۔ رات کو سونے سے پہلے میں نے اسے اس بات پر اس کی عمر کے حساب سے لیکچر دیا تھا کہ جو کچھ ہمیں ملتا ہے وہ ہمارے نصیب کا ہوتا ہے، جو کچھ ہمارے نصیب میں لکھا ہوتا ہے اس سے زیادہ یا کم نہیں اور یہ کہ دوسروں کو اپنی چیزوں سے کمتری کا احساس دلانا اچھے بچوں کی عادت نہیں ہوتی، اس سے دوسروں کا دل دکھتا ہے۔ کسی کو حسد میں جان بوجھ کر مبتلا کرنے کی کوشش کرنا، دل دکھانے کے مترادف ہے اور اس کا بہت گناہ



www.pklibrary.com

ہے۔ معصوم بچہ تھا، گناہ کے لفظ سے ہی ڈر گیا تھا اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ کسی کو اس کے بعد جھوٹی، سچی کہانیوں سے متاثر نہیں کرے گا۔ اگر اس کی ماں زندہ ہوتی تو وہ بھی اسے یہی سکھاتی، اچھی مائیں اپنے بچوں کی تربیت اسی طرح کرتی ہیں۔

اس معاشرے میں مردوں میں جو برائیاں نظر آتی ہیں اور جو پوشیدہ بھی چل رہی ہوتی ہیں وہ وہی ہیں جن کے آغاز میں والدین ان لڑکوں کو منع نہیں کرتے۔ لڑکیوں پر تو بے انتہا روک ٹوک ہوتی ہے اور ان کے لیے "یہ کرو وہ نہ کرو۔" بہت واضح ہوتے ہیں، اس کے برعکس لڑکوں کو کھلی چھوٹ ہوتی ہے۔

"بہت خوشی ہوئی ہے مجھے..... حیرت زیادہ نہیں، تم نے کہا تھا کہ جلد آؤ گے تو مجھے اندازہ تھا کہ تم بہت جلد آؤ گے۔ اگر چہ تمہیں اپنا پروگرام مجھے بتانے کی عادت نہیں اور نہ ہی سیدھی بات کرنے کی۔"

"میرے یوں آنے سے تمہیں زیادہ خوشی نہیں ہوتی؟" اس نے میرے قریب آ کر پوچھا۔

"اگر میں یوں آؤں تمہیں سرپرائز دینے کو تو تمہیں بھی اتنی ہی خوشی ہوگی ناں؟" میں نے اس کے کندھے سے سر لگا لیا۔ اسے لگا کہ میں اس کی قربت میں خوش تھی مگر میں نے ایسا اس پر امڈ کر آنے والے طیش کو چھپانے کے لیے کیا تھا۔

"ہاں، ہاں..... کیوں نہیں... ہوگی خوشی، تم جب چاہو مجھے سرپرائز دے سکتی ہو۔ اس سے بڑھ کر میرے لیے کیا اہم ہوگا۔" اس نے مجھے اپنی بانہوں میں سمیٹا۔

"جلد دوں گی تمہیں سرپرائز، فکر نہ کرو..... یہ بتاؤ کہ ناشتا کرو گے؟" میں نے خود کو اس کی گرفت سے چھڑایا۔ "مجھے اسپتال بھی جانا ہے۔"

"چھٹی لے لو اسپتال سے..... میں اکیلا کیا کروں گا؟" اس نے التجائیہ لہجہ بنا کر کہا۔

"میں اسپتال میں ڈاکٹر ہوں مہتاب، اب میں شعبہ پلاسٹک سرجری میں عہدے کے لحاظ سے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ کے بعد دوسرے نمبر پر ہوں..... میں کوئی پرائمری اسکول کی طالبہ نہیں کہ کام کے دن سویرے، سویرے کال کر کے بتاؤں کہ میرے پیٹ میں درد ہے اس لیے اسکول نہیں آ سکتی۔"

"کم آن مایا، کچھ بھی مجھ سے اہم ہے تمہاری زندگی میں؟"

"یہی سوال میں پلٹ کر تم سے بھی پوچھ سکتی ہوں۔" میں نے کافی کا مگ اس کے سامنے رکھا۔ اپنا مگ ساتھ لیے میں اپنے کمرے کی طرف چلی، مجھے تیار ہونا تھا۔ میں نے اس کے جواب کا انتظار کیا تھا نہ پلٹ کر دیکھا تھا کہ اس کے چہرے پر کیا تاثر آیا ہوگا۔ واقعی میرے لیے اسپتال جانا اہم تھا، ایک اہم سرجری تھی اور اس کے لیے ہم نے اپنے اسپتال کے علاوہ بھی کئی اور ماہرین کی ٹیم کو بلا رکھا تھا۔ اچھا تو ہوتا کہ اس روز وہ نہ آتا، میں اپنے ذہن کو آزاد رکھنا چاہتی تھی۔ میرے پیشے میں ذہن کا ذاتی فکروں سے پاک ہونا بہت اہم ہوتا ہے، آپ یکسوئی سے اپنا کام تبھی کر سکتے ہیں جب آپ کے ذہن میں پراگندہ خیالات کے ہجوم نہ ہوں۔

"کس وقت تک آؤ گی؟" اپنا بیگ لے کر میں لاؤنج میں آئی تھی اور گاڑی کی چابی میز سے اٹھائی تھی۔

"کوشش کروں گی، جتنی بھی جلدی آ سکی۔" میں نے پوری سچائی سے وعدہ کیا۔ "سوری، چھٹی نہیں لے سکتی۔" میں نے نرمی سے کہہ کر اپنے پہلے والے تلخ لہجے کا اثر زائل کرنے کی کوشش کی تھی۔

"ٹھیک ہے....." اس نے ہولے سے کہا۔

"تمہیں کہیں جانا ہو تو میں گاڑی ڈرائیور کے ہاتھ واپس بھجوا دوں؟"

"ہوں..... نہیں۔" اس نے چند لمحے سوچ کر کہا۔ "میں کچھ دیر آرام کروں گا اور پھر تمہارے لیے کچھ اچھا سا پکا کر تمہارا انتظار کروں گا..... اچھی بیویوں کی طرح۔" وہ ہنسا، وہ ہنسی جس پر کبھی میں مرتی تھی۔

"طنز کر رہے ہو کیا؟"

"ارے نہیں..... واقعی نہیں، سوری اگر تمہیں ایسا لگا۔" وہ میرے قریب آن کھڑا ہوا تھا۔



www.pklibrary.com

''اٹس اوکے۔'' میں نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھاما۔

''تم نے بتایا نہیں کہ اتنی سویرے، سویرے کہاں گئی تھیں تم؟'' عام سا لہجہ مگر بڑا خاص سوال تھا۔ میں بیرونی دروازے کھولے کھڑی تھی۔

''میں فیصل یزدانی صاحب کے بیٹے بلال کو اس کے اسکول ڈراپ کرنے گئی تھی۔'' میں نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہا۔

''اچھا..... یہ فریضہ تم نے کب سے اور کیوں سنبھال لیا ہے؟'' اس نے ''تم'' پر زور دے کر پوچھا۔

''واپس آ کر بتاؤں گی، اس وقت دیر ہو رہی ہے پلیز۔'' میں نے اسے مختصر جواب دیا۔ اگر میں خود کو اس وقت اس کی جگہ پر رکھ کر دیکھتی تو میں اس وقت انگاروں پر لوٹ رہی ہوتی۔ ویسے فیصل زیادہ بہتر بتا سکتا تھا کہ اس وقت مہتاب کی کیفیت کیا ہو گی۔ انجانے میں ہی فیصل کا خیال آ گیا تھا تو سوچا اسے کال کر کے اس کی خیریت کیوں نہ پوچھ لوں۔

☆☆☆

''تھینک یو سو سو مچ مایا۔'' سلام کے بغیر ہی اس نے آغاز کیا۔

''ارے، ارے، فیصل صاحب یہ کیا سلام کرنے کا نیا انداز ہے؟'' میں نے ہنس کر کہا۔

''میں شاید خون زیادہ بہہ جانے کے باعث.....'' وہ رکا۔ ''میں واقعی بہت شکر گزار ہوں مایا۔''

''اللہ نے مجھے وسیلہ بنا دیا فیصل صاحب۔ کیونکہ ابھی اسے آپ کی زندگی منظور تھی۔ اللہ آپ کو آپ کے بیٹے کے لیے سلامت رکھے، آپ کے سوا اس معصوم کا ہے ہی کون۔''

''مجھے یقین ہے مایا کہ کل اگر میں..... مر بھی گیا ہوتا تو میرے بیٹے کے لیے کوئی نہ کوئی ہوتا۔'' اس نے مبہم سی بات کی تھی مگر میں اس کی تہ میں چھپی بات کو سمجھ گئی تھی۔ ''اسے اسکول بھیجنے کا بھی شکریہ، میں سمجھا کہ وہ نہیں گیا ہو گا مگر جب ملازمہ نے کال کر کے بتایا کہ گھر لاکڈ تھا اور کوئی اندر سے دروازہ بھی نہیں کھول رہا تھا تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ رات کو آپ کے ہاں ہی سویا ہو گا اور آپ نے ہی اسے اسکول بھی بھیجا ہو گا کیونکہ جب میں نے اسکول کال کی کہ اس کے لیے چھٹی اپلائی کر دوں تو اس کی ہیڈ مسٹریس نے واپس کال کر کے بتایا تھا کہ وہ تو اسکول آیا ہوا ہے۔''

''ظاہر ہے کہ اس کا وقت تو ضائع نہیں کیا جا سکتا تھا، اسے کہاں چھوڑتی، اس لیے بہتر سمجھا کہ اسے اسکول ہی چھوڑ دوں، یوں بھی وہ میری گاڑی میں اسکول جانا چاہ رہا تھا۔''

''شو باز.....'' وہ ہنسا۔ ''اس نے اسکول میں دوستوں کو بتایا ہو گا کہ وہ اتنی قیمتی گاڑی اس کے باپ نے خریدی ہے۔''

''نہیں بتایا ہو گا۔''

''آپ نہیں جانتیں اسے، اسے اور اس کے دوستوں کو، وہ یونہی اپنے والدین کی امارت کے قصے سنا کر ایک دوسرے کو مرعوب کرتے ہیں۔''

''بلال اب ایسا نہیں کرے گا۔'' میں نے پورے یقین سے کہا تھا۔

''ہوں۔ اس کے نصیب میں آپ کی اتنی اچھی کمپنی ہے، یقیناً آپ نے اسے سمجھایا ہے۔'' اس نے احسان مندی سے کہا۔

''میں بھی اسے کافی سمجھتا ہوں کہ ہمارا اور اس کے امیر دوستوں کا کوئی موازنہ نہیں مگر بچہ ہے، نہیں سمجھتا۔ چاند کو چھونے کی خواہش بھی تو کر بیٹھتے ہیں ناں بچے.....''

''اب کیسا محسوس کر رہے ہیں اور کب تک فارغ ہو جائیں گے آپ اسپتال سے؟'' میں نے بات بدلی۔

''میں تھوڑی دیر میں نکلوں گا، کچھ کاغذی کارروائی اور بلوں کی ادائیگی وغیرہ چل رہی ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''ہاں واپسی پر میں بلال کو لے لوں گا، آپ کا بہت شکریہ، اس سب کے لیے۔''

''ہمسائیگی میں شکریے کی کیا بات۔''

''شام کو بلال کے ساتھ ایک گلدستہ اور پزا لے



www.pklibrary.com

کر باقاعدہ شکریہ ادا کرنے کے لیے آؤں گا۔'' اس نے جوش سے کہا۔

''مہتاب آیا ہوا ہے.....'' میں نے ہولے سے کہا۔

''اچھا، کب؟''

''ایک گھنٹا پہلے ہی پہنچا تھا۔''

''مجھے اندازہ تھا.....'' اس کا لہجہ کھویا، کھویا سا تھا۔

''فون پر آپ کے منہ سے ضرور کچھ ایسی بات پھسلی ہوگی کہ اسے آنا پڑا، یہ دیکھنے کے لیے کہ آپ نے وہ تیر کیا ہوا میں چلایا ہے یا.....'' ایک نئی مشکل میرے لیے کھڑی تھی کیونکہ اسپتال سے پہلے ہی ایک پولیس والے نے مجھے روک لیا تھا، ڈرائیونگ کے دوران فون کے استعمال پر میرا چالان کاٹ کر اس نے میرا ڈرائیونگ لائسنس لے لیا تھا اور کہا تھا کہ اس چالان کو قریبی تھانے میں جمع کروا کے اپنا لائسنس وہاں سے وصول کرلوں۔

''کیا مصیبت ہے۔'' میں نے جھنجلا کر کہا۔ یہ ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا تھا۔

☆☆☆

چار بج رہے تھے..... مجھے تو دن بھر ایک لمحے کے لیے بھی یاد نہیں آیا تھا کہ مہتاب آیا ہوا تھا، مجھے کسی تھانے میں ادائیگی کروا کے لائسنس وصول کرنا تھا، گھر کی طرف روانہ ہوئی تو ایک، ایک کر کے سب یاد آنے لگا۔ دن بھر اتنا وقت بھی نہ ملا تھا کہ ایپ آن کر کے دیکھتی کہ مہتاب دن کیسے گزار رہا تھا۔ کھانے کے لیے کچھ لے لوں یا پھر باہر جا کر کھایا جائے اب دماغ ایک بیوی کی طرح سوچ رہا تھا۔ باہر چلے جائیں گے، مہتاب کو باہر کھانا کھانا پسند ہے۔ کہیں فیصل نہ آ جائے، پزا۔ اور پھول لے کر، گہری سانس لی، ایسا بیوقوف ہے تو نہیں، خود ہی سوال اور خود ہی جواب۔ گھر پہنچی تو فیصل کی گاڑی اس کی ڈرائیوے پر نظر آئی۔

''تم نے بتایا کیوں نہیں کہ فیصل یزدانی کو کوئی چوٹ شوٹ لگی تھی اور وہ اسپتال میں تھا؟'' مہتاب نے میرے اندر داخل ہوتے ہی سوال کیا۔

''اس وقت جلدی میں تھی، کہا تھا ناں کہ آ کر بتاؤں گی۔'' میں نے چابی ہک سے لٹکائی، بیگ میز پر رکھا اور اسکارف اتار کر صوفے کے بازو پر۔ ''چلو اب تم بیٹھو، میں دو منٹ میں چائے بناتی ہوں اور ساتھ کچھ اور بھی۔''

''تم آرام سے فریش ہو جاؤ..... میں نے چائے کے لیے کچھ منگوا لیا ہے آرڈر کر کے، ڈنر ہم باہر کریں گے۔''

''چائے کے ساتھ کچھ کیوں منگوایا ہے تم نے، میں تو زیادہ سے زیادہ ایک بسکٹ لے لیتی ہوں.....''

''ارے وہ ہے ناں تمہارا ہمسایہ، فیصل یزدانی، وہ اسپتال سے لوٹا تو اس وقت میں بھی باہر ہی تھا۔ اسی سے معلوم ہوئی ساری تفصیل۔ تم نے تو بتایا نہیں تھا کہ وہ اسپتال میں تھا اس لیے تم نے اس کے بیٹے کو اسکول چھوڑا تھا آج۔ میں نے سوچا کہ اسے ابھی کمزوری ہو گی، یوں بھی وہ تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لیے آنا چاہ رہا تھا تو میں نے اسے شام کی چائے کے لیے مدعو کرلیا۔'' وہ بتا رہا تھا اور میں خاموشی سے اس کا منہ دیکھتی، اندازے لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ یہ سب کرنے میں اس کا کیا مقصد تھا۔ ''سوری یار، تم سے پوچھے بغیر ایسا کرلیا، میں سمجھا کہ مجھے اتنا اختیار تو ہو گا۔'' اس نے ہولے سے کہا۔

''تمہیں اس سے بہت زیادہ اختیار ہے مہتاب..... مگر میں سوچ رہی تھی کہ یونہی گھنٹا بھر ضائع ہو جائے گا، میں اس وقت کو صرف تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔'' اس میں کوئی جھوٹ نہ تھا۔ کچھ بھی تھا مجھے اس سے محبت تو تھی۔ اگر وہ میری محبت میں خیانت کا مرتکب ہو رہا تھا تو وہ ہو رہا تھا، میرے دل میں ابھی تک وہی جذبات تھے۔ وقتی طور پر امڈ آنے والی نفرت اور دل میں پلتے ہوئے غصے کے طوفان کے باوجود میں اس سے محبت کرنے سے خود کو روک نہیں سکتی تھی۔ سوچا تھا کہ اس سے بیٹھ کر بات کروں گی، اسے کچھ اشارے دوں گی کہ میں اس کی ان سرگرمیوں سے آگاہ تھی جو ہمارے رشتے کو کمزور کر سکتی تھیں۔

''کوشش کریں گے کہ وہ جلدی چلے جائیں۔''



www.pklibrary.com

اس نے مجھے بہلایا۔ ”چلو تم اتنی دیر میں تیار ہو جاؤ، میں ملازمہ سے کہہ کر میز سیٹ کرواتا ہوں۔“

”تیار میں نے کیا ہونا ہے، یونہی ٹھیک ہوں۔“

”سستی نہ دکھاؤ مایا، ابھی لباس تبدیل کر کے ڈنر کے لیے جو کچھ پہننا ہے، پہن لو..... جونہی فیصل نکلے گا، ہم ڈنر کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔“ اس نے مجھے باقاعدہ کمرے کی طرف دھکیلا تھا۔

”میں نے ہلکی سی کڑھائی والا نسبتاً گہرے رنگ کا جوڑا زیب تن کیا، مہتاب کو گہرے اور شوخ رنگ پسند تھے، میک اپ کے نام پر فقط لپ اسٹک لگائی اور تیار تھی۔

ایک گھنٹا، تین گھنٹوں کے بعد ختم ہوا اور اتنی دیر ہو چکی تھی کہ ہم نے باہر ڈنر کرنے کا ارادہ ترک کر دیا، یوں بھی چائے کے ساتھ کافی لوازمات ہو گئے تھے، فیصل بھی پزا اور کیک لے آیا تھا، وہ سب کھانے کے بعد ڈنر کی گنجائش بھی نہیں تھی۔

”لانگ ڈرائیو پر چلیں؟“ مہتاب نے سوال کیا، میں کافی تھک چکی تھی اس لیے اسے انکار کر دیا۔

☆☆☆

”ڈاکٹر عفت آج کل ڈاکٹر اذکار کے ساتھ کافی دیکھی جا رہی ہیں۔“ میری کولیگ ڈاکٹر ہما نے میرے کان کے نزدیک آ کر سرگوشی کی اور اشارہ بھی کیا، ہم اسپتال کے کیفے ٹیریا میں چائے پینے کے لیے آئے تھے۔ ہم سے تھوڑے فاصلے پر ایک نسبتاً تاریک کونے میں ڈاکٹر عفت اور ڈاکٹر اذکار آمنے سامنے کی کرسیوں پر بیٹھے تھے اور کسی بات پر ہنس بھی رہے تھے۔

”کم آن ہما..... یوں کسی کے بارے میں غلط سلط قیاس نہیں لگاتے، ڈاکٹر اذکار اب اس عمر میں جوان بچوں کے ساتھ شادی کریں گے کیا؟ کسی کولیگ کے ساتھ بیٹھ کر کافی یا چائے پی لینے سے ضروری نہیں کہ ہم اُن کے تعلقات کو غلط سمجھیں۔“

”کولیگ..... کون کولیگ؟ یہ وہی ڈاکٹر اذکار ہیں ناں جن کے خلاف ایک بار ڈاکٹر عفت نے شکایت کی تھی کہ انہوں نے ان کا ہاتھ دانستہ پکڑ لیا تھا اور انہیں ان کی نیت خراب لگی تھی۔ ڈاکٹر عفت کی شکایت پر ڈاکٹر اذکار کو وارننگ دی گئی تھی۔“ ہما نے یاد دلایا۔

”ممکن ہے کہ ڈاکٹر اذکار نے اس بات کی معافی مانگ لی ہو اور ڈاکٹر عفت کا دل ان کی طرف سے صاف ہو گیا ہو۔“ میں نے اپنا اندازہ بتایا۔ ”یوں بھی وہ واقعہ کتنے ہی سال پرانا ہے۔“ مجھے یاد آ گیا کہ میں اس وقت نئی، نئی یہاں پوسٹ ہوئی تھی۔ ڈاکٹر عفت عمر اور مرتبے، دونوں میں مجھ سے چند سال آگے تھیں۔ میں نے ایک بار ان سے تنہائی میں کہا کہ میرے ساتھ ڈاکٹر اذکار نے بدتمیزی کی تھی۔ اس وقت میں کم عمر بھی تھی اور غیر شادی شدہ بھی، انہوں نے اس وقت میرے انتہائی قریب کھڑے ہو کر میرے سارے جسم کو سن کر دیا تھا جب میں ان کے بلانے پر ان کے دفتر گئی تھی۔ ڈاکٹر عفت نے اس وقت مجھے خاموش ہو جانے کو کہا تھا اور سمجھایا تھا کہ میں ایسا موقع دوبارہ نہ آنے دوں۔ اگر ایسا ہو کہ وہ مجھے اپنے دفتر میں دوبارہ بلائیں تو میں ڈاکٹر عفت کو مطلع کرنے کے بعد ان کے دفتر جاؤں۔

سوئے اتفاق اس روز اس آپریشن سے فارغ ہو کر ہم تینوں تھے اور چند لوگوں پر مشتمل تھیٹر کا اسٹاف۔ کوئی بات زیر بحث تھی کہ اچانک مجھے اپنی پنڈلی پر کسی چیز کے سرسرانے کا احساس ہوا۔ میں نے خوفزدہ ہو کر چیخ ماری کہ شاید کوئی بلی یا چوہا ہو گا۔ مگر ڈاکٹر عفت نے ڈاکٹر اذکار کا وہ عمل اپنی عقابی نظروں سے دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے انگلی اٹھا کر ڈاکٹر اذکار کو انگریزی میں کہا کہ وہ مجھے ہراساں کر رہے تھے، ان کے یوں غصے سے بولنے پر گھبرا کر، بے اختیاری میں ڈاکٹر اذکار نے ان کی اٹھی ہوئی انگلی کو پکڑا کہ اسٹاف کے لوگ نہ دیکھ لیں۔

”چھوڑیں میرا ہاتھ ڈاکٹر اذکار۔“ وہ اتنے زور سے بولی تھیں کہ سب کام کرتے لوگ اپنا، اپنا کام چھوڑ کر اس طرف متوجہ ہو گئے۔

”میں نے آپ کا ہاتھ نہیں پکڑا ڈاکٹر عفت۔“



www.pklibrary.com

وہ خوف زدہ ہو گئے تھے اور گھگیا رہے تھے۔

''بیوقوف سمجھا ہے مجھے آپ نے۔'' وہ اور بھی زور سے چیخیں۔ باہر نکل کر سیدھی ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ کے دفتر میں گئیں اور انہیں ڈاکٹر اذکار کی شکایت کی۔ جواب میں انہیں وارننگ ملی تو انہوں نے تحریری معذرت ڈاکٹر عفت کو پیش کی تھی۔

''آپ کو تو انہوں نے کچھ نہیں کیا تھا، آپ نے کیوں سارا معاملہ اپنے ہاتھ میں لیا؟'' اگلے روز میں ان کے ساتھ باہر لان میں بیٹھی تھی تو میں نے سوال کیا۔

''تم ابھی آئی ہو ڈیر..... ابھی غیر شادی شدہ بھی ہو، ان مردوں کی نفسیات اور اس کی طاقت کو نہیں سمجھتی ہو۔ میرے الزام لگانے سے ان کی بدنامی اور نقصان ہو گا کیونکہ میں نہ صرف شادی شدہ ہوں بلکہ ان سے جونیئر ہونے کے باوجود ان سے زیادہ قابل ہوں، اسپتال کو میری ضرورت ہے۔ تم چیختیں اور ان پر یوں الزام لگاتیں تو اسپتال کی انتظامیہ ایک لمحے میں تمہیں یہاں سے یوں نکال باہر کرتی جیسے دودھ میں سے مکھی کو کرتے ہیں۔ میں نے اس سے قبل بھی بہت سی ٹرینیز کو دیکھا ہے جو کہ ایسی ہراسیت کا شکار ہوتی ہیں اور اسی مصلحت کے باعث خاموش رہتی ہیں کہ انہیں ہی موردِ الزام ٹھہرایا جائے گا۔ یہ صرف ایک جگہ کی بات نہیں مایا اکثر مخلوط کام کرنے کی جگہ اس طرح کے واقعات ہوتے ہیں مگر اس پر فوری ایکشن کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ آئندہ کے لیے خبردار ہو سکیں۔ ہمارا نظام ایسے گدھ نما مردوں کی پشت پناہی کرتا ہے۔ میں نے انہیں جان بوجھ کر پھنسایا اور بعد ازاں انہیں بتا بھی دیا کہ میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ انہوں نے تمہیں اپنے دفتر میں بلا کر ہراساں کیا ہے، اگر دوبارہ ایسا کریں گے تو وہ نہ صرف اسپتال سے فارغ ہوں گے بلکہ اسپتال سے باہر بھی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔''

''ہو سکتا ہے کہ وہ میرے خلاف کوئی اور سازش کر کے مجھے نکلوانے کی کوشش کریں؟'' میں اس وقت ڈر گئی تھی۔ میری اسپیشلائیزیشن ادھوری رہ جاتی۔

''جب تک اس اسپتال میں ڈاکٹر عفت ہے، تب تک اس اسپتال کی کوئی سینئر یا جونیئر ڈاکٹر تو کیا، کسی آیا یا جمعدارنی کو بھی کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔'' ان کے لہجے میں اعتماد تھا، چٹانوں جیسی سختی تھی اور ایک مضبوط عورت کا دبدبہ تھا۔ یہ سب میں نے انہی سے سیکھا تھا اور جب میں اس قابل ہوئی کہ اسپتال کو میری ضرورت اس سے زیادہ ہونے لگی جتنی کہ مجھے اسپتال کی تھی تو میں نے بھی اپنے اندر ڈاکٹر عفت جیسا اعتماد، لہجے میں سختی اور انداز میں درشتی اختیار کی تھی کہ نہ صرف میرے ساتھ بلکہ انہی کی طرح میں جونیئر ڈاکٹروں، اور دیگر خواتین اسٹاف کے لیے بھی ڈھال بن جاتی تھی جو کہ مردوں کے اس معاشرے میں جنسی ہراسیت کا سامنا کرتی تھیں۔

☆☆☆

انہی ڈاکٹر عفت کو اب ڈاکٹر اذکار کے ساتھ یوں دیکھ کر حیرت تو مجھے بھی ہوئی تھی مگر میرے ذہن میں اس طرح کا شک نہیں آیا تھا جیسا کہ ڈاکٹر ہما کے ذہن میں تھا۔ یقیناً ان کے بیچ پیشہ ورانہ گفتگو ہو رہی ہو گی۔ انسانی فطرت ہے کہ جب کوئی دماغ میں شک ڈال دے تو وہ آپ کے دماغ میں یوں اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہتا ہے جس طرح دانت میں پھنس جانے والا کوئی ذرہ بار، بار آپ کی زبان کو چھونے پر مجبور کرتا ہے۔ اسی تجسس کے تحت میں گھر جانے سے پہلے ڈاکٹر عفت سے ملنا چاہتی تھی، وہ کسی میٹنگ میں تھیں، ان کی اسسٹنٹ نے کہا تھا کہ جونہی وہ آئیں گی تو وہ مجھے کال کر لیں گی۔ اسی اثنا میں، میں نے اپنے فون سے کیمروں والی ایپ آن کی کہ دیکھوں مہتاب گھر میں کیا کر رہا ہے۔

ملازمہ صفائی کر کے اب کچن میں غالباً برتن دھو رہی تھی اور مہتاب کمرے میں تھا، میری سائڈ ٹیبل کی دراز ایک، ایک کر کے کھول کے چیک کرتا ہوا..... میں حیرت کے سمندر میں غرق ہو گئی، وہ ایسا کیوں کر رہا تھا۔ سائڈ ٹیبل کے بعد اس نے میرا تکیہ اٹھایا تھا، اس کے نیچے میری کتاب تھی، جو میں رات کو سونے سے



www.pklibrary.com

پہلے پڑھتی اور پھر اسے تکیے کے نیچے رکھ لیتی تھی، اس نے کتاب بھی کھول کر دیکھی، وہ کیا ڈھونڈ رہا تھا؟ کیا وہ مجھ پر شک کر رہا تھا؟ اب وہ اٹھ کر میری ڈریسنگ ٹیبل کی دراز ایک، ایک کر کے کھول رہا تھا، وہاں سے بھی اسے وہ نہیں ملا تھا جو وہ ڈھونڈ رہا تھا۔

''میڈم آپ کو بلا رہی ہیں۔'' ڈاکٹر عفت کی اسسٹنٹ نے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا تھا۔ میں نے اپنے فون کو بند کیا اور ان کے آفس کی طرف چلی، دماغ میں یہی سوال گونج رہا تھا کہ مہتاب کیا ڈھونڈ رہا تھا؟

☆☆☆

''کیسی ہو مایا؟'' وہی بشاش انداز اور وہی گرم جوشی۔

''میں اچھی ہوں، آپ سنائیں؟''

''گزارہ چل رہا ہے میرا بھی۔'' وہ مسکرائیں۔

''تم سناؤ کس سلسلے میں ملنا چاہ رہی تھیں؟''

''یونہی، کافی دن ہو گئے تھے، تفصیلی ملاقات نہیں ہو سکی تھی تو سوچا سلام کر لوں۔'' میں نے تمہید باندھی۔

''خالی سلام کے لیے تو تم اتنی فارمل نہیں ہو سکتیں مایا، ضرور کچھ ایسا ہے جو تمہیں یہاں لایا ہے۔'' انہوں نے ہنس کر کہا۔

''آپ کا اندازہ کسی حد تک درست ہے.....'' میں نے کہا۔ ''میں ڈاکٹر اذکار اور آپ کے حوالے سے.....''

''ارے واہ، ہماری مایا بھی ان لوگوں کی صف میں شامل ہو گئی ہیں جنہوں نے مجھے اور ڈاکٹر اذکار کو اکٹھے دیکھ کر اپنے، اپنے قیافے لگانا شروع کر دیے ہیں۔''

''نہیں، نہیں..... پلیز، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ میں آپ کے بارے میں منفی سوچ ہی نہیں سکتی۔'' میں نے فوراً کہا۔

''منفی نہیں..... مثبت تو سوچ سکتی ہو ناں، ایسا ہی ہے مایا میری جان۔ تم جانتی ہو ناں کہ ڈاکٹر اذکار کی بیوی کا انتقال ہو گیا ہے۔ ان کے دو بچے ہیں جو بچپن کی حدود سے نکل کر لڑکپن کی حدود میں داخل ہو رہے ہیں، دو ہی بچے میرے بھی ہیں، ان کی بھی لگ بھگ یہی عمریں ہیں..... ڈاکٹر اذکار کو علم ہوا میری طلاق کے بارے میں، میری عدت گزرنے کے بعد انہوں نے مجھ سے اس بابت بات کی کہ اگر میں ان کا ہاتھ تھامنا چاہوں۔ وہ جانتے ہیں کہ میں ایک مضبوط کردار کی عورت ہوں، میری طلاق میں میری غلطی نہیں بلکہ میرے شوہر کی بدکرداری اور دھوکا ہے۔''

''مگر آپ کا اور ان کا تو کافی اختلاف.....''

''میں نے بھی تمہیں بتایا تھا کہ میں نے ان کے تحریری معافی نامے کے بعد کھل کر ان سے بات کی تھی کہ وہ خود کو درست کر لیں ورنہ وہ دنیا بھر کے سامنے شرمندہ ہوں گے۔ اس کے کچھ عرصے کے بعد انہوں نے پھر دل سے مجھ سے معافی مانگی تھی کہ میری سرزنش کے باعث وہ اپنی ایک گھناؤنی اور مکروہ عادت چھوڑ چکے تھے اور اس کے لیے میرے شکر گزار بھی تھے کہ میری وجہ سے ان کے کردار کا ایک سقم دور ہوا۔ اس کے بعد سے ہم اچھے دوستوں یا کولیگز کی طرح ملتے تھے..... دلوں میں رنجش اور کدورتیں ختم ہو گئی تھیں۔'' وہ رکیں، ایک گہری سانس لی۔ ''اب وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

''اور آپ؟'' میں نے فوراً سوال کیا۔

''کسی حد تک میں بھی۔ مگر اصل مسئلہ ہم دونوں کے بچوں کا ہے، انہیں اعتماد میں لینا، انہیں سمجھانا سب سے اہم ہے۔ اتفاق سے اذکار کی بیٹی اور میرا بیٹا ایک ہی اسکول میں ہیں اور ایک ہی کلاس میں بھی۔ دونوں کا حلقۂ دوستاں بھی مشترکہ ہے، کمبائنڈ اسٹڈیز کے لیے اکثر دونوں اپنے باقی دوستوں کے ساتھ ایک ہی گروپ میں ہوتے ہیں۔ میں ذاتی طور پر ان کے بچوں کو جانتی ہوں اور میرے بچے ان کو۔ مگر جانے اس بات کے حوالے سے ہمارے بچے کس طرح ری ایکٹ کریں۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے ڈاکٹر عفت، مجھے سن کر بہت خوشی ہوئی، اللہ کرے کہ آپ دونوں کے بچے بھی سمجھ جائیں۔ آخر آپ کون سا کوئی غلط کام کر رہے ہیں، مان جائیں گے وہ بھی.....'' میں اٹھ کر ان سے لپٹ گئی۔



www.pklibrary.com

''ایک بات بتاؤں مایا؟'' وہ خلا میں دیکھ رہی تھیں۔

''ہاں، ہاں، کیوں نہیں.....''

''ڈاکٹر اذکار تو اب ایک رنڈوے اور ضرورت مند ہیں ناں، مجھے اگر کوئی شادی شدہ آدمی بھی دوسری شادی کے لیے پروپوز کرتا تو میں ہاں کر دیتی، میرے بچے بھی اس پر معترض نہ ہوتے۔''

''وہ کیوں؟ آپ کسی شادی شدہ آدمی سے شادی کر کے کیسے خوش رہ سکتی تھیں؟''

''جیسے کوئی عورت میرے شوہر سے شادی کر کے، میرا گھر اجاڑ کر خوشی سے رہ رہی ہے۔ میں ایسی عورتوں سے انتقام لینا چاہتی تھی، میں بھی چاہتی تھی کہ میں اس لطف کا تجربہ کروں جو اپنی ہی صنف کا ہنستا بستا گھر اجاڑ کر ملتا ہے۔ معاشرے میں جو گندگی ایسی عورتوں اور میرے شوہر جیسے بد کردار مردوں نے پھیلائی ہوئی ہے، اس کا تدارک اسی طرح ہو سکتا ہے..... کہتے ہیں ناں کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔'' ان کے لہجے میں کچھ عجیب سا تھا۔

''مجھے معلوم ہے کہ آپ ایسا کر ہی نہیں سکتیں، آپ برائی کا جواب برائی سے دینے والوں میں سے نہیں ہیں۔ جو لوگ معاشرے کے خراب لوگوں کے سدھار کا کام کرتے ہیں وہ نادانستگی میں بھی کسی کا بسا بسایا گھر نہیں اجاڑ سکتے۔'' میں نے انہیں پھر اپنے ساتھ لگا لیا۔

''تم میرے لیے دعا کرنا۔''

''ضرور.....'' میں نے خلوص سے کہا۔ ''اللہ تعالیٰ آپ دونوں کے لیے آسانیاں فرمائے اور آپ کے بچوں کے دل نرم کرے کہ وہ دو پیار کرنے والوں کو ملنے دیں۔'' میری دعا کے الفاظ پر وہ دل کھول کر ہنسیں۔

''پیار کیا ہوتا ہے مایا، اس عمر میں تو مرد عورت کے لیے اور عورت مرد کے لیے اور طرح سے اہم ہوتے ہیں، companionship اور طرح سے ہوتی ہے، ہمیں نہ رومانس کرنا ہے نہ مزید بچے پیدا کرنے ہیں۔ ایک کی ضرورت دوسرے سے منسلک ہے، ایک بارٹر ہے، ایک سودا لے کر اس کے بدلے دوسرے سودے کا تبادلہ ہے۔'' انہوں نے وضاحت کی۔

''اللہ تعالیٰ اس رشتے میں مضبوطی پیدا کرے اور رومانس بھی، بچے آپ بے شک اور نہ پیدا کریں مگر زندگی کی خوشیوں پر آپ کا حق ختم تو نہیں ہو جاتا ناں.....'' میں نے کہا۔

''تم بہت بڑی اور سمجھدار نہیں ہو گئی ہو مایا۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔ ''اور ہاں ایک وضاحت کرنا تھی، ہمارے بیچ کوئی چھپ، چھپ کر کرنے والا رومانس نہیں ہے، ہم فارغ اوقات میں کھلے عام ملتے ہیں، پہلے بھی ملتے تھے۔ جب سے میں نے چند قریبی لوگوں سے اس بارے میں مشورہ کیا ہے۔ اس کے بعد سے ہم دونوں کے رومانس کے چرچے یوں ہو گئے ہیں جیسے ہم کوئی ٹین ایجر ہیں اور گھر والوں سے چوری چھپے ملتے ہیں.....''

''دنیا کا یہی کام ہے ڈاکٹر عفت، میری ساری نیک تمنائیں آپ دونوں کے لیے ہیں۔''

''بہت شکریہ مایا، اللہ تمہیں بھی ہمیشہ خوش اور آباد رکھے۔'' اور پھر تھوڑے عرصے کے بعد ان دونوں کا سادگی سے نکاح ہو گیا اور اس میں ان دونوں کے بچوں بہ رضا و رغبت شامل ہوئے تھے۔

☆☆☆

''تمہیں کچھ چاہیے تھا مہتاب؟ کچھ خاص ڈھونڈ رہے تھے تم؟'' میں نے اس سے سوال کیا۔

''میں؟ کہاں؟ نہیں تو..... کیوں، کیوں پوچھ رہی ہو تم؟''

''اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو پھر ملازمہ نے ایسا کیا ہو گا، کل آتی ہے تو میں اس سے پوچھتی ہوں۔ میری... سائڈ ٹیبل اور ڈریسنگ کی دراز اور ڈریسنگ روم میں میری الماریوں کی ساری ترتیب اتھل پتھل ہوئی ہے..... جیسے کوئی اس میں کچھ تلاش تار ہا ہو۔'' میں نے جان بوجھ کر ایسے کہا کہ بھلا وہ کیا کہتا ہے۔

''نہیں، نہیں، ملازمہ سے کچھ نہ پوچھنا، اصل میں، میں کچھ ڈھونڈ رہا تھا، سوری اگر میں نے تمہاری چیزیں اتھل پتھل کر دی ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''میں



www.pklibrary.com

ٹھیک کردوں گا سب کچھ۔"

"تم ایسا کیا ڈھونڈ رہے تھے مہتاب.. جو کہ میرے گھر میں، میری بیڈ سائڈ ٹیبل کی۔ درازوں یا میری کپڑوں والی الماریوں اور سیف میں ہو سکتا تھا؟" میں نے ابرو اچکا کر سوال کیا۔

"وہ میری ایک ڈائری تھی، بہت اہم، میں سمجھا یہاں کہیں ہوگی کیونکہ وہ مجھے کراچی میں بھی نہیں مل رہی تھی۔" وہ ہکلا کر بولا۔

"تمہیں لگا کہ تمہاری وہ ڈائری میں چرا کر لے آئی تھی؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔ "ایسا کیا اہم تھا اس ڈائری میں جسے میں چرا کر لا کر نہ صرف اپنے گھر میں رکھوں گی بلکہ کہیں بہت ہی سنبھال کر رکھوں گی.. جیسے کہ میرا لاکر؟" میں نے کوشش کی کہ میرے لہجے میں غصہ نہ شامل ہو۔ "کہیں تم مجھ پر کسی اور طرح کا شک تو نہیں کر رہے مہتاب، جس کے لیے تم نے تلاشی لیتے ہوئے سب کچھ الٹ پلٹ کر دیا..... تم مجھ سے پوچھ سکتے تھے۔ فلاں چیز کے بارے میں، میں جانتی ہوں کہ نہیں۔"

"ارے جان، ناراض کیوں ہو رہی ہو؟ میں تم پر کس بات کا شک کروں گا اور میں گھر پر فارغ بھی تھا اور تنہا بھی تو سوچا کہ میں خود ہی ڈھونڈ لیتا ہوں۔" وہ مجھے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر میں اس کا جھوٹ جان کر الجھن میں تھی کہ آخر وہ کیا تلاشتا رہا تھا، جسے اس نے کتاب کھول کر اس کے اندر ڈھونڈنے کی کوشش بھی کی تھی۔ اس سے سچ بولنے کی امید رکھنا یونہی تھا جیسے کہ انسان گھوڑے سے دودھ نکال سکے۔ "آج تو ہم ڈنر پر باہر چل رہے ہیں ناں؟" اس نے فوراً پینترا بدلا۔

"میں تھوڑی دیر آرام کر کے پھر تیار ہوتی ہوں۔" میں نے ہولے سے کہا۔ "جلدی واپس آنا ہو گا، مجھے ایک پریزنٹیشن تیار کرنی ہے کل کے لیے۔"

"جیسی مرضی میری سرکار کی....." اس نے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی تو میں بھی بصد کوشش مسکرا دی۔ "تم لیٹو چل کر کمرے میں، میں تمہارے لیے کافی بنا کر لاتا ہوں۔" اس وقت اس کی یہ آفر کسی نعمت جیسی لگی۔ "ہاں، فکر نہ کرنا، میں کل ملازمہ کے ساتھ مل کر تمہاری ساری چیزیں ترتیب سے ٹھیک کر دوں گا۔" میرے پیچھے اس نے آواز لگائی۔

"نہیں پلیز....." میں نے پلٹ کر کہا۔ "ایسا.. ہرگز نہ کرنا، میں اپنی چیزوں کی ترتیب خود ہی جانتی ہوں اور نہیں چاہتی کہ انہیں کوئی اور بگاڑے یا ٹھیک کرے۔" میں رکی۔ "ملازمہ اور نہ ہی تم۔"

☆☆☆

"تم مجھے بتاتی کیوں نہیں کہ تمہیں مجھ پر اصل شک کیا ہے؟" کھانا کھاتے ہوئے میری طویل خاموشی سے اکتا کر اس نے سوال کیا۔

"میں نے کب کہا کہ مجھے تم پر شک ہے؟" میں نے مصنوعی حیرت سے کہا۔

"اس روز، جب ہماری آخری دفعہ فون پر بات ہوئی تھی، اسی وجہ سے میں اتنے اہم وقت میں سے کچھ وقت چرا کر تم سے ملنے اور تمہارے شکوک رفع کرنے آیا ہوں مایا۔"

"میں نے شک کا لفظ ہرگز استعمال نہیں کیا تھا کیونکہ مجھے یقین ہے مہتاب، جو کچھ میں نے تم سے کہا تھا وہ حرف بہ حرف سچ ہے۔ تم مجھ سے بد دیانتی کے مرتکب ہو رہے ہو۔"

"اپنا source بتاؤ، مایا؟" اس نے ہاتھ سے کانٹا پلیٹ میں رکھ دیا۔ "تم مجھ پر ایسا بڑا الزام یوں نہیں لگا سکتیں۔"

"بات اہم ہے کہ خبر سچ ہے یا کہ جھوٹ..... source بھی تمہیں بتا دوں گی، جب وقت آیا۔"

"پلیز، اس کنگلے یزدانی کا نام ہرگز نہ لینا کہ وہی تمہیں مجھ سے متنفر کر سکتا ہے۔"

"وہ ایسا کیوں کرے گا؟" میں نے غصے سے پوچھا۔

"یہی سوال تم نے فون پر پوچھا تھا مایا تو میں نے تم سے کہا تھا کہ اس سوال کا بہتر جواب تم دے سکتی ہو یا وہ....."

"بڑی عجیب سی تاویل ہے یہ، تم الزام لگا رہے



www.pklibrary.com

# ملک بھر میں جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کے

## جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

ملنے میں اگر دشواری ہے تو مندرجہ ذیل نمبرز پر ہمارے نمائندوں سے رابطہ کیجیے۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| کراچی | 03002680248 | گجرات | 03016215229 | منڈی بہاؤالدین | 03460827027 |
| لاہور | 03004009578 | وزیرآباد | 03456892591 | سیالکوٹ | 0524568440 |
| ملتان | 03006301461 | لالہ موسیٰ | 03216203640 | میرپور AK | 03460397119 |
| حیدرآباد | 03213060477 | خان پور | 03337472654 | اٹک سٹی | 057210003 |
| سرگودھا | 03447475344 | کوہاٹ | 03325465062 | دیپالپور | 03004059957 |
| پشاور | 03005930230 | ساہیوال | 03446804050 | لیہ | 03002373988 |
| کوئٹہ | 03337805247 | پاک پتن | 0300694678 | قصبہ ڈنگہ | 03083360600 |
| فیصل آباد | 03006698022 | مظفرآباد | 03469616224 | عارف والا | 03008758799 |
| راولپنڈی | 03335205014 | بورےوالہ | 03347193958 | لورالائی | 03023844266 |
| نواب شاہ | 03003223414 | وہاڑی | 03136844650 | کوٹلہ ارب علی خان | 03016299433 |
| سکھر | 03009313528 | تونسہ شریف | 03346712400 | جلالپور پیروالا | 03338303131 |
| رحیم یار خان | 03009672096 | ڈیرہ غازی خان | 03336481953 | ہری پور | 03321905703 |
| بہاولپور | 0622730455 | بہاولنگر | 03336320766 | چکوال | 03348761952 |
| گوجرانوالہ | 03316667828 | بنوں شہر | 03329776400 | وہوا | 03346383400 |
| جہلم | 03235777931 | رائے ونڈ | 03004719056 | حافظ آباد | 03006885976 |
| سیالکوٹ | 03008711949 | ہڑپہ | 03317400678 | کوہاٹ | 03325465062 |
| جھنگ | 0477626420 | ڈیرہ اسماعیل خان | 03349738040 | ایبٹ آباد | 0992335847 |
| بھکر | 03337979701 | چشتیاں | 03348761952 | پتوکی | 03454678832 |
| منڈی بہاؤالدین | 0331-7619788 | منچن آباد | 0301-7681279 | مانسہرہ | 0333-5021421 |
| ڈسکہ | 0300-9463975 | سمبڑیال | 0333-8604306 | کوٹ رادھا کشن | 03004992290 |
| حجرہ شاہ مقیم | 03006969881 | ٹوبہ ٹیک سنگھ | 0315-6565459 | قصور | 0300-6575020 |


**جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز**

63-C فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی فون: 35895313

E-mail:jdpgroup@hotmail.com




www.pklibrary.com

ہو اس پر، اس کا جواب بھی تمہارے پاس ہی ہونا چاہیے ناں۔"

"میں الزام نہیں لگا رہا ہوں مایا، میں جانتا ہوں کہ....." وہ رکا۔

"کیا جانتے ہو تم؟" میں نے لہجے کو قابو کیا۔

"بات مکمل کرو مہتاب۔"

"تم دونوں کے بیچ کچھ چل رہا ہے....." اس نے بات پوری کی، نیپکن سے منہ صاف کیا اور چل دیا۔ میں نے ویٹر کو بلا کر بل ادا کیا، اس نے پوچھا کہ کھانا پیک کر دوں کیونکہ سب کچھ ویسے ہی پڑا تھا، میں نے اس سے کہا کہ وہ اس کھانے کو اپنے گھر لے جائے۔ مہتاب گاڑی میں بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔

"یہ کیا طریقہ ہے؟" میں نے نرمی سے سوال کیا۔

"کیا تم چاہتی ہو کہ میں وہاں اس ریستوران میں بیٹھ کر چیختا تم پر..... تمہیں آئینہ دکھاتا، تمہیں بتاتا کہ میرے بھی کوئی ذرائع ہیں، مجھے بھی علم ہے کہ تم دونوں کے بیچ دن رات کیسے رابطہ ہے، ملاقاتیں اور ایک دوسرے کے گھر آنا جانا....." اس نے گاڑی پوری رفتار سے بھگا دی اور میرے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔

"کیا تم میری جاسوسی کروا رہے ہو مہتاب؟" میں نے سوال کیا۔ "اس لیے کہ تمہیں شک ہے کہ میں بدکردار ہوں؟"

"نہیں ..... میں نے تمہیں بدکردار نہیں کہا، صرف یہ کہا ہے کہ تمہارا فیصل یزدانی سے دوستانہ ہے، ملاقاتیں ہوتی ہیں، کس لیے..... یہ میں نہیں جانتا۔" وہ رکا۔ "ہاں جب ایسا ہی میں کرتا ہوں، کام کے سلسلے میں عورتوں سے ملتا ہوں تو تم سے بدکرداری کا سرٹیفکیٹ پاتا ہوں۔ اگر یہ سب کچھ کرنے سے میں بدکردار کہلاتا ہوں تو تم خود ہی سوچ لو کہ مجھے تمہیں کیا کہنا چاہیے۔" وہ نہ کہہ کر بھی مجھے بدکردار کہہ رہا تھا۔

"تمہارے ذرائع نے تمہیں کبھی یہ بتایا ہے کہ میں تو لیے لپیٹ کر فیصل یزدانی کے ساتھ اپنے گھر میں تنہا ہوتی ہوں، میں اور وہ ایک صوفے پر انتہائی قریب بیٹھ کر کافی یا چائے پیتے ہیں..... اور تو اور ایک کمرے میں سو بھی جاتے ہوں؟" میں نے دانت پیس کر سوال کیا۔

"اچھا....." اس نے اچھا کو لمبا کر کے کہا۔ "تو تمہارے ذرائع کیا تمہیں یہ سب کچھ میرے بارے میں بتاتے ہیں؟ کوئی بندہ ہے یا کیمرا جو میرے گھر کے اندر کے حالات بھی دیکھ لیتا ہے؟" اس کا کہنا تھا کہ میرا سر گھوم گیا۔

"تمہارا کیا source ہے، مجھے چیک کرنے کے لیے اور تم نے ایسا کیوں کیا مہتاب، کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"تمہیں مجھ پر اعتماد ہے جو میں تم پر اعتماد کروں؟" اس نے جواب دیا۔ "بہرحال، تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں نے کسی کو تمہاری جاسوسی پر مامور کیا ہے نہ نگرانی پر..... نہ ہی مجھے شک تھا۔ میں نے تو تمہاری حفاظت کے خیال سے، کسی کو کہہ کر گھر کے بیرونی حصوں اور داخلی دروازے کے سامنے سکیورٹی کیمرے لگائے تھے، ان سے میں کراچی میں بیٹھے ہوئے اپنے فون کے ذریعے دیکھ سکتا تھا کہ کہیں کوئی غلط سلط بندہ گھر میں داخل ہونے کی کوشش نہ کرے۔ کوئی واردات تمہیں تنہا جان کر واردات کی کوشش نہ کریں۔" وہ رکا میری طرف دیکھا۔ "قسم لے لو مایا، مجھے تم پر کبھی کوئی شک نہیں تھا، صرف تمہاری حفاظت کے خیال سے یہ سکیورٹی کیمرے لگوائے تھے، میں جب بھی تم سے سوال کرتا کہ اس یزدانی سے کبھی ملاقات ہوئی تو تم کہتیں کہ کافی دن ہو گئے ہیں مگر اسی وقت میرے کیمرے بتاتے کہ وہ گھنٹا بھر پہلے تمہارے گھر پر تھا، کبھی تم دونوں کہیں سے اکٹھے لوٹتے تھے، کبھی تم دیر سویر اس کے گھر سے نکلتیں۔ میں نے تو تم سے کبھی باز پرس نہیں کی کہ تم اس سلسلے میں جھوٹ کیوں بولتی ہو؟ جانتا تھا کہ تمہارے اور اس کے بیچ غلط تعلقات نہیں ہیں۔ مگر جو کچھ بھی تھا، دوستی یا ہمسائیگی، تم اسے چھپاتی کیوں تھیں مجھ سے؟" وہ سوال کر رہا تھا، میرے پاس کوئی جواب نہ تھا، میں اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔ گاڑی



www.pklibrary.com

کافی دیر سے میری ڈرائیو وے میں پہنچ چکی تھی مگر ہم دونوں گاڑی میں ہی بیٹھے تھے۔ ''اندر چلیں مایا؟'' اس نے کہا تو میں چونکی، کسی ہپناٹائز کیے ہوئے معمول کی طرح میں اس کے عقب میں چل رہی تھی۔

☆☆☆

''کیا تم اب بتانا چاہو گی کہ تمہیں میرے خلاف یہ سب باتیں کون بتاتا ہے..... تم نے کہا ہے کہ فیصل ایسا کچھ نہیں کہتا۔''

''تمہاری شمالی علاقہ جات کی سرگرمیوں کی ساری تصاویر مجھے کسی گمنام شخص نے بھیجی تھیں، میں نے وہ سب کچھ ڈیلیٹ کر دیا تھا کیونکہ میں نے وہ تصویریں سچ سمجھی تھیں اور نہ اس شخص کو جانتی تھی میں۔'' بہت سوچ سمجھ کر جھوٹ تیار کیا تھا میں نے۔ ''بعد میں وہ سب کچھ سوشل میڈیا پر بھی تھا، ہر فورم پر..... شاید تم نے بھی دیکھا ہو۔''

''تم جانتی ہو کہ میری فیلڈ کیا ہے..... میرا واسطہ لوگوں سے پڑتا ہے مایا، ان لوگوں میں عورتیں بھی ہوتی ہیں، میرے لیے میرے کردار صرف کردار ہیں، مرد یا عورتیں نہیں۔ میں کام کرنے میں ان سے قریب ہو جاتا ہوں، ہمارے درمیان ایک کیمسٹری پیدا ہو جاتی ہے، ہم ایک دوسرے کی خاموشی کو بھی سمجھنا شروع کر دیتے ہیں..... جو کچھ تم سوچتی ہو، ویسا ہرگز نہیں ہے اور نہ کوئی میرے بیڈ روم تک آتی ہے، نہ میں کسی کے سامنے تولیے میں آتا ہوں۔'' میرے جھوٹ کے جواب میں وہ جھوٹ ہی تو کہہ رہا تھا۔ یہ سب کچھ تو میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، وہ میری آنکھ کے دیکھے کو جھٹلا رہا تھا۔

''میں..... میرے اور فیصل کے بیچ ایسا کچھ نہیں ہے..... دوستی بھی نہیں۔'' میں نے تمہید باندھی۔ ''اگر تم میرا یقین کرو تو، میں پہلے پہل تو اس سے سلام تک کرنے سے کتراتی تھی۔ پھر اس کی بیوی کی موت کے بعد اس کے معصوم بچے کی بیماری اور تنہائی نے ہمارے بیچ کا تکلف کم کر دیا۔ بلال مجھ سے بہت پیار کرتا ہے۔ میں بھی ایک عورت ہوں، اپنا بچہ نہیں مگر مجھے اس بچے سے اپنائیت محسوس ہوتی ہے، اس سے میری ماما کی حس کو تسکین ملتی ہے۔ اسی کی وجہ سے میرے اور فیصل کے بیچ کا کھچاؤ کم ہوا اور اب ہم ہمسائیگی کے حق سے کبھی کبھار مل بھی لیتے ہیں اور ایک دوسرے کی طرف آتے جاتے ہیں۔ کبھی کبھار ہم بلال کے ساتھ باہر بھی چلے جاتے ہیں۔ میں کسی بھی چیز کی قسم کھا کر کہنے کو تیار ہوں مہتاب کہ میرے اور اس کے بیچ..... اس سادہ سی دوستی کے سوا کچھ بھی نہیں، دوستی کا لفظ بھی اس لیے استعمال کر رہی ہوں کہ ایسا وہ کہتا ہے، ورنہ میں اس بات کی قائل ہوں کہ مرد و زن کے بیچ دوستی نام کا کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ ہاں ہمسائیگی میرے خیال میں اس سے بہتر لفظ ہے.....'' میں اسے پورے سچ کے ساتھ صفائی دے رہی تھی۔ ''اس کے دل میں کیا ہے، میں اس کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتی مگر میرے دل میں کوئی چور نہیں ہے۔''

''اگر کوئی چور دل میں نہیں ہے تو تم مجھ سے جھوٹ کیوں بولتی تھیں مایا؟''

''سوچتی تھی کہ تمہیں اچھا نہیں لگے گا، فیصل ایسا ہی آدمی ہے کہ اس کے ساتھ ہوتے ہوئے آپ کو اکیلے ہونے کا احساس نہیں ہوتا، میں سمجھتی تھی کہ تم سنو گے تو تمہیں اچھا نہیں لگے گا، منع کر دو گے اور میں اتنے بڑے شہر میں اس اکلوتے تعلق سے بھی محروم ہو جاؤں گی..... بلال کو نہیں مل سکوں گی۔ میں اپنا بچہ چاہتی ہوں مہتاب۔ اب اس سے زیادہ دیر نہیں اور کتنے سال ہم یوں بغیر بچے کے زندگی گزاریں گے؟'' میں سسکی۔

''تم نے سوچا بھی کیسے کہ میں تمہیں کسی بھی اکلوتے دوست یا تعلق سے محروم کر دوں گا، میں خوش ہوں مایا کہ تم تنہا نہیں ہو، تمہارے پاس وقت گزارنے کو کوئی دوست ہے، بچہ ہے، بلال.....'' اس نے مجھے ساتھ لگا لیا۔ ''اسی طرح تم بھی دل بڑا کرو۔ اگر میرے پاس میری کاسٹ میں سے کوئی بھی میرے گھر پر چائے کافی کے لیے آ جاتا ہے تو کیا وہ مجھے لوٹ لے گا، کیا وہ مجھے تم سے چھین لے گا؟'' اس نے میری کمر سہلائی۔ ''دل اور وژن بڑا کرو مایا، اسی طرح جس



www.pklibrary.com

طرح میرا دل بڑا ہے، سب جان کر بھی میں انجان بنا رہا، سوچتا تھا کہ کبھی نہ کبھی تو تم مجھے خود بتاؤ گی۔"

"سوری..... رئیلی سوری مہتاب، مجھے یہ سب کچھ تمہیں بہت پہلے خود ہی بتا دینا چاہیے تھا۔"

"چلو کوئی بات نہیں، مجھے کیمروں نے تو بتا ہی دیا تھا پہلے سے....." وہ ہنسا۔ "مجھے بھی تو کیمروں نے اتنا کچھ بتا دیا ہے اور میں ابھی کھل کر تم سے بات بھی نہیں کر سکتی، اس کی وجہ بھی فیصل ہی ہے، اسی نے کہا ہے کہ جب تک میرے پاس ٹھوس اور کافی ثبوت نہ ہوں، میں اس سلسلے کو چلنے دوں۔ اس کے بعد میں اپنی ایپ میں اس کی ایسی حرکتوں کو ریکارڈ کروں تاکہ جب میں اسے ثبوت کے ساتھ پیش کروں تو وہ انہیں جھٹلا نہ سکے۔" میں سوچ کر رہ گئی۔

"اس کے بعد، مجھ سے کچھ مت چھپانا، فیصل کو جب چاہے اور جیسے چاہے ملو، اتنا برا آدمی نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ تم سے میرے بارے میں کچھ کہے تو اس پر یقین کرنے کے بجائے مجھ سے تصدیق کر لینا۔"

"میں کسی کو اتنی جرأت نہیں دیتی کہ وہ میرے سامنے تمہاری برائیاں کرے....." اس نے مجھے اپنے ساتھ لگا کر میرے سر پر بوسہ دیا۔ "آئندہ جب بھی فیصل آئے گا یا میں اس کی طرف جاؤں گی تو تمہیں پیغام بھیجوں گی، پکا والا وعدہ۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے، میں خود ہی جان جاؤں گا..... بس اب تم یہ نہ کہنا کہ تمہاری دنوں بلکہ ہفتوں اس سے ملاقات نہیں ہوتی....." اس کے کہنے پر میری ہنسی نکل گئی۔ میں بھی کیسی پاگل تھی، دل میں چور نہ ہوتے ہوئے بھی چور بن گئی تھی۔

"اور ہمارا بچہ مہتاب؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"جلد آ جائے گا، ذرا ہم دونوں سیٹل تو ہو جائیں۔" اس نے پھر مجھے وعدے کا لالی پاپ دیا تھا۔

☆☆☆

"آپ کو علم ہے کہ مہتاب ہمارے بارے میں سب کچھ جانتا ہے....." میں نے اسے پیغام بھیجا۔

"کیا سب کچھ؟ ہمارے بیچ کچھ ایسا غلط ہے کیا جسے جاننے سے کوئی نقصان ہوگا؟" جواب آیا۔

"مجھ سے جب بھی مہتاب آپ کے بارے میں پوچھتا تو میں کہتی کہ میں ہفتوں آپ کو دیکھتی بھی نہیں۔"

"تو؟"

"اس روز جب وہ انتہائی غصے میں تھا کہ نہ میں فون اٹھا رہی تھی اور نہ آپ تو....." میں نے ٹائپ کیا۔

"اس دن آپ نے بھی دروازے پر کھڑے ہو کر کہا تھا کہ میں تو کبھی آپ کو نظر بھی نہیں آتی۔"

"ہوں....." اس نے لمبی سی ہوں کی۔ "کچھ یاد تو آ رہا ہے۔ مگر کیوں؟"

"وہ جاننا ہے کہ جب ہم دونوں ایسا کہتے ہیں تو ہم دونوں جھوٹ بول رہے ہوتے ہیں۔"

"ہائیں..... اسے کیسے علم ہوتا ہے؟"

"ملیں گے تو بتاؤں گی۔"

"پہلے بتائیں..... خواہ مخواہ میں، میں اس وقت تک سسپنس میں مبتلا رہوں گا، جب تک ہم ملیں گے نہیں۔"

"اچھی بات ہے، کچھ اندازے اور قیافے آپ بھی لگائیں....." میں نے پیغام کے ساتھ اسمائلی بھیجی۔

"اگر وہ ہماری نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہے تو پھر وہ ہمارے ٹیلی فون بھی مانیٹر کروا رہا ہوگا۔" اس نے خدشہ ظاہر کیا۔

"ممکن ہے..... چلیں باقی بات چیت ملاقات پر ہوگی، اس وقت میں کام میں مصروف ہوں....."

"ایک تو آپ کو دوسروں کو انتظار کی سولی پر ٹانگ کر بہت خوشی ہوتی ہے....."

"ایسی بات بھی نہیں۔"

"اور وہ ملاقات کب ہوگی جس میں آپ مجھے بتائیں گی یہ سب؟"

"شام کو چائے پر ملتے ہیں..... آپ آ جائیں، بلال کے ساتھ۔"

"ارے بڑے بہادر ہیں لوگ..... جانتے ہوئے بھی کہ ان پر کڑی نگرانی ہے، ملنے کو کہہ رہے ہیں۔"



www.pklibrary.com

''اللہ حافظ.....!'' میں نے آخری پیغام ٹائپ کیا اور اس کے جواب کا انتظار بھی نہیں کیا۔

☆☆☆

اس کی ہنسی ہی تھمنے میں نہیں آ رہی تھی، میں جانتی تھی کہ ایسا ہی ہوگا۔ وہ ہنس رہا تھا اور بلال بے فکری سے اپنا پسندیدہ پزا کھا رہا تھا۔ جو میں پہلے سے لے آئی تھی۔ اسے فکر بھی کیوں ہوتی، کون سا اس کے بابا رو رہے تھے، اسے ہنستا دیکھ کر وہ بھی بیچ، بیچ میں مسکرا دیتا۔

''چائے لیں فیصل صاحب۔'' میں نے چائے بناتے ہوئے، انگریزی میں اسے مخصر ابتایا تھا۔ اسے چائے پکڑا کر میں نے بسکٹ کی پلیٹ اس کے سامنے رکھی۔ اپنا کپ بھی لے کر آئی اور اس کے نزدیکی صوفے پر بیٹھ گئی۔ ''اب بتائیں کہ اس میں اتنا ہنسنے کی کیا بات ہے؟''

''وہ پنجابی کا ایک محاورہ یاد آ گیا تھا، چوروں کو مور پڑنا۔''

''آپ کے خیال میں، میں چور ہوں؟'' میں نے ابرو اچکائے۔

''ارے نہیں مایا۔ آپ غلط سمجھیں۔'' وہ فوراً سنجیدہ ہوا تھا۔ ''میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا۔''

''محاورے کے مطابق تو آپ نے مجھے ہی چور کہا ہے ناں.....''

''محاورے کا لفظی مطلب میری مراد نہیں تھی، میرا مطلب تھا کہ آپ نے اسے چیک کرنے کے لیے اس کے گھر میں خفیہ کیمرے لگائے..... جواب میں اس نے آپ کو چیک کرنے کے لیے کھلے عام کیمرے لگوائے۔''

''میں نے ہرگز کیمرے اسے چیک کرنے کے لیے نہیں لگائے تھے..... میرے ذہن میں صرف شرارت تھی۔'' میں نے فوراً کہا۔ ''اور اس نے کیمرے مجھے چیک کرنے کے لیے نہیں... بلکہ میری حفاظت کے خیال سے لگوائے ہیں۔''

''سو تو ہے.....'' اس نے چائے کا گھونٹ بھر کر کپ واپس پرچ میں رکھا۔ ''چند ماہ پہلے جب وہ کیمرے لگے تھے تو میری نظر ان پر پڑی تھی مگر میں سمجھا کہ بلڈنگ والوں نے لگوائے ہوں گے، میں نے چاروں اطراف گھوم کر ان کیمروں کو دیکھا تھا، اس مالے پر کیمرے لگے ہیں، میں نے کسی اور مالے پر جا کر چیک بھی نہیں کیے۔ اب مجھے سمجھ میں آ رہا ہے کہ جہاں، جہاں بھی کیمرے لگے ہوئے ہیں، وہ سب آپ ہی کے اپارٹمنٹ کا احاطہ کرتے ہیں، پہلے میرے ذہن میں یہ نکتہ نہیں آیا تھا۔''

''آپ کی تو نظر پڑ بھی گئی، میں نے کبھی اردگرد پر اتنا بھی دھیان نہیں دیا۔ اگر میری نظر ان کیمروں پر پڑتی بھی تو میں سمجھتی کہ یہ کیمرے ہمیشہ سے یہاں ہوں گے۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔

''یہ جان کر بھی کہ کیمرے کی آنکھ میں یہ سب آیا ہوگا اور سی ایم صاحب اس وقت جانتے ہوں گے کہ میں آپ کے ہاں آیا ہوں، آپ نے بڑی بہادری سے مجھے مدعو کیا ہے؟''

''کیونکہ میرا دل صاف ہے، نیت میں کھوٹ نہیں..... اور اب مجھے اس بات کا دھڑکا بھی نہیں کہ مہتاب جان لے گا تو کیا سوچے گا۔'' میں نے جواب میں کہا۔

''واہ رے کیا بہادری ہے.....'' اس نے ہولے سے تالی بجائی۔ ''اب جب اسے آپ پر اتنا اعتماد ہے جس نے آپ کو اتنا بہادر بنا دیا ہے کہ آپ مجھے اپنے گھر پر مدعو کرنے سے بھی نہیں گھبرائیں تو آپ بھی ایسا ہی اعتماد سی ایم صاحب پر کیوں نہیں کرتیں؟'' میں نے فوراً اس کی طرف حیرت سے دیکھا، میرے ذہن میں شک آیا کہ یہ سب کچھ اس کی اور مہتاب کی ملی بھگت تو نہیں۔ کم و بیش یہی الفاظ اس نے بھی کہے تھے کہ میں اس معاملے میں اس پر اسی طرح اعتماد کروں، جس طرح اس نے مجھ پر کیا تھا۔ میرے ذہن کی الجھن شاید میرے چہرے پر بھی نمایاں تھی۔

''کیوں؟ کیا ہوا ہے، ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟''

''آپ کی مہتاب سے تنہا کب ملاقات ہوئی تھی؟'' میں نے الجھن میں سوال کیا۔



www.pklibrary.com

''میں ان سے تنہا نہیں ملا.....''

''پھر آپ کے منہ میں ان کی زبان کیسے آئی؟''

''مایا۔ اگر انہوں نے بھی آپ سے ایسے الفاظ کہے ہیں تو اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ یہ کوئی سازش ہے اور اس میں، میں ان کا ساجھے دار ہوں۔'' وہ فوراً بولا۔

''ایک تو ہر بات کی تہ میں جانے کیسے پہنچ جاتا ہے یہ آدمی۔'' میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

''میں اس پر اعتماد تو کروں مگر جو کچھ میرے کیمروں کی آنکھ مجھے دکھاتی ہے، وہی سب کچھ اس کے کیمرے تو نہیں دکھاتے ناں فیصل صاحب!''

''مایا، ایک لمحے کو سوچیں، اس کے کیمروں کی حد ان دروازوں سے باہر تک ہے۔'' اس نے فلیٹ کے بیرونی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں کئی بار تنہا بھی آپ کے ہاں چائے پینے کے لیے آیا ہوں، وہ مرد ہے، وہ بھی تو سوچ سکتا ہے کہ اس دروازے کے بند ہونے کے بعد کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ ہم دونوں جانتے ہیں کہ ہمارے بیچ کوئی غلط تعلق نہیں مگر آپ کا شوہر تو بند آنکھوں سے آپ پر اعتماد کرتا ہے ناں؟''

''اسے معلوم ہے کہ میں بدکردار نہیں ہوں.....''

''آپ بھی اسے بدکردار نہ سمجھیں، خواہ مخواہ اس پر شک نہ کریں۔ جو کچھ آپ کی آنکھ دیکھتی ہے، اسے سچ نہ سمجھیں۔ بسا اوقات ہماری نظر ہمیں ہر چیز اسی زاویے سے دکھاتی ہے، جس زاویے سے ہم اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔ شک کی عینک لگا کر جو کچھ بھی دیکھیں گے، وہ غلط ہی نظر آئے گا۔''

''آپ نہیں سمجھیں گے فیصل صاحب۔'' ظاہر ہے کہ وہ کیسے سمجھتا، میں نے اسے سب کچھ تفصیل سے تو نہیں بتایا تھا، بہت سی چیزیں ایسی کہ جو میں اسے تفصیل سے بتا بھی نہیں سکتی تھی اور بہت سی ایسی کہ جنہیں بتاتے ہوئے میں سوچتی کہ آخر فیصل میرا ہے ہی کون جو میں اسے ایسی باتیں بتاؤں۔

''چلیں آپ سمجھائیں مجھے.....''

''کوئی فائدہ نہیں۔'' میں نے سر جھٹک کر کہا۔

''نہ آپ سمجھیں گے اور نہ مجھے سمجھانا آتا ہے۔''

''اگر آپ کی نظر میں، میں اتنا ہی ناسمجھ اور نادان ہوں تو ٹھیک ہے..... میں اصرار نہیں کروں گا۔'' وہ اصرار کرتا بھی تو میں کیا بتاتی اسے۔ اچھا ہے کہ اس نے خود ہی اس موضوع کو بند کر دیا تھا۔ چائے ختم ہو چکی تھی اور بلال پیٹ بھر کر پزا کھا کر اب بیٹھا بور ہو رہا تھا۔ ''چلتے ہیں مایا، بہت شکریہ چائے کا۔''

''تھینک یو مایا آنٹی۔'' بلال نے میرے گلے لگ کر مجھے پیار کیا۔

"You both are welcome" میں نے جواباً اس کے گال پر پیار کیا۔

☆☆☆

رات کی تنہائی آپ کی سب سے بڑی دوست ہوتی ہے، اس سے کیا گیا مشورہ آپ کے لیے بہترین ہوتا ہے۔ اسی میں اپنا مواخذہ کریں، اسی تنہائی سے باتیں شیئر کریں اور اسی میں اپنے دن بھر کا جائزہ لیں تو اپنی اصلاح کی جا سکتی ہے۔ اگلا روز چھٹی کا تھا اور میرے پاس خود سے باتیں کرنے کے لیے پوری رات تھی۔ خود ہی سوال اور خود ہی جواب دیتی رہی۔ کبھی مہتاب کا پلا بھاری ہو جاتا اور جو وہ مناظر ذہن کے پردوں پر ابھرتے جو میں اپنے کیمروں کی آنکھ سے دیکھتی تھی تو وہ ہلکا تلتا۔ وہ سب مناظر جواب میں نے ریکارڈ کرنا شروع کر دیے تھے، جو میری نظر میں قابلِ اعتراض تھے، ہو سکتا ہے کہ میں ان میں سے کچھ فیصل کو دکھاتی تو وہ جج کر سکتا کہ میرے شکوک بجا ہیں کہ نہیں؟ ان سب کے باوجود میں مہتاب کو شک کا فائدہ دے سکتی تھی کہ نہیں؟

میں نے بارہا ان ریکارڈ کیے ہوئے کو آن کر، کر کے دیکھا تھا۔ میری نظر اور میری چھٹی حس کتنا دھوکا کھا سکتی تھی؟ پھر یہی طے کیا کہ ایک بار کراچی جاؤں، اپنے شکوک کی روشنی میں اس کا اپارٹمنٹ چیک کروں، اس کے معمولات کو چیک کروں اور ضرورت ہوئی تو اس سے بات بھی کر کے دیکھوں گی۔



www.pklibrary.com

''سوچ رہی ہوں کہ کراچی جاؤں؟'' جانے کیسے میں نے بے خیالی میں فیصل کو پیغام بھیج دیا تھا۔

''آپ کی مرضی..... مگر نہ جائیں تو بہتر ہے۔'' صبح دس بجے اس کا جواب آیا تھا۔

''کیوں، آپ کو لگتا ہے کہ میرے سارے خدشے سچ ثابت ہو جائیں گے؟''

''اللہ کرے کہ آپ کے سارے خدشے غلط ثابت ہوں مایا، میں سچ میں آپ کا گھر ٹوٹتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتا۔''

''اچھا آپ کو لگتا ہے کہ میں کراچی جاؤں گی تو میرا گھر ٹوٹ جائے گا؟''

''بس میں ڈر رہا ہوں.....''

''اگر مہتاب مجھے دھوکا دے رہا ہے..... اگر وہ غلط آدمی ہے تو آپ کے خیال میں مجھے کیوں اس کو نظر انداز کرنا چاہیے اور اسے چیک کرنے کے لیے کراچی نہیں جانا چاہیے؟''

''وہ پہلے تو کبھی ایسا نہیں تھا ناں مایا، کراچی جا کر وہ غلط لوگوں کے بیچ پھنس گیا ہے، وہ حقیقت میں برا انسان نہیں ہے۔''

''برائی کی جڑ انسان کے اندر ہی ہوتی ہے فیصل صاحب، جب اسے موافق زمین ملتی ہے تو اس کا پودا پروان چڑھنے لگتا ہے۔''

''آج تو لوگ بہت فلسفی ہو گئے ہیں بھئی.....'' میرے جواب میں اس نے مسکراہٹ کا اسمائلی بھیجا تھا۔

''تو پھر ڈن ہے کہ میں جا رہی ہوں۔''

''اگر ایک بار... موقع دیں کہ میں اسے کسی کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کروں، اسے بتا سکوں کہ کویتا جیسی عورتیں کسی کی نہیں ہوتیں.....''

''وہ بچہ ہے کیا، جسے آپ سمجھائیں گے؟''

''آدمی بڑا بھی ہو جائے تو دل بچہ ہی رہتا ہے۔'' اس کا جواب آیا۔ جی تو چاہا کہ اس سے پوچھوں کہ کیا وہ آدمی نہیں تھا جس کا دل اپنی بیوی کے مرنے کے بعد بھی اس کی جگہ کسی اور کو دینے پر نہیں مانتا تھا۔ پہلے تو میں سمجھی کہ وہ صرف کویتا سے شادی کرنے سے کترا رہا ہے مگر ایک بار میں نے اصرار کیا کہ کویتا نہ سہی وہ کسی سے بھی شادی کر لے کہ گھر میں فیصل کو سنبھالنے کے لیے ماں جیسی کسی ہستی کی ضرورت تھی۔ تب اس نے کہا تھا کہ اس کی بیوی کو اس سے پیار تھا یا نہیں مگر اسے تھا اور وہ جب بھی دوسری شادی کا سوچتا ہے تو اسے لگتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ بددیانتی کر رہا ہے۔

''اچھا..... آپ صرف یہ بتائیں کہ میں اسے اطلاع کر کے جاؤں یا چھاپا ماروں؟''

''بہتر ہے کہ اسے اطلاع کر کے جائیں۔'' اس نے کہا تو میں نے سوچا کہ مشورہ مان لیتی ہوں۔ مرد ہے ناں، آخر اپنی صنف کا دفاع ہی کرے گا۔ مجھے چیک کرنا تھا کہ کب دو ویک اینڈ ملا کر دس دن کی چھٹیاں بن سکتی تھیں، یہ مرحلہ طے ہو گا تو اپنی پیکنگ اور پرواز کی بکنگ کروا کر مہتاب کو اطلاع کر دوں گی۔ فیصل کے مشورے کو نہ چاہ کر بھی مانتے ہوئے، میں نے مہتاب کو اطلاع کر کے جانے کا سوچا تھا۔ اس طرح شاید ہمارے بیچ اعتماد کا کھوکھلا سا رشتہ بچ جاتا۔

☆☆☆

''تم سوچ نہیں سکتیں میری جان کہ مجھے کتنی خوشی ہوئی ہے کہ تم نے بے کہے کراچی آنے کا پلان بنایا ہے۔'' اس کے لہجے میں اتنی پیار کی چاشنی گھلی تھی کہ میرے سارے خدشوں کے غباروں سے ہوا نکلنے لگی۔

''تم چھٹی کا پلان بناؤ..... میں اگلے جمعے کی فلائٹ سے تمہاری سیٹ بک کرواتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''مگر میری چھٹی تو اس ہفتے کی ہو سکتی ہے.....'' میں منمنائی۔ مجھے اپنی سیٹ بک کروانے سے پہلے کال کرنی چاہیے تھی، میری ہی غلطی تھی۔ اس روز جمعرات تھی اور میری اگلے دن یعنی جمعے کی پرواز سے سیٹ بک تھی۔

''اس ہفتے تو میں بہت مصروف ہوں، میرے دو تین دن کے ٹرپ ہیں اندرون سندھ کے..... آتا جاتا رہوں گا۔'' اس نے وضاحت کی۔ ''تم اپنی چھٹی کو کسی اور کولیگ کے ساتھ تبدیل کر لو پلیز..... میں اگلے ہفتے



www.pklibrary.com

کی بکنگ کروا دیتا ہوں تمہاری، اس وقت بھی میں پیکنگ کر رہا ہوں، صبح سویرے نکلنا ہے۔"

"نہیں، تم نہ کرواؤ بکنگ..... میں خود ہی کروا لوں گی، اپنی چھٹی کا پہلے چیک کرلوں۔" میں نے بے دلی سے کہا۔ میں نے قصداً اسے نہیں بتایا کہ میں ٹکٹ خرید چکی تھی۔ "کوشش کرتی ہوں کہ اگر اگلے ہفتے کی مل جائے... مگر چھٹی تو منظور ہو چکی... اور اگلے ہفتے تو کسی طرح بھی چھٹی نہیں مل سکتی... کہ ایک کانفرنس شروع ہو رہی ہے۔" پھر سوچا کہ فیصل سے مشورہ کروں مگر خود کو روک لیا کہ میں خواہ مخواہ اسے سر پر چڑھا رہی تھی..... اتنا تو میرا دماغ بھی کام کر سکتا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اندرونِ سندھ آتا جاتا رہوں گا، کون سا وہ مستقل باہر ہوتا۔ اب اپنا پروگرام تبدیل نہیں کرتی۔" میں نے مصمم ارادہ کیا اور اپنی پیکنگ کرنے لگی۔ اگر اسے اطلاع کی تھی اور وہ ٹال مٹول کر رہا تھا تو میں اسے سرپرائز ہی دیتی ہوں۔ مگر کاش میں نے ایسا فیصلہ نہ کیا ہوتا۔

☆☆☆

ظاہر ہے کہ وہ اس روز گھر پر نہ ہوتا، اسی لیے میں نے ائرپورٹ سے ایک اچھی کمپنی کی کیب لی اور اس کے ڈرائیور کو مہتاب کا ایڈریس بتا کر سامان اس کے حوالے کیا۔ میں خود گاڑی میں سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور اس نے سامان رکھ کر گاڑی اسٹارٹ کی۔ گاڑی میں ہلکی سی موسیقی آن تھی، میں سکون سے آنکھیں بند کر کے سوچنے لگی۔ "مہتاب گھر پر ہوگا تو مجھے دیکھ کر خوش ہوگا ورنہ مجھے اس کی واپسی کا انتظار کرنا ہوگا۔ میں نے اس سے پوچھا ہی نہیں کہ وہ آج واپس لوٹ آئے گا یا نہیں۔"

"آپ کی منزل آ گئی ہے میڈم۔" میں جیسے نیند سے جاگی تھی۔ میں نے باہر نکل کر اس کا کرایہ ادا کیا۔ اس نے سامان ڈکی سے نکالا۔ "میں سامان چھوڑ آتا ہوں میڈم۔" اس نے میری ٹرالی سڑک کے کنارے رکھی۔

"شکریہ، میں لے جاؤں گی، زیادہ وزن نہیں ہے۔" اس نے اصرار نہیں کیا اور شکریہ ادا کر کے چل دیا۔ میں نے اپنی ٹرالی کو اٹھا لیا اور ہولے، ہولے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی بلڈنگ کے اندر آئی، اس کے بعد تو لفٹ تھی۔ لفٹ صرف وہی لوگ استعمال کر سکتے تھے جن کے پاس کارڈ ہوتا ہے۔ میرے پاس لفٹ کا کارڈ اور اپارٹمنٹ کی چابی دونوں چیزیں تھیں۔

اپارٹمنٹ صاف تو تھا مگر اتنا نہیں جتنا مجھے اس کو دیکھنے کی عادت تھی یا توقع۔ لگتا تھا کہ کویتا کی دلچسپی بھی اسے صاف کرنے میں ختم ہو گئی تھی۔ یا پھر یہ کہ مہتاب ٹک کر رہتا ہی کہاں تھا جو وہ صاف کرتی۔ میں نے خود ہی تو مہتاب سے کہا تھا کہ اس سے اپارٹمنٹ کی چابی واپس لے، لے۔

سنک میں سنے ہوئے برتن اکیلے بندے کے نہیں تھے۔ لاؤنج میں میز پر کافی کے جھوٹے کپ بھی تعداد میں زیادہ تھے۔ میں نے عادتاً کپ اٹھا کر سنک میں باقی برتنوں کے ساتھ رکھ دیے۔ سامان کی ٹرالی ابھی تک بیرونی دروازے کے قریب ہی رکھی تھی۔ کچن میں، میں نے کیتلی آن کر کے کافی کے لیے پانی چڑھایا اور سنے ہوئے برتن ڈش واشر میں لگانے لگی۔ سوچا کہ ذرا دیر میں مہتاب کو کال کر کے اس کی واپسی کا پروگرام پوچھوں گی اور اسی حساب سے کھانے کے لیے کچھ بنالوں گی یا کویتا کو آرڈر کر دوں گی..... بلکہ ہم کہیں باہر ہی چلے جائیں گے، مہتاب کو بھی تو باہر کے کھانے کا شوق ہے ناں۔

بیڈ روم کا دروازہ بند تھا، میرے پاس اپارٹمنٹ کی چابی تو تھی مگر بیڈ روم کی نہیں۔ کبھی بیڈ روم لاک ہی کہاں ہوتا تھا، نہ میرے ہوتے ہوئے نہ اس کے علاوہ، اس کی ضرورت ہی کہاں تھی۔ میں نے ٹرالی کو پہیوں پر ہی گھسیٹ کر گیسٹ روم کے دروازے کے پاس کھڑا کر دیا، یہ کمرا مین دروازے کے قریب اور ماسٹر بیڈ روم سے دور تھا۔ کافی کا مگ لے کر میں لاؤنج میں بیٹھ گئی، میز پر بسکٹ کی پلیٹ رکھی تھی، اس میں سے بسکٹ لے لیے۔ میں نے دورانِ پرواز کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ سوچ ہی رہی تھی کہ کال کر کے مہتاب سے بیڈ روم کی چابی کا پوچھ لوں کہ گھر پر تھی یا اس کے پاس۔ فون



www.pklibrary.com

نکالا، اس پر کال کرنے سے پہلے ایپ کھول کر دیکھنے کا سوچا، چلو دیکھتی ہوں کہ میں اس میں نظر آتی ہوں کہ نہیں۔ اس کیمرے میں، میں سامنے سے نظر آ رہی تھی، اس کا مطلب ہے کہ مہتاب اور باقی لوگ دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہیں، میں اٹھ کر اس صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہاں بیٹھنے کے بعد اب میں پشت سے نظر آ رہی تھی اور میں جانتی تھی کہ میں بیٹھی ہوں ورنہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ کوئی مرد ہے یا عورت۔ اس طرف روشنی کا زاویہ ٹھیک نہیں تھا۔ میں خواہ مخواہ میں کبھی کچھ سوچتی تھی اور کبھی کچھ۔

بیڈروم کے دروازے کا کیمرا اس طرح لگا دیا تھا میں نے کہ دروازہ کھلتا تو کیمرا چھپ جاتا تھا۔ اور ایک کیمرا دروازے کے لاک پر بیرونی طرف لگا تھا، وہ بھی کچن کی طرف کی تصویر دکھاتا تھا، اسی لیے ناں کہ بیڈروم کا دروازہ مہتاب بند کر کے چلا جاتا تھا۔ اس کیمرے کو اتار کر اس کی کوئی اور سیٹنگ کروں گی۔ میں نے کافی کا کپ خالی کیا اور اسے بھی کھنگال کر ڈش واشر میں لگا دیا۔ پھر میں نے اس دروازے کا رخ کیا کہ اس سے کیمرا اتار کر اسے دوبارہ کسی اور زاویے سے لگاؤں گی۔ لاؤنج میں اس صوفے کی طرف جس پر میں پہلے بیٹھی تھی۔ میں نیچے اکڑوں بیٹھ کر اس تقریباً نادیدہ کیمرے کو ڈھونڈ رہی تھی جسے وہ شخص کبھی نہ ڈھونڈ پاتا، جس نے اسے اپنے ہاتھ سے نہ لگایا ہو۔ کاش میں ایسا نہ کرتی، کاش میں وہاں اکڑوں نہ بیٹھتی اور میرے دیدے تالے کے سوراخ سے اندر نہ دیکھتے۔

میں کسی بھاگ، بھاگ کر ہانپتے ہوئے انسان کی طرح لاؤنج میں بیٹھ گئی۔ آنکھوں کے اندر جیسے ریت کا طوفان گھس گیا تھا، چبھن ہی چبھن، وجود انگاروں پر تھا اور دماغ آندھیوں کی زد میں۔ کیمروں کی آنکھیں بھی شاید دھوکا کھا جاتی ہوں گی مگر نگی آنکھ نہیں۔ اس میں تو اب کوئی دو رائے نہ تھیں۔ میں شاید صدیوں اس صوفے پر کسی میخ کی طرح گڑی رہ گئی تھی۔ کمرا لاک نہیں تھا بلکہ اندر سے کنڈی لگی ہوئی تھی کیونکہ تالے کے سوراخ میں کوئی چابی نہ تھی۔ میں نے وہ نادیدہ کیمرا اتار کر اسی سوراخ پر لگا دیا تھا اور خود بیٹھی کانپ رہی تھی، لرزہ طاری تھا اور غصے کا غبار دل و دماغ کو دیوانہ کیے ہوئے تھا۔ دروازے کو پیٹ ڈالتی مگر میں یوں خوفزدہ ہو گئی تھی جیسے مہتاب نہیں، میں چور تھی۔ دوسرے چور کو میں نے پہچانا نہیں تھا مگر مجھے ننانوے فیصد یقین تھا کہ وہ کون ہے۔

☆☆☆

جانے کتنی عمریں وہیں پتھر کی طرح میں گڑی رہی


دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں گھر بیٹھے حاصل کریں

جاسوسی، ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرسالانہ بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ

پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 1500 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 20,000 روپے

بقیہ ممالک کے لیے 19,000 روپے

بیرون ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں

رابطہ:

مرزا ثمر عباس: 0301-2454188

سرکولیشن مینیجر سید منیر حسین: 0333-3285269

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

C-63 فیز III ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی

مین کورنگی روڈ۔ کراچی




www.pklibrary.com

تھی، جب وہ دونوں ''اندرونِ سندھ'' سے باہر نکلے تھے..... میں صوفے پر اور وہ دونوں اس کمرے کے دروازے کے سامنے بت بن گئے تھے۔ خاموشی نے کمرے میں ہوا کی جگہ لے لی تھی، پورے میں چھائی ہوئی خاموشی۔

''ارے مایا، میری جان۔'' اس خاموشی کے کمبل کو اس نے کاٹا تھا۔ ''واٹ اے سرپرائز۔'' وہ میری طرف لپکا تھا۔

''ہاتھ مت لگانا مجھے.....'' میں جیسے اس کے قریب پہنچتے ہی کرنٹ کھا کر اٹھی تھی۔ ''نزدیک مت آنا۔''

''کیوں میری جان؟ ایسا کیا ہو گیا ہے؟'' وہ مجھے ابھی تک بچہ سمجھ رہا تھا۔

''کیا کر رہے تھے تم دونوں اندر؟'' میں نے سنسناتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

''میں تیار ہو رہا تھا اور کویتا بہن.....''

''بند کرواپنی بکواس..... مت استعمال کرو بہن کا لفظ اس حرافہ کے لیے۔''

''کم آن مایا۔'' وہ مضبوط مرد تھا، اس نے مجھے اپنی گرفت میں جکڑ لیا۔ ''یوں فضول مت سوچو۔''

''میں فضول سوچ رہی ہوں، تم فضول آدمی، جو فضولیات تم کر رہے ہو، میں سب جان گئی ہوں..... یہی ہے تمہارا اندرونِ سندھ۔ تم دونوں زانی.....'' وہ بالکل خاموش، بت کی طرح کھڑی تھی۔ ''میں نے سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے، تم اور تمہاری ''بہن'' تھوڑی دیر پہلے جس حالت میں تھے۔''

''خواہ مخواہ میں شک کر رہی ہو تم مایا۔''

''چھوؤ مت مجھے، غلیظ آدمی، نالی کے کیڑے.....'' میں نے اسے دھکا دے کر خود کو چھڑایا۔ میں لمحوں میں غصے کی انتہا تک پہنچ گئی تھی، میں نے اپنے ہی سرپرائز کا مزہ چکھ لیا تھا۔

''سکون سے مایا..... سکون سے میری بات سنو۔ کویتا بہن، آپ ذرا پانی لائیں ایک گلاس۔''

یا اللہ۔ وہ اب بھی سمجھ رہا تھا کہ وہ کویتا کو بہن کہہ کر پکارے گا تو میں اس کے بیانات پر یقین کر لوں گی، اپنی آنکھوں دیکھے کو جھٹلا دوں گی۔ وہ لپک کر پانی کا گلاس لائی اور اسے مہتاب کے ہاتھ میں تھما دیا، میں نے پانی کا گلاس پکڑا اور اس کے منہ پر دے مارا۔ وہ پیچھے ہٹی تھی مگر گلاس اس کے سر سے ٹکرا کر زمین پر گر کر چکنا چور ہوا تھا۔

''پاگل ہو گئی ہو کیا مایا؟''

''پاگل نہیں ہوئی..... اب ہوش میں آئی ہوں۔'' میں نے چیخ کر کہا۔ ''مجھے اس سے زیادہ بیوقوف نہیں بنا سکتے تم.....'' کہہ کر میں نے بیرونی دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔ وہ میرے پیچھے آیا اور مجھے کندھے سے پکڑ لیا۔ ''چھوڑ دو مجھے..... نہ صرف میرا بازو چھوڑ دو بلکہ مجھے ہی چھوڑ دو، ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے.....''

''پلیز..... بیٹھو، ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' اس نے لہجہ نرم کیا۔

''سب گنجائش ختم ہو گئی ہے مہتاب، مجھے اب تم سے کوئی بات نہیں کرنی ہے۔'' میرا لہجہ اٹل تھا۔ ''میں بہت عرصے سے جانتی تھی کہ تم مجھ سے دھوکا کر رہے ہو اور یہ چنڈال بھی۔ مگر اتنی دیدہ دلیری سے..... یہ سب کچھ ہو رہا ہے، یہ میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ تم نے بھی کہاں سوچا ہو گا کہ میں تمہارے منع کرنے کے باوجود آ جاؤں گی۔ تم (گالی) ہو اور حرام کھا کر خوش ہوتے ہو، اس لیے تم نے مجھے آنے سے منع کیا؟''

''ایسا نہیں ہے مایا.....'' وہ ہکلایا، میرے اس قدر سخت لہجے اور تلخ الفاظ کے باوجود وہ مصالحانہ انداز میں مجھے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''تو پھر کیسا ہے؟'' میں نے ابرو اچکا کر سوال کیا۔

''ہم ایسا کچھ نہیں کر رہے تھے، جس سے تم اتنا ناراض ہو رہی ہو۔'' اس نے مجھے صوفے پر بٹھا کر میرے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

''اچھا تو تم دونوں کیا کسی ڈرامے یا فلم کی



www.pklibrary.com

ریہرسل کررہے تھے؟"

"بتایا ناں کہ میں تیار ہورہا تھا اور کویتا بہن....."

"شرم کرو..... اتنی بے غیرتی سے سب کچھ کر کے بھی تم اسے بہن کہہ رہے ہو، تمہاری کوئی بہن ہوتی تو تمہیں بہن کے رشتے کی حرمت کا خیال ہوتا..... یہ تو ہے ہی طوائف، تم اس کے چنگل میں اسی لیے پھنس گئے ہو کیونکہ تم بھی وہی ہو..... تم جیسے مردوں کے لیے طوائف کا کوئی متبادل لفظ نہیں ہے۔"

"تم میری بات نہیں سنو گی مایا؟"

"مجھے چھوڑو ذرا....." میں نے اس کا ہاتھ پرے کیا اور میز پر اپنا فون رکھ کر اس پر وہ ریکارڈ کی ہوئی ویڈیو آن کر دی جو میں نے اپنی کیمروں والی ایپ کے ذریعے ریکارڈ کی تھی، وہ دونوں سمجھے ہوں گے کہ میں نے تالے کے سوراخ سے وہ ریکارڈنگ کی تھی۔ "میرا فون تم چاہے توڑ دو مگر میں نے یہ ویڈیو خود کو ای میل بھی کر دی ہے اور اپنے کچھ قریبی دوستوں کو Whatsapp پر بھی بھیج دی ہے۔ مجھے یا میرے فون کو کچھ ہوا تو تم دونوں کی یہ ویڈیو لمحوں میں وائرل ہوجائے گی۔"

"سوری مایا..... میں بھٹک گیا تھا۔" وہ گھگیایا۔ "میری غلطی کو پہلی غلطی سمجھ کر معاف کردو....."

"تم چاہو تو میں تمہیں اسی طرح کی تمہاری اور ویڈیوز بھی دکھاتی ہوں جو کسی اور نے ریکارڈ کر کے مجھے بھیجی تھیں، اس لیے یہ تو یقینی ہے کہ یہ تمہاری پہلی غلطی ہے نہ آخری۔ اسے غلطی کہو بھی نہیں، یہ گناہ کبیرہ ہے اور اس کی سزا کے طور پر تم لوگوں کو کسی گڑھے میں دبا کر اس وقت سنگسار کیا جاتا ہے جب تک کہ تم دونوں مر نہ جاؤ۔ کاش میں ایسا کرسکتی۔"

"ہمیں معاف کردو مایا....." وہ رونے لگ گئی تھی اور اپنے گھٹنوں پر گر گئی تھی..... مہتاب کا وجود بھی زلزلوں کی زد پر آ گیا تھا۔

"تم تو اپنے غلیظ منہ سے میرا نام بھی نہ لو اور تم....." میں نے انگلی اٹھا کر مہتاب کو روکا۔ "چھوؤ بھی نہیں مجھے اپنے ان ناپاک اور غلیظ ہاتھوں سے۔ نفرت ہے مجھے تم سے، شرم آرہی ہے مجھے یہ سوچ کر بھی کہ میں نے تم سے شادی کی، تمہیں شریف انسان سمجھ کر اور تم نے اپنے ماں باپ کی تربیت کو ظاہر کر دیا ہے، انہوں نے تمہیں حلال اور حرام کی تمیز بھی نہیں سکھائی۔" عام حالات ہوتے تو وہ اس بات کے جواب میں مجھ پر الٹا غصہ ہوتا مگر اب اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ وہ ویسا ہی تھا، جیسا کہ میں اسے کہہ رہی تھی۔ میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایک لمحہ بھی نہیں رکنا ہے مجھے اس بدکاری کے اڈے پر۔" میں نے اسے دھکیل کر پرے کیا۔ "تم اسی کے قابل ہو جس نے جانے کس کس گھاٹ کا پانی پیا ہے اور بھائی بہن کے نام پر جو گھناؤنا کھیل تم کھیل رہے ہو، اسے جاری رکھو، میرے پاس تمہارے لیے کوئی سزا نہیں ہے، تم دونوں کو اللہ ہی پوچھے گا۔" میں نے اپنا فون اٹھایا، ٹرالی گھسیٹی اور اس فلیٹ سے ہی نہیں، مہتاب کی زندگی سے بھی نکل گئی تھی جیسے۔

☆☆☆

نہ کوئی اس کا بڑا تھا نہ میرا..... نہ کوئی خاندان برادری کہ ہمارے بیچ مصالحت کرواتا، ہوتا بھی تو مجھے تو مصالحت کرنا ہی نہیں تھی۔ میں کس جرم کی پاداش میں اس جیسے مکروہ انسان کے ساتھ زندگی گزارتی۔ اگر فیصل سے سلام دعا رکھنا میرا جرم تھا تو میرے اور اس کے بیچ کی حدود کو ہم دونوں ہی نہیں، ہمارا اللہ بھی جانتا تھا۔ میں تو بہت محتاط انداز میں بات بھی کرتی تھی اور اب اتنے پر بھی پچھتا رہی تھی کہ میں نے اس سے اتنی سلام دعا بھی کیوں رکھی کہ جس کے باعث مہتاب نے سوچا کہ میری اس سے دوستی تھی اور اس کے بدلے میں وہ بھی ایسی دوستیاں رکھ سکتا تھا کہ جن کی کوئی حدود ہی نہ تھیں۔

واپس لوٹی تو کئی دن دانستہ فیصل کا سامنا کرنے سے کتراتی رہی۔ اسپتال کے بعد اِدھر اُدھر گھومتی رہتی، اسی دوران وکیلوں سے بھی مل کر کچھ قانونی کارروائی کی، مہتاب کو خلع کا نوٹس بھیجا، اپنے اپارٹمنٹ کا بیرونی تالا تبدیل کروایا، نئے اپارٹمنٹ کی تلاش میں کچھ وقت



www.pklibrary.com

گزارہ، جو سکیورٹی کیمرے اس نے لگوا رکھے تھے، وہ کسی سے کہہ کر سارے تڑوا دیے۔ فیصل سے کترانے کے باوجود کبھی کبھار سلام دعا کا تبادلہ ہوتا رہا مگر اس سے بڑھ کر سوال کرنے کی ہمت اس میں ہوئی، نہ ہی کسی کال اور پیغام کا تبادلہ۔ شاید وہ سمجھ گیا تھا کہ میں اس سے ملنے سے اور اس کا سامنا کرنے سے گریز کر رہی تھی۔ بلال کے سلام میں گرمجوشی ہوتی اور میں آہستگی سے سلام کا جواب دے دیتی۔

''آپ یہ اپارٹمنٹ چھوڑ کر کیوں جا رہی ہیں مایا؟'' اس کا پیغام آیا تھا۔ ''اگر مجھ سے فرار کے لیے ایسا کر رہی ہیں تو میں چلا جاتا ہوں کہیں۔''

''میں آپ سے نہیں، خود سے فرار چاہ رہی ہوں۔ آپ پلیز اس کے بعد مجھے کوئی پیغام نہ بھیجیں۔''

''کم از کم اتنا تو معلوم ہونا چاہیے کہ سزا دینے والے کو کس جرم کی سزا مل رہی ہے؟'' اس کا پیغام آیا تھا مگر میں نے بند اسکرین پر ہی پڑھ کر فون بند کر دیا۔ اس سوال کا جواب دینا میرے نزدیک اہم نہ تھا۔

مہتاب کے پیغامات اور کالیں میں پہلے ہی نظر انداز کر رہی تھی۔ اپنے کام میں مشغول رہتی اور دیر سے گھر آ کر صبح تک سونے کی ناکام کوشش کرتی رہتی۔ اپنی بے وقعتی اور زندگی کے اپنے قیمتی سال ضائع ہونے کا دکھ جاتا ہی نہ تھا۔

☆☆☆

''تم کسی بات کو لے کر پریشان ہو مایا؟'' ڈاکٹر عفت کے سوال پر میں چونکی تھی۔ ہاں کوئی تو تھا، جس سے میں بات کر سکتی تھی۔

''ہوں..... ہوں تو سہی۔'' میں نے سینے کی گہرائی سے سانس کھینچی۔

''مجھ سے شیئر کرنا چاہو گی۔ شاید میں کوئی حل پیش کر سکوں؟''

''آپ سنائیں، کیسی گزر رہی ہے، خوش تو ہیں ناں آپ؟''

''میں بہت خوش ہوں، سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے، بچے بھی اچھے بچوں کی طرح رہ رہے ہیں، وہ بھی سمجھتے ہیں کہ ہمارے والدین کا یہ فیصلہ انہی کے مستقبل کی وجہ سے اہم تھا۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔ ''مگر یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں ہے مایا۔''

''ایک مسئلہ ہے تو شاید اس کا حل بھی صرف آپ ہی بتا سکتی ہوں گی مجھے..... مگر مجھے کچھ سوچنے کا وقت دیں اور جب آپ کے پاس کافی وقت ہو، تب ہم کہیں بیٹھیں گے، لنچ وغیرہ پر اور میں آپ سے بات کروں گی۔''

''جس مسئلے نے تمہارے چہرے کی تازگی کو ماند کر دیا ہے اور تمہاری آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے ڈال دیے ہیں، اسے سننے کے لیے میں کچھ دن تو کیا کچھ گھنٹے بھی انتظار نہیں کر سکتی..... چلو پیاری بچی، پیک اپ کرو اور ابھی ہم دونوں کہیں باہر لنچ پر جا رہے ہیں۔''

☆☆☆

''انتہا ہے یہ تو، بے شرمی اور بے حیائی اور پھر اس پر دیدہ دلیری..... میرے شوہر نے جو کچھ کیا وہ مجھ سے چوری سہی مگر اس میں کچھ حرام نہ تھا، تمہارے شوہر نے تو حد ہی ختم کر دی ہے، اس جیسا انسان تو اس قابل ہی نہیں کہ تمہاری جیسی پیاری لڑکی اس کے ساتھ رہے.....'' میں نے انہیں غیر ضروری باتیں حذف کر کے سب کچھ بتایا تھا اور تو اور فیصل یزدانی کا ذکر بھی کیا تھا۔

''میں نے خلع کا کیس فائل کر دیا ہے، وہ مصالحت کے لیے دائیں بائیں سے پیغامات بھیج رہا ہے مگر یقین کریں کہ اس کا تصور بھی آتا ہے تو مجھے گھن آتی ہے۔ میں اس کے ساتھ قطعی اس شادی کے تعلق میں عمر بھر نہیں رہ سکتی۔'' میں نے کہا۔

''میں بھی ان حالات میں ایسا ہی فیصلہ کرتی مایا، اگرچہ یہ سب بہت تکلیف دہ ہے، تمہارے حالات والی لڑکی کے لیے اور بہت مشکل کہ جس کا کوئی اور ہے بھی نہیں اس دنیا میں مگر پھر بھی میں تمہارے فیصلے کی تائید کروں گی، یہ بھی اچھا ہے کہ تمہارے پاؤں میں کوئی زنجیر نہیں کہ جس کے باعث تمہیں یہ فیصلہ کرنے میں کوئی مشکل پیش آتی۔''



www.pklibrary.com

''آپ نے یہ کیوں کہا کہ میرا اس دنیا میں اور کوئی نہیں..... آپ نہیں ہیں کیا؟'' میں نے مصنوعی ناراضی سے منہ پھلایا۔

''میری جان ہو تم، میری چھوٹی بہن جیسی میری بیٹی جیسی۔'' انہوں نے مجھے ساتھ لگا لیا۔

''بہت شکریہ۔'' میں نے بھی انہیں ساتھ لگا کر کہا۔

''ایک اور بات..... تمہارے دماغ پر اور بہت دباؤ ہے، اس صورتِ حال میں تم اس فلیٹ سے منتقل نہ ہو، کرایہ دینے میں کوئی مشکل ہو تو حل ہو سکتی ہے۔ پہلے ایک معاملے سے نمٹ لو۔ پھر چاہو تو گھر بھی تبدیل کر لینا۔ اچھے دوست زندگی کی گھٹن میں کھڑکیوں کی طرح ہوتے ہیں، انہیں بند نہ کرو..... فیصل یزادنی کا اس معاملے میں کوئی قصور نہیں ہے، اس سے قطع تعلقی کرنے کے بجائے اسے اعتماد میں لے کر، مشکل معاملات میں اس کی مدد حاصل کر لو۔''

''مجھے کسی کا بھی احسان لینا پسند نہیں اور یوں بھی جن حالات سے میں گزر رہی ہوں، ان حالات میں مہتاب یا کوئی بھی اور مجھ پر انگلی اٹھائے، یہ مجھے منظور نہیں۔''

''جب مہتاب سے تمہارا تعلق ختم ہونے جا رہا ہے، وہ انگلی اٹھائے یا تلوار، اس سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے۔ باقی لوگوں کی پروا کرنا بھی چھوڑ دو، اپنی زندگی کو اپنی خوشی سے جیو میری بچی۔''

☆☆☆

تمام مصالحتی کوششوں میں ناکامی کے بعد مہتاب نے مجھے طلاق نامہ بھیج دیا تھا۔ میں نے اس کے لیے خود بھی بھاگ دوڑ کی تھی اور بعد ازاں، ڈاکٹر عفت کے کہنے پر فیصل کی مدد بھی لی تھی کہ چند پھیرے لگانے کے بعد مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ عورت جتنی بھی مضبوط ہو جتنی بھی بہادر..... اس ملک کے تھانے اور کچہریاں اسے توڑ کر رکھ دیتی ہیں۔

''آپ نے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا ہے مایا، اسے ایک موقع تو دیتیں، ایک بار معاف کر دیتیں اور پھر دیکھتیں..... اگر وہ دوبارہ ایسا کرتا تو آپ حق بجانب تھیں۔'' کچہری سے واپسی پر ہم ایک چھوٹے سے ریستوران میں بیٹھے تھے، وکیل نے کھانے کا وقفہ کیا تھا اور ہمیں انتظار کو کہا تھا تو یہی قریبی ترین ہوٹل تھا۔

''آپ سے بھی مہتاب نے رابطہ کیا ہے؟'' میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر سوال کیا۔

''ہوں..... کیا تھا، میرا مطلب ہے کہ اس نے کوشش کی تھی، جس پر میں نے اس کی کال نہیں اٹھائی۔''

''کیوں؟''

''جب آپ کراچی سے لوٹیں اور مجھ سے کترا رہی تھیں، میں سمجھا کہ سی ایم صاحب نے آپ کو مجھ سے ملنے یا رابطہ کرنے سے منع کر دیا ہوگا۔ چند دن کے بعد انہوں نے کالیں کیں مگر میں نے نہیں اٹھائیں۔ میں ڈر گیا، سمجھا کہ وہ مجھے چیک کرنا چاہ رہے ہوں گے، جانے کیا پوچھ بیٹھیں، یہی سوچ کر میں نے ان کی کال بھی نہیں اٹھائی اور ان کا نمبر بھی بلاک کر دیا۔ اس کے بعد کسی انجان نمبر سے بھی کال نہیں اٹھائی کہ کہیں وہی نہ کسی اور نمبر سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔''

''میں اسی لیے کترا رہی تھی کہ کہیں مہتاب آپ کے بارے میں کوئی الٹی سیدھی بات نہ پھیلا دے، ہمیں خواہ مخواہ میں بدنام نہ کر دے..... میں ارد گرد والوں کے منہ سے بھی کچھ ایسا نہیں سننا چاہتی تھی مگر ڈاکٹر عفت سے بات کی تو انہوں نے سمجھایا کہ اگر ہم ہر ایک کی پروا کرنا شروع کر دیں تو پھر اپنی ہی پروا نہیں کی جا سکتی۔''

''اچھا ہے..... ڈاکٹر عفت کے کہنے پر ہی سہی مگر آپ نے اپنی پروا کرنا تو شروع کر دی ہے۔'' اس نے کہا۔

''آپ کو لگتا ہے کہ میں نے غلط فیصلہ کیا ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''فیصلہ درست ہے یا غلط، اس کے بارے میں میری رائے آپ کے فیصلے کے متضاد نہیں ہو سکتی، آپ جس پوزیشن میں ہیں، میں اس میں نہیں ہوں۔ ایک دوست..... میرا مطلب ہے کہ ہمسائیگی کے تعلق سے میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ نظرِ ثانی کر لیتیں، ایسا نہ ہو کہ تھوڑے عرصے میں آپ کو اپنے فیصلے کے



www.pklibrary.com

غلط ہونے کا احساس ہو۔ اس کے بعد تو واپسی کی راہیں مسدود ہو جائیں گی۔"

"آپ کو میں اتنی کم عقل دکھتی ہوں فیصل صاحب؟"

"چلیں جیسی آپ کی خوشی....."

"گھروں کو توڑنے کے فیصلے، نہ عورت خوشی سے کرتی ہے، نہ اس کے بعد خوش رہ سکتی ہے۔"

"میں آپ کے لیے پریشان بھی ہوں اور دعا گو بھی۔"

"شکریہ فیصل صاحب، آپ کی مدد نہ ہوتی تو میرے لیے یہ کام بہت مشکل ہوتا۔"

"اس طرح تو آپ بڑی بیگانگی کا مظاہرہ کر رہی ہیں..... میری ہر مشکل میں آپ نے مدد کی ہے، بلال کے لیے آپ اتنا کچھ کرتی ہیں۔"

"چلیں..... اس طرح تو آپ نے میرے احسانات کا بدلہ چکا دیا ہے۔" اس پر وہ ہنس دیا۔

☆☆☆

زندگی جمود کا شکار ہو گئی تھی، عدت کے دوران میں فقط اسپتال جاتی اور گھر لوٹ آتی۔ میرا اور تھا بھی کون جس کے پاس میں جاتی۔ بھائیوں سے تو ویسے بھی عرصے سے رابطہ نہ تھا۔ چھوٹی موٹی اشیائے ضروریہ میں ملازمہ کو کہہ کر منگوا لیتی۔ سارا دھیان اپنے کام پر تھا۔ گھر پر ہوتی تو اپنی الماریاں وغیرہ صاف کرتی، گھر سے مہتاب کا ہر نشان اور نشانی میں نے ختم کر دی تھی۔ اپنی الماریوں کو چھان کر ان سے ہر وہ چیز نکال دی تھی جو میری ضرورت سے زائد تھی۔ فیصل سے بھی دروازے کے باہر سامنا ہو جاتا تو بس سلام دعا کا تبادلہ ہو جاتا۔ اس نے ایک بار مجھے کچھ تصاویر بھیجی تھیں، کویتا نے کسی اور بزنس مین کو پھنسا لیا تھا اب، اس کے ساتھ اس کی تصاویر۔ میں نے انہیں ڈیلیٹ کر دیا اور فیصل کو پیغام کا جواب دیا کہ مجھے کبھی ان دونوں کے بارے میں کوئی خبر بھیجیے نہ تصویر۔

حق مہر کے عوض مہتاب نے اس فلیٹ کی ملکیت کے کاغذات مجھے طلاق نامے کے ساتھ بھجوا دیے تھے۔ گاڑی پہلے ہی میرے نام پر تھی۔ میں نے جذبات میں آ کر سوچا کہ دونوں چیزیں اس کے منہ پر واپس ماروں، اس پر بھی ڈاکٹر عفت نے منع کیا کہ اپنے حقوق سے دستبردار ہونا کوئی عقلمندی نہیں۔ پیروں کے نیچے جو زمین اور سر پر چھت ہے، اسے نہ کھوؤں۔ جانے کل کو حالات کیا ہو جائیں۔ یوں بھی ایسی چھوٹی، چھوٹی چیزیں عورت کی زندگی کے برباد کیے گئے سالوں کا نعم البدل نہیں ہوتیں۔

کیمروں والی وہ ایپ، جس نے میری زندگی کو تبدیل کر دیا تھا، مثبت یا منفی، میں اب بھی فیصلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس ایپ کو میں نے ڈیلیٹ کر دیا اور اپنے اپارٹمنٹ سے سارے کیمرے اتار کر انہیں ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔ ایپ نہ بھی ڈیلیٹ کرتی مگر اس کی ایک وجہ تھی، انسان تھی ناں، کئی بار فون ہاتھ میں پکڑ کر ارادہ کرتی کہ ایپ آن کر کے اس شخص کو دیکھوں جس نے میری زندگی برباد کر دی، دیکھوں کہ کیا کر رہا ہے، کویتا کی جگہ کس نے لی ہے۔ مجھے اندازہ ہوا کہ جب تک وہ ایپ میرے فون میں تھی، میں مہتاب کو اپنی زندگی سے نکال نہیں کر سکتی تھی۔ میرے اپنے سکون کے لیے یہ لازم تھا، مہتاب نام کا باب اپنی زندگی سے حذف کرنا ضروری تھا۔

☆☆☆

"مایا، میں اور ڈاکٹر اذکار تمہارے گھر آنا چاہتے ہیں؟" ڈاکٹر عفت نے مجھے اپنے دفتر میں بلایا تھا۔

"کس لیے؟" میں ہنسی۔ "آپ کے بیٹے کے لیے یا ڈاکٹر صاحب کے؟ وہ دونوں تو بہت چھوٹے ہیں" میں نے حیرت کی اداکاری کی۔ "یوں بھی اتنے ماہ گزر گئے ہیں، میں اس زندگی کی عادی ہو گئی ہوں۔"

"بس کرو شرارتی لڑکی۔" انہوں نے میری چلتی زبان کو روکا۔ "کوئی کسی کے گھر صرف رشتہ لینے ہی آتا ہے..... اور ہاں بچے میرے اور ڈاکٹر صاحب کے نہیں بلکہ ہم دونوں کے ہیں۔ ہم اس لیے آنا چاہتے ہیں کہ تم خود کو تنہا محسوس نہ کرو، ہم ہیں ناں تمہارے۔ اصل میں ڈاکٹر صاحب کا ہی آئیڈیا تھا کہ ہمیں تمہارے ساتھ زیادہ رابطہ رکھنا چاہیے تاکہ تم ڈیپریشن میں نہ چلی جاؤ۔"



www.pklibrary.com

''ارے نہیں ڈاکٹر عفت، میں نے ایسا کچھ نہیں کھویا کہ جس کی وجہ سے میں ڈیپریشن میں چلی جاؤں۔ ایک ناپسندیدہ بندھن سے نجات پائی ہے۔ ایک بدکردار مرد کا نام اپنے نام سے ہٹایا ہے۔ اس کا ساتھ میرے لیے سزا جیسا بن گیا تھا۔''

''دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہیں مایا، اللہ کا شکر ہے کہ اب بھی اچھے لوگ بروں سے زیادہ ہیں اسی لیے دنیا کا نظام چل رہا ہے۔''

''کب آئیں گے آپ لوگ، بچے بھی آئیں گے کیا؟''

''نہیں فی الحال تو ہم دونوں ہی آئیں گے۔ آج شام کی چائے تمہارے ساتھ پئیں گے۔''

''اگر آپ مصروف نہ ہوں تو آج کے بجائے کل کا کرلیں؟'' میں نے سوال کیا۔

''آج تم مصروف ہوں کہیں؟''

''نہیں، مصروف تو نہیں..... مگر پہلی بار آپ دونوں میرے ہاں اس حیثیت سے آ رہے ہیں تو تھوڑی سی تیاری کرنا تو میرا حق بنتا ہے ناں، کل تک کچھ کرلوں گی، آج تو وقت کم ہے.....''

''جیسی تمہاری خوشی میری جان۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔ مجھے وہ بہت خوش نظر آئی تھیں اور یہ بات مجھے سکون دیتی تھی کہ ایک شخص کی بے وفائی کے بعد انہیں ادھیڑ عمری میں ایک اچھے شخص کا ساتھ مل گیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے بہترین تھے، ان کے نقصانات کی بہترین تلافی۔

''کل شام پانچ بجے ان شاءاللہ۔'' میں اٹھ کھڑی ہوئی، سلام کر کے باہر نکلنے لگی۔

''ارے ہاں، یاد آیا۔'' میں رکی، مڑ کر دیکھا۔ ''وہ تمہارا ہمسایہ ہے ناں فیصل یزدانی، اسے بھی بلا لینا۔'' میری نظر میں سوال اٹھا۔ ''ہم دونوں گپ شپ لگائیں گی تو اذکار کیا کریں گے، ذرا ان کی کمپنی ہو جائے گی۔'' انہوں نے گویا میری نظر سے سوال پڑھ لیا تھا۔ میں نے چند لمحے سوچا۔

''میں ان سے چیک کرلوں گی۔'' کہہ کر میں نکل آئی۔ واقعی، ڈاکٹر اذکار سے میں کیا باتیں کرتی، اچھا ہے، فیصل ویسے بھی باتونی ہے، انہیں اچھی کمپنی بھی دے دے گا۔ یوں بھی جب سے میری طلاق ہوئی تھی میں نے اسے اپنے گھر پر بلایا تھا، نہ ہی میں اس کے گھر گئی تھی۔ کچھ یہ مناسب بھی نہ تھا اور کچھ میں حد سے زیادہ محتاط بھی ہوگئی تھی۔

☆☆☆

''اصل میں مایا بیٹا، میں اور عفت تمہارے پاس ایک رشتہ لے کر آئے ہیں۔'' چائے پی کر ہم سب بیٹھے تھے۔ بلال کے سونے کا وقت ہوا تھا اور فیصل اسے اپنے گھر لٹا کر لوٹ آیا تھا۔ میں نے سر جھکا لیا، میرا اندازہ درست ہی تھا، وہ دونوں اسی کام سے آئے تھے مگر کس کے لیے، میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ ان کے بیٹے تو بہت چھوٹے تھے۔ اسپتال میں کام کرنے والے سارے ڈاکٹر میری نظر کے سامنے گھوم گئے۔

''میں نے اس بارے میں کبھی نہیں سوچا۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔ ''اور نہ ہی سوچنا چاہتی ہوں۔''

''تم جوان ہو بیٹا، جو کچھ ہوا، اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں، نہ ہی وہ اتنا اچھا شوہر تھا کہ تم اس کی خاطر جوگ لو، نہ ہی تمہارے پاس کوئی بچہ ہے جس کی وجہ سے تم اپنی زندگی کی وہ خوشیاں تیاگ دو جن پر تمہارا پورا حق ہے۔''

''میں اسی طرح خوش ہوں۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔

''بات تمہارے خوش ہونے کی نہیں، بات اصول کی ہے مایا، تم اس طرح تنہائی کی زندگی کیوں گزارو؟'' انہوں نے زور دے کر پوچھا۔

''میں دوبارہ خود کو کسی اذیت میں ڈالنے سے بہتر سمجھتی ہوں کہ اسی طرح تنہا زندگی گزار دوں.....''

''تم ایسا گمان کیوں رکھتی ہو کہ تمہیں دوبارہ بھی ویسا ہی کوئی آدمی ملے گا؟'' ڈاکٹر عفت نے کہا۔ ''ہوسکتا ہے کہ تمہیں ایسا آدمی ملے جو تمہیں تمہارا ماضی بھی بھلا دے۔''

''میں معجزوں پر زیادہ یقین نہیں رکھتی.....''



www.pklibrary.com

میں نے کہا۔ ''میں حقیت کی دنیا میں رہتی ہوں اور حقیقتوں کی تلخیوں کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔''

''نہیں مایا، معجزے چاہے آج کی دنیا میں ہوں یا نہ ہوں مگر ہر حقیقت تلخ نہیں ہوتی۔''

''میں نے محبت کی شادی کی اور وہ ناکام ہوگئی، اب میں نے زندگی میں محبت کے باب کو ختم کردیا ہے۔ اس کے بعد شاید میں کسی کو محبت دے بھی نہیں سکتی۔''

''خالی ساتھ بھی دے دو مایا تو محبت ساتھ رہنے سے خود ہی ہو جاتی ہے۔ یقین کرو مجھے ڈاکٹر اذکار کے ساتھ زندگی شروع کیے ہوئے سال سے کچھ ماہ اوپر ہوئے ہیں اور ان سے اتنی محبت ہوگئی ہے کہ پہلا شخص جس کے ساتھ پندرہ برس گزارے اور اس سے محبت بھی کی تھی، اب مجھے اس کے چہرے کے نقش بھی یاد نہیں آتے۔''

''ہر کوئی آپ کی طرح خوش قسمت نہیں ہوسکتا ڈاکٹر عفت۔''

''ہاں..... ایسا ہی ہے، تم مجھ سے بھی زیادہ خوش قسمت ہوسکتی ہو۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔

''ڈھونڈا کسے ہے آپ لوگوں نے میرے لیے ویسے؟'' میں نے بھی ہنس کر سوال کیا۔

''تمہارے ذہن میں کوئی ہے تو بتاؤ... ورنہ ہم ڈھونڈ لیں گے؟'' انہوں نے سوال کیا۔

''میں نے کبھی دوسری شادی کے بارے میں سوچا ہی نہیں..... مذاق ایک طرف، یہ میرا حتمی فیصلہ ہے کہ مجھے شادی نہیں کرنی۔ آپ لوگوں کی میرے بارے میں فکر کا شکریہ مگر اس موضوع پر اس کے بعد بات نہیں ہونی چاہیے، پلیز۔''

''نہیں مایا، اگر تم مجھے اپنا کچھ سمجھتی ہو تو میں یوں تمہیں زندگی تیاگنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔'' ڈاکٹر عفت نے گھرکا۔ ''آج بات کی ہے کہ تم سوچ لو، خود سے کوئی پسند آجائے تو ہمیں بتادو ورنہ ہمارے ذہن میں جو دو ایک لوگ ہیں، ہم ان کی جانچ پڑتال کر کے اس کے بعد تم سے ان کے بارے میں بات کریں گے۔''

☆☆☆

''پلیز ڈاکٹر عفت، میں بہت شرمندہ ہوں کہ میں نے آپ کی تجویز پر انکار کردیا مگر آپ کے پاؤں میں بچوں کی بیڑیاں تھیں اور ڈاکٹر اذکار کے لیے بھی بچوں کی دیکھ بھال اور آنے والے وقت کے لیے گھر میں کسی عورت کی ضرورت تو انہوں نے اور آپ نے اپنے، اپنے مفادات کی خاطر یہ شادی کرلی اور اللہ کا شکر ہے کہ یہ آپ دونوں کے حق میں بہترین فیصلہ ثابت ہوا، میں ایسی کسی پابندی میں نہیں ہوں کہ دوسری شادی کا سوچوں بھی۔'' ڈاکٹر عفت اور ڈاکٹر اذکار کے اس شام جانے سے پہلے، جب فیصل اٹھ کر چلا گیا تو مجھے تجویز کیا تھا کہ میں اس کے بارے میں سوچوں۔

''اس کا تو بچہ پل جائے گا میرے ہاتھوں، مجھے اس شادی سے کیا فائدہ ہے؟''

''ٹھیک ہے کہ اس کا بچہ پل جائے گا تمہارے ہاتھوں، تمہاری بھی دوسری شادی ہے اور اس کی بھی۔ پہلی شادیوں سے دونوں نے جو سبق سیکھے ہیں وہ آئندہ کے لیے کام آئیں گے۔ تمہارا کوئی بچہ ہوتا تو وہ بھی پل جاتا مایا۔ اصل بات عزت کی ہے اور محبت میں وفاداری کی، تمہیں نہیں لگتا کہ فیصل اس معاملے میں ایک اچھے کردار کا آدمی ہے۔ اذکار نے چیک کروایا تھا، اس کے بارے میں کوئی منفی بات نہیں کرتا۔ بجائے اس کے کہ کسی بالکل انجان شخص کی جانچ پڑتال کروائی جائے، ایسا شخص بہتر ہے جسے تم چند سالوں سے جانتی ہو اور وہ اچھا بھی ہے۔''

''اچھا کیا ہے اس میں، مجھے اس کی کیا خبر۔'' میں نے کندھے اچکائے۔

''چلو، اس کا مواخذہ کرلو، آج رات سونے سے پہلے سوچنا، اس دن سے لے کر آج تک، جو کچھ اس نے اچھا کیا اور جو برا، دیکھتے ہیں وہ کہاں تلتا ہے۔'' انہوں نے تجویز پیش کی۔ میں اٹھ کھڑی ہوئی، کہیں وہ میرے چہرے سے پڑھ نہ لیں کہ میں اس دن سے وہی تو کر رہی تھی..... وہ پلڑے میں بھاری ہی تل رہا تھا۔

☆☆☆



www.pklibrary.com

''میں رخصت ہو کر وہاں نہیں جاؤں گی، آپ کو آنا ہوگا۔'' میں نے کہا۔ وہ بلال کو اسکول چھوڑ کر آیا تھا اور ہم ڈاکٹر عفت کے کہنے پر اپنے مستقبل کے بارے میں ہر بات کو واضح کر رہے تھے جیسا کہ ان دونوں نے کیا تھا۔ اس کے لیے ڈاکٹر عفت نے مجھے ایک ہفتے کی چھٹی دی تھی۔

''جیسا بھی ہے، اچھا یا برا، آپ کو ہی یہاں آنا چاہیے مایا۔'' وہ مجھے تم کے بجائے، آپ کہہ رہا تھا۔

''آپ بڑے تکلف سے بات کر رہے ہیں؟'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''جب آپ مجھے تم کہیں گی، میں بھی آپ کو تم کہوں گا۔''

''ہاں تو ہم بات کر رہے تھے، کون شفٹ ہوگا۔''

''دنیا کا اصول ہے کہ لڑکی رخصت ہو کر جاتی ہے۔''

''میں کسی اصول کو نہیں مانتی اور ہاں۔'' میں رکی۔ ''میں لڑکی بھی نہیں ہوں۔''

''آپ اس گھر کو کرایے پر دے دیں، اس کا کرایہ بھی آپ کے پاس جمع ہوتا رہے گا۔''

''میں کیوں اپنا گھر کرایے پر دے کر خراب کرواؤں، آپ کے گھر کا جو کرایہ بنے گا، وہ آپ جمع کر لیا کریں۔ ایک ہی بات ہوگی۔''

''آپ بہت ضدی ... ہیں مایا..... میری شرط یہ ہے پھر کہ جو کرایہ میرا بنے گا، وہ آپ کے کاؤنٹ میں جمع ہوا کرے گا۔''

''کوئی تیرا میرا اکاؤنٹ نہیں ہوگا، جو کچھ ہوگا، دونوں کا ہوگا۔''

''ان شاءاللہ۔'' اس نے فوراً کہا۔ ''میں کتنا خوش قسمت ہوں مایا۔''

''ڈاکٹر عفت سے آپ نے رابطہ کیسے کیا؟'' میں نے اچانک سوال کیا۔

''ڈاکٹر عفت سے؟'' اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''ان سے تو میرا کوئی رابطہ نہیں ہوا، اس دن آپ کے گھر میں ملاقات سے پہلے، نہ اس کے بعد۔''

''تو پھر ان دونوں نے آپ کے لیے کیوں کہا؟'' میں حیران ہوئی تھی۔ واقعی فیصل کی تو ان سے کوئی ملاقات بھی نہ تھی۔ یقیناً میری ہی بتائی ہوئی کہانی سے ڈاکٹر عفت نے اسے اخذ کیا تھا۔

''بلال کے کسی معاملے میں، میں دخل نہیں دوں گی۔''

''کیوں.....؟ کیا آپ اس کو ماں جیسا پیار نہیں دیں گی؟ اس نے تو ہمیشہ آپ جیسی ماں کے سپنے دیکھے ہیں۔''

''پیار تو دوں گی، وہ ہے ہی اتنا پیارا۔ ماں جیسا نہیں کہہ سکتی، نہ میں اس کی ماں ہوں اصل میں اور نہ ہی میں نے اس کی ماں کا اس کے ساتھ پیار دیکھا ہے۔'' میں نے سچائی سے کہا۔ ''آپ اسے مجبور نہ کریں کہ وہ مجھے کس طرح پکارنا چاہے گا۔ اگر وہ مایا آنٹی ہی کہنا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

''آپ جو بھی پیار دیں گی، وہ اسے ماں کا پیار ہی سمجھے گا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اگر میں اسے منع نہ کروں تو وہ شروع سے ہی آپ کو ماما کہتا..... وہ تو کئی بار مجھے کہہ چکا ہے کہ اس کا دل چاہتا ہے کہ آپ کو ماما کہے اور دوستوں کو بتائے کہ آپ اس کی ماما ہیں۔'' وہ بولا۔

''یہ بات مان لیں ویسے آپ کہ اس کے سارے خواب اللہ تعالیٰ پورے کر دیتے ہیں۔'' میں ہنسی۔ ''اگرچہ یہ بات کہنا ضروری نہیں مگر بلال کا کمرا علیحدہ ہوگا، اب وہ کافی بڑا ہو گیا ہے۔''

''بات بڑے چھوٹے کی نہیں ہے، بلال تو کیا، ہمارے سب بچوں کے علیحدہ کمرے ہوں گے۔'' اس نے جان بوجھ کر ایسا کہا تھا، میں بلش کر گئی۔

''اس اپارٹمنٹ میں صرف تین بیڈ روم ہیں فیصل صاحب۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''چلو، بیٹے اور بیٹیاں کمرے شیئر تو کر سکتے ہیں، جب تک ہم نیا گھر نہ بنا لیں۔'' وہ ہنسا۔ ''اور یہ آپ... کم از کم صاحب کا دم چھلا ہی اتار لیں۔''

''نکاح کا چھلا پہن کر میں یہ دم چھلا اتار دوں گی.....'' ایک ہفتے میں تمام سنجیدہ اور غیر سنجیدہ باتیں ہمارے مابین طے ہو گئی تھیں اور ایک جمعے کی شام کو سادگی



www.pklibrary.com

سے ہمارا نکاح ہوگیا۔ فیصل تو چاہ رہا تھا کہ میں اپنے بھائیوں کو بلالوں مگر میرے اور ان کے بیچ کوئی رابطہ ہی نہ تھا۔ ہم دونوں نے ایک دن پہلے جا کر انہیں مدعو کیا اور انہوں نے اپنی مصروفیتوں کے سو بہانے بنائے اور کئی جواز کہ انہیں تو میری پہلی شادی کے ختم ہونے کا ہی علم نہ تھا۔ یہ جان کر کہ فیصل میرے سامنے والے فلیٹ میں رہتا تھا، ایک بھابی نے تو یہاں تک کہنے میں بھی جھجک نہ سمجھی کہ کہیں فیصل کے ساتھ چکر کی وجہ سے ہی تو میری پہلی شادی ختم نہیں ہوئی۔ فیصل کو بھی علم ہوگیا تھا کہ ایسے رشتے داروں سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔

ہمارا سب کچھ ڈاکٹر عفت اور ڈاکٹر اذکار ہی تھے۔ تمام انتظامات انہوں نے ہی کیے اور تو اور اخراجات بھی۔ انہوں نے ہی چند قریبی اور مخلص دوستوں کو مدعو کیا اور یوں ..... فیصل رخصت ہو کر میرے اپارٹمنٹ میں آ گیا۔

☆☆☆

''میں اپنے سونے کے کپڑے لانا تو بھول ہی گیا.....'' بلال کو دوسرے کمرے میں سونے کے لیے لٹا کر وہ آیا تھا۔

''کمال ہے، فیصل صاحب، لڑکیاں تو رخصت ہو کر جاتی ہیں تو سارا سامان دیکھ بھال کر ساتھ لے کر جاتی ہیں کہ کہیں کچھ رہ نہ جائے۔''

''یار میری پہلی بار ہے ناں رخصت ہونے کی، ابھی گیا اور ابھی آیا۔''

فون وہ میز پر بھول گیا تھا، میں نے پورے استحقاق کے ساتھ فون اٹھایا اور اس کے کیمروں والی ایپ آن کی۔ وہ اپنے کمرے کی دراز کھنگال رہا تھا۔ ''ہائیں، سونے کا لباس وہ درازوں میں رکھتا ہے کیا؟'' میں سوچنے لگی۔ اس نے ایک چھوٹا سا ڈبا نکال اور اسے اپنے ویسٹ کوٹ کی جیب میں رکھا..... پھر وہ غسل خانے کی طرف گیا اور نکلا تو اس کا سونے کا لباس اس کے کندھے پر تھا۔ میں نے فوراً ایپ بند کر دی۔ اگلے ہی منٹ میں وہ واپس پہنچ گیا تھا۔

''فیصل صاحب، اب آپ اپنا سامان یہاں منتقل کر لیں، کل اور پرسوں دو چھٹیاں ہیں۔ فالتو سامان بیچ دیں یا اسٹور میں ڈال دیں اور اپارٹمنٹ خالی کر دیں۔''

''آپ نے ابھی تک یہ صاحب کا دم چھلا نہیں اتارا۔''

''آپ نے بھی تو ابھی تک وہ چھلا مجھے نہیں پہنایا جو کہ آپ نے ویسٹ کوٹ کی داہنی جیب میں رکھا ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا تو اس نے گھور کر مجھے دیکھا..... میں نے اس کا فون لہرایا۔ ''سوری، آپ سے پوچھے بغیر، فیصل صاحب۔''

''پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں، میرے اور تمہارے بیچ کوئی تیرا میرا نہیں ہے مایا۔'' وہ میرے پاس بیٹھ گیا۔ ''ہاتھ دو اپنا۔'' میں نے ہاتھ بڑھایا اور اس نے وہ خوب صورت ہیرے کی انگوٹھی میری انگلی میں پہنا دی جو میں نے اس کے ساتھ جا کر خود پسند کی تھی۔

''تھینک یو فیصل.....'' میں نے بھی صاحب کا دم چھلا اتار دیا تھا۔

''تھینک یو مایا، مجھے زندگی کا اتنا خوب صورت تحفہ دینے کا۔''

''ارے تحفے سے یاد آ گیا۔'' میں نے دراز کھول کر ایک ڈبا نکالا۔ ''اس میں سے گھڑی نکال کر اسے پہنائی۔ ''جب خلافِ روایت آپ رخصت ہو کر آئے ہیں تو میرا بھی منہ دکھائی دینا بنتا ہے ناں۔'' ہم دونوں کا قہقہہ گونجا۔

''بنتا ہے، میری جان، بالکل بنتا ہے..... بہت شکریہ، اس خوب صورت تحفے کا بھی۔'' اس نے مجھے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر کہا۔ ''خدا کرے موت کی گھڑی تک ہم دونوں کی رفاقت قائم و دائم رہے۔ ہم ہر صبح اکٹھے جاگیں اور ہر رات اپنے گھر کی چھت کے نیچے اکٹھے ہوں۔'' لفظوں کے کھلاڑی نے خوب صورت الفاظ سے دعا دی۔

(ختم شد)



www.pklibrary.com

# لمحۂ فکریہ

شاہدہ ذاکر

''لے جاؤ اٹھا کر یہ ناشتا اور آئندہ سے ہم پر یہ احسان کرنے کی بالکل کوئی ضرورت نہیں..... مر نہیں جائیں گے ہم اس کے بغیر..... اللہ ہمیں ہمت دے گا تو ہم اپنا کام جیسے تیسے کر کے خود ہی کر لیں گے۔'' ڈرتے، ڈرتے جیسے ہی اس نے ٹرے ٹیبل پر رکھی اماں بی کی دہاڑ سنائی دی۔

''اماں بی.....! وہ گڑیا.....'' اس نے منمناتے ہوئے کہنا چاہا۔

''ہاں بی بی! بچہ تو بس دنیا میں صرف ایک تم ہی پال رہی ہو، ہمیں کیا پتا بچے کیسے پلتے ہیں.....؟ ہم نے تو ساری زندگی بس جھک ہی ماری ہے۔'' وہ پھر شروع ہو گئی تھیں، اس نے خاموشی سے سننے میں ہی عافیت جانی



www.pklibrary.com

اور تھوڑی دیر بعد جب ان کا غصہ قدرے کم ہوا تو چپ چاپ وہاں سے باہر نکل گئی۔ اگر فوراً نکل جاتی تو وہ بھی انہیں اچھا نہیں لگتا۔

اس کی ساس روزانہ صبح آٹھ بجے ناشتا کر کے دوا لیتی تھیں۔ اب ایک دو دن سے ناشتے میں تھوڑی تاخیر ہو رہی تھی۔ دراصل گڑیا ان کی پوتی کی طبیعت گزشتہ دو روز سے بے حد خراب تھی۔ رات بھر وہ بخار میں روتی رہی۔ وہ شوہر (اسد) کی بے آرامی کے خیال سے اسے لیے ٹی وی لاؤنج میں ٹہلتی رہی، صبح انہیں ناشتا دے کر آفس روانہ کرنے کے بعد دو منٹ کمر سیدھی کرنے کے لیے لیٹی تو اسے خبر ہی نہیں ہوئی کہ کب نیند کی دیوی اس پر مہربان ہوگئی۔ نو بجے وہ ہڑبڑا کر اٹھی تب تک اماں کا پارہ آسمان تک پہنچ چکا تھا۔

اماں بی اس کی رشتے کی خالہ تھیں۔ اس کا رشتہ لینے کے لیے انہوں نے اس کے گھر کی دہلیز ہی لے لی تھی۔ رشتہ طے ہونے سے شادی تک کے عرصے میں ان کے لاڈ، پیار اور چاؤ چونچلے ہی ختم نہ ہوتے تھے۔ اسد ان کا اکلوتا بیٹا اور دو بہنوں نادیہ اور سعدیہ کا اکلوتا بھائی تھا۔ دونوں شادی شدہ اور قریب ہی رہائش پزیر تھیں۔ اس شادی کا سب کو بہت ارمان تھا۔ عائشہ کے والدین نے بھی اپنی حیثیت سے بڑھ کر جہیز دے کر دھوم دھام سے رخصت کیا اور سسرال میں بھی اس کا بھرپور استقبال ہوا۔ اسد نے شادی پر پندرہ دن کی چھٹیاں لی تھیں۔ ایک ہفتہ مری، اسلام آباد اور باقی دن دعوتوں میں پر لگا کر اڑ گئے۔

اسد کے ڈیوٹی جانے کے بعد اماں بی نے کھیر میں اس کا ہاتھ ڈلوا کر گھر کی تمام ذمے داری اس پر ڈال دی۔ نندیں بھی اپنے گھروں کو لوٹ چکی تھیں۔ عائشہ کی والدہ نے اسے گھریلو کاموں میں طاق کر رکھا تھا اس لیے کام سے تو اسے کوئی مسئلہ نہیں ہوا لیکن کچھ تھا جو اسے الجھا رہا تھا اور جلد ہی اس الجھن کا سرا بھی ہاتھ آ گیا۔ اماں بی کے اندر ایک روایتی ساس انگڑائی لے کر بیدار ہو رہی تھی۔ اس کا اسد کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، ہنسنا بولنا اور باہر جانا انہیں ناگوار گزر رہا تھا۔ بیٹے کی اپنی نئی نویلی بیوی کی طرف بڑھتی ہوئی توجہ اور التفات انہیں احساسِ محرومی میں مبتلا کر رہا تھا۔ دراصل شوہر کی وفات اور بیٹیوں کی شادی کے بعد وہ بیٹے کی تمام تر محبت کی بلاشرکت غیرے مالک تھیں۔ اب یکا یک اس میں ایک نئے حصے دار کی شرکت اور (حصے دار بھی ایسا جو فطری تقاضوں کے باعث کچھ زیادہ ہی حصہ وصول کر رہا تھا) انہیں کھل رہی تھی۔ اس بات کا غصہ وہ اس کے ہر کام میں نقص ڈھونڈ کر اور تنقید کر کے نکال رہی تھیں۔ رفتہ، رفتہ ان ... کی زبان کی کڑواہٹ اس قدر بڑھ گئی کہ اسے یہ یقین کرنا دشوار ہوگیا کہ یہ وہی اماں بی ہیں جو شادی سے پہلے اس پر واری صدقے جاتی تھیں۔

☆☆☆

"السلام علیکم.....! امی، بھائی اور بھابی نظر نہیں آ رہے۔ کہیں گئے ہوئے ہیں.....؟" عائشہ کی والدہ کی طبیعت خراب تھی اور وہ اسد کے ساتھ انہیں دیکھنے گئی ہوئی تھی۔ اماں بی کا کھانا وہ بنا کر رکھ گئی تھی۔ بیٹی کو دیکھتے ہی ان کے شکوے شروع ہوگئے۔

"ہمیں کیا پتا کہاں گئے ہیں..... گھر سے تو ماں کی بیماری کا بہانا بنا کر نکلے ہیں..... میں بڑھیا اکیلی گھر میں پڑی رہتی ہوں اور انہیں گھومنے پھرنے سے ہی فرصت نہیں۔ سوچا تھا بیٹے کی شادی سے گھر میں رونق ہو جائے گی الٹا بیٹے کی صورت سے بھی گئے۔"

"اماں بی! آپ سے تو پہلے ہی کہا تھا کہ کنٹرول میں رکھیں، ڈھیل دینے کا نتیجہ دیکھ لیا ناں آپ نے....."

"ارے بیٹا! ہمیں تو یہ چلتر نہیں آتے..... ہم نے تو اولاد ہی کی طرح سمجھا ہے، کیا خبر تھی کہ آنے والی گنوں کی پوری ہوگی۔"

"او میری بھولی ماں! اب بھی سمجھ جائیں ایسا نہ ہو کل کو بھائی کو ہی لے اڑے اور آپ بیٹھی ہاتھ ملتی رہ جائیں۔" نادیہ، سعدیہ جن کا بھاوج کے سامنے بھابی، بھابی کرتے منہ نہ سوکھتا تھا اب ماں کو چڑھانے میں پیش، پیش تھیں۔ گھر قریب ہونے کے باعث وہ ہر دوسرے دن ماں کے گھر موجود ہوتیں۔ اگر کبھی دیر



www.pklibrary.com

ہو جاتی تو وہ خود فون کر کے بلوا لیتیں لیکن بہو کا میکے جانا انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔

☆☆☆

گڑیا کی پیدائش اس کے ناکردہ گناہوں کی فہرست میں ایک اور اضافہ ثابت ہوئی۔

''بیٹا ہوتا تو میرے اسد کا بازو بنتا، یہ تو میرے چھوٹے سے بیٹے پر اتنی بڑی بھاری ذمے داری پڑ گئی.....'' دو دن تک تو وہ اسے دیکھنے اسپتال بھی نہ گئیں پھر اسد کے زور دینے اور دنیا دکھاوے کے لیے جانا پڑا لیکن پوتی کے لیے اُن کے دل میں کوئی محبت نہ جاگی..... سوا مہینے تک عائشہ اپنی والدہ کے گھر رہی پھر واپس آتے ہی چھوٹے سے بچے کے ساتھ گھر کے کاموں میں جت گئی۔

''ارے یہ پالی، پالی سی گڑیا اتنا کیوں رو رہی ہے؟ کس نے مارا میرے منے کو.....؟'' خالہ بی، گڑیا کی آواز سن کر سیدھی اس کے پاس چلی آئیں۔ دوپہر کا وقت تھا اور وہ جلدی، جلدی کھانا بنا رہی تھی کیونکہ اماں بی نماز کے فوراً بعد کھانا کھاتی تھیں۔ ایسے میں گڑیا نے رونا شروع کر دیا۔ خالہ بی نے اسے گود میں لے کر ہلکا، ہلکا جھلایا تو وہ لمحوں میں خاموش ہو گئی۔ خالہ بی سے ان کی برسوں کی ہمسائیگی تھی۔ وہ پرانے وقتوں کی تعلیم یافتہ، خوش اخلاق اور وضع دار خاتون تھیں اور ایک مقامی اسکول میں پرنسپل کے فرائض انجام دے رہی تھیں۔ اس عمر میں... بھی بے حد ایکٹو تھیں۔ وہ نہ صرف اپنے تمام کام خود کرتیں بلکہ اپنی بہوؤں کی بھی حتیٰ المقدور مدد کر دیا کرتیں۔ ان کی دو بہویں تھیں جنہیں انہوں نے بیٹیوں کی طرح رکھا ہوا تھا یہی وجہ تھی کہ ان کے گھر میں امن و سکون کی فضا تھی۔

''چلو آؤ اندر میرے کمرے میں چل کر بیٹھیں یہاں گرمی میں کیوں کھڑی ہو.....'' اماں بی ان کی آواز سن کر وہیں آ گئیں۔

''آج چھٹی تھی تو تمہارا حال چال پوچھنے چلی آئی۔ گڑیا کی آواز سنی تو عائشہ کے پاس آ گئی۔'' خالہ بی نے مسکرا کر کہا۔

## نعت نبی ﷺ

اے دل تو ٹھہر جا اب
اے جان سنبھل جا اب
وہ سامنے روضہ ہے
وہ گنبد اقدس ہے
اب درسِ ادب لے کر
آنکھوں کو جھکانا ہے
اس حُسن کی یورش میں
آنسو ہی بہانا ہے
اب ان سے کہیں کیسے
حالِ دلِ مضطر کو
آہ صبح گاہی کو
ہجرِ شبِ آخر کو
بس اتنی تمنا ہے
جب زیست کی لو بھڑکے
ہو نام ترا لب پر
پردہ وہ ذرا سرکے
آنکھوں میں چھپالوں میں
اس حُسن کے شعلے کو
مخفی کو بھی مل جائے
منزل جو کہ آساں ہو

خاکسار: فریدہ ہاشمی مخفی، کراچی

## بہترین اوراد

۱۔ اللہ اکبر
۲۔ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ
۳۔ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین
۴۔ سبحان اللہ والحمد للہ، واللہ اکبر
۵۔ سبحان اللہ رب الاعلیٰ
۶۔ سبحان اللہ رب العظیم
۷۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ

یہ کلمات ہر وقت زبان سے ادا کرتے رہیں، کوشش کریں کہ باوضو رہیں۔

اللہ پاک ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

از: حدیث اختر، حاصل پور



www.pklibrary.com

''ارے بچوں کا تو کام ہی رونا ہے اب کیا ان کے لیے اپنا آرام، کھانا پینا بھی چھوڑ دیں.....'' اماں بی نے ناگواری سے جواب دیا۔

''جب بہو کام کر رہی ہو تو ذرا پوتی کو دیکھ لیا کرو، میں تو اسکول سے آنے کے بعد اپنے پوتے کو زیادہ تر اپنے پاس رکھتی ہوں۔'' خالہ بی نے کمرے میں جا کر صوفے پر اطمینان سے بیٹھتے ہوئے کہا۔ گہرے رنگ کے بھاری پردوں اور اے سی کی وجہ سے نیم تاریک یخ بستہ کمرا مری کے موسم کا سا مزہ دے رہا تھا۔

''بھئی مجھ سے تو یہ چونچلے نہیں ہوتے۔ میرے نماز کے کپڑے ہوتے ہیں، چھوٹے بچے کو نہیں اٹھاتی، ان کا کیا بھروسا.....اور بھئی ہم نے ساری زندگی کام ہی کیا ہے اب جا کر تو آرام کرنے کا وقت آیا ہے۔''

''ہاں بھئی جی بھر کر آرام کرو، کون منع کر رہا ہے لیکن یہ بھی ہماری بیٹیاں ہی ہیں اگر تھوڑی سی مدد کر دیں گے تو کیا فرق پڑ جائے گا۔'' خالہ بی نے رسانیت سے کہا۔

''پہلے ہماری بیٹیوں کی طرح کے گن تو دکھائیں پھر ان کا مقابلہ بھی کریں۔'' اتنے میں عائشہ کولڈ ڈرنک لے کر آ گئی تو خالہ بی نے مزید بات کو فضول جان کر موضوع ہی بدل دیا۔ اماں بی سے مزاج کے مکمل تضاد کے باوجود برسوں کے ساتھ نے اپنائیت کی فضا قائم کر دی تھی اور دونوں گھرانوں کا ایک دوسرے کی طرف آزادانہ آنا جانا تھا ہر غمی، خوشی میں قریبی عزیزوں کی طرح شریک ہوتے تھے۔

☆☆☆

مئی کا مہینہ تھا اور غضب کی گرمی پڑ رہی تھی۔ صبح سے ہی سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ عائشہ نے ناشتے سے فارغ ہوتے ہی گھر کی صفائی ستھرائی شروع کر دی۔ گڑیا سو رہی تھی اور وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر تیزی سے کام نمٹا رہی تھی۔ آج رات کو اس کی دونوں نندیں مع فیملی کھانے پر آ رہی تھیں۔ سعدیہ کے ساس سسر عمرے سے لوٹے تو اماں بی نے ان کو دعوت دے ڈالی اور ساتھ میں دوسری بیٹی داماد کو بھی مدعو کر لیا۔ رات کے کھانے کی تیاری تو اس نے کل ہی سے شروع کر دی تھی۔ میٹھا بنا لیا تھا اور کباب بنا کر فریزر میں رکھ دیے تھے۔ اب وہ چاہ رہی تھی کہ بریانی کا مسالا بنا لے اور چکن کڑاہی کی تیاری کر لے۔ اس کے کچن میں جاتے ہی گڑیا نے اٹھ کر رونا شروع کر دیا۔ عائشہ نے اسے نہلا دھلا کر فیڈر پلا کر اب کھلونوں کا ڈھیر اس کے پاس رکھ دیا۔ آدھا پون گھنٹا تو وہ ان کے ساتھ کھیلتی رہی پھر روتے ہوئے ماں کے پاس آ گئی۔ جب سے اس نے پاؤں، پاؤں چلنا شروع کیا تھا وہ کہیں ٹک کر بیٹھتی ہی نہیں تھی۔ عائشہ نے اسے ایک کپ میں جوس اور فرنچ فرائز دے کر ٹی وی لاؤنج میں کارٹون لگا کر بٹھا دیا تو وہ کچھ بہل گئی۔

کچن میں اس کا کام آخری مرحلے میں تھا جب اچانک اماں بی کی ہولناک چیخ نے اسے لرزا کر رکھ دیا۔ وہ بدحواسی کے عالم میں بھاگتی ہوئی لاؤنج میں پہنچی تو دیکھا اماں بی ...فرش پر گری ہوئی تھیں۔ اس نے سہارا دے کر انہیں اٹھایا اور بمشکل صوفے تک لے جا کر لٹا دیا.....پھر انہوں نے وہ چیخ و پکار مچائی اور اتنا واویلا کیا کہ الامان الحفیظ.....دراصل گڑیا نے کھیلتے ہوئے جوس گرا دیا تھا۔ حالانکہ اس نے خاص فیڈنگ کپ میں دیا تھا مگر بچہ تو بچہ ہی ہوتا ہے گرا دیا جوس.....اماں بی کسی کام سے وہاں آئیں تو اس پر سے ان کا پیر پھسل گیا۔ اتنی سی بات کا انہوں نے بتنگڑ بنا لیا۔

''اب تو سب ہماری جان کے دشمن ہو گئے ہیں، چاہتے ہیں ...کہ ہم دنیا سے ہی چلے جائیں تاکہ اپنی من مانی کرنے کا موقع ملے۔ آنے دو آج اسد کو آج فیصلہ ہو کر ہی رہے گا۔ بہت برداشت کر لیا ہم نے اسے۔''

عائشہ تو اتنے غیر متوقع بہتان پر بھونچکی رہ گئی۔ جو بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی وہ اسے سننی پڑی تو ہق دق رہ گئی۔ خالہ بی نے ہی آگے بڑھ کر انہیں سنبھالا جو ان کا واویلا سن کر چلی آئی تھیں۔ وہ اپنے لان میں کھڑی تھیں کہ اماں بی کے چیخنے کی آوازیں سنیں۔ اماں بی کے پیر میں موچ آ گئی تھی۔ خالہ بی نے آئیوڈیکس مل کر گرم پٹی لپیٹ کر چائے کے ساتھ درد دور کرنے والی دو گولیاں



www.pklibrary.com

دیں تو انہیں قدرے افاقہ محسوس ہوا۔ لیکن اب بھی وہ مسلسل شکوے شکایات میں مصروف تھیں۔ اتنے میں عائشہ نے اسد کو فون کردیا۔ وہ فوراً پہنچا اور ماں کو لے کر اسپتال روانہ ہوگیا۔

ان کے جانے کے بعد عائشہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر رونے لگی تو خالہ بی نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگالیا۔

''تم تو بہت بہادر اور ہمت والی بیٹی ہو پھر کیوں دل چھوٹا کر رہی ہو؟'' عائشہ نے آنسو بھری آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

'' خالہ بی..... میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں..... میں ہمیشہ انہیں خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہوں لیکن کوئی نہ کوئی بات ایسی ہوجاتی ہے کہ وہ پھر سے ناراض ہوجاتی ہیں۔ اب میں کافی دیر سے کچن میں تھی تو گڑیا کو نہیں دیکھ سکی۔ آپ نے دیکھا انہوں نے مجھ پر کیسا الزام لگایا۔ میں تو ان کی خوشنودی کے لیے بنا کسی شکوے شکایت اتنی گرمی میں کب سے کچن میں کام کر رہی ہوں اور اس کا مجھے یہ صلہ ملا ہے.....'' خالہ بی نے اس کے آنسو پونچھے اور اسے پاس بٹھا کر رسان سے بولیں۔

''میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں اور مجھے علم ہے کہ تم خلوص اور نیک نیتی سے سسرال میں اپنا رشتہ نبھا رہی ہو، تم بہت اچھی بیٹی ہو..... لیکن قصوروار (اماں بی) خدیجہ بھی نہیں.....'' عائشہ نے حیرت سے ان کی جانب دیکھا۔

''ہاں بیٹا! میں صحیح کہہ رہی ہوں، برسوں پہلے جب خدیجہ بیاہ کر ہمارے پڑوس میں آئی تو نہایت ہنس مکھ اور خوش اخلاق تھی۔ کم عمر تھی اور اکلوتی ہونے کی وجہ سے نہایت لاڈلی تھی لیکن سسرال میں آکر اسے زندگی کا ایک الگ ہی رنگ دیکھنے کو ملا۔ اس کی ساس روایتی سے بھی بڑھ کر ثابت ہوئیں۔ انہوں نے اپنی زبان کے تیروں اور بدسلوکی سے اس کے نوعمری کے تمام خوابوں کو بھسم کر ڈالا۔ گھر میں مکمل طور پر ان کا راج تھا اور خدیجہ کی حیثیت ایک معمولی ملازمہ سے بھی بدتر تھی۔ ہر چیز کے لیے یہ ان کی محتاج تھی۔ کئی سالوں تک اس نے سسک، سسک کر زندگی گزاری۔ میں اس کے ان دکھوں اور اذیتوں کی چشم دید گواہ ہوں پھر جب گھر میں قدرے سکون ہوا تو اس پر بیوگی کا غم پہاڑ بن کر ٹوٹ پڑا۔ ایک جوان بیوہ کی حیثیت سے چھوٹے، چھوٹے بچوں کے ساتھ اس نے کیسے وقت کاٹا..... اور کس طرح ان کو پروان چڑھایا ہے، وہ ایک لمبی داستان ہے۔ کئی سالوں تک ننگے پاؤں خار دار راستوں پر چلی ہے۔ اتنے سالوں کے دکھ، درد اور تلخیوں نے اس میں اتنا زہر بھر دیا ہے جو وہ اب صاحبِ اختیار ہو کر اگل رہی ہے۔''

''مجھے یہ سب سن کر بے حد افسوس ہوا ہے خالہ بی.....! لیکن اس سارے میں میرا تو کوئی قصور نہیں..... مجھے کس چیز کی سزا مل رہی ہے۔'' عائشہ نے دکھی دل سے پوچھا۔

''ہاں بیٹا! تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو..... مجھے تم سے پورا اتفاق ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ تم اپنی محنت اور خلوص سے رفتہ، رفتہ خدیجہ کا دل جیت لوگی..... پتھر پر بھی قطرہ، قطرہ پانی پڑتا رہے تو سوراخ ہوجاتا ہے۔ تم پوری دیانتداری اور خلوصِ دل سے اپنی کوششیں جاری رکھو..... اللہ تعالیٰ کسی کی محنت رائگاں نہیں جانے دیتا۔ تمہیں بھی تمہاری نیکی کا اجر ضرور ملے گا اور ... ان شاءاللہ تعالیٰ وہ ایک دن دل سے تمہاری قدردان ہوجائے گی۔''

''ان شاء اللہ.....!'' عائشہ نے خوشی سے چمکتی آنکھوں سے کہا۔ اتنے میں فون کی بیل بجی تو عائشہ سننے دوڑی..... اسد کا فون تھا۔ اسپتال میں اماں بی کے پیر کا ایکسرے ہوا تھا اور ہڈی بالکل ٹھیک تھی تو ڈاکٹروں نے پین کلر انجیکشن دے کر فارغ کردیا۔ خالہ بی شکر ادا کر کے گھر لوٹ گئیں اور عائشہ ایک نئے عزم سے کام میں مصروف ہوگئی کیونکہ دعوت تو بہر حال شام کو ہونا تھی۔

☆☆☆

عمر (خالہ بی کے پوتے) کی پہلی سالگرہ تھی سو اماں بی کے گھرانے کی شرکت تو لازمی تھی۔ عائشہ کی ان



www.pklibrary.com

کی بہوؤں سے کافی دوستی بھی تھی۔ سرِشام ہی وہ تیار ہو کر ان کے گھر پہنچ گئے۔ عائشہ پنک کلر کی کامدار ساڑی، میچنگ جیولری اور نفاست سے کیے گئے میک اپ میں نئی دلہن لگ رہی تھی۔ اماں بی نے بھی آسمانی کلر کا چکن کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ آٹھ بجے عمر نے تالیوں کی گونج میں کیک کاٹا۔ اس کے بعد کھانے کا دور چلا۔ دس بجے تک زیادہ تر مہمان رخصت ہو چکے تھے۔ انہوں نے اماں بی اور عائشہ کو اصرار کر کے روک لیا۔ سب لان میں کرسیوں پر بیٹھ کر کشمیری چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور گپ شپ چل رہی تھی۔ جب خالہ بی کی بہویں کام نبٹانے کو اٹھیں تو انہوں نے فوراً کہا۔

''بیٹا اب تم بھی بیٹھ جاؤ، تھک گئی ہوگی ابھی فارغ ہو کر مل کر کر لیتے ہیں۔'' اماں بی انہیں دیکھ کر تمسخرانہ ہنسی سے بولیں۔

''انہیں کام کرنے دو..... ان کی عمر ہے، تمہارا کام کرنے کا وقت اب گزر چکا ہے۔ آخر تم اپنی بہوؤں سے اتنا ڈرتی کیوں ہو.....؟''

''کیا ڈر.....!'' خالہ بی نے حیرت سے کہا۔ ''ڈر کس بات کا؟ کیوں بھئی میں اپنی بیٹیوں سے بھلا کیوں ڈروں گی.....؟''

''مجھے تو ہمیشہ ایسا ہی محسوس ہوتا ہے، جب دیکھو ان کی فکر میں لگی رہتی ہو۔'' اماں بی نے کہا۔

''دیکھو میری بہن...'' خالہ بی آرام سے گویا ہوئیں۔ ''میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ جب ہم انہیں بیٹیاں بنا کر لائے ہیں تو اپنی اولاد کی طرح ان کا خیال رکھنا بھی ہماری ذمے داری ہے جس میں کوتاہی کرنے پر ہم اللہ تعالیٰ کو جوابدہ ہوں گے لہٰذا مجھے فکر ان کی نہیں بلکہ اپنی آخرت کی ہے اور خوف دنیا کا نہیں بلکہ خدا کا ہے۔''

''ارے بیٹی تو جگر کا ٹکڑا ہوتی ہے جو مرتے دم تک ماں، باپ کا ساتھ دیتی ہے۔ بہو کا بیٹی سے کیا مقابلہ..... جسے بیاہ لاؤ وہی بہو..... جب چاہو دو بول، بول کر فارغ کر دو.....'' اماں بی نے ان کی بات کو چٹکیوں میں اڑا دیا۔

''تمہارے خیالات جان کر مجھے بہت رنج ہوا ہے خدیجہ۔'' خالہ بی نے افسوس سے کہا۔ ''ہماری بیٹیاں بھی تو کسی کی بہو ہیں ذرا سوچو..... اگر کوئی ان کے بارے میں ایسا کہے تو ہمیں کیسا محسوس ہوگا۔ گھر ٹوٹنا کوئی مذاق ہے؟ جب گھر خراب ہوتا ہے تو دونوں فریق متاثر ہوتے ہیں..... اگر بہو کی زندگی برباد ہوگی تو آباد تو ہمارا بیٹا بھی نہیں رہے گا۔ وہ اگر بدنام ہوگی تو نیک نامی تو ہمارے حصے میں بھی نہیں آئے گی تمہاری سوچ کس طرح کی ہے خدیجہ..... بہت افسوس کی بات ہے۔'' خالہ جی سخت رنجیدہ تھیں۔ اماں بی خاموشی سے ان کی بات سن رہی تھیں۔ خالہ بی نے لوہا گرم دیکھ... کر مزید کہا۔

''میرے خیال میں تو یہی ہماری اصلی بیٹیاں ہیں۔ اپنی بیٹیاں تو ہم سے کوسوں دور اپنی، اپنی دنیا میں مگن ہیں۔ ہمارے ہر دکھ، تکلیف، خوشی، غمی میں یہی تو ہمارا ساتھ دیتی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ ہماری آنے والی نسل کی امین ہیں لہٰذا ان کا حق تو مقدم ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ خدیجہ کہ میں بہو کو بہو نہیں بلکہ اپنے بیٹے کی خوشی سمجھتی ہوں اور کوئی ماں کیسے اپنے ہی بیٹے کی خوشی چھین سکتی ہے؟'' اور پہلی مرتبہ اماں بی کے تصور میں شادی کے بعد بیٹے کا مسکراتا پُرسکون چہرہ اور عائشہ کی جانب اٹھتی والہانہ نگاہیں آئیں اور عائشہ کی طرف اٹھتی ان کی پُرسوچ نظروں نے گواہی دی کہ بات آخر کار ان کے دل پر اثر کر گئی ہے۔

عائشہ، خالہ بی کی بہوؤں کے ساتھ مل کر سب سمٹوا رہی تھی اس کے کان میں بھی ان کی باتیں پڑ رہی تھیں..... اور جب اس کی نظریں اماں بی سے ملیں تو انہوں نے جانے کیوں اس سے نظریں چرا لی تھیں اور کچھ دیر بعد اتنا ہی بولیں۔

''عائشہ بیٹی، گڑیا کو مجھے دے دو..... میں اسے سلا دیتی ہوں، تم کب سے گود میں لیے ہوئے ہو۔'' اور عائشہ کے چہرے پر مسرت کی پرچھائی چھا گئی تھی۔

❁❁❁



www.pklibrary.com

ناولٹ

# پھانس

شمیم فضل خالق

میں کچن سے باہر نکلی تو سامنے برآمدے کے تخت پر ماسی غفوراں بیٹھی ہوئی تھیں۔

"ارے ماسی..... آپ..... آپ کب آئیں؟ مجھے تو معلوم ہی نہیں ہوسکا....." میں جھک کر اُن سے گلے ملی تو وہ ہنس کر بولیں۔

"تمہارا دروازہ کھلا تھا سو سیدھی اندر آگئی..... تم کچن میں مصروف تھی۔ سوچا فارغ ہوگی تو خود ہی مجھے دیکھ لوگی....."

"ہاں..... جانتی ہیں..... کتنے عرصے بعد آئی ہیں..... خود کو میری ماں کہتی ہیں..... لیکن ذرا جو مجھ سے ملنے کی چاہ ہو....." میں منہ پھلا کر مصنوعی خفگی سے بولی۔

"ارے نہیں....." وہ جلدی سے بولیں۔ "جانتی ہو، مہوش سارا دن مجھے اپنے کاموں میں مصروف رکھتی ہے..... ذرا جو فرصت لینے دیتی ہو مجھے۔ اچھا



www.pklibrary.com

چھوڑو..... لو یہ حلوا لائی ہوں تمہارے لیے۔'' انہوں نے اپنی بہو کے حوالے سے بات کرتے ہوئے مجھے حلوے کی پلیٹ پکڑائی۔ ماسی غفوراں ہماری دائیں طرف والی پڑوسن تھیں انہوں نے مجھے اپنی بیٹی بنایا ہوا تھا وہ اپنے بیٹے قاسم اور بہو مہوش کے ساتھ رہتی تھیں بڑی شفیق خاتون تھیں۔ مجھے بھی وہ ایک ماں کی طرح عزیز تھیں۔ حلوے کی خوشبو میری ناک میں گھسی تو میں چہک کر بولی۔

''سچ ماسی آپ جیسا حلوا تو کوئی حلوائی بھی نہیں پکا سکتا ہوگا..... لیکن آج اتنی صبح، صبح کیسے حلوا بنالیا۔''

''اصل میں مہوش کا آج حلوا پوری کا پروگرام ہے..... مجھے کل سے حکم دیا تھا کہ میں پہلے حلوا بنالوں۔ وہ اٹھ کر پوریاں بنائے گی..... آج تو چھٹی کا دن ہے۔ سوا بھی تک سوئی پڑی ہے۔ میں نے سوچا میں اپنی بیٹی کو جا کر یہ حلوا بھی دے لوں اور وہ بات بھی کہہ دوں جو کئی دن سے مجھے چبھ رہی ہے۔''

''بات.....؟'' میرے کان کھڑے ہو گئے۔ ''کیسی بات..... ماسی.....''

''یہ بتاؤ..... رضوان کہاں ہے اور بچے.....؟'' وہ آواز دھیمی کرتے ہوئے بولیں۔

''سو رہے ہیں سب..... بچوں نے رات کو بہت تنگ کیا تھا..... علی اور عنیزہ تو بڑے ہیں لیکن یہ جو ٹوئنز ہیں ناں..... ننھی اور اسد..... توبہ، توبہ آفت کے پرکالے ہیں..... لیکن چھوڑیں یہ سب، آپ بات بتائیں مجھے.....'' میں بے چینی سے بولی۔

''تمہیں میری بات بری تو لگے گی عینی بیٹی..... لیکن تم میری بیٹی ہو۔ کہے بنا چارہ بھی کوئی نہیں کہ کہیں تم بے خبری میں نہ ماری جاؤ۔'' وہ خاموش ہوئیں تو میرے دل کو جیسے پنکھے لگ گئے۔

''ماسی، اتنا سسپنس کیوں پیدا کر رہی ہیں..... اب بتا بھی دیں۔ آخر بات کیا ہے؟'' میں بے چینی سے بولی۔

''سنو.....'' وہ میری طرف جھک کر راز داری سے بولیں۔ ''محلے میں تمہارے شوہر رضوان کے بارے میں طرح، طرح کی باتیں گردش کر رہی ہیں۔''

''باتیں..... کیسی باتیں.....؟'' میں نے تیکھی چتون سے انہیں گھورا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں رضوان کے خلاف کوئی ایک بات سننے کی روادار نہ تھی۔ لیکن ماسی غفوراں حد سے زیادہ سچی اور کھری عورت تھیں سو میں دھڑ، دھڑ کرتا دل لیے اُن کی طرف متوجہ ہوگئی..... وہ دھیمی آواز میں بتانے لگیں۔

''عینی بیٹی..... محلے میں لوگ کہتے ہیں کہ رضوان لڑکیوں کے معاملے میں خاصے دل پھینک واقع ہوئے ہیں..... لڑکیوں کو تاڑتے رہتے ہیں اور..... اور جبیں کے ساتھ تو اُن کا اچھا خاصا چکر چل رہا ہے۔''

''کک..... کیا.....؟'' مجھے لگا جیسے کسی نے میرے سر پر بم چھوڑ دیا ہو۔ کتنی دیر تو مجھے یہ بات سمجھنے میں لگی۔ میں پھٹی، پھٹی نظروں سے ماسی کو دیکھ رہی تھی۔ ماسی شرمندگی سے کہہ رہی تھیں۔

''میں جانتی تھی کہ تمہیں دکھ ہوگا..... لیکن اگر میں تم سے یہ بات چھپاتی تو یہ بددیانتی ہوتی.....'' میرے تلوؤں پر لگی تو سر پر بجھی۔ مجھے ماسی کی کوئی بات سنائی نہیں دے رہی تھی۔ مجھے ڈھیر سارا رونا آگیا۔ میں اس شخص کے بارے میں کوئی ایسی بات کہاں سن سکتی تھی جو میرے چار بچوں کا باپ تھا۔ جو مجھے ٹوٹ کر چاہتا تھا۔ شادی کے اتنے سالوں میں مجھے ایک لمحے کے لیے بھی اس کی محبت پر شک نہیں ہوا۔ وہ میرے حقوق پورے کرتا، بچوں کے معاملے میں اس نے کبھی کوئی تنگ دلی نہیں دکھائی..... ہمارا گھر تو جنت کے مانند تھا میں نے آنسوؤں کے بیچ میں اٹک، اٹک کر کہا۔

''اگر ایسی کوئی بات ہوتی ماسی..... تو میں..... جو اس کی بیوی ہوں..... مجھے کیا پتا نہ چلتا۔ بولیں ناں ماسی..... ایسی باتیں جو محلے والوں پر عیاں ہوگئیں، کیا وہ پہلے سے مجھے نہ معلوم ہوتیں..... مجھے تو ان پر کوئی شک بھی نہیں.....''

''خدا لگتی کہوں عینی بیٹا..... میں نے خود تو کچھ نہیں دیکھا۔ بس جو سنی سنائی باتیں تھیں وہ



www.pklibrary.com

تمہیں بتادیں....." ماسی بے بسی سے بولیں۔

"یہ محلے والے کسی کو ہنستے بستے کہاں دیکھ سکتے ہیں..... دل چاہتا ہے سارے محلے والوں کو اکٹھا کر کے اتنا بے عزت کروں کہ یہ اپنا منہ چھپاتے پھریں۔ غضب خدا کا..... ذرا بھی انہیں خوفِ خدا نہیں۔ لے کے ایک عزت دار اور شریف بندے پر غلط سلط الزام لگا دیا۔"

"دیکھو عینی بیٹا....." ماسی غفوراں نرم لہجے میں بولیں۔

"تم اس بات کو ہوا نہ دو..... محلے والوں سے کچھ کہو نہ رضوان سے..... بس خاموش رہ کر حالات کا جائزہ لو۔ جلد ہی حقیقت تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔"

"حقیقت کا علم مجھے پہلے سے ہے ماسی..... میں کوئی بچی نہیں ہوں۔" میں کڑوے لہجے میں بولی۔ "اور غضب خدا کا..... چلو رضوان تو مرد ہیں لیکن ایک معصوم لڑکی پر الزام اور وہ بھی جھوٹا الزام لگاتے ہوئے ان کے دل نہیں کانپے..... بیچاری جبیں میری ہمدردی میں میرا ہاتھ بٹانے کیا آجاتی ہے انہوں نے پکڑ کر میرے شوہر کے ساتھ اس کا افیئر ہی قرار دے دیا۔"

ماسی اٹھ کھڑی ہوئیں اور نرم لہجے میں بولیں۔

"اگر یہ سب جھوٹ ہوگا تو یقیناً بہت بڑا گناہ کمایا ان لوگوں نے۔"

"جھوٹ.....؟" میں آنکھیں پھاڑ کر بے یقینی سے ماسی کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "سفید جھوٹ کہیے ماسی..... سراسر جھوٹ جس شخص کے بارے میں اس کی بیوی گواہی دے، اس کے کردار پر کون شک کرسکتا ہے، توبہ..... استغفار....." میں کانوں کو ہاتھ لگا کر مسلسل بولتی رہی۔ ماسی چلی بھی گئیں لیکن میں خود سے باتیں کرتی رہی..... جانے میں کب تک بولتی رہتی اگر اندر سے ننھی کے رونے کی آواز نہ آتی۔ بھاگ کر اندر گئی تو رضوان بھی اٹھ گئے تھے۔ وہ واش روم میں چلے گئے میں ننھی کو بہلاتی ہوئی باہر آگئی۔ کچن میں اس کے دودھ بنانے کی غرض سے آئی تو جبیں کچن میں کھڑی سنک میں پڑے رات کے برتن دھو رہی تھی۔

"ارے جبیں..... تم کب آئیں.....؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ابھی اٹھی تو خیال آیا کہ چھٹی ہے..... بچے بھی گھر پر ہوں گے۔ اور آپ کو بہت کام ہوگا تو ہاتھ بٹانے آگئی....." وہ سادگی سے بولی تو مجھے اس پر ڈھیروں پیار آگیا اور یہ سوچ کر دل پر گھونسا سا لگا کہ اگر اس معصوم لڑکی کو معلوم ہوجائے کہ محلے والے اس کے کردار کو لے کر کیا، کیا باتیں کرتے ہیں تو اس کا تو دل کرچی، کرچی ہوجائے گا۔

"خدا کرے اسے کبھی ان باتوں کی بھنک بھی نہ پڑے۔" میں نے صدقِ دل سے دعا مانگی..... جبیں، نسرین اور نوین ہمارے بائیں طرف والی پڑوسی تھے..... حال ہی میں یہ لوگ یہاں آئے تھے کلثوم آپا کی یہ تین بیٹیاں تھیں، بیٹا کوئی نہ تھا۔ ان کے میاں وفات پاچکے تھے لیکن دکانوں وغیرہ کے کرایوں سے ان ماں، بیٹیوں کا گزارہ چل رہا تھا۔ جب سے میری ملازمہ کام چھوڑ کر چلی گئی تھی، مجھے ان کے توسط سے بہت آرام تھا۔ جبیں پھرتی سے برتن دھو کر اوپر ریک میں رکھ رہی تھی۔ اس کا وزن خاصا زیادہ تھا، زمین پر چلتی تو دھپ، دھپ کی آواز کے ساتھ زمین بھی ہلنے لگتی۔ کلثوم آپا خود بھی خاصی موٹی تھیں اور ان کی تینوں بیٹیاں بھی بہت موٹی تھیں۔ پھر بھی ماں، بیٹیاں حد سے زیادہ چست تھیں۔ مجھے اکثر ان پر رشک آتا تھا۔ گھنٹوں کا کام منٹوں میں نمٹا دیتی..... اور ایک میں تھی، دبلی پتلی، اسمارٹ کہہ لیجیے لیکن جو بھی کام شروع کرتی مجھ سے ختم ہو نہ پاتا۔ کچن کی حالت تو ہمیشہ ابتر ہی رہتی لیکن یہی کام فٹافٹ ہوجاتے جب جبیں یا نسرین آجاتیں۔

"باجی ناشتا بنادوں.....؟" وہ برتن کو ٹھکانے لگانے کے بعد پوچھ رہی تھی۔

"اگر بنا سکو تو....." میں نے انکار نہیں کیا اور ننھی کو دودھ پلانے لگی۔ فٹافٹ پراٹھے بن گئے، چائے بنا کر میز پر رکھی..... ساتھ آملیٹ بنا ڈالا..... ابھی رضوان واش روم سے نکلے بھی نہیں تھے کہ ناشتا ریڈی ہوگیا تھا۔ سارا کچھ کرنے کے بعد اس نے اجازت لی



www.pklibrary.com

اور گھر چلی گئی۔ رضوان تولیے سے سر پونچھتے ہوئے میز پر آئے تو حیران رہ گئے۔

''اتنی جلدی ناشتا بنا دیا تم نے.....؟''

''جبیں نے بنایا ہے۔'' میں نے منھی کو کرسی پر بٹھا دیا اور خود بھی ساتھ بیٹھ گئی۔ وہ کچھ نہ بولے۔ یہ بہنیں ہمارا اسی طرح کام کر جایا کرتی تھیں سو وہ حیران نہیں ہوئے اور ناشتا کرنے لگے۔ میرے اندر ماسی غفوراں کی بات نے اتھل پتھل مچا رکھی تھی اور میں بے چین تھی کہ کب رضوان کو یہ بات سناؤں گی۔

''ارے..... تم ناشتا نہیں کر رہیں.....؟'' وہ حیرت سے سر اٹھا کر بولے۔ میں کچھ نہ بولی تو وہ غور سے میرا چہرہ دیکھتے ہوئے بولے۔

''کیا بات ہے؟ کچھ اپ سیٹ ہو؟ کوئی بات ہوئی ہے کیا.....؟'' وہ میرے اندر کی بات فوراً جان لیتے تھے۔

''وہ..... ماسی غفوراں آئی تھیں۔'' میں نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں پھنساتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو..... وہ تمہاری ماں ہیں اور تم بیٹی ہو ان کی..... تمہاری خبر گیری کے لیے تو وہ اکثر آجایا کرتی ہیں۔ پھر اس میں اپ سیٹ ہونے والی کون سی بات ہے۔''

''اس بار وہ مجھ سے ملنے نہیں آئی تھیں بلکہ..... ایک بات بتانے آئی تھیں۔''

''اب بتا بھی دو یار، کیا کہا انہوں نے..... جس نے میری پیاری بیوی کو اتنا مغموم کر دیا ہے۔'' وہ چائے کی پیالی ہونٹوں سے لگا کر بولے۔

''رضوان..... وہ بتا رہی تھیں کہ پورے محلے میں آپ کے متعلق غلط سلط باتیں ہو رہی ہیں.....'' اب کے میں نے کوئی لگی لپٹی نہیں رکھی جھٹ سے صاف بات کہہ دی۔

''مم..... میرے متعلق؟'' وہ بے یقینی سے میری طرف دیکھنے لگے۔

''کیسی باتیں.....؟''

''یہی کہ آپ لڑکیوں پر بری نظر ڈالتے ہیں..... اور جبیں کے ساتھ تو آپ کا باقاعدہ افیئر چل رہا ہے۔''

''کیا..... کیا.....'' انہیں اچھو آتے، آتے رہ گیا۔ ''یہ کس..... کم بخت نے کہا ہے..... بتیسی نکال کر ہاتھ میں نہ رکھ دی تو میرا نام بھی رضوان نہیں یعنی اتنا بڑا الزام.....'' غصے سے ان کا رنگ سرخ پڑ گیا تھا اور آنکھیں جیسے باہر کو ابلی پڑ رہی تھیں۔

''ہاں.....'' میں سنجیدگی سے بولی۔ ''مجھے بھی اس بے بنیاد الزام پر بے حد غصہ آیا تھا..... دراصل یہ لوگ کسی کو ہنستا بستا دیکھ نہیں سکتے، محلے کے بیشتر گھروں میں ہمیشہ میاں، بیوی میں ان بن رہتی ہے، لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں..... لیکن خدا کا شکر ہے ہمارے ہاں ایسی کوئی بات نہیں..... بس ان لوگوں نے غلط قسم کے بے سر و پا الزامات لگانے شروع کر دیے کہ اس طرح میری اور آپ کی لڑائی کرا دیں..... لیکن میں اتنی بھی بیوقوف نہیں کہ ان بے سر و پا الزامات سے گھبرا کر اپنا گھر خراب کروں۔''

''توبہ، توبہ.....'' رضوان کانوں کو ہاتھ لگا کر بولے..... ''یعنی میں چار بچوں کا باپ اور ایک عدد حسین اور اسمارٹ بیوی کا شوہر میں بھلا لڑکیوں پر بری نظر ڈالوں گا۔ مجھے تو یقین نہیں آ رہا یعنی کہ مجھ پر ایسا الزام بھی لگ سکتا ہے۔''

''اور یہ ستم بھی دیکھیے..... کہ بیچاری جبیں سے آپ کا افیئر چلا دیا یعنی وہ بچیاں۔ جو میری مدد کرنے آجاتی ہیں۔ ان پر ایسا گندا الزام لگا دیا۔ ان کا عورتوں والا گھر ہے رضوان، بچیوں کی شادیاں ہونی ہیں..... بیچاری کلثوم آپا بچیوں کی شادی کے لیے ہلکان ہو رہی ہیں۔'' میں بھرائی آواز میں بولی تو رضوان غصے سے بولے۔

''اور یہ بھی تو سوچو کہ میں اپنی اتنی حسین بیوی کو چھوڑ کر اس موٹی جبیں سے عشق لڑاؤں گا۔ توبہ، توبہ..... کس قدر موٹی ہیں یہ تینوں بہنیں..... بس اور کیا کہوں.....'' باوجود پریشانی کے مجھے رضوان کی اس بات پر ہنسی آگئی۔

''چھوڑیں رضوان.....'' میں نے ان کا غصہ ٹھنڈا کرتے ہوئے کہا۔ ''جھوٹ کے پاؤں نہیں



www.pklibrary.com

ہوتے..... یہ بات ایک دن خود ہی ختم ہو جائے گی..... اب ہم کس، کس کا گریبان پکڑیں گے۔ خاموشی ہی بہترین علاج ہے۔ میں تو جبیں سے کوئی بات نہیں کروں گی۔ ایسا نہ ہو وہ میرے گھر ہی آنا چھوڑ دے..... مجھے تو اُن کی عادت سی ہوگئی ہے۔ غضب کی پھرتیلی ہیں یہ ماں بیٹیاں.....''

''چلو، دفع کرو.....'' وہ میز سے اٹھتے ہوئے بولے۔ ''میں بھی کسی سے کوئی بات نہیں کروں گا..... اچھا..... میں چھت پر ذرا چہل قدمی کر کے آتا ہوں۔ آج خاصا ہیوی ناشتا کرلیا۔''

رضوان کے جانے کے بعد میں میز پر سے برتن سمیٹنے لگی۔ جب سے رضوان کا وزن بڑھا تھا انہوں نے باقاعدگی سے واک شروع کردی تھی۔ پہلے وہ گھر کے پاس روڈ پر واک کرتے تھے لیکن جلد ہی اس سے بور ہوگئے۔ دراصل ہمارے محلے کی روڈ خاصی بزی تھی اور موٹر سائیکلوں کا تو کوئی حساب ہی نہیں تھا۔ اور تب میں نے رضوان کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی چھت پر واک شروع کردیں۔ اس طرح انہیں کوئی ڈسٹربنس نہیں ہوگی۔ ہماری چھت پر کوئی کمرا وغیرہ نہیں بنا تھا۔ صرف چار دیواری تھی۔ یہ تین گھر ایک جیسے بنے تھے۔ ہمارا ماسی غفوراں کا، جبیں لوگوں کا..... اوپر چھت پر کوئی کمرے وغیرہ نہیں تھے اور دیواریں اتنی چھوٹی تھیں کہ بڑی آسانی سے بندہ دوسرے گھر کی چھت پر آجاسکتا تھا۔ مجھے تو خیر اوپر جانے کی فرصت ہی نہیں ملتی تھی..... ماسی غفوراں تو گھٹنوں کے درد کی مریضہ تھیں اور ان کی بہو بھی میری طرح بچوں میں الجھی رہتی تھی سو وہ لوگ بھی چھت پر نہیں جاتے تھے۔ رہیں کلثوم آپا اور ان کی بیٹیاں تو وہ اپنے موٹاپے کی وجہ سے چھت پر نہیں جاتی تھیں۔ سو رضوان کو میرا مشورہ بہت پسند آیا تھا اور اب دن میں دو وقت اوپر جا کر واک کیا کرتے، رضوان کے جانے کے بعد میں اپنے روز مرہ کے کام نپٹانے لگی لیکن دماغ میں مسلسل ماسی غفوراں کی باتیں گردش کرتی رہیں۔

''توبہ..... توبہ..... لوگ خدا سے بھی نہیں ڈرتے..... کیسے کھڑے، کھڑے ایک بے گناہ شخص کو گناہ گار بنا دیتے ہیں۔ اور وہ معصوم لڑکی..... شاید ان کی بیٹیاں نہیں ہوں گی تبھی تو دوسروں کی بیٹیوں پر اتنا بڑا بہتان لگاتے ہیں۔'' میں بے مقصد کچن میں کھڑی مسلسل یہی سوچ رہی تھی کہ جبیں نے مجھے پکارا۔

''باجی..... آپ کیا سوچ رہی ہیں..... میں کب سے آئی ہوں پر آپ اپنی سوچوں میں گم ہیں۔'' وہ ہنس کر بولی تو میں بھی اپنی خفت مٹانے کو اس کے ساتھ ہنس پڑی۔

''ہاں..... وہ میں سوچ رہی تھی کہ آج کیا پکاؤں، تم جانتی تو ہو..... یہ روز کا مسئلہ ہے۔''

''کوئی نہیں..... آپ بالکل مت سوچیے..... میں ابھی فٹافٹ آپ کا یہ مسئلہ حل کردیتی ہوں۔ گوشت تو ہوگا ناں؟'' اس نے فریج کھول کر گوشت کا ایک پیکٹ نکالا۔ اور ساتھ ہی فریج کے اندر بھی نظریں دوڑائیں۔

''گوشت میں اروی ڈال لیتی ہوں باجی..... اور تو کوئی سبزی نہیں ہے۔''

''ہاں ٹھیک ہے، اروی گوشت رضوان کو بھی پسند ہے۔'' میں نے اندر ہی اندر اطمینان کی سانس لی۔ ہانڈی وہ پکالے گی تو میں دوسرے کام کرلوں گی۔

جبیں پیاز وغیرہ کاٹنے لگی میں بچوں کو سنبھالنے کمرے میں آگئی۔ بڑے بچے بھی آپس میں الجھے ہوئے تھے۔ انہیں میں نے ہوم ورک کرنے کو کہا۔ چھوٹے بچوں کے کپڑے وغیرہ تبدیل کیے، کمرے کی حالت ابتر تھی، کمرا درست کیا پھر کچن میں آگئی کہ ناشتے کے برتن دھولوں..... لیکن یہ کیا، جبیں نے اتنے کم وقت میں کچن بھی چمکا کر رکھ دیا تھا۔ سنک برتنوں سے خالی تھا۔ ہانڈی خوشبوئیں بکھیر رہی تھی۔ ہر چیز اپنی جگہ پر رکھی تھی، اب وہ سنک صاف کر رہی تھی۔ اس کے سنہری بال چہرے پر بکھر گئے تھے اور گرمی سے چہرہ سرخ پڑ گیا تھا ویسے بھی اس کا رنگ باقی دو بہنوں کے مقابلے میں خاصا فیئر تھا۔ اس وقت وہ مجھے بہت پیاری لگی اور میں نے افسوس سے سوچا اگر یہ بہنیں اپنا



www.pklibrary.com

وزن کم کرنے کے بارے میں سوچیں تو ان کی شادیوں میں پرابلم نہ ہو۔ ابھی میں یہی سوچ رہی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اس وقت موبائل فون نہیں آئے تھے۔ لینڈ لائن فون ہی ہوتے تھے۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف خالہ جان تھیں۔

''ارے خالہ جان آپ.....؟'' ان کی آواز سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی کہ وہ میری واحد رشتے دار بچی تھیں۔ رشتوں کی کمی کا شکار میں اور رضوان دونوں ہی تھے۔ خالہ جان میری ماں کی سگی بہن تھیں، وہ مجھ سے اور میں ان سے بہت محبت کرتی تھی۔

''تمہیں تو توفیق نہیں ہوتی کہ بوڑھی خالہ کا حال احوال ہی پوچھ لو۔'' ان کی آواز میں شکوہ تھا۔

''خالہ..... آپ جانتی تو ہیں میری مجبوریوں کو..... چار بچوں کا ساتھ ہے۔ بس سارا دن گھن چکر بنی رہتی ہوں۔'' میں لجاجت سے بولی۔

''اچھا اب تم اپنی وضاحتیں رہنے دو..... میری بات سنو..... میں نے ایک ضروری بات کے لیے تمہیں فون کیا ہے۔''

''جی خالہ..... بولیے ناں.....'' میں ہمہ تن گوش ہوگئی۔

''دراصل ہمارے ساتھ والا مکان خالی ہوگیا ہے۔ تم جانتی تو ہو اس مکان کی مالکہ میری بہت اچھی دوست ہے، اس سے میں نے درخواست کی ہے کہ وہ یہ مکان جلدی کسی کو کرایے پر نہ دے۔''

''کیوں خالہ.....؟'' میں حیرت سے بولی۔ ''کیا آپ کسی اور کو یہ مکان کرایے پر دینا چاہتی ہیں۔ میرا مطلب ہے..... اپنی مرضی کے کسی بندے کو.....''

''بالکل..... ٹھیک سمجھیں تم۔'' وہ بشاش لہجے میں بولیں۔ ''میں چاہتی ہوں کہ اس مکان میں تم لوگ آکر رہو۔''

''خالہ.....'' میں حیرت کے دھچکے سے سنبھل کر بولی۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں..... ہم بھلا کیسے آسکتے ہیں۔''

''کیوں..... کیوں نہیں آسکتے تم لوگ..... وہ بھی کرایے کا گھر ہے۔ جہاں تم لوگ رہ رہے ہو..... اور یہ بھی کرایے کا ہی گھر ہوگا لیکن اس میں فائدہ یہ ہوگا کہ ہم خالہ، بھانجی ایک ساتھ رہیں گے۔ ایک دوسرے کے دکھ، درد اور خوشیوں میں شریک رہیں گے۔

''لیکن خالہ.....'' میں پریشان ہو کر بولی۔ ''ہم زیادہ کرایہ افورڈ نہیں کرسکتے ہمارے حالات بہت ٹائٹ چل رہے ہیں۔''

''ارے..... تو کیا تم اس گھر میں فری رہ رہی ہو، کیا وہاں کا کرایہ نہیں دیتیں۔ بولو..... بتاؤ ناں۔'' خالہ کی آواز میں غصہ تھا۔

''شفٹنگ پر بہت پیسے خرچ ہوتے ہیں خالہ.....'' میں رسان سے بولی۔ ''آج کل ہمارا ہاتھ بہت تنگ ہے اور پھر ہمیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ پرانا محلہ ہے، اپنے لوگ ہیں.....''

''دیکھو عینی.....'' خالہ بولیں۔ ''تم سوچ لو اچھی طرح، رضوان سے بھی مشورہ کرلو۔ یہاں بڑا اچھا ماحول ہے۔ خاموش اور پُرسکون، تمہارے محلے میں تو سارا دن شور وغل رہتا ہے۔ بارش ہوتی ہے تو کیچڑ ہر طرف پھیل جاتی ہے کہ بندہ قدم اٹھا کر نہ چل سکے۔ اپنے بچوں کو اچھا ماحول دو عینی..... یہاں لوگ بھی سب پڑھے لکھے ہیں۔''

''میں رضوان سے بات کروں گی خالہ.....'' میں نے بے دلی سے کہا۔ اور فون بند کردیا۔ اس دوران جب میں خالہ سے بات کررہی تھی..... جبیں کام ختم کرکے اپنے گھر چلی گئی تھی۔ خالہ کی باتوں نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ کچن میں آئی تو سارا کچن جگمگ، جگمگ کررہا تھا، برتن دھلے رکھے تھے۔ ہانڈی تقریباً تیار تھی۔ بے اختیار میرے دل سے جبیں کے لیے دعائیں نکلنے لگیں۔ اسی وقت رضوان پسینے میں شرابور کچن میں آئے۔

''واہ، کیا خوشبوئیں آرہی ہیں۔ یہ بتاؤ، پکایا کیا ہے؟''

''اروی گوشت پکا ہے لیکن میں نے نہیں..... جبیں نے پکایا ہے۔''

''خیر جس نے بھی پکایا ہے، خوشبو سے پتا چل رہا



www.pklibrary.com

ہے کہ بہت اچھا پکایا ہے لیکن یار..... اتنا ہیوی ناشتا کرلیا ہے۔ آج کھانا دیر سے کھائیں گے تاکہ اروی گوشت کا مزہ لے سکیں۔'' بات کرتے، کرتے انہوں نے ٹھٹک کر مجھے دیکھا۔

''کیا بات ہے عینی..... کچھ ڈسٹرب لگ رہی ہو؟'' وہ میرے مزاج کے تمام موسموں سے واقف تھے۔ خوشی ہو یا غم، وہ اسی طرح بن کہے سمجھ جاتے تھے۔

''کچھ نہیں..... بس..... وہ خالہ جان کا فون آیا تھا۔''

''خیریت تو ہے عینی..... خالہ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں.....؟'' وہ تشویش سے بولے۔

''ہاں..... وہ تو ٹھیک ہیں لیکن.....'' میں نے دھیمی آواز میں انہیں ساری بات بتادی۔

''تم نے کیا جواب دیا انہیں.....؟'' وہ جلدی سے پوچھنے لگے۔

''کیا جواب دیتی..... بس یہی کہ ہمارے حالات آج کل ٹھیک نہیں چل رہے، ان حالات میں ہم شفٹنگ کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ انہوں نے پھر بھی مجھے سوچنے کا اور آپ سے مشورہ کرنے کا کہا۔ اپنی طرف سے تو میں نے انہیں جواب دے دیا ہے۔''

''اچھا کیا تم نے.....'' رضوان نے جیسے اطمینان کی سانس لی۔ ''تم میری عقلمند بیوی ہو..... مسئلوں کا حل منٹوں میں نکال لیتی ہو۔ تمہاری یہ خوبی تو ہمیشہ مجھے متاثر کرتی ہے۔''

''چلیں ہٹیں.....'' میں شرما کر بولی۔ ''مجھے بنائیں مت۔ ویسے مجھے خالہ کی ناراضی کا ڈر ہے رضوان..... وہ مائنڈ نہ کریں اس بات کو..... آپ جانتے تو ہیں وہ مجھے ماں کی طرح عزیز ہیں۔''

''کوئی نہیں، ہم دونوں جا کر انہیں منالیں گے۔ ویسے وہ تم سے اتنی محبت کرتی ہیں کہ زیادہ دیر تم سے خفا نہیں رہ سکتیں۔'' رضوان بولتے ہوئے کمرے کی طرف چلے گئے..... میں کافی دیر تک خالہ کے متعلق سوچتی رہی۔

☆☆☆

## اظہار تعزیت

قابل احترام محترم جناب معراج رسول صاحب کی دوسری بری آگئی لیکن ہماری پیاری آپی عذرا رسول کے لیے تو شاید صدیاں بیت گئیں۔ میں معراج رسول کے متعلق تو بس اتنا ہی جانتی ہوں جو آج کل پاکیزہ میں پڑھ رہی ہوں کیونکہ کبھی ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ پورے یقین سے کہتی ہوں اگر کبھی ملی ہوتی تو جو خوبیاں سنی ہیں، میں ان کی سب سے بڑی فین ہوتی اور برملا اظہار بھی کرتی۔ اب ہم ان کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور ان کی لاڈلی، چہیتی بیوی ہماری پیاری عذرا رسول آنٹی کے لیے دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سکون قلب عطا فرمائے۔ محبت اور خوشیاں عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت کرے، دینی و دنیاوی حاجات پوری فرمائے۔ بے شک اللہ سب سے بڑا ہے۔

از: آسیہ عامر، کراچی

وہ دن بھی ایک عام دن کی طرح طلوع ہوا تھا۔ بچے اسکول چلے گئے تھے۔ آج عنیزہ کا رزلٹ تھا، وہ بڑی ایکسائٹڈ ہو رہی تھی۔

''مما..... اگر میں ٹاپ ٹین میں آئی تو آپ مجھے کیا دیں گی انعام میں.....''

''جو تم مانگو گی..... وہی دوں گی۔ پہلے ٹاپ ٹین میں آتو جاؤ.....'' میں نے ہنس کر اس کا ماتھا چوما۔ وہ ایک نارمل سی اسٹوڈنٹ تھی لیکن اس بار اس نے بھی بہت محنت کی تھی اور میں نے بھی اسے بہت محنت سے پڑھایا تھا۔ یقیناً اس بار وہ ٹاپ ٹین میں آجائے گی میں نے سوچا۔ رضوان نے بتایا کہ وہ آج آفس نہیں



www.pklibrary.com

جائے گا کیونکہ اس کے پیٹ میں کچھ گڑبڑ ہے۔ عنیزہ اور علی کے جانے کے بعد میں نے رضوان کے لیے ادرک، پودینے اور زیرے کا قہوہ بنایا۔

''اچھا عینی..... میں چھت پر واک کے لیے جاتا ہوں..... اس طرح طبیعت تھوڑی ہلکی ہو جائے گی..... کچھ بھاری پن سا محسوس کر رہا ہوں.....'' رضوان قہوہ پی کر بولے۔

''ٹھیک ہے، میں تب تک گھر کے کام نمٹاتی ہوں.....'' وہ چھت پر چلے گئے تو میں کچن میں آ گئی۔ کچن کے چھوٹے، چھوٹے کام ختم کر کے میں نے ہانڈی چڑھائی۔ میں بار، بار اس امید پر دروازے کی طرف دیکھتی کہ شاید جبیں آ جائے اور میرا کام ہلکا ہو جائے لیکن ہر بار مجھے مایوس ہونا پڑا۔ کچن کے کام کر کے میں ننھی اور اسد کو سنبھالنے کمرے میں چلی گئی۔ میں اپنے کام میں مصروف تھی کہ عنیزہ اور علی اسکول سے آ گئے۔ عنیزہ کمرے میں آئی تو اسکول بیگ ایک طرف پھینک کر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کا چہرہ قندھاری انار بنا ہوا تھا۔

''مما..... مما..... میں کلاس میں فرسٹ آئی ہوں۔''

''ارے..... کیا سچ کہہ رہی ہو.....'' مجھے بھی بے پناہ خوشی کا احساس ہوا کہ مجھے اس کے فرسٹ آنے کی امید نہیں تھی۔

''ہاں، ہاں مما..... میں جھوٹ تھوڑی ... بول رہی ہوں..... یہ دیکھیں۔'' اس نے اپنی رپورٹ بک کھول کر میرے سامنے رکھ دی۔

''ہاں مما.....'' علی بولا۔ ساری کلاس نے زبردست کلیپنگ بھی کی عنیزہ کے لیے.....'' علی بھی خاصا پُرجوش ہو رہا تھا۔ ''مما، دعا کریں میری بھی پوزیشن آ جائے۔'' اس کا رزلٹ کل آنا تھا۔ میں نے دونوں بچوں کو گلے سے لگا کر ان کے بے درے بوسے لیے۔ عنیزہ پہلے کسی کلاس میں فرسٹ نہیں آئی تھی سو مجھے بہت زیادہ خوشی ہو رہی تھی کہ اب پانچویں کلاس میں فرسٹ آئی ہے۔

''بابا کہاں ہیں مما..... وہ تو آفس نہیں گئے تھے ناں۔''

''ہاں وہ چھت پر واک کر رہے ہیں..... جاؤ انہیں بلا کر لاؤ کہ وہ بھی خوشی کی یہ خبر سن کر خوش ہو جائیں۔''

''مما..... میں بہت تھک گئی ہوں.....'' وہ سستی سے بولی۔ ''آپ بلا کر لے آئیں ناں.....''

''اچھا، اچھا ٹھیک ہے، تم دونوں یونیفارم چینج کرو..... میں انہیں بلا کر لاتی ہوں۔'' نیچے سے آواز اوپر نہیں جا سکتی تھی۔ اور اوپر جانا میرے لیے ایک مشکل مرحلہ تھا۔ جب سے ہم اس گھر میں آئے تھے دو تین بار ہی میں اوپر گئی ہوں گی۔ سیڑھیاں بھی اتنی اونچی، اونچی بے آرام بنی تھیں کہ انسان دو سیڑھیاں چڑھے تو ہانپنے لگ جائے۔ خیر..... ہمت کر کے دیوار کا سہارا لے کر میں آہستہ، آہستہ اوپر چڑھنے لگی۔ آخری سیڑھی پر جا کر میں رضوان کو آواز دینے لگی ہی تھی کہ اچانک مجھے کسی انہونی کا احساس ہوا۔ رضوان کی ہنسی میں کوئی نسوانی ہنسی بھی شامل تھی۔ میں نے کان لگا کر سنا..... شاید میرے کان بج رہے ہیں۔ میں نے سوچا اور نیم وا دروازے سے محتاط انداز میں جھانکا تو مجھے زبردست شاک لگا، جبیں، رضوان کے بالکل پہلو میں لگی بیٹھی تھی۔ میں بغیر آہٹ کے دروازہ کھول کر کچھ آگے بڑھی۔

''سوچتا ہوں جبیں..... تمہاری امی تمہاری شادی ایک شادی شدہ مرد سے جو چار بچوں کا باپ بھی ہے سے کروانے کو مان جائیں گی۔''

''اس کی تم فکر نہ کرو.....'' جبیں اٹھلا کر بولی۔ ''اماں کو بس ہمیں بیاہنا ہے۔ چاہے وہ شادی شدہ ہو..... رنڈوا ہو جو بھی ہو.....''

''ویسے جبیں تم پر مجھے ایک اور بات کا بھی غصہ ہے۔'' رضوان بولے۔

''وہ کیا؟'' وہ ایک ادا سے بولی۔ انہیں گمان بھی نہیں تھا کہ میں پیچھے کھڑی ان کی باتیں سن رہی ہوں۔

''تم عینی کی ملازمہ تو نہیں ہو جو اس کے اتنے زیادہ کام کرتی ہو.....''



www.pklibrary.com

''میں تمہارے گھر کو عینی کا گھر سمجھتی ہی نہیں..... میں تو اسے اپنا گھر سمجھتی ہوں، اس لیے تو دل سے سارے کام کرتی ہوں..... ورنہ اماں تو مجھے کوستی رہتی ہیں کہ میں اُن کا تو ہاتھ نہیں بٹاتی۔''

''اچھا.....'' دونوں ایک ساتھ ہنس پڑے۔

میرے اندر جیسے کسی نے برچھی مار کر میرے کلیجے کے ٹکڑے، ٹکڑے کردیے۔ اگر میں خود کو نہ سنبھالتی تو یقیناً سیڑھیوں سے لڑھکتی ہوئی آن گرتی... لیکن میری فطرت بہادری اس لمحے میرے کام آئی..... میں نے اپنے ڈوبتے دل اور سنسناتے ذہن کو بڑی مشکل سے قابو کیا..... لمبی، لمبی سانس لے کر اپنے آپ کو سنبھالا اور جانے کیسے واپس نیچے آگئی۔ ان کو ذرا بھی شبہ نہ ہوا..... سچ تو یہ ہے مجھے خود بھی یقین نہیں آرہا تھا کہ میں خیریت سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آچکی ہوں۔ کچن میں جا کر ایک کونے میں بیٹھ گئی اور اپنے حواس قابو میں کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس سے، میں بچوں کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر پارہی تھی۔ میری حالت اس لٹے پٹے شخص کی طرح ہورہی تھی جو دیکھ رہا ہو کہ اس کی تمام تر پونجی کو آگ لگی ہو، وہ بھڑ، بھڑ جل رہی ہو اور وہ حیران، پریشان ہو کہ اب کیا کرے، کیسے اپنی پونجی کو بچائے۔ میں چار بچوں کی ماں تھی..... کسی قسم کی جذباتیت کی گنجائش نہیں تھی۔ مجھے جو بھی قدم اٹھانا تھا سوچ سمجھ کر اٹھانا تھا۔ اسی طرح میرا گھر بچ سکتا تھا۔ دل کے تو ٹکڑے ہو چکے تھے لیکن میں اپنے بچوں کو بے گھر نہیں کرسکتی تھی۔ انہیں باپ کے سائے سے محروم نہیں کرسکتی تھی۔ میری حالت تھوڑی سی سنبھلی تو سب سے پہلے میں نے خالہ جان کو فون ملایا۔

''خالہ جان ہم نے فیصلہ کرلیا ہے کہ آپ کے ساتھ والے مکان میں شفٹ ہوجائیں گے..... آپ اپنی دوست سے بات کرلیں اور اپنے نوکروں سے گھر کی صفائی بھی کرادیں.....'' خالہ میری بات پر بہت خوش ہوئیں۔

''ہاں، ہاں تم فکر نہ کرو بس آنے کی سوچو..... یہاں سب میں سنبھال لوں گی۔ بلکہ وائٹ واش بھی مالک مکان سے کروالوں گی۔'' بے دلی سے فون کریڈل پر رکھ کر میں نے مڑ کر دیکھا تو رضوان خراماں، خراماں چلے آرہے تھے اس سے پہلے کہ وہ میری طرف متوجہ ہوتے عنیزہ دوڑ کر آگئی اور اپنے باپ سے لپٹ گئی۔

''بابا، میں اپنی کلاس میں فرسٹ آئی ہوں..... یہ دیکھیے چیک کرلیں.....''

''ارے..... کیا..... واقعی.....؟'' اس کے ہاتھ سے رپورٹ بک لیتے ہوئے وہ بولے۔

''ارے میری بیٹی کو اس کی محنت کا پھل مل گیا۔'' رضوان خوشی سے بولے۔ ''لیکن بیٹا تم سے زیادہ تو تمہاری مما حقدار ہیں شاباشی کی..... انہوں نے بہت محنت سے پڑھایا ہے۔'' وہ میری طرف اپنی مخصوص پیار بھری نظر ڈال کر بولے۔ پھر جیسے انہوں نے میرے موڈ کو محسوس کرلیا۔ تھوڑا سا الرٹ ہوگئے اور تشویش سے بولے۔

''کیا بات ہے جانم..... طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری..... تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی ہو۔''

میرا تو جی چاہا اس مکار آدمی کا منہ نوچ لوں..... لیکن جلدی سے خود پر قابو پا کر بولی۔

''ہاں..... صبح سے طبیعت کچھ سست سی ہے..... چکر آرہے ہیں۔''

''لیکن مما.....'' عنیزہ منہ پھلا کر بولی۔ ''میں نے تو سوچا تھا کہ ہم سب پارک جائیں گے۔ میرے فرسٹ آنے کی خوشی میں..... وہاں خوب مزے کریں گے..... برگر کھائیں گے اور جھولے لیں گے۔''

''پھر کبھی سہی بیٹا.....'' رضوان جلدی سے بولے۔ ''دیکھو تو مما کا رنگ کیسے پیلا پڑ رہا ہے۔ عینی..... تم پر کام کا بوجھ بہت زیادہ ہے شاید اسی لیے تمہاری طبیعت خراب ہوگئی ہے۔''

''نہیں..... تم عنیزہ کی خوشی خراب نہ کرو..... اسے اور علی کو پارک لے جاؤ..... میں آرام کرلوں تو طبیعت بہتر ہوجائے گی' طبیعت میرا جی چاہ رہا تھا کہ یہ شخص میری نظروں سے دور ہوجائے۔ علی اور عنیزہ جانے کی ضد کرنے لگے تو رضوان مجھے آرام



www.pklibrary.com

کی تلقین کرتے ہوئے انہیں ساتھ لے کر چلے گئے۔
ان کے جانے کے بعد میں کچن میں آگئی اور منہ میں دوپٹا ٹھونس کر رونے لگی، اس شخص نے کیسے میرے پاکیزہ جذبوں کا مذاق اڑایا تھا۔ جانے کب سے مجھے دھوکا دے رہا تھا اور میں بیوقوف محبت کے نام پر لٹ رہی تھی..... ماسی غفوراں کی بات پر مجھے کتنا شدید غصہ آیا تھا۔ مجھے ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا کہ محلے والے سچ بھی کہہ سکتے ہیں، ظاہر ہے دھواں وہاں سے ہی اٹھتا ہے جہاں آگ لگی ہو۔ میرا اندھا اعتماد مجھے کچھ بھی غلط سوچنے نہیں دے رہا تھا۔ خوب اچھی طرح رونے سے آنسوؤں کے دریا بہانے سے، میرے دل کا بوجھ قدرے ہلکا ہوگیا۔ محبت تو لٹ چکی تھی لیکن اپنے گھر کو تو بچانا تھا۔ اپنے بچوں کے سر سے سائبان کو تو اکھاڑ کر نہیں پھینک سکتی تھی..... صرف اپنی انا کی خاطر..... نہیں..... انا کو ہی مارنا ہوگا..... خود کو اپنے ہی قبرستان میں دفن کرنا ہوگا۔ میں واش روم میں گئی اور صابن سے اپنا چہرہ کتنی بار دھویا..... دونوں چھوٹے بچے آپس میں کھیل رہے تھے اور ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کر رہے تھے..... رضوان شام گئے بچوں کے ہمراہ واپس آئے تو میں اپنے بازو اپنی آنکھوں پر رکھ کر سوتی بن گئی۔ اس شخص کی شکل دیکھنے کو بھی میرا من نہیں کر رہا تھا۔ لیکن مجھے بھی ان کی طرح ہی اداکاری کرنی تھی۔ وہ مجھ سے محبت کرنے کی اداکاری کر رہے تھے جبکہ مجھے یہ اداکاری کرنی تھی کہ میں ان کا اصلی چہرہ نہیں جانتی..... سو میں بچوں سے پارک کے بارے میں باتیں کرنے لگی۔ وہ بڑے جوش سے سارے قصے بتانے لگے اور میں ہنس، ہنس کر ان سے سوال جواب کرنے لگی..... رضوان مجھے نارمل حالت میں دیکھ کر مطمئن ہوگئے۔

صبح روٹین کے مطابق رضوان چلے گئے..... بچے اسکول چلے گئے، میں نے چھوٹے بچوں کو کھلایا پلایا اور انہیں واپس سلا کر ماسی غفوراں کو بلایا۔ وقت ضائع کیے بغیر میں نے ماسی سے کہا۔

''ماسی جو میں آپ کو بتانے والی ہوں اس کے بارے میں آپ کوئی سوالات نہیں کریں گی.....'' ماسی حیرت سے میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ لیکن میری سنجیدگی دیکھ کر انہیں زیادہ کرید کی ہمت نہیں ہوئی اور تب میں نے انہیں بتایا کہ ہم یہاں سے شفٹ ہو رہے ہیں..... وہ ہکا بکا رہ گئیں۔

''لیکن کیوں.....؟'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔

''ماسی..... میرا اس محلے سے دل بھر گیا ہے، کیسے، کیسے بے بنیاد الزامات لگائے ہیں ان لوگوں نے رضوان پر۔''

''ارے..... وہ ایک مثل ہے ناں کہ کتے بھونکتے رہتے ہیں اور مسافر اپنی راہ لگ جاتے ہیں..... یعنی پروا نہیں کرتے۔'' ماسی بولیں۔ ''بس تم بھی پروا نہ کرو۔ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے بچی..... یہ بات خود بخود ختم ہو جائے گی۔'' میرے دل سے ہوک سی اٹھی۔ ''کاش یہ بات جھوٹ ہوتی.....'' میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے سوچا۔

''ماسی..... بھونکنے والے کتے کبھی کبھی کاٹ بھی لیا کرتے ہیں اور میں ایسی نوبت نہیں لانا چاہتی..... کیا خبر اسی بات کو لے کر کل کلاں کو محلے والوں اور رضوان کا کوئی سیریس قسم کا جھگڑا ہو جائے۔ خیر..... یہ سب چھوڑیں۔ جب فیصلہ ہوگیا تو... ہوگیا۔ بس آپ محلے والوں سے رازداری رکھیں۔ کسی کو ہماری نئی رہائش کے بارے میں معلوم نہیں ہونا چاہیے۔ میں یہاں سے جا کر کسی سے راہ و رسم نہیں رکھنا چاہتی..... اور رہیں آپ..... تو آپ سے جیسے بھی ممکن ہو ملنے آتی رہوں گی..... لیکن میرے کچھ کام کرنے ہوں گے آپ کو.....؟''

''میرا تو دل ہول رہا ہے بچی تمہاری جدائی کے خیال سے.....'' ماسی بھرائی آواز میں بولیں۔ ''لیکن ماں ہونے کے ناتے میں تمہارے سارے کام پوری ذمے داری سے کروں گی..... تم بتاؤ تو..... اب تم نے فیصلہ کرلیا ہے تو میں کیسے تمہیں روک سکتی ہوں۔'' میرا



www.pklibrary.com

خود دل بھر آیا تھا ماسی میری ماں جیسی بنی تھیں اور ایک ماں کی طرح ہی میرا خیال رکھتی تھیں۔ انہیں چھوڑ کر جانا آسان نہیں تھا لیکن اب تو زندگی میں آسانیاں ختم ہو چکی تھیں..... میں نے خود کو قابو میں کیا اور کہنے لگی۔

''ماسی..... مالک مکان دو چار دن تک کرایہ لینے آئے گا..... اس کے پاس ہماری سیکیورٹی کے پیسے پڑے ہیں۔ وہ اپنا کرایہ اسی رقم سے کاٹ لے گا..... آپ چابیاں اسے دے دیجیے گا..... اور قاسم بھائی سے کہیے گا کہ کوئی پک اپ وغیرہ لا کر یہ بڑا، بڑا سامان ابھی اٹھالیں.....''

''ابھی.....؟'' ماسی حیرت کی انتہا پر تھی۔

''جی ابھی.....'' میں نے ان سے نظریں چرائیں۔

''ویسے بھی ہمارے ہاں زیادہ سامان نہیں ہے..... ہم رات کو اندھیرے میں نکلیں گے۔ میں نہیں چاہتی کہ محلے والوں کو بھنک بھی پڑے۔ آپ اور قاسم بھائی بات سنبھال لیجیے گا.....'' وہ کچھ کہے بنا جانے کے لیے اٹھیں تو میں لاڈ سے ان کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے بولی۔

''ماسی..... آپ سے ایک اور بات بھی منوانی ہے۔''

''ہاں..... کہو.....'' وہ اب بھی جذباتی کیفیت سے گزر رہی تھیں۔

''ماسی..... یہ ہمارے ساتھ والے ہمسائے ہیں ناں..... کلثوم آپا۔''

''ہاں..... کیا ہوا انہیں.....'' ماسی غفوراں دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھیں پونچھتی ہوئی بولیں۔

''ماسی..... ان کی بیٹیوں جبیں اور نسرین کے لیے جلد سے جلد اچھے سے رشتے ڈھونڈ لیجیے..... پلیز ماسی..... کلثوم آپا کو بہت فکر ہے اپنی بیٹیوں کی۔ چاہے وہ دوہاجو ہی کیوں نہ ہوں۔'' میں بیچی لہجے میں بولی۔

''آپ پہلے بھی محلے میں رشتے کروا چکی ہیں.....''

''ارے ہاں..... وہ تو بس ثواب کی خاطر کرائے تھے ایک دو لڑکیوں کے رشتے..... ورنہ میں کوئی وچولن تھوڑی ہوں.....''

''وہی ناں ماسی..... یہ بھی ثواب ہی کا کام ہے..... عورتوں والا گھر ہے، مجھے افسوس ہے کہ ابھی تک یہ بات ہمارے ذہن میں آئی کیوں نہیں۔ لیکن خیر..... اب بھی وقت ہمارے ہاتھ میں ہے۔ آپ پلیز پہلے بڑی دونوں لڑکیوں کے رشتے کرائیں..... تیسری ابھی چھوٹی ہے۔''

''کوشش کروں گی بیٹا.....'' ماسی غفوراں ٹھنڈی سانس لے کر بولیں۔ کچھ دیر میں اور ماسی اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے پھر وہ چلی گئیں۔ جلد ہی قاسم بھائی وین لے کر آگئے اور جو بڑا سامان تھا وہ مزدوروں کی مدد سے لے کر چلے گئے..... میں نے کاغذ پر خالہ کا ایڈریس لکھ کر دیا جو قاسم بھائی نے وین والے کو دے دیا۔ گھر سے بڑا سامان نکل گیا تو گھر خالی رہ گیا۔ چھوٹے بچے جو اب اٹھ چکے تھے انہیں میں نے کھیل میں الجھا لیا اور خود الماری کھول کر اس سے کپڑے نکال کر بکسوں میں رکھنے لگی اس دوران بچے اسکول سے آگئے۔ وہ حیران، حیران سے خالی گھر کو دیکھنے لگے۔

''مما..... ہم کہیں جا رہے ہیں کیا.....؟'' عنیزہ نے پوچھا۔

''ہاں بیٹا..... ہم خالہ جان کے ساتھ والے گھر میں شفٹ ہو رہے ہیں۔ بس..... تم دونوں اپنے کپڑے اور بکس وغیرہ ان کارٹن میں رکھ دو، شاباش بچو! ہری اپ..... میری مدد کرو..... جلدی۔'' بچے تو کام میں مگن ہو گئے نئی جگہ جانے کی خوشی تھی سو انہوں نے زیادہ سوال جواب نہیں کیے اسی دوران جبیں آگئی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ بولتی ہوئی آرہی تھی لیکن ٹھٹک کر اپنی جگہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی..... وہ حیران، حیران نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ کبھی خالی کمرے کو دیکھتی، کبھی مجھے دیکھتی۔

''باجی یہ کیا کر رہی ہیں آپ..... اور..... سامان کہاں گیا آپ کا.....'' بڑی دیر بعد وہ بولی۔

''ہم یہاں سے شفٹ ہو رہے ہیں جبیں.....'' میں اطمینان سے بولی۔

''شفٹ..... کیا کہہ رہی ہیں آپ.....؟ آپ



www.pklibrary.com

ہمیں چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہیں..... اور..... آپ نے بتایا بھی نہیں ہمیں....."

"بس جبیں..... اچانک ہی پروگرام بن گیا..... اور جبیں تمہارا بہت، بہت شکریہ..... تم نے میری بہت مدد کی۔ ہر کام میں، ہر بات میں..... لیکن اب تم جاؤ اور اپنی ماں کا ہاتھ بٹاؤ..... انہیں تمہاری بہت ضرورت ہے۔" اتنا کہہ کر میں پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ جبیں ضبط کی کن منزلوں سے گزر رہی تھی میری اس کی طرف پیٹھ تھی سو مجھے اس کے چہرے کے تاثرات نظر نہیں آرہے تھے۔ بڑی دیر بعد مجھے اس کے قدموں کی چاپ سنائی دی، وہ اپنے گھر چلی گئی تھی۔

اب ایک آخری مرحلہ باقی تھا اور وہ رضوان کی آمد تھی..... اور یہ سب سے سخت مرحلہ تھا۔ ابھی میں سامان کی پیکنگ کو آخری ٹچ دے رہی تھی کہ رضوان آگئے۔ انہوں نے شدید حیرت سے ساری صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ خالی کمرے بھائیں، بھائیں کر رہے تھے۔ کمرے کے بیچوں بیچ چھوٹے بڑے بیگز اور کارٹن سامان سے بھرے پڑے تھے۔ دونوں چھوٹے بچے پلنگ نہ ہونے کی وجہ سے زمین پر بیٹھے اپنے کھلونوں سے کھیل رہے تھے۔ عنیزہ اور علی اپنی بکس اور دوسرے چیزوں کی پیکنگ کر رہے تھے۔

"یہ..... یہ سب کیا ہے عینی؟" رضوان تھوک نگل کر بڑی مشکل سے اٹک، اٹک کر بولے..... شاید انہیں بولنے میں بھی تکلیف ہو رہی تھی۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز تر ہوگئی تھیں لیکن میں نے ان پر ظاہر نہیں کیا..... مصروف انداز میں بولی۔

"ہم یہاں سے شفٹ ہو رہے ہیں رضوان..... خالہ کے ساتھ والے گھر میں....."

"کیا کہہ رہی ہو....." وہ تیز آواز میں بولے۔ "یعنی مجھ سے پوچھے بغیر..... میری مرضی جانے بغیر تم نے شفٹنگ کا فیصلہ کرلیا۔ اتنا بڑا فیصلہ..... اور وہ بھی تم نے اکیلے کیا....." وہ بے یقینی سے مجھے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"مجبوری تھی رضوان....." میں اسی مصروف انداز میں بولی۔ "میں نے دو بار فون کرنے کی کوشش کی لیکن آپ کا فون نہیں ملا..... بس اس لیے مجھے یہ فیصلہ اکیلے کرنا پڑا۔"

"کیوں....." وہ چیخے۔ "کیا مجبوری تھی، مجھے بتاؤ بولو۔"

"رضوان....." میں رسان سے بولی۔ "محلے والے ہمارے گرد گھیرا تنگ کر رہے تھے۔ اگر میں یہ قدم نہ اٹھاتی تو وہ مالک مکان سے کہہ کر ہمیں بے عزت کر کے اس گھر سے نکال دیتے۔ اور جو عزت ہم نے برسوں میں کمائی ہے وہ پل بھر میں دو کوڑی کی ہو کر رہ جاتی۔"

"محلے والوں کی ایسی کی تیسی.....!" وہ چیخ کر بولے۔ "جب میں نے کچھ کیا ہی نہیں تو ڈرنے کی کیا ضرورت ہے..... اور رہیں تم..... تو، تو تم تو ڈرنے والی بندی نہیں ہو..... کیا ہوگیا تمہیں....." وہ شک بھری نظروں سے مجھے گھورنے لگے۔

"اپنی عزت بچانے کے لیے یہ قدم اٹھانا ناگزیر تھا رضوان..... ہم بے گناہ تھے لیکن ہم دو تھے جبکہ دوسری طرف پورا محلہ تھا۔ ہم کس، کس کو اپنی بے گناہی کا احساس دلاتے..... دوسری طرف خالہ کے ساتھ والا گھر بھی ہاتھوں سے نکل جاتا..... پھر ہم کہاں جاتے، بولیں..... بس میری سمجھ میں جو آیا میں نے اس پر عمل کر دیا..... قاسم بھائی کے ہاتھوں بڑا سامان وہاں بھجوا دیا..... اور ابھی رات کو خالہ اپنی گاڑی بھیج رہی ہیں..... اس میں ہم چلے جائیں گے۔ سامان زیادہ ہوگا تو خالہ کی گاڑی دو تین پھیرے کر لے گی۔"

"عینی، عینی..... تم سمجھتی نہیں..... خالہ کا علاقہ پوش علاقہ ہے، ہم وہاں رہنا افورڈ نہیں کر سکتے....." رضوان بے انتہا پریشانی سے بولے۔ میں اندر ہی اندر طنزیہ مسکرا دی۔

"ہاں دوسری شادی افورڈ کر سکتے تھے جو ساری عمر کا خرچہ تھا اور خیر....." میں نے سوچا۔

"آپ فکر نہ کریں..... خالہ نے اپنی دوست سے جو مالک مکان ہے سے بات کر لی ہے..... وہ کرایے میں کمی پر تیار ہیں۔ کچھ ایڈوانس بھی نہیں دینا



www.pklibrary.com

پڑے گا۔رضوان.....آپ مزید دماغ پر زور نہ ڈالیں.....اور فریش ہوجائیں، میں چائے بناتی ہوں۔ساتھ میں کچھ کھالیں گے۔کھانا خالہ نے تیار کیا ہوا ہے.....رات کا کھانا ہم وہیں کھائیں گے۔"

"اتنی ایمرجنسی کی ضرورت کیا تھی عینی.....؟" رضوان پھر بھڑک اٹھے۔"ہم یہ فیصلہ آرام سے باہمی صلاح ومشورے سے بھی کرسکتے تھے۔"

"ہاں.....لیکن خالہ کے ساتھ والے گھر کے ... بے شمار امیدوار تھے۔اور خالہ چاہتی تھیں کہ ہم آج ہی وہاں شفٹ ہوجائیں۔" میں نے زبردستی رضوان کو واش روم جانے کے لیے آمادہ کیا اور چائے بناتے ہوئے بار، بار خدا کا شکر ادا کرتی رہی کہ یہ کٹھن مرحلہ بھی بخیر وخوبی گزر گیا۔

☆☆☆

آگے کے حالات قدرے بہتر ہوتے گئے۔ خالہ کا علاقہ پوش علاقہ تھا یہاں بچے بہت خوش تھے کبھی اپنے گھر اور کبھی خالہ کے ہاں پائے جاتے۔میں بھی بہت خوش تھی بس رضوان خوش نہیں تھے۔خاموش، خاموش سے گم صم رہنے لگے تھے آفس سے آتے تو اٹوائی کھٹوائی لے کر پڑے رہتے۔کھانا بھی ان کا برائے نام رہ گیا تھا۔پہلی جیسے ہنسی مذاق اور چہلیں جیسے خواب کی بات ہو کر رہ گئی تھیں..... اور چہل قدمی تو ختم ہی ہوچکی تھی جبکہ یہاں تو سامنے پارک بھی تھا۔بچوں سے بھی پہلے جیسا پیار نہیں کرتے تھے چھوٹی، چھوٹی بات پر انہیں جھڑک دیا کرتے تھے۔میں یہ سب اگنور کردیا کرتی مگر اپنے رویے میں کوئی فرق نہیں لائی ..... ان کی چھوٹی، چھوٹی ضرورتوں کا پہلے سے زیادہ خیال رکھتی تھی۔ وقت میرے حساب سے بہت اچھا گزر رہا تھا بس رضوان کا رویہ مجھے بہت افسردہ کردیتا۔یہ بات میں خالہ سے کہہ سکتی تھی نہ ماسی غفوراں کو حقیقت بتا سکتی تھی۔یہ درد میرا اپنا تھا، مجھے ہی سہنا تھا۔میں نے رضوان سے محبت کی تھی اور اسی محبت کی مجھے لاج رکھنی تھی.....اور اسی محبت کا تقاضا تھا کہ میں اس کا پردہ رکھتی.....اور یہی میں کررہی تھی۔

☆☆☆

اس دن شام کو میں ماسی غفوراں سے ملنے چلی گئی..... جب سے ہم نئے مکان میں شفٹ ہوئے تھے میں ایک بار بھی ان سے ملنے نہیں جاسکی تھی.....ماسی مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں وہ بار، بار مجھے گلے لگا کر پیار کرتیں۔

"اچھی بیٹی ہو.....ملنے آتی ہو نہ مجھے ایڈریس دیتی ہو کہ میں آسکوں....." وہ شکوے شکایات کرنے لگیں..... میں ان کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے بولی۔

"اب بس کیجیے ناں ماسی.....آتو گئی ہوں آپ سے ملنے۔" گھر میں خاموشی دیکھ کر میں بولی۔

"ماسی..... ہوش اور بچے کہیں گئے ہیں کیا.....؟

"ہاں..... ہوش کی ماں بیمار تھی.....وہ اور قاسم بچوں کو لے کر وہیں گئے ہیں..... رات کو واپس آجائیں گے....." پھر وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

"میں تمہارے لیے چائے بناتی ہوں.....پھر تمہیں ایک خوش خبری بھی سنانی ہے۔" میں ابھی خوش خبری کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ ماسی ٹرے میں دو کپ چائے اور ساتھ بسکٹ لیے آگئیں۔

"ماسی.....کیسی خوشخبری سنانا چاہتی ہیں آپ....." چائے کا سپ لے کر میں بولی۔

"تم نے کلثوم کی بیٹیوں کے رشتے کے بارے میں مجھے تاکید کی تھی ناں....."

"ہاں، ہاں ماسی.....اور میں ابھی آپ سے یہی پوچھنا چاہتی تھی کہ اس سلسلے میں آپ نے کیا، کیا....." میں بے چینی سے پوچھنے لگی۔

"تمہارا کام ہو اور میں نہ کروں....." ماسی اپنائیت سے بولیں۔"وہ میں نے کردیا۔"

"کک.....کیا.....؟" میرا منہ تک جاتا ہاتھ جیسے ہوا میں معلق ہوکر رہ گیا۔

"کیا کہہ رہی ہیں ماسی..... کیا آپ نے ان کی بیٹیوں کا رشتہ طے کردیا....." میری بے چینی دیدنی تھی۔

"ابھی فی الحال تو بڑی کا رشتہ طے کیا ہے.....ابھی



www.pklibrary.com

میرے پاس رشتوں کی لائن تو نہیں لگی کہ پٹ سے دونوں بیٹیوں کا رشتہ طے کر دیتی۔'' ماسی ہنس کر بولیں۔

''ماسی..... اچھی جگہ رشتہ طے ہوا ہے ناں..... جبیں کا۔ بولیے ناں ماسی.....'' میں بے قراری سے بولی۔

''ارے ہاں، ہاں میں کیوں غلط جگہ رشتہ کرانے لگی..... بیچ میں تمہاری بات تھی۔ بھلا بیٹیوں کے ساتھ کچھ ایسا ویسا کیا جاتا ہے کیا.....'' ماسی دانتوں سے بسکٹ کترتے ہوئے بولیں۔

''تفصیل بتایئے ناں ماسی..... لڑکا کیا کرتا ہے..... کون لوگ ہیں کیسے لوگ ہیں.....؟'' میں سوال پر سوال کر رہی تھی۔

''ارے، چھری تلے دم تو لینے دے لڑکی..... کیوں اتاؤلی ہوئی جا رہی ہے۔'' چائے کی چسکی لے کر ماسی نے پیالی پرچ میں رکھی اور بولیں۔ ''لڑکا سرکاری دفتر میں ملازم ہے..... اچھا خوش شکل ہے، گھر بار اپنا ہے، یہ ساتھ والا محلہ ہے ناں اسی میں رہتے ہیں..... باپ تو فوت ہو چکا ہے..... ماں ہے اور دو بہنیں ہیں۔ بہنوں کی تو پچھلے سال آگے پیچھے شادیاں ہو گئیں..... اب ماں جلد سے جلد بہو لانے کی خواہش مند تھی، میرا ان کے ہاں آنا جانا تھا۔ تم نے بات کی تو میرے ذہن میں اسی لڑکے جمال کا خیال آیا..... اور جب میں نے جا کر اس کی ماں سے بات کی تو ماں لڑکی دیکھنے کے لیے فوراً تیار ہو گئی۔''

''پھر..... پھر ماسی.....'' میں بے تابی سے بولی۔

''میں نے پہلے کلثوم سے جا کر بات کر لی..... اس پر تو جیسے شادیِ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ لگی میرے ہاتھ چومنے..... کہنے لگی کہ بس اس کی ایک ہی خواہش ہے کہ اس کی زندگی میں بیٹیاں اپنے گھروں کی ہو جائیں۔''

''وہ ماسی..... جبیں کا کیا ردِعمل تھا؟'' میں نے ڈر، ڈر کر پوچھا۔

''سنو تو.....'' ماسی مزے لے کر بولیں۔ ''اس وقت تو جبیں اندر تھی میں تو بات کر کے آ گئی۔ اگلے دن جمال اور اس کی ماں دونوں کو لے کر ان کے گھر چلی گئی کہ اچھا ہے کہ لڑکا، لڑکی کو دیکھ لے اور لڑکی، لڑکے کو.....''

ماسی نے پھر سے چائے کا کپ اٹھا کر گھونٹ بھرا۔

''ماسی..... چائے رہنے دیں پہلے مجھے پوری بات بتائیں.....'' میرے لیے اب انتظار کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

''بتا تو رہی ہوں..... چائے بھی پینے دو..... ٹھنڈی ہو رہی ہے..... ہاں تو..... یہاں لڑکا بن ٹھن کر گیا تھا اور وہاں جبیں ایسی دلہن بنی بیٹھی تھی جیسے آج ہی اس کی شادی ہو رہی ہو.....''

''کیا سچ ماسی.....؟'' میں سانس روک کے بول رہی تھی۔

''ارے تو کیا جھوٹ بولوں گی..... اور وہ ادائیں دکھا رہی تھی کہ مجھ بوڑھی کو بھی شرم آنے لگی۔''

''ارے ماسی..... جبیں ادائیں دکھا رہی تھی؟'' میں حیران ہو کر بولی۔

''ارے تو کیا میں دکھا رہی تھی۔''

''نن..... نہیں ماسی..... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' میں گڑبڑا کر بولی۔

''پھر کیا ہوا.....؟''

''سب کچھ آرام سے ہو گیا..... کلثوم نے تو سمجھو فیکے کی ساری بیکری لا کر میز پر رکھ دی تھی۔ (فیکے کی محلے میں بیکری تھی) میز یہاں سے وہاں تک بھری پڑی تھی۔''

''تو ہاں ہو گئی ماسی..... میرا مطلب ہے دونوں طرف سے۔'' مجھے انجام کے بارے میں جاننے کی جلدی تھی۔

''بس لڑکے کو ایک اعتراض تھا۔'' ماسی منہ بنا کر بولی۔

''اعتراض؟'' میری سانسیں پھر سے رکنے لگیں۔

''کیسا اعتراض.....؟'' میں کمزور آواز میں بولی۔

''یہی کہ لڑکی خوب صورت تو ہے..... پر موٹی بہت ہے.....'' ماسی کی بات پر میرے پسینے چھوٹنے لگے۔

''تو گویا بات نہیں بنی.....؟'' میں مایوسی سے بولی۔

''ارے تیری ماں ایک کام میں ہاتھ ڈالے اور وہ نہ بنے..... ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے کوئی لگی لپٹی نہیں رکھی..... لڑکے، لڑکی کو سامنے بٹھایا اور لڑکی سے کہہ دیا کہ بھیا خود کو پتلا کرو گی تو یہ لونڈا بیاہ کر لے گا تم سے..... کیونکہ اسے تمہارے موٹاپے پر اعتراض ہے۔''

''پھر..... پھر اس نے کیا کہا.....؟'' اب کے تو میری بے قراری انتہا پر تھی۔



www.pklibrary.com

ماسی ہنس دیں اور بولیں۔ ''جبیں شرما کر کہنے لگی۔ ''میں چند مہینوں میں اپنا وزن کم کر لوں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

''یہ..... یہ کہا جبیں نے؟'' میں آنکھیں پھاڑ کر حیرانی سے بولی تو ماسی سر اثبات میں ہلا کر بولیں۔

''ارے ہاں یہی کہا..... اور بس..... بات بن گئی۔ شادی کی تاریخ تک مقرر ہوگئی۔ اگلے ماہ کی 7 تاریخ طے پائی ہے۔ دونوں پارٹیاں بہت خوش ہیں اور دونوں گھرانے میرے احسان مند بھی.....'' ماسی سینہ پھلا کر فخر سے بولیں تو میں ان کے گلے لگ گئی اور ان کے گالوں کے چٹاخ، پٹاخ کئی بوسے لیے۔

''میں سب سے زیادہ احسان مند ہوں آپ کی۔''

اس دن میں ماسی کے گھر سے خوشی، خوشی واپس آ گئی۔

وقت کا کام ہے گزرنا اور وہ گزرتا چلا جاتا ہے۔ رضوان بالکل بھی پہلے جیسے نہیں رہے تھے..... کسی کام..... کسی بات میں دلچسپی نہیں لیتے۔ کمرے میں اندھیرا کیے اداس گانے سنتے رہتے..... بچے حیران تھے کہ ان کے بابا کو کیا ہوگیا ہے۔ خالہ بھی اکثر کہتی رہتیں کہ رضوان پہلے تو ایسا نہیں تھا..... بڑا ہنس مکھ اور جولی ہوا کرتا تھا۔ میں یہی جواب دیتی کہ ان پر کام کا بوجھ زیادہ ہے۔ تھک جاتے ہیں، وغیرہ، وغیرہ۔

ماسی سے پتا چلا کہ جبیں کی شادی ہوگئی ہے انہوں نے نسرین کے لیے بھی ایک اچھا رشتہ ڈھونڈ لیا تھا اور آج کل اسی کی بات چیت دونوں گھرانوں کے بیچ چل رہی تھی۔ میں یہاں اپنی تعریف تو نہیں کروں گی لیکن ان دنوں خدا نے مجھے غضب کا صبر اور حوصلہ دیا تھا۔ میں اسی طرح رضوان کا خیال رکھتی، ان کے کپڑوں کا، کھانے پینے کا..... ایک بار انہیں موسمی بخار ہوگیا تھا تو میں نے تن من سے ان کی خدمت کی۔ ان کے سر میں ساری رات درد رہتا اور میں ساری رات ان کا سر دباتی رہتی۔ انہیں قہوے اور جوشاندے بنا، بنا کر پلاتی، کوئی پانچ دن وہ بیمار رہے اور میں جیسے اپنی سدھ بدھ بھلا بیٹھی تھی۔ اس دن وہ خود کو اچھا محسوس کر رہے تھے، میں انہیں سوپ پلا کر اٹھ رہی تھی کہ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

''عینی.....'' وہ بھرائی آواز میں بولے۔

''تم بہت اچھی ہو..... اور میں بہت برا..... مجھے معاف کر دو گی ناں.....''

''آپ کو معافی کی کیا ضرورت پڑ گئی ہے..... آپ نے ایسا کیا، کیا ہے.....؟'' میں انجان بن کر بولی۔

''یہ نہ پوچھو..... بس..... مجھے معاف کر دو.....'' ان کا لہجہ ملتجی ہوگیا۔

''لو.....'' میں ہنس پڑی..... ''میں نے معاف کر دیا..... اب خوش ہیں آپ.....''

''بہت خوش..... میں آج بالکل ٹھیک ہوں..... تم بچوں کو تیار کرو خود بھی تیار ہو جاؤ..... ہم آج ڈنر بھی باہر کریں گے۔''

''نہیں..... آج آپ ریسٹ کریں گے..... کل ڈنر پر جائیں گے۔''

''جیسا تم کہو.....'' رضوان نے بڑی محبت سے کہا۔

اگلے دن ہم سب مل کر باہر گئے..... ہم نے باہر ڈنر کیا۔ رضوان نے بچوں کو ان کی مرضی کی شاپنگ بھی کرائی۔ رات گئے ہم گھر واپس آئے اس دن کے بعد رضوان پھر سے پہلے جیسے بن گئے۔ وہی محبتیں وہی بزلہ سنجی، ہنسی مذاق، بچوں کے ساتھ دھما چوکڑی..... لگتا ہی نہیں تھا کہ ان کی زندگی میں کوئی ایسا وقت آیا تھا جب ان پر اداسی کا، دکھ کا، مایوسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ اور رہی میں..... تو میں نے ان کا وہ روپ بھی سہہ لیا تھا..... اور اب تو خوش ہوں کہ خدا نے انہیں مجھے واپس لوٹا دیا ہے یہ شاید میرے صبر کا انعام ہے..... اب سب کچھ ٹھیک ہو رہا ہے۔ ماسی کہتی ہیں کہ جبیں اپنے شوہر کے ساتھ بہت خوش ہے۔ گویا اب کچھ بھی غلط نہیں..... لیکن ایک پھانس سی دل میں چبھی ہوئی ہے..... اور یہ پھانس کوئی نہیں نکال سکتا یہ ہمیشہ دل میں چبھتی رہے گی..... یہ پھانس رضوان کی بے وفائی کی پھانس ہے..... اور میں اسے بالکل بھی باہر نکالنے پر قادر نہیں ہوں۔

❁❁❁



www.pklibrary.com

سلسلے وار ناول

# میں عشق ہوں

نایاب جیلانی

عشق، محبت، الفت، چاہت، انسیت، لگاؤ، پیار، اپنائیت... اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ حسین جذبے... کہیں یہ پھول برساتے ہیں، زندگی مہکاتے ہیں، سانسوں کو معطر کرتے ہیں، لبوں کو ترنم بخشتے ہیں، تاریک راہوں کو منور کرتے ہیں اور کبھی، کبھی یہ مردہ ہوتے وجود میں زندگی کی نئی لہر بھی دوڑاتے ہیں... غرضیکہ انسانی حیات انہی جذبوں کی مرہونِ منت ہے... لیکن یہی جذبے کبھی عمر بھر کی تلاش کا حاصل ہوتے ہیں اور کبھی ریت کے ذروں کی طرح ہاتھ سے پھسلتے چلے جاتے ہیں اور انسان تہی داماں رہ جاتا ہے... اسی حاصل اور لاحاصل کے گرد گھومتی حساس جذبوں کی آئینہ دار ایک دلکش و دل پزیر تحریر

ابھی تو عشق میں ایسا بھی حال ہونا ہے
کہ اشک روکنا تم سے محال ہونا ہے

ملیں گی ہم کو بھی اپنے نصیب کی خوشیاں
بس انتظار ہے کب یہ کمال ہونا ہے

ہر ایک شخص چلے گا ہماری راہوں پر
محبتوں میں ہمیں وہ مثال ہونا ہے

وصی یقین ہے مجھ کو وہ لوٹ آئے گا
اسے بھی اپنے کیے کا ملال ہونا ہے

www.pklibrary.com

www.pklibrary.com

## گزشتہ اقساط کا خلاصہ

عمائم عالمہ بن رہی تھی، وہ اور عالی جامعہ میں ایک ساتھ پڑھتی تھیں۔ عمائم کو آج کل کچھ کال اور ایس ایم ایس آرہے تھے جو اس کی زندگی میں آنے والے ہر حادثے کی پیشگی اطلاع دے دیتے تھے، عمائم بچپن سے دیکھتی آئی تھی اُسے دو لوگوں سے چھپایا جاتا تھا۔ بابا صاحب اور امو جان اور تیسری شخصیت دادی پھپھو۔ بابا صاحب کا گھرانا مشترکہ خاندانی نظام کے تحت چل رہا تھا۔ امو، عمائم سے کہتی ہیں کہ ایمان کبھی اس کا نہیں ہوگا۔ امی، احتشام اور اذان میں دوریاں چاہتی تھیں لیکن وہ دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ وہ چاہتی ہیں کہ ماہم کا رشتہ احتشام کے لیے مانگ لیں لیکن وہ کہتا ہے کہ ضرور مانگیں مگر اذان کے لیے۔ بسمہ چاچی، عمائم کو کہتی ہیں کہ تمہیں دیکھ کر اپنے خسارے یاد آتے ہیں۔ بسمہ چاچی بعد میں عمائم سے معافی مانگتی ہیں کہ یہ دن ہی ایسا ہے شاید تو وہ پوچھتی ہے آج کیا دن ہے تو بسمہ چاچی کہتی ہیں جیل والوں کی ملاقات کا دن۔ جس پر عمائم دنگ رہ جاتی ہے کیونکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ جیل میں کون ہے۔ عمائم، نورس کے ساتھ ثریم کے گھر تقریب میں جاتی ہے تو نورس اسے چھوڑ کر چلی جاتی ہے ایک لڑکی عمائم کو ایک پارسل دیتی ہے کہ یہ نوٹس ہیں تم نورس کو دے دینا۔ پولیس راستے میں گاڑی روکتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ میں ایس پی اذان کی کزن ہوں تو آفیسر اس سے معذرت کر لیتے ہیں۔ گھر واپس آتی ہے تو اس کے پاس میسج آتا ہے کہ منع کیا تھا ناں جانے سے۔ صبح عمائم کے کمرے سے وہ پیکٹ غائب تھا۔ کرن، عمائم کو بتاتی ہے کہ جب وہ مہندی کی رات عمائم کو پیکٹ دے کر واپس آئی تو ٹیرس پر اس نے نورس کو دیکھا تھا وہ کسی ضروری کام سے نہیں گئی تھی۔ امو، حریم کو بتاتی ہیں کہ عمائم کی وجہ سے ایمان ان سے بات نہیں کر رہا، ان کی یہ بات ماہم سن لیتی ہے اور کہتی ہے کہ آج ایمان تو کل کوئی اور بھی عمائم کے لیے کھڑا ہوگا۔ ثریم بتاتی ہے کہ کرن اغوا ہوگئی ہے۔ عمائم، نورس سے کہتی ہے کہ کرن اغوا ہوگئی۔ وہ بے قصور تھی تو نورس کہتی ہے کہ تمہیں کیا پتا کہ وہ بے قصور تھی یا گناہ گار..... عمائم، اُمِ رومان کو جو اسے کھانا دینے آتی ہے باتھ روم میں بند کر کے باہر نکلتی ہے اور ایک لڑکی سے بات کر کے اپنا گاؤن اور کارڈ چینج کر کے جامعہ سے باہر نکل آتی ہے۔ عمائم کے پاس میسج آتا ہے تو وہ اپنی الماری میں دیکھتی ہے تو کپڑوں کے نیچے سے وہ پیکٹ مل جاتا ہے۔ عمائم اس پیکٹ کو کھول کر دیکھتی ہے لیکن ان عجیب سی چیزوں کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ عمائم، نورس سے ملنے جاتی ہے تو نورس اس کی بہت تعریف کرتی ہے اور اسے آفر کرتی ہے کہ اگر وہ نورس کے ساتھ کام کرے گی تو وہ اسے جامعہ کی ایڈمنسٹریٹر بنا دے گی اور اس کو وہ کلپ دکھاتی ہے کہ کس طرح وہ جامعہ سے بھاگ نکلی تھی۔ عمائم کہتی ہے میں اتنی بھاری ذمے داری نہیں اٹھا سکتی..... عمائم، نورس کو بتاتی ہے کہ وہ پیکٹ مل گیا ہے لیکن پیکٹ سے برآمد چیزیں دیکھ کر وہ کہتی ہے کہ یہ سامان بدل گیا ہے۔ عمائم کہتی ہے کہ میں نے نہیں کیا تو وہ اسے خبردار رہنے کو کہتی ہے اور کہتی ہے کہ راشن ڈپو میں جا کر راشن اتروائے۔ اسٹور کا ہیڈ عمائم کو کہتا ہے کہ ڈیلر نے نیا ڈرائیور بھیجا تھا جس نے ایکسیڈنٹ کر کے سارے انڈے توڑ دیے ہیں۔ عمائم، ڈرائیور کو دیکھ کر الجھن کا شکار ہوتی ہے اور اسے چھپ کر نورس کی تصویریں لیتے دیکھ کر ساکت رہ جاتی ہے۔ عالی، عمائم کو بتاتی ہے کہ حریم کی کزن کی ڈیتھ ہوگئی ہے۔ روشان کو ڈورڈ میں احتشام کو بتاتا ہے کہ مرغی کی تصویریں لیتے ہوئے اسے دیکھ لیا گیا ہے۔ احتشام کہتا ہے کہ چوزی نے دیکھا ہے تو کوئی پریشانی نہیں۔ عمائم جامعہ سے واپس جانے کے لیے نکلتی ہے تو احتشام اسے لفٹ دیتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ برطانوی نژاد کرن کی لاش ان کی جامعہ کے بیک سائڈ گٹر سے ملی ہے۔ عالی، کرن کی والدہ سے سوالات کرتی ہے اس رات کے بارے میں تو پتا چلتا ہے کہ کرن نے شاید راستے میں کسی کو لفٹ دی تھی۔ نورس، کرن کے گھر تعزیت کرنے آتی ہے تو عمائم کے ساتھ نورس اور عالی بھی حیران رہ جاتی ہیں۔ پھر وہ تائی امی کو گھر ڈراپ... کر کے جامعہ آتی ہیں تو فٹ پاتھ پر ایک بظاہر بزرگ بیٹھا تھا جسے عالی کوئی رقعہ دیتی ہے تو وہ اپنی وگ اتار کر سامنے کی بلڈنگ میں چلا جاتا ہے، عمائم جب عالی سے پوچھتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ اسے اس نے دس روپے کا نوٹ دیا تھا۔ عمائم واپس وہاں جاتی ہے تو اسے وہ نوٹ ملتا ہے جس پر لکھا تھا کہ میدان خالی ہے۔ جامعہ میں الیکٹریشن آتا ہے تو عمائم اس کے پیچھے جاتی ہے اور اس کو ایک آلہ دیوار میں نصب کرتے دیکھ کر سوچتی ہے کہ نورس کی جان کو خطرہ ہے۔ روشان کے گھر میں اذان اور احتشام تھے وہاں عالی آتی ہے تو احتشام انہیں بتاتا ہے کہ عمائم ان کی باتوں پر چونک رہی ہے۔ تائی امی بتاتی ہیں کہ ایمان نے کہا کہ میں امو جان کی نفرت کی وجہ جانے بغیر پیچھے نہیں ہٹوں گا اور بابا صاحب نے کہا ہے کہ ہمیں عمائم کی خوشی مقدم ہے۔ عمائم کے دل کو بابا صاحب کی باتیں لگی تھیں۔ ایمان، عمائم سے اس کا جواب جاننا چاہتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ میری رائے تائی امی کے پاس محفوظ ہے۔ ایمان، عمائم کو بتاتا ہے کہ امو نے اس فیصلے پر خاموشی اختیار کی ہے اور خاموشی نیم رضامندی ہوتی ہے۔ لہٰذا اب جلد ہی منگنی ہوگی۔ حریم، عمائم پر منگنی کو لے کر غصہ کرتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ اور کوئی آپشن ہی نہیں تھا۔ بسمہ، عمائم کو بتاتی ہے کہ امو کو جیل میں سے کسی نے فون کیا تھا اس



www.pklibrary.com

لیے وہ تیار ہوئی ہیں۔ احتشام، عمائم کو کہتا ہے کہ یہ منگنی زیادہ دیر چلتی نظر نہیں آتی۔ دادی، عمائم کو کہتی ہیں کہ مجھے دادی نہ کہا کرو..... میں تمہاری ماں کی ماں ہوں اور عمائم یہ حوالہ جان کر بہت خوش ہوتی ہے لیکن دادی اسے کہتی ہیں کہ ابھی یہ بات کسی کو پتا نہیں چلنی چاہیے اور بابا صاحب اس کے لیے وہی فیصلہ کریں گے جو اس کے لیے بہتر ہوگا۔ عمائم کو میسج آتا ہے کہ ایمان دور اندیش نہیں ہے اور اسے ایسے شخص کا ہاتھ تھامنا چاہیے جو دور رس ہو۔ امو کی طبیعت خراب ہوتی ہے احتشام ان کو اسپتال لے کر جاتا ہے، احتشام سے امو کہتی ہیں کہ ان کا ضمیر انہیں سکون نہیں لینے دیتا۔ احتشام، عمائم سے کہتا ہے کہ تمہاری جامعہ کی ایڈمنسٹریٹر کی جان کو خطرہ ہے لیکن وہ سیکورٹی کی آفر ٹھکرا چکی ہے اگر وہ اسے راضی کر لے تو ان کی آفر برقرار ہے۔ امو، عمائم سے کہتی ہیں کہ تم ہو بہو ویسی ہی ہو، تم جانتی ہو تمہاری ماں نے کسے قتل کیا تھا۔ عمائم کی ایمان سے منگنی ہو جاتی ہے اذان، ثریم سے اس کا نمبر مانگتا ہے، عمائم رات کو ماہم کو بے حال دیکھتی ہے تو اسے حیرت ہوتی ہے کہ وہ ایمان کے لیے اتنا آگے چلی گئی۔ ایمان، عمائم سے ڈنر پر چلنے کے لیے کہتا ہے تو وہ بتاتی ہے کہ اسے منگنی کے بعد فون پر باتیں کرنا پسند نہیں ہے۔ نورس، عمائم کو بتاتی ہے کہ اس نے کرن سے لفٹ لی تھی لیکن پوچھ گچھ کی وجہ سے یہ بات سب سے چھپائی تھی۔ احتشام اور اذان کو بریفنگ میں یہ بتایا جاتا ہے کہ ایک نجی نمائش میں دہشت گردی کی باوثوق اطلاعات ہیں۔ بسمہ، عمائم کے پوچھنے پر کہتی ہیں کہ انہوں نے تمہارے باپ کو قتل کیا تھا۔ عمائم اس بات پر یقین نہیں کرتی، اذان اور روشان، عمائم کی منگنی پر احتشام کے رویے پر حیران تھے۔ اذان، احتشام سے کہتا ہے کہ وہ ایمان کو سب بتا دے لیکن وہ اس بات پر کان نہیں دھرتا۔ احتشام کو بہت پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ عمائم کو سب چھوت سمجھتے ہیں تو وہ اس کی طرف اپنے جھکاؤ کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ احتشام کی ماں اسے بتاتی ہے کہ ان سے ایک گناہ ہوا تھا اور وہ آج بھی اس کی گرفت میں ہیں تو احتشام کہتا ہے کہ کیا ہم کفارہ ادا نہیں کر سکتے تو وہ کہتی ہیں کہ اس گناہ کا کوئی کفارہ نہیں ہے، اسے امو سے بچا لو یہی کفارہ ہے۔ میسج آنے پر عمائم، ایمان سے معذرت کرنے جاتی ہے تو امو کی بات سن کر حیران رہ جاتی ہے، وہ ایمان سے کہہ رہی تھیں کہ اس فیصلے سے ماہم، تم، عمائم اور احتشام کوئی بھی خوش نہیں ہے۔ عمامہ سے عمائم تک یہ داستان مت دُہراؤ اتنا کہہ کر وہ بے ہوش ہو جاتی ہیں۔ سب امو کو اسپتال لے کر جاتے ہیں تو کرن کی مما مسز ابرار (سونیا) ان کے گھر آ کر عمائم سے کہتی ہیں کہ میں تمہاری ماں ہوں۔ عمائم، سونیا کے جانے کے بعد خود کو کمرے میں بند کر لیتی ہے تو حریم، احتشام کو بلاتی ہے اور اسے بتاتی ہے لیکن وہ اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور واپس چلا جاتا ہے تو حریم چابیاں ڈھونڈنے جاتی ہے۔ حریم کے جاتے ہی احتشام ایک اوزار کے ذریعے کمرے کا لاک کھول کر اندر داخل ہو جاتا ہے۔ سونیا گھر واپس آ کر ابرار کو بتاتی ہے کہ عمائم کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا اور وہ ثبوت مانگ رہی ہے۔ صوفی صالح کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی تھی جس میں سے دو بیٹے اور ایک بیٹی حافظ قرآن تھی۔ عمامہ، شام سے ملنے آتی ہے تو وہ اسے واپس جانے کو کہتا ہے صوفی صاحب اسے دیکھ کر سوچتے ہیں کہ کہیں جانے کے لیے شام کو کہنے گئی ہوگی۔ طاہرہ، ساس کے پوچھنے پر کہتی ہیں کہ وہ چاہتی ہیں کہ عمامہ ان کی نظروں کے سامنے رہے، جس پر وہ کہتی ہیں کہ شام کا رشتہ ان کی بہن نے فیقہ کے لیے دیا تھا۔ لیکن عمامہ اپنی پسند سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔ شام کی غیر موجودگی میں اس کا رشتہ فیقہ سے طے پا کر کارڈ بھی چھپوا کر بانٹ دیے اس پر عمامہ، شام کو ٹیش دلانے کی کوشش کرتی ہے مگر وہ کہتا ہے کہ مجھے تمہارے باپ کے سر پر رکھے عمامے اور اپنی عزت پیاری ہے۔ تم واپس لوٹ جاؤ۔ طابہ (بھاوج) عمامہ کو کہتی ہے کہ شام بھی تمہیں بہت چاہتا ہے، وہ اسے مجبور کرے گی تو وہ ضرور بولے گا۔ عمامہ، طابہ کے ذریعے شام کو بلاتی ہے اور اس کو سول میرج کے لیے راضی کرتی ہے ساری بات فیقہ سن لیتی ہے۔ عمامہ آنے والے فون پر کہتی ہے صوفی صالح کی بیٹی عمامہ حادثاتی موت کا شکار ہو گئی ہے۔ آپ بارات مت لائیے گا۔ عمامہ کو یہ بات کرتے طاہرہ سن لیتی ہیں، وہ اس پر غصہ کرتی ہیں وہ صوفی صالح سے کہتی ہیں ہم نے جلد بازی کر لی۔ فرخ (منگیتر عمامہ) اور اس کے بہنوئی کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے جس میں بہنوئی کی ڈیتھ ہو جاتی ہے، دونوں شادیاں نامعلوم مدت کے لیے کینسل ہو گئیں۔ شمسہ بھابی، عمامہ کو کہتی ہیں کہ طابہ سے دور رہو وہ تمہیں نقصان پہنچائے گی۔ عمامہ کا کالج میں ایڈمیشن ہوتا ہے تو دادی کہتی ہیں کہ وہ کوئی چاند چڑھائے گی۔ عمامہ کو کالج چھوڑنے شام جاتا ہے تو گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو جاتا ہے اور ایک آدمی ملتا ہے جو عمامہ کے لیے گھٹیا الفاظ استعمال کرتا ہے اور شام کے پوچھنے پر خود کو اس کا باپ بتاتا ہے۔ منصور سیال ایک لالچی آدمی ہے۔ سونیا کے ساتھ عمامہ کالج میں جلد ایڈجسٹ ہو جاتی ہے۔ سونیا جب عمامہ کے ساتھ گھر آتی ہے تو دادی کو وہ بالکل پسند نہیں آتی۔ عمامہ، سونیا کو بتاتی ہے کہ فیقہ کا یہ حشر کیسے ہوا وہ پہلے ایسی نہیں تھی۔ پہلے بہت خوب صورت تھی۔ تقی، شام کو بتاتے ہیں کہ فیکٹری کے سامنے پلاٹ کا جو کیس تھا وہ ہار گئے ہیں اور وہ پلاٹ منصور سیال نے لیا ہے اور اب وہ ان کے مقابل



www.pklibrary.com

آ کر بدلہ لینا چاہتا ہے کیونکہ صوفی صالح نے رابعہ (شام کی ماں) کے ساتھ منصور سیال کے سلوک کی وجہ سے اسے جیل کی شکل دکھائی تھی۔ اور وہ شام کو خود لے آئے تھے۔ تاج بیگم (دادی) شام سے کہتی ہیں کہ وہ تین مہینے کے بعد فیقہ سے اس کی شادی کر دیں گی' وہ تیار رہے۔ طاہر وکیل کے پاس جا کر پوچھتا ہے کہ اس نے یہ کیس کیوں ہارا تو وہ بتاتی ہے کہ آج تک وہ کوئی کیس جیتی ہی نہیں۔ فیقہ سوچتی ہے کہ اماں اور بھیا نے اس کے لیے شام کا انتخاب کیا ہے تو عمامہ اس کے رستے سے ہٹ کیوں نہیں جاتی۔ سونیا، عمامہ کو فون کر کے کہتی ہے وہ فیقہ کی برین واشنگ کر کے اس کو صحیح اور غلط فیصلے کی پہچان کروا کر اس کی دوسری جگہ شادی کروا دے گی۔ وہ ابھی بات کر رہی ہوتی ہے کہ فون کٹ جاتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد فون پھر بجتا ہے تو فون پر سونیا کے دھوکے میں شام کے باپ منصور سے کہہ بیٹھتی ہے کہ وہ شام کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ طابہ، عمامہ کو بتاتی ہے کہ اس نے منصور اور اس کی باتیں سن لی تھیں۔ سونیا، عمامہ کے گھر ایک جوکر کے روپ میں آتی ہے اور پھر کچھ کرتب دکھا کر سب کو خوش کرتی ہے اور پھر اپنا آپ ظاہر کر کے فیقہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہے۔ اماں، فیقہ سے سونیا کی دی ہوئی گڑیا یہ کہہ کر لیتی ہیں کہ اس پر کوئی جادو ٹونا بھی ہو سکتا ہے تاکہ اس کی شادی نہ ہو اور طابہ ان کی باتیں سن کر فیقہ کے خدشات کو اور بھی ہوا دیتی ہے اور کہتی ہے کہ تم ان دونوں پر ظاہر کر دو کہ تم ان کی سازش سے واقف ہو۔ طاہر اور (وکیل) سمہ ہمدانی کو منصور ہوٹل میں چائے پیتے دیکھ لیتا ہے۔ فرخ فون کر کے عمامہ سے بات کرتا ہے اور اسے شرمندہ کرتا ہے کہ اس کو فرخ کی عیادت تو کرنی چاہیے تھی۔ منصور سیال، شام سے دوبارہ بیس ہزار روپے لیتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ صالح کی بہن سے شادی کر کے اپنے جذبات اور زندگی کے ساتھ کیوں کھیل رہے ہو پھر وہ صوفی صالح کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے کہ عمامہ اور شام کی شادی کر دیں۔ طاہر اپنی پسند کو لے کر گھوم پھر سکتا ہے تو میرا بیٹا کیا گناہ کر رہا ہے۔ سونیا کالج نہیں آ رہی تھی تو عمامہ فون کر کے اس کی خیریت دریافت کرتی ہے اور اپنے آنے کا کہتی ہے پھر بڑی مشکل سے وہ اجازت لیتی ہے تو دادی کہتی ہیں کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ جاؤ لیکن طاہرہ، شام کو فون کر کے بلا لیتی ہیں۔ سونیا اس کے آنے سے بہت خوش ہوتی ہے۔ سونیا، عمامہ کو بتاتی ہے کہ اس کی بہن کو محبت ہو گئی ہے۔ عمامہ کہتی ہے تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے..... پھر وہ چونکتی ہے کیا تم دونوں کو ایک ہی بندے سے محبت ہو گئی ہے۔ سونیا، طاہر سے مارکیٹ میں ملتی ہے تو منصور سیال اسے دیکھ لیتا ہے اور پھر صوفی صالح کو فون کر کے کہتا ہے کہ تمہارا بیٹا دو، لڑکیوں کے ساتھ عیاشی کرتا پھر رہا ہے۔ سونیا، عمامہ کو بتاتی ہے کہ میں نے اپنا رستہ بدل لیا ہے۔ سونیا، عمامہ کو اپنے منگیتر سے ملواتی ہے تو تقی جو عمامہ کو لینے آتا ہے وہ دیکھ لیتا ہے اور عمامہ پر غصہ کرتا ہے۔ فیقہ، سونیا کا نمبر عمامہ کی ڈائری سے لے کر اسے فون کر کے مدد کرنے کا کہتی ہے سونیا، فیقہ کی مدد کرنے کی ہامی بھرتی ہے اور پھر اس کا حلیہ بدل دیتی ہے اور کہتی ہے کہ آپ یہ احسان اتار سکتی ہیں۔ شام اور فیقہ کا جوڑ نہیں ہے اور وہ ایک بہت زبردست پروپوزل لائی ہے لیکن دادی اس کی بات ماننے سے انکار کر دیتی ہیں کہ ہمارے ہاں بچپن کے رشتے توڑے نہیں جاتے۔ شام، عمامہ کے استفسار پر کہتا ہے کہ تمہارے علاوہ کوئی بھی ہو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ صوفی صالح، طاہر سے لڑکی کے بارے میں پوچھتے ہیں اور ایڈووکیٹ ہمدانی کی بیٹی کا سونیا کی بہن ہونے کا سن کر فوراً اس کی شادی طے کر دیتے ہیں۔

**اب آگے پڑھیے**

## قسط نمبر:16

یہ عمائم کی ''شبستان'' نہیں سلطنتِ دل تھی۔ جس میں احتشام بے دھڑک داخل ہو رہا تھا۔ بنا عمائم سے اجازت لیے بنا عمائم کو بتائے۔ اپنی مرضی، چاہ اور شوق سے..... کسی شاہِ سلطان' نگہبان' خاقان کی طرح۔

وہ دبے قدموں چلتا رہا، آگے بڑھتا رہا..... وہ آگے بڑھنے کے لیے آیا تھا پیچھے ہٹنے کے لیے نہیں..... اسے یہاں آنا ہی تھا۔ جلد یا بدیر، سو وہ قبل از وقت ہی سہی پر آ ہی گیا۔

بقول حریم کے وہ اپنے ''مورچے'' سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے مورچوں سے ہمیشہ دیکھا کرتا تھا۔ وہ بھی جو کسی پر گزرتا تھا اور وہ بھی جو کسی پر نہیں گزرتا تھا۔

اس کی آنکھیں کوئی خاص آنکھیں نہیں تھیں۔ بصیرت کے لحاظ سے بھی عام..... خوب صورتی کے لحاظ سے بھی عام تھیں۔ کم از کم احتشام کو بہت عام لگتیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت تھی بظاہر ہر عام دکھائی دینے والی چیز عام نہیں ہوتی۔



www.pklibrary.com

عموماً آنکھیں تین قسم کی ہوتی ہیں۔ جسمانی آنکھیں، یہ انسان اور حیوان دونوں کو حاصل ہیں، ان کا کام صرف دیکھنا ہوتا ہے۔ یہ بس دیکھتی ہیں۔ عقلی آنکھیں، یہ آنکھیں صرف خدا پرستوں کو ملتی ہیں۔

آنکھوں کی کچھ اور قسمیں بھی موجود ہیں۔ نرم آنکھیں، گرم آنکھیں، سادہ آنکھیں، شاطر آنکھیں، مہربان آنکھیں، نگہبان آنکھیں، دربان آنکھیں، جو ہر دم نگہبانی پر معمور رہتی ہیں۔ وہ بھی کسی کی حفاظت کرتی ہیں۔ حصار باندھتی ہیں۔ سوتے میں بھی جاگتی ہیں، جاگتے میں بھی الرٹ رہتی ہیں۔

ان آنکھوں کو ''محافظ آنکھیں'' کہتے ہیں۔ چوکنا آنکھیں، سرد، گرم، کھوجی، ہر تاثر سے بچی، ہر احساس سے آراستہ..... یہ احتشام کی آنکھیں تھیں۔ خفیہ ڈپارٹمنٹ کے حساس ترین ونگ ''ایچ اے'' کے ذہین ترین آفیسر کی آنکھیں۔ سے، سے میں رنگ بدلتی، تاثر دیتی، کھوجتی، متجسس آنکھیں۔

وہ چلتے، چلتے رک گیا۔ آگے جہازی سائز بیڈ تھا۔ گو کہ سادہ تھا بناوٹ کے لحاظ سے پھر بھی ایک لمبی رکاوٹ موجود تھی۔ عمائم گھٹنوں میں منہ چھپائے بیٹھی تھی۔ ایک دم ساکت، خاموش، گم صم، کسی مجسمے کی طرح..... ایک ٹھیس سے ٹوٹ جانے والا مجسمہ.....

وہ اتنی ساکت اور بے سانس لگ رہی تھی جیسے زندہ ہی نہ ہو..... یوں اندازہ کرنا ناممکن تھا کہ عمائم رو رہی ہے یا نہیں.....؟ لیکن مقابل کوئی عام انسان نہیں تھا جس کے اندازے بوگس، کمزور یا ہلکے ہوتے۔

وہ پہلی نگاہ میں جان گیا..... عمائم ایک عظیم ''صدمے'' میں مبتلا بے آواز رو رہی ہے۔ اس نے ''سلطنتِ دل'' پر دوسرا قدم نرمی سے دھرا..... دس قدم کے فاصلے میں بال برابر کمی آئی تھی۔ فاصلہ گھٹا ضرور تھا لیکن مختصر نہیں ہوا۔

وہ ایک اچٹتی نگاہ ڈالے بغیر بھی جانتا تھا۔ اس کمرے میں دائیں جانب وارڈ روب ہے جس کے پٹ کا پینٹ اکھڑ چکا ہے۔ دوسری کا ہینڈل نہیں..... تیسری کا لاک ہے تو سہی مگر کمزور ہے۔ گولائی دار شیلف پر نماز والا مصلیٰ رکھا ہے۔ تہ کیے مصلے پر چمکتی تسبیح بھی موجود ہے۔ نچلی سطح پر موٹی، موٹی کتابیں ہیں۔ مشکوۃ، ہدایہ، ریاض الصالحین، فقہ اور حدیث کی۔ بیڈ کی ایک سائڈ ٹیبل پر موبائل، پرس، تہ کیا گاؤن اور اسکارف رکھا ہے۔ دوسری طرف؟ ہاں دوسری طرف سوکھے پھولوں کی ٹہنیاں، سوکھے بے رنگ بوکے سے نکلے پھول..... وہی پھول جن کے اندر سے تھیلی نما سفوف نکلا تھا۔

اس نے گہری سانس بوجھل فضا کے سپرد کی تھی۔ اس کی سانسوں کا اتار تھا چڑھاؤ یا وجود کی خوشبو؟ یا مجسم آمد کی خبر؟ یا دل کا دل سے کنکشن یا جذبوں کا جذبوں سے تعلق..... کچھ بھی تھا جو عمائم کو اتنے خاموش ماحول میں بھی بری طرح ''چونکا'' گیا تھا۔ اس نے سر اٹھایا..... گھنگرالے بالوں کے کھلے بے ترتیب لچھے آگے پیچھے، دائیں بائیں بکھر گئے تھے۔ گول، گول گھنگروؤں کے بیچ میں ملائی سا چہرہ تھا۔ سرخ انتہائی سرخ کنچن کے پھل سا سرخیلا، پکے ہوئے انار سا لال، اسٹرابیری سا رچیلا، انتہائی رسیلا، ملائی چہرے پر شبنم کے قطرے تھے۔ اوس گرے، موتیوں جیسے شفاف، پاکیزہ، مقدس، ان چھوئے، کالی گھور پلکوں کی گہری جھالر پر نمی فروزاں تھی۔ آنکھوں میں حیرت، تعجب اور بے چینی کا عکس نقش تھا۔ وہ جیسے آن کی آن میں برف ہو گئی تھی۔

یہ الوژن تھا یا حقیقت؟ برابر والے گھر کی دیوار سے اس کا خواب نکل کر مجسم آنکھوں کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی بینائی جاتی رہی، آنکھوں کے سامنے اندھیرا تن گیا۔ ہر عکس تعجب کی تہوں میں چھپ گیا۔ عمائم نے آنکھیں مسل، مسل کر دیکھا..... وہ ابھی تک مہمان کے دھماکا خیز انکشاف سے نہیں سنبھلی تھی جو احتشام کو دیکھ کر سنبھل جاتی۔

اس کی عمائم کے کمرے میں موجودگی کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

عمائم کی نگاہ نے دروازے تک سفر کیا..... وہ پہلے کی طرح بند تھا۔ ''یہ لاکڈ دروازے سے اندر کیسے آیا؟'' عمائم کا دماغ سن ہو رہا تھا۔ ہوتا جا رہا تھا۔ معاً کمرے کی خاموش فضا میں ارتعاش پیدا ہوا۔



www.pklibrary.com

کوئی ''سلطنتِ دل'' پر تیسرا قدم دھر رہا تھا۔ عمائم نے سینے کی زمین پر واضح دھمک محسوس کی۔ اس کا دل ایک ہزار اسی میل فی منٹ کی رفتار سے دھڑک رہا تھا۔

اس کی ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا۔ دل میں عجیب ہلچل اور اودھم مچا تھا۔ وہ مارے گھبراہٹ کے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی .... اس کے گھنگرو سے بال آگے پیچھے نیچے تک بکھر گئے تھے۔ چکنے سے چہرے کو گھنگروؤں نے ڈھانپ لیا تھا۔ وہ انہیں کانوں کے پیچھے اڑستی بدحواس لگ رہی تھی۔ معاً اسے خیال آیا..... وہ بنا دوپٹے کے کھڑی تھی۔ اس نے ہاتھ مار کر بیڈ سے ذرا جھک کر دوپٹا ٹٹولا..... دوپٹا قریب، قریب کہیں نہیں تھا۔ پھر اس نے تکیے پر ہاتھ مارا۔

کوئی ''سلطنتِ دل'' پر چوتھا قدم دھر رہا تھا۔ کوئی بے آواز قدموں سے قریب آ رہا تھا۔ کوئی بے سانس وجود کے مقابل آ رہا تھا۔ اس نے جمی ہوئی آنکھوں سے برف پگھلتی دیکھی تھی۔ اس نے ساون کی رم جھم میں دھوپ نکلتی دیکھی تھی۔ وہ ''سلطنتِ دل'' پر آخری قدم دھر رہا تھا۔

عمائم کی سانس وہیں کہیں حلق کے نیچے ہی اٹک گئی۔ وہ اس کے عین سامنے تن کر کھڑا تھا۔ کسی پہاڑ کے مانند، کسی گلیشئر کی طرح..... وہ اس کے عین سامنے موجود تھا۔ کسی انڈس (اباسین) دریاؤں کے باپ کی طرح..... بہتا ہوا، رواں، مُسبک خرامی سے چلتا ہوا، بکھرتا ہوا، شوریدہ سر بھی، پُرسکون بھی۔

بہتے ہوئے اباسین نے کسی برستے بادل کے ٹکڑے کو چھوا اور تیز دھوپ میں کھڑی عمائم کے سر پر برسا دیا۔ وہ جمی ہوئی آنکھوں سے دیکھتی رہ گئی تھی۔ اباسین، بادل کے ٹکڑے کو ہاتھ بڑھا کر چھوڑ رہا تھا۔ بھیگی برکھا نے عمائم پر ''سایہ'' کر دیا..... اس کے گھنگرو سے بالوں کے لچھے چھپ گئے تھے۔ کسی نے ہاتھ بڑھا کر سائڈ ٹیبل سے اسکارف اٹھایا اور دونوں ہاتھوں سے عمائم کو اوڑھا دیا تھا۔ وہ لمحوں میں محفوظ ہو گئی تھی۔

خاموش فضا کا فسوں ٹوٹ گیا تھا۔ بوجھل ماحول کا سناٹا ٹوٹ گیا تھا۔ عمائم نے تھکی ہوئی سرخ آنکھوں سے دیکھا..... وہ سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ بہت دل جمعی سے دیکھتا ہوا۔

عمائم کی ساری بے چینی کو ایک لمحے میں سمٹ جانا پڑا۔ وہ حیران آنکھوں سے دیکھتی رہی تھی۔

''تم اندر کیسے آئے.....؟ دروازہ تو لاکڈ تھا۔ میں نے خود کیا تھا.....'' وہ مارے گھبراہٹ کے بے ربط سی بولی تھی۔ شاید وہ اس ''فسوں'' کو توڑنا چاہتی تھی یا پھر ''سلطنتِ دل'' پر کسی کے جمے ہوئے قدموں کی دھمک اور بوجھ سے گھبراہٹ کا شکار تھی۔

''دروازے سے، جادو تو میرے پاس ہے نہیں..... جو دیوار پھاڑ کر آ جاتا.....'' ویسا ہی ٹھنڈا ٹھار دھیما سا جواب۔ وہ اب بھی سینے پر بازو لپیٹے عمائم کے ملائی چہرے پر بکھرتی شبنم کو دیکھ رہا تھا۔ اور وہ اس ''اوس'' کے متواتر بہنے کا ''پس منظر'' بھی جانتا تھا۔

''کیسے؟'' عمائم کو اچنبھا ہوا۔ وہ بے انتہا ہونق ہو رہی تھی۔ مارے بے چینی کے الٹے سوال پوچھ رہی تھی۔

''اپنے پیروں سے۔'' جیسا سوال تھا، ویسا ہی جواب ملا..... عمائم دیکھتی رہی۔ الجھی، الجھی سی، بے قرار سی، احتشام سے اس کی ''اُلجھن'' دیکھی نہیں گئی تھی۔

''اب بھی ''حیران'' ہو؟ گو کہ حیرانی بنتی نہیں..... میرے ذرائع جتنے الرٹ ہیں، ہتھیار اس سے زیادہ الرٹ۔ دروازہ کھولنا تو بہت معمولی کام ہے۔'' وہ نرمی سے ''جتلا'' کر بولا..... عمائم نے گہری سانس کھینچ کر خود کو سنبھالا۔ اسے احتشام سے ہر قسم کی توقع رکھنی چاہیے تھی۔

''تو اس کا مطلب کیا ہوا؟'' عمائم بکھرے ''حواس'' مجتمع کر چکی تھی۔ احتشام کی موجودگی کو ذہنی طور پر تسلیم کر چکی تھی۔ وہ کہیں بھی، کسی بھی وقت، کسی بھی جگہ پایا جا سکتا تھا۔ وہ کوئی پبلک پلیس ہوتا یا کسی کے بیڈ روم کی



www.pklibrary.com

پرائیویٹ حد...... احتشام کسی بھی لمحے کسی بھی شریف بندے کی پرائیویسی میں مخل ہو سکتا تھا۔ یہ ایک بات تو طے تھی۔
''سمجھدار تو بہت ہو خود ہی سمجھ لو......'' وہ جب چاہتا تھا مرضی سے پہلو تہی برتتا تھا۔ یہ اس کی اضافی خوبی تھی، وقت اور سچویشن کے حساب سے پہلو بچالینا۔
''ہوں......'' عمائم نے ہنکارا سا بھرا۔
''تو اس کا مطلب ہوا...... صاحب بہادر میری غیر موجودگی میں میرے ہی شبستان میں بے دھڑک آتے جاتے رہے ہیں۔'' اس نے سینے پر احتشام کی طرح ہی بازو لپیٹ کر کہا تھا۔ مقابل کھڑے بندے نے لب بھینچ کر اثبات میں تائیدی انداز میں سر ہلایا...... جیسے ''اقرارِ جرم'' کیا ہو۔
''اوں ہوں...... صرف تین دفعہ ''دو باریاں'' گزر گئیں...... یہ تیسری دفعہ گناہ کیا ہے......'' وہ مسکرا کر ''اقرار'' میں سر ہلا رہا تھا۔ عمائم کی سنجیدگی کم نہیں ہو سکی تھی۔ وہ سابقہ انداز میں دیکھتی رہی، آنکھوں کی سرخ سطح پر ہلکی ناگواری کی تہ ابھر رہی تھی۔
''دو باریاں؟ یعنی کہ......؟'' اس نے سوچ کی طنابیں ڈھیلی چھوڑ دی تھیں۔ سو گزشتہ لمحات کی فلم سی چل گئی تھی۔ بہت سے ''انہونے'' واقعات آنکھوں میں عکس بنانے لگے۔ عمائم کو ''چونکانا'' مقصود ہرگز نہیں تھا۔ نہ خوفزدہ کرنے کا ارادہ تھا۔ شاید معاملہ کچھ اور تھا۔
''ایک دفعہ پیکٹ چرانے آئے تھے پھر اس کو ٹھکانے لگانے......؟'' عمائم کڑی سے کڑی ملاتی چلی گئی تھی۔
احتشام اس کی ذہانت سے متاثر ہوتا دکھائی دیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر محظوظ ہونے والی مسکراہٹ تھی۔
''بڑی جلدی سمجھ گئیں...... خاصی انٹیلی جینٹ ہو۔'' اس کا انداز لطیف سے طنز میں ڈوبا ہوا تھا۔
''اور تمہیں شاید خبر نہیں...... کسی کی ''ذاتیات'' میں گھسنا اخلاقی جرم ہے۔'' عمائم نے بھی طنزیہ کہا۔
''سو تو ہے......'' اس نے فوراً تسلیم کیا تھا۔ یوں کہ عمائم سمجھ گئی تھی کہ وہ بحث کے موڈ میں نہیں تھا۔ کتنی جلدی اس کے مزاج کا ہر رنگ عمائم پر کھل گیا تھا۔ وہ سوچتی اور حیران رہ جاتی۔
''میں پرائیویسی میں مخل ہونے کی ''وجہ'' معلوم کر سکتی ہوں......'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی تھی۔ کم از کم وہ اس وقت احتشام تو کیا کسی بھی فرد کا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ پے در پے ہونے والے عجیب واقعات اور آئے دن ہونے والے انکشافات کی بڑھوتری عمائم کی ہر سوچنے سمجھنے والی صلاحیت کو جام کر دیتی تھی۔ پھر مہمان خاتون کا ''بے دھڑک'' اتنا بڑا عظیم الشان دعویٰ؟
''میں تمہاری بدنصیب ماں ہوں......'' روتی ہوئی عورت کی شکستگی میں جتنی مرضی سچائی ہو تاہم عمائم کیسے تسلیم کر سکتی تھی۔ پھر عورت بھی انجان نہیں۔ کرن کی ماں، جس کے گھر عمائم لمحاتی طور پر صرف ایک مرتبہ تعزیت کرنے گئی تھی۔ لگتا تھا کرن کی ماں کا بیٹی کی جدائی میں دماغ چل گیا تھا۔ شاید کرن کی ناگہانی موت نے اس کی ماں کے ذہن پر نفسیاتی اثر ڈالا ہو یا پھر مینٹلی ڈسٹرب ہونے کے باعث انہیں ہر چہرے میں کرن کا چہرہ دکھائی دیتا ہو؟ وہ جب تک تریم سے ڈسکس نہ کر لیتی۔ اسے کوئی بھی حتمی رائے یا نتیجے تک پہنچنا نہیں تھا۔
اس دوسرے پہلو پر سوچنے کے بعد سُن ہوتے دماغ کی تنی رگیں ذرا ڈھیلی پڑ گئی تھیں۔ ''کیا خبر کرن کی ماں صدماتی اثر میں یہاں تک آ گئی ہو۔''
اسے اتنا جذباتی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ نانی امی نے اسے صاف لفظوں میں بتا دیا تھا۔ وہ اس گھر کی نواسی تھی۔ نانی امی اور نانا اس کا مضبوط حوالہ تھے۔ اگر کرن کی ماں کا اس گھر سے کوئی تعلق ہوتا تو وہ کسی نہ کسی کے بارے میں ضرور پوچھتیں۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم اپنے ''والدین'' کا ذکر تو لازمی کرتیں...... وہ زندہ



www.pklibrary.com

تھے یا نہیں؟ انہوں نے اپنے بہن، بھائیوں کا بھی نہیں پوچھا۔ سو اس کا مطلب تو یہی تھا۔ وہ کسی نفسیاتی دباؤ کا شکار ہو کر یہاں تک آئی تھیں۔ پھر اس کے ثبوت مانگنے پر لاجواب ہو کر واپس چلی گئیں۔ اگر وہ اپنے ''دعوے'' میں سچی تھیں تو کوئی امید دلا کر جاتیں۔ جیسے، جیسے گرہیں کھلتی گئی تھیں عمائم کا اضطراب کم ہوتا گیا..... اس کے کھنچے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ چہرے کے تاثرات میں تبدیلی آتی گئی تھی۔

وہ جو بغور عمائم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے ایک بڑے دباؤ کی کیفیت سے نکلتا دیکھ کر مطمئن ہو گیا۔ اسے سمجھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ''لمحاتی دباؤ'' اور تذبذب کی کیفیت سے باہر نکل رہی تھی۔ ورنہ حریم نے تو پریشان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ ایسے ہی بدحواس ہو کر چھکے چھڑاتی تھی۔

''انسان کی دو ہی کمزوریاں ہیں، بنا سوچے عمل کر دینا اور سوچتے رہنا عمل نہ کرنا.....'' لمحاتی خاموشی کے بعد احتشام نے اس کے تاثرات ازبر کرنے کے بعد گفتگو کا آغاز کیا تھا۔ عمائم کی سوچوں کو بریک لگ گئے تھے۔ اس نے کچھ حیرانی سے احتشام کی بات کا مفہوم سمجھنا چاہا تھا۔ کیونکہ وہ کوئی بھی بات ''بے معنی'' نہیں کرتا تھا۔

''طاقت ور شے... جس شے کو خوف زدہ کرتی ہے، وہ دراصل خود اس سے خائف رہتی ہے۔'' اس کا انداز دوٹوک قسم کا تھا۔ جس میں وضاحت دینے کی قطعی طور پر گنجائش نہیں تھی۔ عمائم نے سمجھنا ہے تو سمجھ لے۔ ورنہ اس کی بلا سے۔

اس نے سوچوں کی باگیں دوڑا دی تھیں۔ احتشام کے لفظوں کو پکڑنا آسان تو نہیں تھا پھر بھی۔

''دعوے عموماً طاقت ور ہوتے ہیں۔ لیکن طلب کیے گئے ''ثبوت'' اس سے زیادہ طاقت ور ہوتے ہیں۔'' احتشام نے اس کی مشکل آسان کر دی تھی۔ عمائم نے گہری سانس کھینچی۔ یہ حریم بھی ناں..... وہ سب سمجھ گئی تھی۔ حریم نے احتشام کو بلوایا تھا اور نہ صرف بلوایا تھا بلکہ ساری ''کارروائی'' بھی سنا ڈالی تھی۔ حریم کچھ بھی کر سکتی تھی۔ عمائم کے لیے کچھ بھی۔

''میرے خیال میں ہنار یہرسل کا کوئی ''سین پلے'' تھا.....'' عمائم نے تبصرہ کیا..... اب وہ جان ہی چکا تھا تو پھر چھپانا کیا؟ ویسے بھی احتشام کی نظر سے دن بھر کے سارے واقعات گزرتے تھے۔ نہ بھی گزرتے تو حریم تھی ناں.....

''جو بری طرح فلاپ ہوا۔'' عمائم نے سوچوں کو جھٹک کر سنجیدگی سے کہا تھا۔ جو بھی تھا، ایک ماں کی مینفلی کنڈیشن کو عمائم سمجھتی تھی۔ جس نے اچانک اپنی جوان بیٹی کو کھو دیا تھا۔ اور اب ہر چہرے میں اپنی بیٹی کا چہرہ تلاش رہی تھی۔

''کم از کم قبل از وقت میں رائے دینے سے گریز برتتا ہوں۔'' اس نے صاف دامن بچا لیا تھا۔ اس کا جب دل چاہتا پہلو بچا جاتا۔ عمائم نے اسے گھورنا چاہا مگر نا کام سی ہو گئی۔

''یہ خاتون کرن کی والدہ تھیں۔ وہی کرن.....؟'' عمائم نے جتانا چاہا، اسے کچھ یاد دلانا چاہا تھا۔ احتشام نے سر ہلا کر بے ساختہ اسے ٹوک دیا تھا۔

''آئی نو..... یہ کرن کی والدہ تھیں۔ میری ان سے کئی ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔'' وہ بھی جتلا کر بولا تھا۔ عمائم نے گہری سانس لی۔ یقیناً کیس کے سلسلے میں.....؟ وہ سمجھ گئی تھی۔

''کرن کے کیس کا کیا بنا؟'' عمائم نے افسردگی سے پوچھا تھا۔ اسے روتی ہوئی غمزدہ خاتون پھر سے یاد آ گئیں۔

''سارے کیس سولو ہو جائیں گے۔ صرف ہفتوں کی بات ہے.....'' احتشام پہلی مرتبہ ذرا سا مسکرایا۔ ''اور کچھ بھی سولو (حل) کرنا آسان نہیں ہوتا۔ نہ مرڈر کیسز نہ زندگی کے کیسز..... سب کے لیے انرجی، وقت، دماغ اور ہمت چاہیے۔ الجھا ریشم کبھی نہیں سلجھتا..... جتنا چھیڑو اتنا ہی الجھتا ہے۔ البتہ الجھی گانٹھیں کھل ضرور جاتی ہیں وہ بھی آہستہ، آہستہ۔ کھجور کے پتوں سے چٹائیاں بُننا آسان نہیں ہوتا، کبھی کھجور کی چٹائی دیکھی تم نے.....؟ کتنے فہم سے تیار ہوتی ہے، ایک، ایک گرہ میں نفیس ڈیزائن بنتا ہے، بنانے والی یا بنانے والے کی ہمت کو کوئی نہیں دیکھتا، ذہانت کو کوئی



www.pklibrary.com

نہیں سراہتا، ایک، ایک پتا جوڑ کر چٹائی بنانا لمحوں کا کھیل نہیں۔ بہت وقت لگتا ہے۔ بہت محنت، ذہانت اور وقت طلب کام ہے لیکن کچھ پانے کے لیے کچھ کرنا ضرور پڑتا ہے۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ انتہائی ٹھوس اور مستحکم لہجے میں۔ عمائم متحیر سی سنتی رہی۔ اس کی بات کا کیا مفہوم بنتا تھا؟ عمائم کو اس پہلو پر بھی سوچنا تھا، غور کرنا تھا۔ کیونکہ احتشام بغیر مفہوم کے کوئی بات کہتا ہی نہیں تھا اور ہر مفہوم میں کوئی ''حل'' کوئی ''سوال'' یا کوئی ''مقصد'' پوشیدہ ہوتا تھا۔

''تمہیں ایک بھنگ نوش نواب کا قصہ سناتا ہوں.....'' احتشام نے کہنا شروع کیا۔

''انگریز فوجیں ان کی ریاست میں اچانک داخل ہو کر حملہ آور ہوگئیں۔ حاضر باش فوراً نو دو گیارہ ہوگئے۔ انہیں معلوم تھا..... بھنگی نواب میں جنگی صلاحیت کیا خاک ہوگی؟ نواب صاحب اپنے حرم میں بیٹھے داد عیش کے مزے لوٹ رہے تھے۔ افراتفری کا گھمسان کا رن مچا اور انگریز سپاہی حرمِ خاص میں گھس آیا۔ کنیزوں نے فوراً پکار بلند کی۔

''ارے کوئی مرد ہے؟ ارے کوئی مرد ہے؟''

''ارے کوئی مرد ہے.....؟'' گھبراہٹ دو چند ہوئی تو نواب صاحب نے بھی کنیزوں کی پکار پر یہی الفاظ دُہرائے۔

''سرکار..... آپ خود بھی تو ایک مرد ہیں۔'' ایک منہ چڑھی کنیز نے کہا۔

''آہ، کیا خوب یاد دلایا، ہم خود بھی تو مرد ہیں۔'' نواب صاحب نے سر ہلایا۔ اتنے میں انگریز کمانڈو اندر گھس آیا۔ سب فرار ہو چکے تھے تو اکیلے نواب صاحب تخت پر پاؤں لٹکائے فروکش تھے۔ کمانڈو نے پوچھا۔

''ویل نواب صاحب.....! تمہارا سب لوگ بھاگا، تم نہیں بھاگا.....؟'' نواب بھنگی نے لاچاری سے جواب دیا۔

''ہمیں کوئی پاپوش (جوتے) پہننے والا نہیں تھا۔'' اس قصے کو سنانے کا بھلا کیا مقصد ہے؟ تمہارا اور اپنا وقت ضائع کرنا؟ گو کہ تم جانتی ہو، میں جنگ ہار سکتا ہوں مگر وقت ضائع نہیں کر سکتا.....'' احتشام کی رواں ٹھوس آواز نے عمائم کے اندر ہلچل مچا دی تھی۔ اس نے سارے قصے کو نئے سرے سے ذہن میں دُہرایا..... اسے نواب کی کاہلی کے علاوہ کوئی اور قابلِ گرفت بات نہیں لگی تھی۔

''نہایت سست الوجود اور کاہل انسان تھا نواب بھنگی..... جھک کر جوتے نہیں پہن سکا اور گرفتار ہوگیا۔'' عمائم نے ترنت جواب دیا تھا۔ احتشام کی آنکھوں میں مصنوعی ستائش بھر گئی تھی۔

''ویل..... یہ تو کوئی کوڑھ مغز بھی اندازہ لگا سکتا ہے۔'' احتشام کے طنزیہ انداز پر عمائم کا منہ اتر گیا۔ گو کہ وہ ہر دفعہ ثابت کر دیتا تھا کہ عمائم جتنا مرضی اسمارٹ بنتی، احتشام سے جیت نہیں سکتی تھی۔

''جب آپ کے پاس پاؤں موجود ہوں تو ''پاپوش'' کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خطروں میں پاپوش نہیں ڈھونڈتے۔ عقل سے کام لیتے ہیں۔ اور جو عقل استعمال کرتا ہے اسے جوتوں کو استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایک خاتون نے اچانک آ کر کہا..... ''میں تمہاری ماں ہوں۔'' اور تم نے سچ سمجھ لیا، خود کو اذیت دی اور کمرے میں بند کر لیا..... بعد میں غور کیا کہ خاتون نفسیاتی یا ''صدماتی'' اثر میں تھی۔ اس کی جواں سال بیٹی کا قتل ہوا تھا۔ وہ بہکی باتیں کرنے میں حق بجانب تھی۔ سو تم نے خود کو مطمئن کر لیا..... قصہ ختم..... گو کہ قصہ ختم نہیں ہونا چاہیے۔ کھجور کے پتوں سے چٹائی بنتے ہوئے اگر بے دھیانی میں ڈیزائن الجھ جائے اور اسے واپس موڑ کر سیدھی گرہ نہ لگائی جائے تو چٹائی میں بدنما گانٹھ بن جاتی ہے۔ ساری نفاست خراب ہو جاتی ہے۔ اس گانٹھ کو کھول کر ترتیب وار ڈیزائن اٹھانا پڑتا ہے۔ پھر ہموار ڈیزائن خوب صورتی کے ساتھ ابھرتا ہے۔ کچھ سمجھیں کہ نہیں.....؟'' احتشام نے سنجیدگی سے بڑی گہری ضرب لگائی تھی۔ عمائم ہونق ہو کر رہ گئی تھی۔

''احتشام کی باتیں..... اف اتنی مشکل اور گہری باتیں..... انسان ہزار مرتبہ سوچوں کے سمندر میں ڈوبے اور ابھرے.....؟ پھر بھی پلے کچھ نہ پڑے۔'' عمائم نے دھواں ہوتے دماغ کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔ جیسے



www.pklibrary.com

سب سمجھ گئی ہو..... احتشام کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ جیسے ایک بچے کی نادانی پر ابھرتی ہے۔ وہ مسکراتا ہوا پلٹ گیا۔ عمائم تھک کر بستر پر گر گئی۔ دماغ کی طنابیں ہلا گیا تھا۔ وہ سر کو دونوں ہاتھوں سے دباتی رہی۔ بات مشکل تو نہیں تھی۔ پھر بھی عمائم کو سمجھنے میں بہت دیر لگی۔

اس نے کہا تھا، چٹائی کے ڈیزائن میں گانٹھ لگی ہے، اسے ذہانت سے کھولو..... نظر انداز نہ کرو، ساری الجھنوں کا حل پالوگی..... اور چٹائی کے ڈیزائن کی گانٹھ بھلا کہاں لگی تھی؟ وہ کس ڈیزائن کو چھیڑتی.....؟ اجنبی خاتون سے روابط بڑھا کر؟ اُن سے ایک اور ملاقات کے بعد.....؟

وہ ملاقات جو اتنے بڑے ''دعوے'' کے سبب ناگزیر تھی؟

لیکن عمائم نے کیا، کیا؟ ابھی گانٹھ کو سلجھانے کے بجائے ایک طرف اطمینان سے رکھ دیا۔ اسے نہ کرن میں دلچسپی تھی نہ کرن کی ماں میں..... وہ اجنبی راہوں پر چلتی کیوں؟ جو عمائم کے گھر کی طرف آتے نہیں تھے۔

☆☆☆

ایک دسمبر میرے اندر
پتھر جیسی آنکھ کی دھرتی
اور دل سات سمندر
سوچ کی لہریں ٹھہریں ایسے
چاند دکھے بس کھنڈر
مجھ میں آن بسا دسمبر

برفیلی سرد لہروں سے سوچوں کی شوریدہ سری ٹکراتی اور پاش، پاش ہو جاتی..... آنکھوں میں ریت بھرتی اور دور تک اڑتی چلی جاتی۔ باہر سرما برستا تھا اندر ساون ترستا تھا..... پیلی دھوپ کہیں نہیں تھی۔ ہر طرف اداسی بکھرتی اور تڑپتی تھی۔ املی کا پیڑ ویران تھا۔ اسے ویران ہی رہنا تھا۔ سرما اداس تھا، اسے اداس ہی رہنا تھا۔ باہر ویرانی تھی یا اندر ویرانی تھی؟ وہ سمجھ نہ پاتی۔ اسے تو سارے موسم ایک سے لگتے تھے۔ خشک، پھیکے، زرد، اداس اور ویران.....

شاید سارے موسموں کا تعلق دل کے ایک ہی موسم سے جڑا ہوتا ہے۔ اندر کا موسم اچھا تو سب اچھا..... ورنہ ویرانی ہی ویرانی..... اس نے تھک کر کھڑکی کے شیشے پر انگلیاں پھسلائی تھیں اور املی کے سوکھے پیڑ سے نگاہ ہٹالی۔ دل ہر چیز سے اچاٹ ہو چکا تھا۔ رنگوں سے، موسموں سے، دھوپ سے، روپ سے..... بیزاری کا سرد دسمبر اس کے اندر ٹھہر چکا تھا..... آنکھوں میں ''کند'' ہو چکا تھا۔

ماما ناشتے کی ٹرے اٹھائے روم میں آئیں اور دھک سے رہ گئیں۔ ٹرے اُن کے ہاتھ میں لرز سی گئی۔ انہوں نے بمشکل سنبھل کر ٹرے تپائی پر رکھی اور نپے تلے افسردہ قدم اٹھاتی اس کے قریب آ گئیں۔

کسی کی موجودگی محسوس کر کے ماہم نے گردن گھمائی اور چونک گئی۔ ماما اس کے برابر کھڑی تھیں۔ انتہائی متفکر اور غم زدہ..... آخر ماں تھی کیسے نہ متفکر ہوتیں۔ بیٹی کی پر وحشت آنکھوں کا فسانہ بن پڑھے ہی سمجھتی تھیں۔ ان کے اندر کنڈلی مارے ایک احساس نے اچانک سر اٹھایا تھا۔ ان کا کلیجا جیسے منہ کو آ گیا..... سامنے کا منظر بڑا ہراساں کرنے والا تھا۔

ان کی آنکھیں ماہم کو نہیں کسی اور کو دیکھ رہی تھیں..... ویسی ہی نڈھال آنکھیں، ویران آنکھیں، اداس آنکھیں، جن میں ریت بکھرتی اور بگولوں کے مانند اڑتی تھی۔



www.pklibrary.com

کسی کے ''ہجر'' سے بے حال، بے نور آنکھیں جو بینائی کو ترستی تھیں۔ ان آنکھوں پر ماما کو کسی اور کا گمان ہوا..... کوئی اور جو لکڑی کے زینے سے اوپر کارنر والے کمرے کی کھڑکیوں سے جھانک رہا تھا۔ حیران، متحیر، متعجب.....

گول راہداریوں میں کوئی قلانچیں بھرتے بھاگ رہا تھا۔ جس کے لہریے دار بالوں کے گول گچھے کمر سے نیچے تک بکھرتے تھے۔ جس کی آنکھوں کا ''جمال'' قرنوں تک فسوں طاری کرنے میں کمال رکھتا تھا۔ جس کی ذات کا ''سحر'' صدیوں تک گرفتار رکھنے میں کمال رکھتا تھا۔

وہ ہنستا ہوا چہرہ یا وہ روتا ہوا چہرہ..... اپنے عکس ماضی سے نکال کر حال میں اٹھالایا۔ ماما کو لگا، وہ ماضی سے نکل کر حال میں نہیں آئیں۔ واپس ماضی کی دہلیز پر جا کھڑی ہوئی ہیں۔ یہ ماہم کا چہرہ نہیں تھا۔ یہ ماہم کے نقش نہیں تھے..... یہ ماہم کے عکس نہیں تھے۔ پھر بھی ماہم کے مشابہ لگتے۔

ماما کے دل کو پنکھ سے لگے..... یہ ان کی لاڈلی بیٹی کس ''صحرائی سفر'' کی مسافر بن رہی تھی؟ یہ ان کی دلاری ماہم کس سفر پر نکل رہی تھی؟ کیا وہی سفر جو آبلہ پائی کے نام سے معروف تھا؟ کیا وہی سفر جو عمر بھر کی تنہائی کے نام سے منسوب تھا؟ ماما کی جیسے جان نکل گئی۔ وہ ستر تاپا کپکپا گئیں۔ دل میں ہول سے اٹھے تھے۔ انہوں نے سر کو جھٹک، جھٹک کر ماضی کے ''چوکھٹے'' سے جھانکتے اس ویران چہرے کے عکس سے پیچھا چھڑوایا تھا۔ پھر بے قراری سے ماہم کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا۔

''ماہم.....! میری جان حوصلہ کرو..... تم اتنی کمزور تو نہیں تھیں۔ پھر ایسی بزدلی کیوں؟'' ان کے لہجے میں کیسی بے چینی تھی؟ ممتا کی کیسی تڑپ تھی جو ہر حال میں بیٹی کی تکلیف کو محسوس کر سکتی تھی۔ وہی تکلیف جو کسی اور کی ماں اپنے دل میں محسوس کرتی تو انہیں بہت بری لگتی..... تب وہ بھری محفل میں نہ سہی، ایسے ہی چپکے، چپکے سہیلیوں اور دیورانیوں کے سامنے مزے لینے کے لیے ضرور دُہراتیں۔

''میں اتنی بہادر بھی نہیں تھی۔'' ماہم نے ماں کی بے قراری پر افسردگی سے کہا تھا۔ ان کے اندر پھانس سی چبھی۔

''تم میں کیا کمی ہے ماہم! تمہیں ایمان سے کہیں بہتر.....'' وہ سمجھ نہیں پا رہی تھیں کہ کس طرح ماہم کا دھیان ایمان سے ہٹا کر کسی دوسری طرف موڑیں۔ یا کچھ ایسا اسم پھونک دیں جو ماہم کو ایمان کا خیال تک نہیں آئے۔ ماہم کی آزردگی دیکھنا ان کے لیے محال تھا۔ اس کی محبت اجڑتے دیکھنا ان کے لیے عذاب تھا۔ کاش وہ ماہم کی آنکھوں کے ''ستارے'' لوٹانے پر قادر ہوتیں..... یا اس کی ہتھیلیوں پر ایمان کا نام کندہ کر دیتیں۔

''بات کمی کی نہیں ہے ماما! بات تو ایمان کی ہے..... کوئی کتنا بہتر کیوں نہ ہو، وہ ایمان کبھی نہیں ہوگا۔'' ماہم نے بے بسی کی انتہا پر کرلا کر کہا تھا۔ ماما دہل سی گئیں۔ کانوں میں سالوں پرانی سسکاریاں سی گونجنے لگیں۔

''اندر آگ سی ہے..... اتنی تپش کہ حد نہیں، اتنی گرمی کہ انتہا نہیں۔ صبر شہد کا دریا ہوتا تو سبھی ڈوب جاتے..... صبر تو آگ کا سمندر ہے، جس کے پار اترنا آسان نہیں.....'' ہوا کے دوش پر لہراتی اس آواز میں صدیوں کے نوحے کرلا رہے تھے۔ منظر بدلا تو آواز بھی بدل گئی۔

''ہیرے کا تاج کیوں نہ ہو، میرے لیے پیتل کے تھال سوا کچھ نہیں۔ جو میرا نہیں، اسے میرا بناتے ہو..... جو میرا ہے اسے میرا نہیں بناتے.....'' آواز میں ضد نہیں، التجا کی سسکاریاں ہوتیں۔ آنسوؤں کی نمکینیت ہوتی۔ رنج ہوتا، آزردگی ہوتی، غم ہوتا، درد ہوتا، کرب ہوتا، کرلاہٹ ہوتی لیکن اس آواز کا ''کرب'' بھلا سمجھتا کون؟

ہاں تب کی بات اور تھی..... نہ کوئی دلیل سنتا نہ جواز کے پیچھے لپکتا ہاں، تب معاملہ اپنی اولاد کا جو نہیں تھا۔ آج انہی کیفیتوں سے ماہم گزر رہی تھی تو دل گداز بھی تھا، نرم بھی تھا۔ تکلیف کے ہر احساس کو سمجھتا بھی تھا۔ لیکن ''بے



www.pklibrary.com

بس'' بھی تھا۔ مضمحل بھی تھا..... غم زدہ بھی تھا.. پابند سلاسل بھی تھا۔

''ماہم! میں تمہیں اس حالت میں نہیں دیکھ سکتی۔ تمہیں اپنی ماں پر رحم نہیں آتا۔'' وہ جیسے سسک پڑیں۔

''آپ غم نہ کریں ماما! میں سنبھل رہی ہوں..... آہستہ، آہستہ سنبھل ہی جاؤں گی۔ زخم تازہ ہوں تو تکلیف دوگنا ہوتی ہے، زخم سلنے میں وقت لگے گا.....'' وہ کتنے ٹھہرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ گو کہ یہ اس کا انداز کبھی نہیں رہا تھا۔ وہ تو اپنی پسندیدہ چیز نہ ملنے پر ایک ہنگامہ کھڑا کر دیتی تھی۔ پھر نہ جانے کیسے دل کے معاملے پر سمجھوتا کر گئی تھی۔ ماما کو اس ''تغیر'' پر یقین نہیں آتا تھا۔

''ماہم!'' وہ تڑپ سی گئیں۔ ''میں ہوں ناں..... پھر تم کیوں غمگین ہوتی ہو، میں تمہاری خاطر آخری حد تک جنگ لڑوں گی۔ چاہے تمہارے پاپا کو منانا پڑے یا دادا کو.....'' آن کی آن میں انہوں نے فیصلہ کر لیا۔ وہ اپنی بیٹی کے لیے ہتھیار نہیں پھینکیں گی بلکہ جہاں تک ممکن ہوا جنگ لڑیں گی۔

اس فیصلے تک پہنچتے، پہنچتے وہ ماضی کا دریچہ کھولنا بھول ہی گئیں۔ ماضی کے چوکھٹے میں سجے پھول سے چہرے پر اتنی کملاہٹ بکھری تھی کہ کوئی پلٹ کر دیکھتا تو حیران رہ جاتا۔ وہاں دور تک سرسوں کا راج تھا۔ سورج مکھی کے پھولوں کا عرق چہرے پر بکھر رہا تھا۔ ہر طرف زردیاں ہی زردیاں..... پیلاہٹ ہی پیلاہٹ.....

''میرے لیے کیوں نہیں.....؟ میں ...کسی کی بیٹی نہیں تھی؟ کیا مجھے کسی سے محبت نہیں تھی؟ میرا کوئی رفیق نہیں تھا..... مجھ پر کسی کو ترس نہ آیا۔ میری محبت پر کسی نے رحم نہ کھایا؟'' کسی نے شکووں کا رجسٹر کھولا اور سیاہ روشنائی سے لفظ بکھرتے چلے گئے۔ آنسوؤں میں دھلے لفظ..... شکووں میں بھیگے لفظ..... بازگشت تھی۔

ماما اندر تک ہل گئیں۔ جی چاہا..... ملٹ کر ماضی کا دریچہ زور سے بند کر دیں..... تاکہ پھر کوئی آواز رکاوٹ نہ بنے۔

''مجھے محبت چاہیے ماما! خیرات نہیں.....'' وہ ماہم تھی، محبت اعزاز میں چاہتی تھی۔ پجارن تھی، بھکارن ہرگز نہیں تھی۔

انہوں نے حیرانی سے ماہم کے چہرے پر چھائی سختی کو دیکھا۔ وہاں تیز ہوا کی شوریدہ سری تھی۔ ایسے ہی تیز ہوا کی شدت سے ماضی کا دریچہ لمحہ بھر کے لیے پھر کھل گیا۔

''مجھے محبت چاہیے، اعزاز میں نہ سہی..... خیرات میں سہی..... میں پجارن سے بھکارن بن گئی ہوں۔ ہے کوئی سخی جو سخاوت کر دے.....؟'' درزوں سے نکلتی آواز نے ماما کو ساکت کر دیا تھا۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے ماضی کا دریچہ زور سے بند کیا..... وہ کوئی بھی آواز سننا نہیں چاہتی تھیں۔

''یہ نصیب کی بات ہے، تمہارا نصیب تمہارے ساتھ تھا۔ میری بیٹی کا نصیب اس کے ساتھ..... میں ماہم کی خوشی کے لیے سب کچھ کروں گی.....'' انہوں نے جیسے خود کو دلاسا دیا تھا۔ خود کو تسلی دی تھی۔ شاید انہیں اپنی صلاحیتوں پر بھروسا تھا یا نصیب کی یاوری کا یقین تھا۔

یہ تھا کل اور آج میں فرق تھا، یہ تھا ماضی اور حال میں فرق کل جو کسی اور کے لیے غلط تھا آج اپنی بیٹی کے لیے درست لگ رہا تھا۔ یہ تھا اپنی اور پرائی اولاد میں فرق..... ہم کسی کی تکلیف کو تب تک محسوس نہیں کر سکتے۔ جب تک خود اس تکلیف سے نہ گزریں۔

''دیکھو تو کیسے مر رہی ہے..... ایسی منہ زور خواہشوں سے اللہ بچائے۔'' کبھی انہوں نے اونچے دالانوں والے اسی گھر میں اونچا ٹھٹا لگا کر کہا تھا۔ ان کے لہجے میں ایک استہزا تھا۔ آج وہی استہزا ہوا میں تحلیل ہو گیا تھا۔ جی چاہتا تھا کوئی ایسا جادو پھونک دیں جو سب کچھ ماہم کی تمنا کے حسب منشا ہو جائے۔ لیکن سب کچھ مرضی کے مطابق نہیں ہوتا..... سب کچھ خواہشوں کے مطابق نہیں ہوتا۔



www.pklibrary.com

ایک ہی ڈگر پر چلتے، چلتے اچانک اسپیڈ بریکر آتا ہے، اندھا دھند چلتے آدمی کو پتا نہیں چلتا اور وہ منہ کے بل گر جاتا ہے۔ ماہم کے دل پر لگی چوٹ نے انہیں منہ کے بل گرا دیا تھا۔

انہیں ماں اور ممتا کی ''تڑپ'' کا درد سمجھ میں آ گیا۔ مائیں کیسے ''بے بس'' ہو جاتی ہیں، انہیں سمجھ میں آ گیا۔ ماضی کا دریچہ ہلکی ہوا کے زور پر پھر سے کھلا تھا۔ انہیں ملکاؤں جیسی ایک عورت کی بادامی آنکھوں کے گیلے فرش پر بکھری ہوئی دبی، دبی التجا کا خیال آیا۔

''اگر آپ چاہیں تو.....؟ کوشش کریں تو.....؟ آپ منوا سکتے ہیں، آپ کر سکتے ہیں۔ کچھ مشکل تو نہیں..... لوگ چار دن باتیں کریں گے پھر ہمیشہ کے لیے بھول جائیں گے۔ کسی کے پاس اتنا وقت نہیں۔ دیکھیں، میں نے آج تک آپ سے کچھ نہیں مانگا۔ آج مانگ رہی ہوں۔ مجھے خالی ہاتھ نہ لوٹائیں۔'' التجائیں بڑھتی جا رہی تھیں، بڑھتی جا رہی تھیں..... وہ باہر کھڑی سُن رہی تھیں..... آج بھی سُن رہی تھیں..... اس آواز کا کرب سالوں کی گرد سے اچانک اٹھ کر اُن کے گرد گھیرا تنگ کر رہا تھا، کرتا جا رہا تھا..... انہوں نے بے ساختہ کانوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ آنکھیں میچ لیں، لب بھینچ لیے، ماہم ماں کی تکلیف کو سمجھ رہی تھی۔ جانتی تھی کہ ماں اس کے لیے پریشان ہے۔ اسی لیے ٹھنک کر کندھے سے آ لگی۔

''میرے اختیار میں کچھ نہیں ماما! تو کیا میں رو بھی نہیں سکتی.....؟'' اس کے آنسو ٹوٹ کر ماں کے دل پر گر رہے تھے۔ انہوں نے بے ساختہ ماہم کو خود میں بھینچ لیا۔

''رونے سے دل کا بوجھ اگر ہٹ سکتا ہے تو جتنا چاہے رو لو.....'' انہوں نے بے ساختہ ''ہار'' کر کہا..... ہر ماں تقدیر کے سامنے ہار جاتی ہے، ماہم کی ماں بھی ہار گئی تھی..... جیسے ''عمامہ'' کی ماں بھی ہار گئی تھی۔

وہ بجھے دل سے ماہم کے بیڈ روم سے نکل آئیں، ان کے پیروں میں بھاری پہیے بندھے تھے، ایک قدم اٹھاتیں تو دوسرا اٹھانا مشکل ہو جاتا۔ ہر قدم سو گنا بھاری تھا۔ وہ چلتی، چلتی سیڑھیاں اتر گئی تھیں۔

نیم تاریک گیلری سے گزر کر وہ گول کمرے کی طرف آئیں، اپنی بوجھل آنکھوں کو پلو سے پونچھ کر انہوں نے گول کمرے میں قدم رکھا تو حیران رہ گئیں۔ یہاں ساری خواتین کی محفل سجی تھی۔ بابا صاحب کی ساری بہویں اپنے، اپنے حجروں سے نکل کر گول کمرے میں ایک جگہ اکٹھے موجود تھیں سو حیران ہونا تو بنتا تھا۔ عام روٹین میں کوئی بھی ایک جگہ باجماعت دکھائی نہیں دیتا تھا۔ کوئی نہ کوئی اپنی مصروفیت میں گم ہوتا۔ کسی نے نماز پڑھنی ہوتی، کسی نے وظیفہ کرنا ہوتا۔ کوئی کچن میں بھاگتا، کسی کی ہانڈی چڑھانے کی باری ہوتی، غرض کہ سبھی کی مصروفیت کا دائرہ خاصا وسیع ہوتا تھا، کم ہی ساری معزز خواتین کو اکٹھے بیٹھنے کا موقع ملتا۔ حیرت تو یہ تھی کہ آج تائی امی اور بڑی امی بھی موجود تھیں اور ان سب کے چہروں پر پُر وحشت حیرانی تھی۔ ایسی تعجب میں ڈالنے والی حیرت جس نے ماما کو بھی لمحہ بھر کے لیے بھونچکا کر دیا تھا۔

اور ان سب کے درمیان گردن تان کر بیٹھی حریم کسی ریاست کی ''وزیرِ اطلاعات و نشریات'' لگ رہی تھی۔ ماما کی حیرانی ایک نکتے میں سمٹ آئی۔ انہوں نے فوراً حریم کی گفتگو پر کان دھرے تھے۔ جو بڑے ہی ''ڈرامائی'' انداز میں سب کے اکیس، اکیس طبق روشن کر رہی تھی۔

''اور ان آنٹی نے کہا..... میں تمہاری بدنصیب ماں ہوں۔'' حریم نے آنکھوں میں ڈھیروں تجسس سمو کر اپنے تئیں دھماکا کر دیا تھا۔ وہ قریب بیس مرتبہ یہی بات دُہرا چکی تھی۔ اب ماما کو دیکھ کر پھر سے دُہرا رہی تھی۔ سب خواتین کی آنکھوں میں تعجب کی بوندیں چمک اٹھیں۔ کئی ایک نے پہلو بدلے، کئی ایک کو جھٹکے لگے اور کوئی کھڑے،



www.pklibrary.com

کھڑے ''جم'' گیا تھا۔

''اور وہ عورت کون تھی؟'' سب سے پہلے تائی امی نے بے قراری سے سوال اٹھایا۔ ان کی آنکھوں میں وحشت بکھر رہی تھی۔

''اور اس کا نام کیا تھا.....؟'' دوسرا سوال بڑی امی کی طرف سے آیا۔

''عمامہ.....'' کسی کے بے آواز لبوں نے غیر محسوس انداز میں حرکت کی تھی۔ یہ آواز کسی اور کی نہیں، امو کی آواز تھی۔ وہ اسپتال سے سیدھی یہیں آرہی تھیں۔ ان کے لب ہلانے پر ماحول سکوت کے گھیرے میں چلا گیا تھا۔ ہر کوئی ایسے ساکت تھا جیسے سانس نہیں لے گا۔ ہر کوئی دم بخود تھا۔ آج اس گھر کے در و دیوار نے کس راندے ہوئے کا نام سن لیا تھا؟

''نہیں.....'' حریم نے نفی میں سر ہلایا۔ ''خوب صورت آنٹی کا نام کچھ اور تھا۔ شاید سونیا..... یا اس سے ملتا جلتا.....'' حریم کو سوچنا نہیں پڑا۔ اس وقت سب کیمروں کے رخ حریم کی طرف تھے۔ اور وہ وزیرِ اطلاعات و نشریات تھی۔ اس اعزاز پر وہ پھولے نہیں سمائی تھی۔

''کیا نام بدل کر آئی تھی؟ وہ سونیا نہیں، عمامہ ہوگی۔'' امو نے تیز لہجے میں سر ہلا، ہلا کر کہا..... ان کی پتلیاں سکڑ رہی تھیں۔ ان میں خوف ''کندہ'' ہو رہا تھا۔ ہر کوئی ایک مرتبہ پھر ''عمامہ'' کے نام پر منجمد سا ہو گیا۔ امو نے دوسری مرتبہ عمامہ کا نام لے کر گناہ کیا تھا۔ ان کے لیے ''استغفار'' پڑھنا ضروری تھا۔ ''استغفار'' انہوں نے بلند آواز میں پڑھا۔

''لیکن عمامہ کیسے ہوگی؟'' تائی امی کے لہجے میں اضطراب بھر گیا تھا۔ انہوں نے زندگی میں پہلی مرتبہ تیز آواز میں چیخ کر کہا۔

''وہ کہاں سے آئے گی؟'' بڑی امی کی آنکھوں میں بھی حیرانی تھی۔

''اور کس منہ سے آئے گی؟'' یہ آواز کسی خاتون کی نہیں..... اس وقت کی تھی جو تمسخر اڑا کر انہیں دیکھ رہا تھا۔

''لیکن وہ آئی تو سہی..... نام بدل کر، حیثیت بدل کر اور چہرہ بدل کر اتنی تبدیلی کے بعد بھی اسے گمان ہوگا۔ ہم اسے پہچانیں گے نہیں تو یہ اس کی بھول ہوگی..... ہم نے اسے بن دیکھے پہچان لیا۔ اسی دہلیز کی خاک چاٹنے پہنچ گئی۔ بالآخر اسی گام پر آئی، اسی دہلیز پر آئی۔'' پُر وحشت آنکھوں کا خوف بڑھتا جا رہا تھا، بڑھتا جا رہا تھا۔ پتلیاں الٹ رہی تھیں، ان میں خوف گھس رہا تھا۔

''اس کی ایسی مجال.....؟'' پھر رنگ، رنگ کی بولیاں ابھرنے لگیں۔ قسم، قسم کی باتیں اٹھیں۔

''اتنی دیدہ دلیری.....؟''

''اتنی ہمت.....؟''

''ایسی بے شرمی.....؟''

لفظ بول نہیں رہے تھے، آج تاثرات بول رہے تھے۔ ہر کوئی اپنی، اپنی جگہ منجمد اور حیران تھا۔ پھر اچانک تائی امی نے لب کشائی کی تھی۔

''حریم بچی ہے..... اسے غلط فہمی ہوئی ہوگی ایسا کوئی قصہ سرے سے نہیں..... اور تم سب گواہ ہو۔ جانے کون عورت ڈھونگ رچا کر آ گئی..... بچیوں کو بیوقوف بنا گئی۔ آج کل اس گھر میں انوکھے واقعات ہو رہے ہیں، کبھی کچھ ہوتا ہے اور کبھی کچھ..... ایسی عورتیں ہی وارداتیں کرواتی ہیں، پوچھتی ہوں چوکیدار سے، اس نے اندر کیسے آنے دیا..... اور حریم!'' وہ زیرِ لب غصے میں بڑبڑاتی اٹھی تھیں۔ سب خواتین کو تائی امی کے غصے پر سانپ سونگھ گیا تھا۔



www.pklibrary.com

اول تو انہیں غصہ آتا نہیں تھا۔ اگر آجاتا تو اترتا نہیں تھا۔ سب خواتین نے کھسک جانا مناسب سمجھا تھا۔ کیونکہ توپوں کا رخ حریم سے ہوتا ہوا ان کی طرف آ بھی سکتا تھا۔

''اور حریم.....! تم فلمیں دیکھنا کم کرو۔ آئے دن کوئی نہ کوئی کہانی اٹھالاتی ہو۔ پھر انجان عورت کو گھر کے اندر لانے کی ضرورت کیا تھی؟ اس کے پیچھے کوئی گینگ ہوتا..... فون کر کے اکیلا گھر سمجھ کر پوری ٹیم کو بلوالیتی۔ دن دیہاڑے ڈکیتی کی کتنی وارداتیں ہو چکی ہیں۔'' تائی امی کے گھرکنے پر سب خواتین نے باری، باری حریم کو گھورنے کا فریضہ ادا کیا تھا اور پھر یکے بعد دیگرے اٹھتی چلی گئی تھیں۔ محفل اچانک برخاست ہوگئی۔ حریم کا منہ اتر گیا۔ سارا ڈراما فلاپ ہوگیا۔ اوپر سے بے عزتی الگ ہوئی۔

''آئندہ کسی کو رپورٹ نہیں دوں گی.....'' بس غصے میں فیصلہ ہوا تھا۔ وہ منہ پھلا کر صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی اتنی اہم خبر کو چٹکیوں میں اڑا دیا گیا تھا۔ وہ غصہ کیوں نہ کھاتی۔

معاً کوئی کمرے میں دبے قدموں میں داخل ہوا تھا۔ حریم ناخن چباتی چونک گئی تھی۔ گردن گھما کر دیکھا تو احتشام کو سامنے پایا۔ وہ لیدر کا آفیشل بیگ کندھے پر ڈالے بنا ٹھنا باہر جارہا تھا۔ شاید حریم کو دیکھ کر رک گیا تھا۔

''ایں..... ایسی گندی حرکت.....؟ کوئی ناخن بھی کھاتا ہے.....؟'' احتشام نے چھبی، چھبی کے انداز میں کہا۔ حریم نے غصے سے احتشام کی طرف دیکھا تھا۔ جیسے اس کی مداخلت گراں گزری تھی۔

''تو کیا غصہ کھاؤں.....؟'' اس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں احتشام کو گھورا تھا۔

''وہ تم آل ریڈی کھا رہی ہو.....'' احتشام نے اسے یاد دلایا۔ حریم نے ''ہونہہ'' کہہ کر گردن گھمالی تھی۔ جیسے احتشام کو چلے جانے کا اشارہ دیا ہو۔ وہ اس ادا پر ہنس پڑا۔


مارچ 2021ء کا سسپنس ایک نظر میں

خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ سسپنس ڈائجسٹ

مزید

خطوط کی محفل،
محفل شعر و سخن
اور
ملک صفدر حیات کی تفتیش

تارِ عنکبوت

معاشرے کے چند تاریک اور اذیت ناک پہلوؤں کو اجاگر کرتی ایک دلگیر داستان..... پروین زبیر کے خیالات کی اڑان

چاہِ قفس

ماضی کے اوراق پر ایک خوبصورت رنگ بکھیرتے واقعات کا احاطہ..... ابتدائی صفحات پر زویا اعجاز کی سحر انگیزی.....

شہ زوز

عشق و محبت کے سحر انگیز جذبوں کی جنوں خیزی، لطیف رشتوں اور کثیف سازشوں کے جال اسما قادری کے قلم کا کمال

ساشا

کبھی پر خطر جزیروں، کبھی بغاوتوں کے جنگل میں بھٹکتے مسافر کی داستان..... عمر عبداللہ کے قلم کا شاہکار

اس کے علاوہ

تنویر ریاض، ناہید سلطانہ اختر، مظہر سلیم ہاشمی، نجمہ مودی اور اعتزاز سلیم وصلی کی خوب صورت تحریریں




www.pklibrary.com

''ان لوگوں پر غصہ مت کرو..... کچھ دن بعد یہ خود تمہارے پاس آئیں گے۔ لمبے، لمبے سوال اٹھا کر.....''
احتشام نے اسے پچکارتے ہوئے تسلی دی تھی۔ حریم قدرے چونک گئی۔
''یہ لوگ.....؟ ہونہہ.....'' حریم کچھ زیادہ ہی دلبرداشتہ تھی۔
''تم دیکھ لینا.....'' وہ مسکرایا اور حریم کو ڈھارس دیتا آگے بڑھ گیا۔ وہ ناخن چباتی غصہ کھاتی دیکھتی رہ گئی۔ احتشام باہر آیا تو گرل لگے برآمدے کے اسٹیپس پر بیٹھی ماہم کو پایا۔ وہ گھٹنوں پر بازو لپیٹے، سر اٹھائے املی کے خشک پیڑ کو دیکھ رہی تھی۔ املی کا پیڑ پتا پتوں اور شاخوں کے ویران کھڑا تھا۔ کسی صحرا میں ٹنڈ اسٹوپا کی طرح جس پر صدیوں کی اداسی بکھری تھی۔
وہ گلا کھنکھار کر ذرا نیم رخ سے سامنے آیا۔ اب کے ماہم کو چونکانا مقصود تھا۔ اس کی توجہ املی کے پیڑ سے ہٹ گئی تھی۔ اب وہ احتشام کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے اِک سرسری نگاہ ماہم کے اداس چہرے پر ڈالی۔ اسے ماہم کی آنکھوں کے گوشے بھیگے محسوس ہوئے تھے۔ پلکوں کی جڑوں سے لے کر نوکوں تک۔
''اعتدال بہترین راہ ہے..... کیونکہ آگ کے الاؤ میں پاؤں ہو یا برف کی سل پر..... دونوں صورتوں میں تپش ہمارا مقدر بنتی ہے۔'' اس نے کندھے سے لیدر بیگ اتارا۔ زپ کھولی اندر سے گئی مڑے تڑے کاغذ نکالے۔ اِک نگاہ اسے دیکھ کر دوبارہ بیگ میں گھسایا اور زپ کو پہلے کی طرح بند کر دیا تھا۔ ماہم کی ویران آنکھوں میں حیرانی سی جمی تھی۔ وہ نگاہ اٹھا کر احتشام کو دیکھتی رہی۔ جیسے اس کی بات سمجھنا چاہتی ہو۔
''تپش سے بچنا ہو تو بیچ کی راہ نکالنی پڑتی ہے۔'' اس کا انداز پہلے کی طرح سرسری اور غیر سنجیدہ تھا۔ گو کہ ماہم سمجھتی تھی کہ ایک واحد اس گھر میں احتشام تھا جس کی کوئی بات چاہے معمولی سے معمولی کیوں نہ ہو قطعی طور پر.... بے معنی نہیں ہوتی تھی۔ وہ غیر سنجیدگی میں بھی ہمیشہ سنجیدہ رہتا تھا۔ جو عام معمولی قصوں، کہانیوں، لطیفوں، اشعار، اقوال سے اپنی پسند، فہم اور مطلب کی چیزیں نکال کر ایسے فٹ کرتا کہ عقل حیران رہ جاتی۔ وہ ایسا ہی انسان تھا۔ عام لطیفوں سے زندگی کی کہانیاں بن لیتا۔ وہ لطیفہ، مذاق، قول، کوئی تاریخی واقعہ، کہیں بھی لکھا ہوتا، کسی میگ پر، کسی کٹنگ بورڈ پر، کسی اخباری ٹکڑے پر..... احتشام کی نگاہ میں آ کر اپنی قیمت بنا جاتا تھا۔ کیونکہ احتشام کو ان ننھے ٹکڑوں اور اخباری جوکس کو اِک نظر دیکھ کر پھینکنے کی عادت نہیں تھی۔
''اور بیچ کی راہ ہمیشہ کامیابی دیتی ہے۔'' اس کا انداز امید دلانے والا تھا۔ ماہم گہری سانس کھینچ کر رہ گئی۔ وہ کب سے بیچ کی راہ تلاش رہی تھی۔ اور بیچ کی راہ تھی کہ ملتی ہی نہیں تھی۔
''میں کوشش کر رہی ہوں..... مگر بے بس ہوں.....'' اس نے تھک کر پلر سے سر ٹکرایا۔ ''بھولنا چاہتی ہوں مگر بھلانا مشکل ہے۔''
''گو کہ محبت چہروں سے نہیں..... دلوں اور روحوں سے کی جاتی ہے۔ چہرے روپ بدل سکتے ہیں مگر روح روپ نہیں بدلتی۔'' احتشام اس کی افسردگی کو سمجھ رہا تھا۔ اچھی طرح سے سمجھتا تھا۔
''بس یہی گناہ سرزد ہوا۔ آنکھ کے کٹوروں اور دل کے چوکھٹوں میں ایک ہی چہرے کو بھرا..... وہی چھوڑ گیا، دور چلا گیا۔'' ماہم کی آنکھوں میں تھکن کی ریت بھر رہی تھی، بھرتی جا رہی تھی۔
احتشام نے گہری سانس بھری تھی۔ لیدر کا بیگ دوسرے کندھے پر منتقل کیا۔ اور سنجیدگی سے ماہم کا چہرہ دیکھتا رہا۔ وہ محبت کے آغاز میں ہی ''انجام'' سے دوچار ہو گئی تھی۔ دیکھا جاتا تو اس کا دکھ بڑا تھا۔ سو سنبھلنے کے لیے وقت بھی ''بڑا'' درکار تھا۔
''میں تمہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک قول سناتا ہوں.....'' اس نے سوچ کی وادیوں میں بھٹکتی ماہم کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھ کے کٹورے اب بھی بھرے ہوئے تھے۔ نمکین پانیوں


www.pklibrary.com

سے لبریز.. کسی یاد کے اثر میں کسی ''ہجر'' کے غم میں، کسی ''کرب'' کے حصار میں۔

وہ ایمان سے محبت کرتی تھی..... سو اتنی بولڈ تو تھی کہ جو اظہار کر دیتی۔ وہ اس کی چاہت کو ''جان'' کر بھی دامن چھڑا گیا تھا۔ ایسا شاید کبھی نہ ہوتا۔ ایمان رستہ کبھی نہ بدلتا۔ اگر بیچ میں عمائم نہ ہوتی۔ اس نے آنکھ کے کٹورے کو انگلی کی پور سے صاف کیا..... وہ احتشام کی بات سن رہی تھی۔

''اگر آپ کسی کو بہت زیادہ چاہو اور وہ آپ کو ''چھوڑ'' کر چلا جائے؟ اور آپ کی ''آنکھوں'' سے ''آنسو'' نکل آئیں تو..... اس یقین سے صاف کر لینا کہ زندگی کے کسی پل آپ کو یاد کر کے وہ آپ سے زیادہ روئے گا۔'' احتشام نے سنجیدگی سے ماہم کو کچھ سمجھایا تھا۔ کچھ ایسا جو بہت آسانی کے ساتھ اس کی سمجھ میں سما گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے کٹوروں میں حیرانی کے ساتھ، ساتھ بے چینی اتر آئی تھی۔ ایسی ''بے چینی'' جسے احتشام دیکھنا چاہتا تھا۔

''کیا تم چاہو گی، عمائم کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے ایمان کسی بھی موڑ پر ماضی کو یاد کرے اور اسے تم بہت شدت سے یاد آؤ..... اتنی شدت کے ساتھ کہ ایمان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ اور باقی ماندہ زندگی اس کی ''خسارے'' اور ''پچھتاوے'' میں گزر جائے؟ کیا تم ایسا چاہو گی؟'' وہ سراپا سوال بنا کھڑا تھا۔ ماہم کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ وہ احتشام کی سوچ کے اندر تک اتر گئی تھی۔ ایسی سوچ جہاں ایمان کی ناکام ازدواجی زندگی کھڑی تھی۔ پچھتاووں اور بے سکونی میں گھری..... اضطراب کے حصار میں تھکی ماندہ زندگی..... جہاں پہلی سی محبت کا کوئی جوش، ولولہ یا امنگ نہیں تھی۔

ماہم کے اندر تک اضطراب بجلی کی طرح دوڑ گیا تھا۔ اس نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا۔

''میں ایسا نہیں چاہوں گی..... میں ایمان کے لیے ایک اچھی زندگی کی خواہش کروں گی وہ میرے علاوہ کسی سے بھی شادی کرے مگر خوش رہے.....'' اس کے لفظ نرمی سے پھوار بن کر سماعتوں میں اترے تھے۔ اور تاریخ میں سنہری حرفوں سے کندہ ہو کر رہ گئے۔

احتشام کو ایک خوشگوار احساس نے گھیر لیا تھا۔ ایک احساس جو کاملیت کے ہر رنگ سے مزین تھا۔ ایک ایسا احساس جو انسانیت کے ہر رنگ سے لبریز تھا۔ جس میں احساس تھا، خیال تھا، ایک خلوص تھا۔ احتشام پر لمحوں میں کھڑے، کھڑے انکشاف ہوا تھا۔ وہ اس کے ادراک کو خود تک محدود نہیں رکھ سکا۔

''تمہیں مبارک دیتا ہوں ماہم! تم محبت کی کاملیت کو سمجھ گئیں..... تم نے محبت کو پا لینے کے لیے غلط راہ کا انتخاب نہیں کیا۔ تم ''سفرِ محبت'' پر چلتے ہوئے ''سفرِ جنون'' سے بچا لی گئی ہو، ایسا جنون جو محبت کو نگل جاتا ہے، ایسا جنون جو راستوں کو کھوٹا کرتا ہے، ایسا جنون جو منزلوں کو کھو دیتا ہے۔ تم اس عذاب سے بچ گئیں جو زندگیوں کو دیمک لگا دیتا ہے، جو ہر گام پر پچھتاوے لاتا ہے۔ تم میری ماں کی طرح زندہ درگور ہونے سے بچ گئی ہو۔ کیونکہ ''محبت حاصل'' اور ''حصول'' سے کچھ اور آگے..... ''ایثار'' کا جذبہ ہے، ایسا ایثار جو زندگیوں کو بگاڑتا نہیں سنوارتا ہے۔'' احتشام کے لفظوں کی پھوار نے سرتاپا ماہم کو بھگو ڈالا تھا۔ وہ اسے ''صبر'' سے بہت آگے ''ایثار'' کی رمزیں بتا رہا تھا۔ گو کہ ماہم ابھی ''صبر'' کے مرحلوں سے گزر رہی تھی۔ عنقریب شاید ایثار کی معراج کو بھی پا لیتی..... لیکن ایک بات تو طے تھی..... وہ جنون کی سرحدوں پر سر ٹکرانے سے بچا لی گئی تھی۔ وہ محبت سے ہجر اور ہجر سے صبر اور صبر سے ایثار تک آ رہی تھی۔ یہ اس گھر پر مبارک بادی کا فیضان تھا؟ یا بزرگوں کی دعاؤں کا اثر.....؟

☆☆☆

وہ جامعہ جانے کے لیے تیار تھی اور گاڑی کی چابی اٹھا کر بیگ، کتابوں سمیت پورچ میں کھڑی تھی۔ آج ڈرائیونگ کا ارادہ تھا لیکن گاڑی اسٹارٹ ہونے سے انکاری ہو گئی تھی۔ ڈرائیور نہ جانے کہاں تھا۔ خود ڈرائیو کرنے کا خواب ادھورا رہ گیا تھا۔ وہ کتابیں، بیگ اور موبائل گاڑی میں رکھ کر باہر نکل آئی۔



www.pklibrary.com

آج وہ گاؤن کے بجائے بڑی چادر میں تھی۔ لمبی سی پیروں کو چھوتی قمیص اور پینٹ نما ٹراؤزر پہنے، پیروں میں گلابی چپکی تھی۔ سردی کے باوجود اس نے جرابیں نہیں پہنی تھیں۔ چادر کے نیچے لمبی سی نرم فر والی جرسی دکھائی دے رہی تھی۔ گو کہ سردی کی شدت زیادہ نہیں تھی پھر بھی جامعہ کے سرد ماحول میں ''ٹھنڈک'' ہڈیوں میں گھس جاتی تھی۔ اور اس وقت کوفت کے مارے عمائم کا برا حال ہو گیا تھا۔ کیونکہ پہلے ہی وہ ایک بجے کے قریب جا رہی تھی۔ صبح کی ساری کلاسز بنک تھیں..... کچھ اس کا موڈ بھی نہیں تھا۔ کرن کی والدہ سے سرسری دوسری ملاقات ان کی شکستہ ذہن کیفیت اور صدماتی تاثرات کو سوچتے ہوئے دل حد سے زیادہ بوجھل تھا۔ وہ ایک ماں کے درد کو سمجھ سکتی تھی۔ ایک ماں کے کرب کو سمجھ سکتی تھی۔

جیسے ہی وہ گاڑی سے باہر آئی، ٹیرس سے جھانکتا ایمان چوکنا ہو گیا۔ ایک لمبی انگڑائی لے کر وہ بیرونی سیڑھیوں کو پھلانگتا ہوا نیچے آیا۔ عمائم تب چونکی تھی جب وہ اس کے مقابل آ کھڑا ہوا تھا۔

تر و تازہ سے ایمان کو دیکھ کر عمائم ٹھٹک سی گئی۔ وہ گلابی شرٹ، گلابی لائننگ والے ٹراؤزر میں ''گلاب'' سا لگ رہا تھا۔ وہ اپنی ہی تشبیہہ پر ''لاحول'' پڑھ کر رہ گئی تھی۔ کیسی زنانہ سی تشبیہہ تھی۔

''ہوں، جامعہ جا رہی ہو؟ گاڑی خراب ہے، آؤ ڈراپ کر دوں.....'' اس نے لمبی تمہید میں پڑے بغیر گاڑی کے بونٹ پر ہاتھ مارا اور اپنی کار کی طرف بڑھ گیا جسے وہ کم، کم ہی استعمال کرتا تھا۔ عموماً لمبی فلائٹ پر رہتا ہفتوں گھر نہ آتا۔ پیچھے اس کی کار پورچ میں لاکڈ کھڑی رہتی تھی۔ وہ سگے بھائیوں کو بھی ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

اس وقت عمائم کو نئے، نئے منگیتر سے بحث بیکار لگی تھی۔ جامعہ جانا ضروری تھا چاہے کوئی بھی ڈراپ کرتا..... وہ بس احتیاطاً تائی امی کو ایمان کے ساتھ جانے کا بتا کر آئی تھی۔ تب تک نیلی کار اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ فرنٹ ڈور کھلا تھا۔ عمائم کو آگے ہی بیٹھنا پڑا۔ جب وہ کالونی سے نکل کر ہائی وے پر آئے تب ایمان نے اسے مخاطب کیا تھا۔

''تمہاری پڑھائی میں کتنا عرصہ باقی ہے؟'' وہ گنگناتے ہوئے ذرا دیر کو رک کر اچانک بولا تھا۔ وہ اس سوال کو پوچھنے کا اختیار رکھتا تھا۔ سو عمائم کو بتانا پڑا۔

''یہ آخری سال ہے۔''

''ہوں.....'' ایمان نے ہنکارا بھرا۔ ''اور اس کے بعد.....؟'' غالباً وہ فیوچر پلاننگ کا پوچھ رہا تھا۔ عمائم سوچ میں پڑ گئی تھی۔ کیا جواب دے.....؟

''جاب کا سوچوں گی.....'' اس نے بالآخر کچھ سوچ کر جواب دیا تھا۔

''بابا صاحب تو نہیں مانیں گے۔ اور میں بھی.....'' ایمان نے بے ساختہ کہا۔ ''ہمارے گھرانے میں لڑکیاں جاب واب نہیں کرتیں.....'' وہ نہ بھی بتاتا تو عمائم اپنے گھرانے کی روایات سے واقف تھی۔

''جاب نہ کر سکی..... تو وہی کروں گی جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔'' اس کی سنجیدگی برقرار تھی۔

''یعنی شادی.....!'' ایمان نے وضاحت کر دی تھی۔ عمائم نے کندھے اچکائے تھے۔ جیسے تائید کر رہی ہو۔

''تو تم تیار ہو..... میفلی.....؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا یا رائے دے رہا تھا۔ عمائم سمجھی نہیں۔

''جیسے تائی امی کہیں.....'' وہ اس سے بڑھ کر اچھا اور مناسب جواب نہیں دے سکتی تھی۔ ایمان کو اس کا جواب پسند نہیں آیا تھا۔

''شادی تمہاری ہو گی تائی امی کی نہیں.....'' اس نے چڑ کر کہا تھا۔ عمائم کو وضاحت دینی پڑی تھی۔

''میرا مطلب ہے جیسے بڑے فیصلے کریں گے۔ یعنی جو انہیں بہتر لگے۔'' عمائم نے بے چینی سے انگلیاں مروڑی تھیں۔



www.pklibrary.com

''ایک تو تم ''فرمانبردار'' بہت ہو۔'' وہ کچھ اور چڑا تھا۔

''تو کیا نہیں ہونا چاہیے.....'' اس کی آنکھوں میں خفگی سی اتر آئی۔ ایمان نے نیم رخ سے عمائم کو دیکھا۔

''کیوں نہیں..... ضرور ہونا چاہیے.....؟'' اس نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی تھی۔ عمائم چپ سی کر گئی۔ ایسے ہی بلاوجہ سوچوں میں ماہم چلی آئی۔ دل عجیب سا ہو گیا تھا۔ وہ ایمان کے ساتھ آتی ہی نہ۔

''ایک بات بتاؤ عمائم!'' اس نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد پوچھا۔ ''تم اس منگنی سے خوش تو ہو؟'' وہ جانتی تھی یہ سوال کسی نہ کسی صورت میں ضرور سامنے آئے گا۔ جلد یا بدیر..... یا متواتر۔

''خوش نہ ہونے کی وجہ.....؟'' اس نے الٹا سوال داغ دیا تھا۔

''لگتی تو نہیں.....'' اب کے ایمان نے بغور اسے دیکھا تھا۔ وہ بے ساختہ نگاہ چرا گئی تھی۔

''ہر کوئی ایک سوال پوچھتا ہے اب کیا الٹا لٹک کر ثابت کروں.....'' چڑنے کی باری اب عمائم کی تھی۔ ایمان کے ہونٹ ذرا سا پھیل گئے تھے مسکراہٹ کے انداز میں..... جیسے عمائم کی بات کو انجوائے کیا ہو۔

''الٹا لٹکنے کی کیا ضرورت ہے..... تھوڑا مسکرا دو..... تھوڑا شرما دو..... ایسے ٹھس بنی رہو گی تو طرح طرح کے خیال تو ستائیں گے۔'' ایمان نے سنجیدگی سے جتلایا تھا۔ جیسے منگنی کے بعد والے عمائم کے رویے پر چوٹ کی تھی۔

''تو کیا احمقوں کی طرح خواہ مخواہ شرماؤں.....؟'' اس نے دبی، دبی آواز میں کہا۔ ایمان کو بریک سے لگ گئے۔

''آں، ہاں.....'' ایمان چونک گیا۔ ''واقعی یہ تو ہے شرمانے کے لیے ماحول کری ایٹ کرنا پڑتا ہے۔'' وہ کھڑکی کے پار دیکھنے کے بجائے اپنی کتاب الٹنے لگی۔ اس محویت میں عمائم کو پتا نہیں چلا تھا ایمان نے کار کو ٹرن دیا اور جامعہ کو جاتی شاہراہ کا رستہ مڑ گیا تھا۔

چونکی تو تب تھی جب کار ایک نامی گرامی ریسٹورنٹ کے پارکنگ ایریا میں جم گئی تھی۔ عمائم نے سر اٹھا کر دیکھا اور دنگ رہ گئی۔

''یہاں..... کیوں آئے.....؟'' وہ لمحوں میں حواس باختہ ہو گئی تھی۔ باقاعدہ ایمان کا بازو بھی ہلایا۔

''ریسٹورنٹ میں کیوں آتے ہیں؟'' اس نے الٹا نرمی سے سوال کیا۔ وہ عمائم کو غصہ دلا کر موڈ خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔

''لیکن ہم یہاں نہیں آ رہے تھے۔'' اس نے دبی، دبی ناگواری سے جتلایا۔

''اب تو آ چکے ناں.....'' ایمان کی نرمی برقرار تھی۔ عمائم جھنجلائی۔

''تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں..... میری لاعلمی میں.....؟'' اسے بے طرح جھنجلاہٹ ہو رہی تھی۔

''اب بتا دیا ناں..... تمہیں مزیدار سا لنچ کرواتا ہوں.....'' ایمان نے چٹکی بجائی اور ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ دی تھی۔ اب وہ باہر کھڑا تھا۔ عمائم اندر تھی۔

''کیا تم بھول چکے ہو..... میں نے کیا کہا تھا۔ مجھے ہوٹلنگ پسند نہیں۔'' وہ شدید ناگواری سے کہہ رہی تھی۔ ایمان نے ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''تمہارے کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے.....؟'' وہ سنجیدگی سے کھڑکی پر جھک آیا تھا۔ ''اب نکلو یہاں سے..... کیا تماشا بناؤ گی۔''

''مجھے نہیں آنا..... تم نے اچھا نہیں کیا..... مجھے بتایا نہیں.....'' عمائم پہلی مرتبہ اینٹھ سی گئی تھی۔ اسے ایمان کے دھوکے پر بلا کا غصہ آیا۔ اس کی ناگواری کے باوجود وہ دوسری مرتبہ اسے ریسٹورنٹ لے آیا تھا۔

''یہ سب کیا ہے عمائم.....'' ایمان جھنجلایا۔ اس کے نزدیک یہ ایشو کی بات ہی نہیں تھی۔ ''کیا تم شادی کے بعد بھی یہی کرو گی۔''



www.pklibrary.com

''جب شادی ہوگی تو کوئی سوال نہیں اٹھائے گا۔'' اس نے غصے میں جتلایا۔
''تمہیں ہمیشہ دوسروں کی پروا رہی ہے، میری نہیں۔'' اس کا ہمیشہ والا شکوہ تیار تھا۔
''اس لیے کہ سوسائٹی میں رہتی ہوں.....'' وہ خفگی سے بولی۔
''اب کیا چاہتی ہو.....؟ کھڑے، کھڑے نکاح پڑھواؤں تمہارے ساتھ؟ پھر اس ریسٹورنٹ کو رونق بخشو گی؟ کم از کم ایک لیگل سرٹیفکیٹ تو ہمراہ ہوگا۔'' اس کا انداز گہرا کاٹ دار طنزیہ تھا۔
''میں نے یہ کب کہا.....'' عمائم نرمی سے بولی۔ وہ غصہ کر کے ایمان کو بھڑکانا نہیں چاہتی تھی۔ اسے نرمی سے ہینڈل کرنا آسان تھا ناں کہ غصے اور ناگواریت کا اظہار کر کے۔
''جو چیز میں دوسروں کے لیے ناپسند کرتی ہوں۔ اپنے لیے کیسے پسند کروں.....؟'' اس کے لہجے میں واضح ملائمت اتر آئی تھی۔
''اپنے اصولوں میں کچھ نرمی لاؤ عمائم..... ایسے لمبا سفر نہیں چلے گا۔'' اچانک ایمان نے کار کا دروازہ کھولا تھا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ پھر کار کا رخ ایک جھٹکے سے بدلا تھا۔ جس ہیجانی انداز میں کار سڑک پر دوڑ رہی تھی عمائم اس سے ایمان کے موڈ کا اندازہ کر سکتی تھی۔ وہ لب بھینچے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس کے چہرے کی رنگت شرٹ کے ہم رنگ تھی۔ آنکھوں میں غصے کے ڈورے لہرا رہے تھے۔ عمائم سمجھ گئی تھی۔ وہ غصے میں نہیں، اپنے نفی کیے جانے پر احساسِ توہین میں مبتلا تھا۔
اسے پہلی مرتبہ ایمان کے غصے سے خوف آیا تھا۔ اسے لگا اب کہ ایمان کا غصہ سنجیدہ نوعیت سے کم نہیں ہوگا۔ کیا خبر، اسے اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کرنے کا خیال آیا ہو.....؟ اس سوچ نے عمائم کا دل کپکپا ڈالا تھا۔ جو بھی ہو... کم از کم اپنے اور ایمان کے رشتے کو وہ آخری دم تک نباہنا چاہتی تھی۔
اسے بھیگتی ہوئی گلابی شام بھولی نہیں تھی، جس کے توسط سے زندگی میں پہلی مرتبہ بابا صاحب نے اس کے سر پر دستِ شفقت رکھا تھا اور دعا دی تھی۔ اس ''دعا'' پر عمائم سب کچھ لٹا سکتی تھی۔ حتیٰ کہ خود کو بھی اپنے اصولوں کو بھی..... اپنی قائم کی ہوئی حدود کو بھی، اپنے لگے بندھے رویّوں کو بھی۔ اپنے مزاج کے برخلاف خواہشوں کو بھی۔

☆☆☆

کسی مذہبی عمارت پر ہونے والے بم بلاسٹ نے وقتی طور پر کرن کا مرڈر کیس دبا دیا تھا۔
یہ ایک خودکش بم دھماکا تھا جس میں اکسٹھ افراد لقمۂ اجل بن گئے تھے۔ یہ ایک مہینے میں ہونے والی دوسری... بدترین دہشت گردی تھی۔ پچھلے سانحے کے بعد پھر سے ایک ساتھ کئی چراغ گل ہو گئے تھے، کئی چہرے مرجھا گئے تھے۔ کئی آنکھیں بے نور ہو گئی تھیں اور کئی زندگی سے دھڑکتے بدن مٹی تلے دب چکے تھے۔
ملک میں پھر سے ''ہراس'' کی لہر دوڑ گئی تھی۔ بچے، بوڑھے، جوان سب خوفزدہ تھے۔ بچے پھر سے اسکول جاتے ہوئے ڈرنے لگے تھے۔ مائیں انہیں بھیجتے ہوئے خوفزدہ تھیں۔ بوڑھے اپنی جوان اولادوں کو ''تلاشِ معاش'' کے لیے باہر بھیجتے ہوئے گھبرانے لگے تھے۔ ہر آنکھ میں خوف تھا، ہر لب پر امن کی دعا تھی۔
شہر جل رہا تھا۔ ملک جل رہا تھا..... آخر یہ کون لوگ تھے جو بم بلاسٹ کرواتے تھے؟ خود کو بھی اڑاتے تھے؟ آخر یہ کون لوگ تھے جو معصوم زندگیوں کے ساتھ کھیل کر ''جہاد'' کر رہے تھے؟ آخر یہ کس دین کے پیروکار تھے؟ کس مذہب کے ماننے والے....
اسلام یہ نہیں تھا..... ایمان یہ نہیں تھا۔ جہاد یہ نہیں تھا۔ اسلام تو امن کا دین ہے، اپنوں کے لیے بھی، غیروں کے لیے بھی..... مسلم کے لیے بھی غیر مسلم کے لیے بھی..... دوست کے لیے بھی۔ دشمن کے لیے بھی۔
یہ دہشت گرد مذہبی اعتبار سے بھی انسانیت کے قاتل اور کافر سے بدتر تھے۔ ٹی وی چینلز پر صحافیوں نے چیخ،



www.pklibrary.com

چیخ کر اپنے حلق سکھا ڈالے تھے۔ رپورٹرز خبریں دے، دے کر تھکنے لگے۔ اینکرز بول، بول کر "بھڑاس" نکالتے رہے۔ تجزیہ نگار گہرے، مشکل اور پیچیدہ قسم کے تبصرے کرتے رہے۔ حکومتی نمائندے ماؤنٹ ایورسٹ جتنے جھوٹے عہد دُہراتے رہے۔

صبح کا چڑھا دن ڈھل گیا تھا۔ اگلا دن تیار تھا۔ نئی امنگ، نئی تمناؤں، نئے جذبے اور نئے ولولے کے ساتھ..... اینکرز تازہ دم تھے، خبر نگاروں کے حوصلے بلند تھے۔ رپورٹرز اپنی ڈیوٹی نبھا رہے تھے۔ وہی خبریں، وہی تبصرے، وہی تجزیے، وہی جھوٹے وعدے، حاصل، حصول کچھ نہیں۔

ہر نئے دن کے ساتھ نیا تبصرہ، نیا تجزیہ، نئی خبر لگتی رہی۔ پچھلی خبروں پر گرد پڑتی رہی۔ ایسا ہی ہوتا ہے، اسی طرح سے ہوتا ہے۔ جب حکمران "بے حس" اور قوم "بے نیاز" ہو جائے تو سلطنتوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ لیکن کوئی تو تھا ناں جو چیخوں کی آواز سنتا تھا جو ہمارے سونے کے لیے راتوں کو جاگ رہا تھا۔ کوئی تو تھا ناں جو خون کے ایک، ایک قطرے کے لیے لڑ رہا تھا۔ ہاں، کوئی تو تھا ناں..... جس کے بھاری بوٹوں کی دھمک سرحدوں سے لے کر اندرونِ ملک تک سنائی دیتی تھی۔

جو سر پر کفن باندھے "حالتِ جنگ" اور "میدانِ عمل" میں تھا۔ پھر یہ دلوں پر چھاتی مایوسی کیوں؟ وطن کے محافظ "زندہ" تھے۔ اور جاگ رہے تھے۔ لڑ بھی رہے تھے، مر بھی رہے تھے۔ وہ دل میں اٹھتی بھاپ لیے ست قدموں سے چلنے لگی۔ ایمان کی ناراضی کا "ہوّا" اتر چکا تھا۔ اب دل میں صرف غبار تھا۔ درد تھا، کرب تھا، ملکی حالات نے ہر آنکھ کو پُرنم کر رکھا تھا۔

بم بلاسٹ کی وجہ سے جامعہ کو قبل از وقت بند کر دیا گیا۔ طالبات کی چھٹی ہو گئی تھی۔ مقامی لڑکیاں گھروں کو جانے لگی۔ باقی ہاسٹلز کی عمارت میں گھس گئیں۔

اس سے پہلے نورس نے "نمائش" کی ڈیٹ کو آگے بڑھا دیا تھا۔ یہ اعلان کونسل ہال میں کیا گیا۔

اگلا دن سوگ کے لیے مخصوص تھا۔ شہدا کے لیے قرآن خوانی کا بندوبست کروانا، دعائے خیر اور اس کے بعد روٹین ورک۔ وہ کئی سالوں سے یہی دیکھ رہی تھی۔ اسی طرح سے ہو رہا تھا۔ اسی طرح سے ہوتا تھا۔ لیکن اب کی دفعہ کچھ الگ بھی تھا۔ کیا الگ تھا؟ یہ عمائم سمجھ نہیں سکی تھی۔

وہ گھر آئی تو طبیعت بوجھل تھی۔ سب لوگ باجماعت گول کمرے میں موجود تھے۔ ایمان کا باہر سے لایا ہوا پلازما ٹی وی چل رہا تھا۔ نیوز چینلز بریکنگ نیوز دے رہے تھے۔ عمائم لمحہ بھر کے لیے رک گئی تھی۔ اس کے رکنے کا سبب ایک خوب صورت چہرہ تھا، بہترین میک اپ میں چھپا..... اصل نقوش پہچاننے میں دشواری کا سامنا تھا۔ کھلے ہوئے بال..... جینز، ٹاپ میں ملبوس، تیز، تیز لہجے میں رپورٹنگ کرتا انداز۔

کیسا جانا پہچانا چہرہ تھا..... عمائم سوچتی رہ گئی تھی۔ اس کے بالوں کا رنگ بلونڈ مصنوعی نہ ہوتا اور کرل نہ بنائے گئے ہوتے تو.....؟ آخر اسے کہاں دیکھا؟ ذہن ایسا پراگندہ تھا کہ اسے یاد ہی نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے ٹی وی پر.....؟ یا اخبار میں؟ وہ سوچتی رہی۔ لیکن دماغ کے کسی گوشے میں یہ چہرہ فکس ہو رہا تھا۔ ٹی وی اور اخبار کے علاوہ کہاں دیکھا تھا؟ وہ جیسے تھکنے لگی تھی پھر سر جھٹک کر کچن کی طرف آ گئی۔ سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ اس نے کڑک سی چائے بنائی۔ تب تائی امی نے کچن میں جھانکا تھا۔ عمائم کو دیکھ کر اندر آ گئی تھیں۔ اس نے گردن گھمائی اور تائی امی کو موجود دیکھ کر مگ کی آدھی چائے ان کے لیے کپ میں انڈیل دی۔

تائی امی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھیں۔ عمائم بھی چائے اٹھا کر اسٹول تک آ گئی۔

"ملکی حالات کی وجہ سے مدارس اور اسکول بند ہو رہے ہیں۔" وہ دھماکے کے حوالے سے افسردہ تھیں۔

"خدا رحم کرے....." عمائم نے افسردگی سے کہا۔ وہ آہستہ، آہستہ چائے کے سپ لے رہی تھی۔ تائی امی



www.pklibrary.com

بھی چائے پینے لگیں۔ ان کا انداز کچھ پُرسوچ تھا۔ عمائم بھی ٹھٹک گئی۔ اسے لگا، وہ مہمان خاتون کے بارے میں سوال کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ وہ ان کی سوچ کے ہر رنگ کو سمجھتی تھی۔

''حریم کچھ بتا رہی تھی۔'' عمائم سے کچھ بھی پوچھنے کے لیے انہیں تمہید کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ عمائم چونکی۔

''ٹھیک بتا رہی تھی۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کون تھی وہ عورت.....؟'' انہوں نے بے چینی سے پوچھا۔ چہرے پر زردی سی بکھر گئی تھی۔ عمائم کو ان کی پریشانی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔

''کرن کی مما.....'' عمائم نے فوراً بتایا۔ تب تائی امی کا چہرہ پُرسکون ہو گیا تھا۔

''اچھا وہ.....'' انہوں نے گہری سانس کھینچ کر کہا..... گو کہ وہ چہرہ دیکھا بھالا سا تھا پھر بھی تائی امی حتمی رائے کیا دیتیں..... ''بیچاری.....'' انہوں نے شاید کرن کے حوالے سے افسردگی بھرے لہجے میں کہا تھا۔ ''اس کی بیٹی کے قاتلوں کا کچھ پتا چلا.....؟''

''نہیں تو..... فی الحال کچھ نہیں۔ احتشام کیس ہینڈل کر تو رہا ہے لیکن ملکی صورتِ حال کے پیشِ نظر وقتی طور پر کیس ٹھپ ہو رہے ہیں۔'' عمائم نے سنجیدگی سے بتایا تھا۔

''اللہ بہتر کرے گا.....'' انہوں نے دعائیہ انداز میں کہا۔ ''یہاں کیوں آئی تھی؟'' وہ اصل سوال کی طرف اب آئیں..... عمائم نے گہری سانس کھینچی۔ پھر تفصیل بھی بتا دی تھی۔ تائی امی کو گہرا دکھ ہوا تھا۔

''صدمے کے زیرِ اثر ہے، اکلوتی اولاد کا دکھ معمولی نہیں ہوتا۔ اللہ اس کے حال پر رحم کرے۔ تم اسے تسلی دیتیں۔''

''جی.....'' عمائم پھنسی، پھنسی آواز میں بولی تھی۔ یہ بتا ہی نہیں سکی۔ کرن کی مما کے ذہنی دباؤ کو سمجھے بغیر وہ کتنی روکھی ہو چکی تھی۔ کس طرح ٹیمپر لوز کیا۔ اور ان کے معصومانہ ''صدماتی دعوے'' کو جانے بغیر ''ثبوت'' مانگ لیا..... اسے دل ہی دل میں افسوس ہوا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کسی روز کرن کے گھر ''معذرت'' کے لیے ضرور جائے گی۔

''اور بیٹا تم! اب اس پڑھائی کو ختم کرو..... میری خواہش ہے تمہاری شادی کر دوں۔ ایمان بھی کچھ اتاؤلا ہو رہا تھا۔'' انہوں نے چائے ختم کر کے دبی، دبی آواز میں نرمی سے کہا۔ عمائم بری طرح سے ٹھٹک گئی تھی۔

''ایمان نے کچھ کہا.....؟'' اس کا دل ہولے سے کپکپایا..... بے ساختہ اپنی اور ایمان کی تلخ کلامی یاد آ گئی تھی۔ اس کے چہرے پر تفکر پھیل گیا۔

''ہاں.....'' تائی امی نے سر ہلایا، اس کی گھبراہٹ دو چند ہوئی تھی۔

''کیا.....؟'' عمائم نے حواس باختگی میں پوچھا۔

''ہوا کے گھوڑے پر سوار باہر سے آیا تھا۔ غصے میں تپا ہوا۔ آتے ہی اعلان کیا، ایک مہینے کے شارٹ نوٹس پر شادی کریں۔ عنقریب اس کی پوسٹنگ اسٹاک ہوم (سوئیڈن) ہونے والی ہے۔ وہ بیوی کو ساتھ لے کر جائے گا۔ بات تو درست تھی پر انداز؟ خاصا بے صبرا، جذباتی اور غصیلا۔ پھر بھی تمہارے حوالے سے بہت پیارا ہے وہ مجھے۔ اور کوئی برائی نہیں..... بس تھوڑا جلد باز ہے جو کہ بہتر نہیں.....'' وہ ہاتھ مسلتے ہوئے زیرِ لب بڑبڑا رہی تھیں۔ عمائم سُن ہوتے دماغ کے ساتھ سنتی رہی۔

☆☆☆

''انسان کے اندر گھٹ کر رہ جانے والی چیخ و پکار کے تانے بانے سے ایک شہر آباد ہوتا ہے، زندہ دکھوں اور زندہ غموں کا شہر، جس میں بسنے والے کبھی، کبھی دل کی لرزش سے اور انگلیوں کی کپکپاہٹ سے ہوتے ہوئے سیاہ آنسوؤں کی صورت اوراق کے سینوں پر اور کتابوں کی روحوں پر اترنے لگتے ہیں۔'' اس نے زرد گلابوں کو ڈائری میں بند کر دیا تھا اور سوکھی پتیوں پر چلتی ہوئی کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ کھڑکی کے دونوں پٹ بالکونی میں کھلتے تھے



www.pklibrary.com

اور اس سے آگے سبز پتوں کی دیوار تھی۔ باڑ نما دیوار..... اور آگے شام کا پورشن اِستادہ تھا۔ اتنا ہی اداس اور ویران یا پھر عمامہ کو لگ رہا تھا۔

اس کی گلابی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی "کیا آنسوؤں پر بھی کسی کا اختیار ہے؟ وہ پوروں سے اوس اٹھاتی اور دوپٹے کے پلو میں جذب کر لیتی۔

آگہی کتنا کرب ناک عذاب ہے۔ اسے رات کو ہی ادراک ہوا تھا۔ اسی رات جب مایوں کی رسم ادا کی جارہی تھی۔ اس نے فیقہ کا گھونگٹ میں چھپا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ پھر بھی عمامہ جانتی تھی، اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح جگمگا رہا ہوگا۔ بن مانگی دعاؤں کی قبولیت ایسی جگمگاہٹیں لاتی ہے۔ اسے یقین ہو چلا تھا۔ شام تب کہیں نہیں تھا۔ وہ رسم کے دوران بھی نظر نہیں آیا تھا بعد میں سب گاڑیوں میں گھس کر بسمہ کی رسم کے لیے ہمدانی ہاؤس روانہ ہو گئے تھے۔

طاہرہ، عمامہ کو بھی زبردستی ساتھ لے گئیں۔ وہ نہ بھی زبردستی کرتیں..... تب بھی عمامہ کے پاس انکار کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اور پھر ہمدانی ہاؤس میں عمامہ کے گھر سے زیادہ ہنگامہ تھا۔ یہاں بہت سے لوگ تھے۔ سونیا کے کزنز، فرینڈز، مہمان، میوزک کے شور میں کچھ سنائی نہیں دیتا تھا پھر بڑے ہنگامہ پرور ماحول میں رسم ہوئی۔ کھانا لگا۔ پھر شاندار تقریب کا اختتام ہو گیا۔

عمامہ نے ساری تقریب میں سونیا کو چہکتے دیکھا۔ وہ بہت خوش تھی، قہقہے لگا رہی تھی، ڈھولک بجا رہی تھی۔ جانے یہ دکھاوا تھا یا پھر.....؟ عمامہ سمجھ نہیں سکی۔ یا شاید سونیا، عمامہ والی اسٹیج تک آئی نہیں تھی ورنہ کس طرح اتنے ہجوم میں بیٹھ کر تالیاں بجا لیتی؟

سارے ہنگامے کے دوران عمامہ مسکرا بھی نہیں سکی تھی۔ وہ خالی، خالی نگاہوں سے ایک، ایک منظر کو دیکھتی رہی۔ پھر جب ہجوم کچھ کم ہوا تو سونیا کو اس کا خیال آ ہی گیا۔ وہ عمامہ کے قریب اس تنہا گوشے میں پہنچ گئی تھی جو اندھیرے کے باعث بہت تاریک تھا۔ سونیا بمشکل دیکھ سکی۔ پھر عمامہ کے قریب بیٹھ گئی تھی۔ پھر اس نے عمامہ کا سرد ہاتھ تھام لیا۔

"میں نے کہا تھا، ان رستوں پر مت چلو، جو تمہارے نہیں ہیں، ان منزلوں کی طرف مت بڑھو جو تمہاری نہیں ہیں۔" اسے سونیا کی آواز دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ اتنی دور سے کہ عمامہ بمشکل سن سکی تھی۔

"کسی کو تم چاہو اور اسے اپنانا چاہو اور وہ تمہیں ٹھکرا دے تو یہ اس کی بدنصیبی ہے لیکن کوئی تمہیں نہ چاہے اور تم زبردستی اسے اپنانا چاہو تو یہ تمہارے نفس کی ذلت ہے۔ تم اس "ذلت" کے بوجھ تلے سے نکل آؤ عمامہ!" اسے سونیا کی نم ہوتی آواز میں ایک کرب کی لہر اٹھتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ گلابی ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

"اس نے مجھے کبھی ٹھکرایا نہیں۔" وہ تڑپ اٹھی تھی۔

"اب تک وہ کیا کرتا رہا ہے؟" سونیا کے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی تلخی بھر گئی تھی۔ عمامہ نے مضطرب انداز میں اپنے سرد ہاتھوں کو مسل کر کہا۔

"تم نہیں سمجھو گی سونیا! یہ تمہاری سمجھ سے بہت اوپر کی بات ہے....." وہ تھک کر بکھرنے لگی تھی۔ کل رات کی ایک، ایک بات ساعتوں کو زخمی کرنے لگی تھی۔ پھر وہ آگ کے رنگ بدلتی آنکھیں، آگ جو ہر رنگ کی تھی، ہر روپ میں تھی۔ پگھلتی تھی، بہتی تھی، جلاتی تھی، اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

"میں بہت کم فہم جو ہوں..... کچھ نہیں سمجھ سکتی۔" سونیا برا مان کر رہ گئی تھی۔ عمامہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"آگہی آپ کو اپنے اندر کے پاتال کی خبر دیتی ہے۔ ہم دونوں آگہی کے پاتال میں ہیں..... ہم دونوں آگہی کی عدالت میں ہیں۔ ہم دونوں کو سوالوں کے وہ جواب مل گئے جو کہیں نہیں تھے۔" عمامہ بھیگی آواز میں بولتی



www.pklibrary.com

چلی گئی تھی۔اس کا انداز کھویا، کھویا تھا۔
''کیا.....؟'' سونیا چونک گئی۔
''یہی کہ محبت ''حق'' نہیں..... ''مقدر'' ہوتی ہے۔'' اس کی بند پلکوں سے دو موتی بے ساختہ نکلے اور ٹوٹ کر دور کہیں بکھر کر بے مول ہو گئے تھے۔سونیا دھک سے رہ گئی تھی۔اسے اگلا سوال بھی بھول گیا تھا۔
''وہ ہرجائی نہیں..... رسوائی سے ڈرتا تھا۔'' عمامہ بوجھل آواز میں بتا رہی تھی۔''اسے نسلوں کی بقا کا بڑا خیال تھا۔'' وہ بھیگی آواز میں کہتی رہی۔''اسے اپنی عزت کا بڑا خیال تھا۔'' عمامہ سسکتی رہی۔''اسے عمامہ کا بڑا خیال تھا۔ وہ عمامہ جو بابا کے سر پر رکھا ہے۔اجلا، سفید اور دودھ سا ایک محبت کے لیے، ایک ''عمامہ'' کے لیے اسے داغ دار کیسے کرتا.....؟'' عمامہ بتاتی رہی۔
''پھر میں نے اسے بے وفائی کے الزام سے ''بری'' کر دیا۔'' اس نے بڑے حوصلے سے کہا تھا۔سونیا دنگ ہوتی چلی گئی۔
''کیونکہ وہ ''بے وفا'' نہیں..... ''باضمیر'' ضرور تھا۔'' عمامہ کا لہجہ دھیما پڑ گیا۔
اور وہ ''بزدل'' نہیں..... بہت ''بہادر'' تھا..... اس نے ''محبت'' اور ''عزت'' کی جنگ میں محبت کو ہارا نہیں..... عزت کو عمر بھر کے لیے جیت لیا ہے۔وہ عزت جو اسے ''راندۂ درگاہ'' نہ کرتی..... بلکہ شان سے جینے کا ہنر بتاتی.....''

☆☆☆

اور عمامہ نے کہا تھا۔اسے شام نہ ملا تو وہ مر جائے گی۔وہ اب بھی کہتی تھی۔اسے دعوؤں سے مکرنے کی عادت نہیں تھی۔اس کا دعویٰ سچا تھا۔پہلے وہ ببانگ دہل اعلان کرتی تھی۔اب وہ اندر ہی اندر گردان کرتی تھی۔اور آج طاہر کی بارات تھی۔اور عمامہ خود کو یقین دلا رہی تھی کہ وہ ''زندہ'' ہے۔اور اپنے بھائی کی ''خوشی'' کو محسوس کر رہی ہے؟ وہ بار، بار خود کو احساس دلاتی۔
آج کا وقت کل نہیں آئے گا؟ طاہرہ نے اسے سمجھایا تھا۔اور شیفون کا سنہرے کام والا شرارہ اسے پہنا کر کل کی طرح تیار کروا کر نیچے بھی ساتھ لائی تھیں۔جب وہ دونوں سیڑھیوں سے اتر رہی تھیں تب لاؤنج میں سب تیار بیٹھے تھے۔اور بہت خوش گپیوں میں مصروف تھے۔کوئی طاہر کو چھیڑ رہا تھا۔کوئی حاذق کو۔
''شرم کرو، لگے ہاتھوں تم بھی سہرا سجا لو۔طاہر سے سبق حاصل کرو، تم سے چھوٹا ہو کر ہوشیار نکلا.....'' کسی کزن نے حاذق کو شرم دلائی تھی۔سب ہنسنے لگے۔حاذق بھی مسکرا دیا۔جبکہ طاہر ترنت بولا تھا۔
''مجھے دولھا بنے دیکھ کر تم لوگوں سے برداشت نہیں ہو رہا ناں، مت اتنا جلو مجھ سے، کہیں میری شادی کینسل ہی نہ ہو جائے۔ہمارے شام کے ساتھ یہ سانحہ رونما ہو چکا ہے۔'' طاہر چہک کر پچھلی کوئی بات دُہرا رہا تھا۔زینہ اترتی عمامہ کو بہت کچھ یاد آ گیا تھا۔اس کی فون کال، اندھیری رات، طوفانی شور، تیز آندھی اور فرخ کا ایکسی ڈنٹ..... اس کے بہنوئی کی ڈیتھ، عمامہ کی آنکھوں میں ریت بھرنے لگی تھی۔بھرتی جا رہی تھی۔
''کیا معجزے ہر دفعہ رونما نہیں ہو سکتے؟'' اس نے بے ارادہ ہی سوچا تھا پھر سہم کر گھبرا گئی۔تب طاہرہ نے چونک کر عمامہ کا کپکپاتا ہاتھ تھام لیا تھا۔عمامہ کے دل کو ڈھارس پہنچ گئی تھی۔اس کے اندر سکون اتر آیا تھا۔
وہ ماں کے ہمراہ سہج، سہج زینہ اترنے لگی۔اس کی نگاہیں طاہر کے ''تر و تازہ'' چہرے پر جمی تھیں۔وہ دولھے والا مخصوص لباس پہنے، اتنا ''لشک'' رہا تھا کہ اس کی شان و شوکت اور چمک دمک کے سامنے ہر منظر دھیما پڑ رہا تھا۔ اپنی محبوب چیز کو حاصل کرنے کا سرور اس کی آنکھوں سے جھلکتا تھا۔عمامہ کا دل بھر آیا۔اس نے بے ساختہ اپنے بھائی کی ہر خوشی قائم رہنے کی دعا کی تھی۔
''اللہ نہ کرے، تمہاری شادی رکے.....'' وہ بے آواز بڑبڑائی تھی۔معاً طاہر کی نگاہ سامنے اٹھی... وہ مسکراتا


www.pklibrary.com

ہوا آگے بڑھا تھا۔ پھر عمامہ اور طاہرہ کے قریب آ گیا۔

''یہ پرستان سے کسے اٹھا لائی ہیں؟'' وہ ماں سے شرارتاً مخاطب تھا۔ آج تو اس کی ترنگ ہی نرالی تھی۔ انگ، انگ مسکراتا تھا۔

''پہچان لو.....'' طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔

''کیسے پہچانوں؟ کوئی خوردبین لائیں.....'' وہ مسکراتا ہوا عمامہ کو چھیڑ رہا تھا۔ عمامہ مسکرا رہی تھی۔ اسے مسکرانا ہی تھا۔ اپنوں... کی خاطر، اپنے بھائیوں کی خاطر۔ معاً تقی بھی بنا ٹھنا وہیں آ گیا۔ وہ اماں سے کوئی بات کرنے ''اماں، اماں'' پکارتا آ رہا تھا۔ نظر اٹھائی تو چونک گیا۔

''ارے، یہ عمامہ ہے؟'' تقی کو یقین نہ آیا۔ وہ حیرانی سے اماں کو مخاطب کر رہا تھا۔ ''اماں، یہ اتنی بڑی ہو گی؟ یہ کہاں سے آئی؟'' اب وہ بڑی بے ساختگی سے پوچھ رہا تھا۔ عمامہ بھائیوں کی اداکاری پر جھینپ گئی تھی۔ اس کے بجائے طاہر نے جواب دیا۔

''پرستان سے۔''

''نہیں یار۔'' تقی نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ تو آسمان سے آئی ہے۔ سنو، عمامہ! واپس کب جاؤ گی؟'' اس نے عمامہ کو تنگ کرنے والے انداز میں کہا تھا۔

''جب آپ کہیں.....'' عمامہ کو کہنا پڑا۔ دونوں بھائی اس کی تابعداری پر اش، اش کر اٹھے تھے۔

''ہائے نہیں، بیس سال بعد چلی جانا..... ابھی نہیں۔'' طاہر نے دہل کر کہا۔

''کیا اتنا لمبا جیوں گی؟'' وہ مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔ گلابی آنکھوں سے مسکراتی، گھنگرالے بالوں والی گلابی سی گڑیا..... دونوں بھائیوں کی آنکھوں میں محبت سی پگھل گئی۔

''تم تو بہت لمبا جیو گی..... اللہ، تمہیں میری عمر بھی لگا دے۔'' طاہرہ کا انداز بے ساختہ تھا..... اسی پل حاذق بھی اٹھ آیا اور ایک دو کزن ندیم اور تیمور بھی..... ان میں سے ندیم نے کچھ یاد آنے پر کہا۔

''طاہر کی سالی تمہاری سہیلی ہے ناں..... جو گلا پھاڑ کر بہت بے سُرا سا گاتی ہے۔'' وہ عمامہ سے پوچھ رہا تھا۔ عمامہ نے اثبات میں سر ہلایا گو کہ اسے سونیا کو بے سُرا کہنے پر اعتراض تو ہوا تھا لیکن وہ اس وقت بحث میں نہیں پڑنا چاہتی تھی۔

''ایسا کرو..... تمہارا ایک بھائی کنوارا ہے اس کو بھی وہاں ٹھکانے لگا دو۔'' تیمور نے سنجیدگی سے مشورہ دیا تھا۔ طاہرہ نے ان سب کو گھور کر دیکھا پھر خفگی سے بولیں۔ اور اندر چلی گئیں۔

''بڑے بدتمیز ہو تم لوگ..... ایسے کسی کی بیٹیوں کے بارے میں منہ پھاڑ کر باتیں نہیں کرتے۔'' ان کی خفگی پر وہ سب کان دبا گئے تھے۔ عمامہ ہنس پڑی۔ تقی نے چونک کر عمامہ کو ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ ہنستے، ہنستے اچانک رک گئی تھی۔ اس کے ہونٹ سمٹ گئے تھے۔ اس کا چہرہ کملا گیا۔ جیسے گلاب کی کوئی مرجھائی کلی ہو۔ اس کی آنکھیں ایک نکتے پر جم سی گئی تھیں۔ تقی پھر سے ٹھٹک گیا۔ پھر اس نے گردن گھما کر عمامہ کی نگاہوں کا تعاقب کیا تھا۔ وہ پلاسٹر آف پیرس کے مجسمے کی طرح کیوں ساکت ہو گئی تھی؟ تقی نے نگاہیں گھمائیں اور ساکت رہ گیا۔

لاؤنج کے دروازے سے شام اندر آ رہا تھا۔ شام رنگ لباس میں..... وہ عجلت میں تھا، سر جھکائے ہوئے شاید اسے طاہرہ سے کوئی کام تھا۔ وہ انہی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اور عمامہ کی نگاہیں اس کے ایک، ایک قدم سے لپٹ رہی تھیں۔ وہ کسی مورت کی طرح ساکت تھی۔ اتنی بے سانس کہ تقی کو گمان ہوا۔ وہ کھڑے، کھڑے ''گزر'' چکی ہے۔ کبھی دوبارہ سانس لینے کے ''مرحلے'' میں نہیں آئے گی۔

تقی کو عمامہ کا انداز بڑا ''عجیب'' لگا۔ اتنا عجیب کہ اس کا دل بے چین ہوا تھا۔ اندر کہیں عجیب سی ناسمجھ میں



www.pklibrary.com

آنے والی ہلچل مچی تھی۔ یہ ہلچل کیوں مچی تھی؟ وہ سمجھ نہ پایا۔

عمامہ اب بھی ساکت کھڑی تھی۔ تقی بے چین سا دیکھتا رہ گیا۔ حالانکہ شام اب کہیں نہیں تھا۔ اور کیا شام واقعی کہیں نہیں تھا؟ تقی نے اندھیرے میں ڈوبی گیلری کی طرف دیکھتے ہوئے خود سے سوال کیا وہاں شام کہیں نہیں تھا۔ شاید طاہرہ کے کمرے میں چلا گیا تھا۔ وہ گیلری میں شام کو دیکھتا رہا۔ شام وہاں نہیں تھا۔ کیا واقعی شام کہیں نہیں تھا؟ اس نے گردن گھمائی اور عمامہ کی برف ہوتی آنکھوں میں جھانکا۔ سرد، برف سی آنکھیں، ٹھنڈی ٹھار افسردہ آنکھیں، گلیشئر سی آنکھیں..... غمزدہ آنکھیں، بے امید آنکھیں.....

شام وہاں کیوں نہیں تھا؟ تقی نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ شام عمامہ کی برف ہوتی آنکھوں میں اپنے ہر عکس کے ساتھ موجود تھا۔ اس انکشاف پر تقی ''دہل'' گیا، ہل گیا، کانپ گیا۔

کیا اس کا اندازہ درست تھا؟ اس نے بڑی وحشت کے عالم میں خود سے پوچھا۔

☆☆☆

نئی دلہن کے گھر میں آتے ہی مصروفیات کم ہونے کے بجائے بہت بڑھ گئی تھیں۔ جہاں طاہر کی من چاہی خوشی کے تکمیل تک پہنچنے کی سرشاری تھی وہیں دل عجیب سے بوجھل پن کی زد میں تھا۔ طاہرہ کو اس غمزدگی کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ وہ سارے کام کرتی، بھاگتی دوڑتی ایک عجیب گھٹن کا شکار تھیں۔ یہ گھٹن کیوں تھی؟ یہ اتنا حبس کیوں تھا؟ یہ اتنا غبار کیوں بڑھ رہا تھا؟ طاہرہ کو سمجھ نہ آیا۔

شاید یہ گھٹن عمامہ کے ''صبر'' پر تھی۔ یہ عمامہ کے حوصلے اور برداشت پر.....؟

کہاں تو وہ ہر چیز کو ''آگ'' لگا دینے کے درپے تھی اور کہاں ''برف.....'' کے مجسمے میں بدل گئی تھی۔ بولتی، نہ کچھ کہتی، نہ کچھ سنتی.....

عمامہ کی خاموشی کے پیچھے کوئی طوفان تھا کیا؟ شاید نہیں..... وہ ایسی بہادر نہیں تھی جو تنہا طوفان اٹھا لاتی۔ وہ خود کو جھٹلا رہی تھیں۔ پھر یہ گھٹن اور حبس کیوں تھا؟ کیا بلا سبب ہی.....؟ انہوں نے خود سے پوچھا۔ جواب کہیں نہیں تھا۔ کیونکہ جواب مجسم ان کے سامنے کھڑا تھا۔ سراپا سوال بن کر۔

انہوں نے نگاہ اٹھائی اور پتھر میں بدل گئیں۔ وہ سیاہ لباس میں کسی چمکتے نگینے کی طرح ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے وہ لباس نہیں پہنا تھا جو شادی کے لیے خاص بنوایا گیا تھا۔ آف وائٹ سنہری قیمتی شیروانی، سنہرا کلاہ اور سنہرا کھسا..... اس نے وہ لباس پہن رکھا تھا جو اس نے خود بنوایا تھا۔ سیاہ رنگ کا..... گریبان پر سیاہ کڑھائی، کہیں، کہیں کوئی اٹکا ہوا موتی۔ شاید طاہرہ کی آنکھ کو موتی کا گمان ہوا تھا۔ یا شاید طاہرہ کی آنکھ میں موتی اٹک گیا تھا۔

سیاہ لباس بہت کم لوگوں پر جچتا ہے۔ اور شام پر تو ایسے جچتا جیسے بنا ہی اسی کے لیے ہو..... وہ ایک ٹک اسے دیکھتی رہیں۔ لہریے دار بالوں کے لچھے سفید پیشانی پر بکھر رہے تھے۔ تیکھی بھویں، نوکیلی مڑی ہوئی لمبی پلکوں سے سجی جھکی، تھکی سحر انگیز نگاہیں، جو اٹھتی تب بھی قیامت تھیں جو جھکتی تب بھی قیامت تھیں۔ اونچی کھڑی بہت نفیس اور خوب صورت ناک، بھرے، بھرے ہونٹ، ٹھوڑی کا تل اور چہرہ پر بچی ازلی معصومیت۔ طاہرہ کا دل بھر آیا۔ انہوں نے بے ساختہ ماشاء اللہ کہا..... اور آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چوم لی تھی۔ وہ انہیں اپنے بیٹوں سے زیادہ پیارا تھا۔ ہمیشہ سے پیارا تھا۔ وہ عمامہ کو ملتا یا نہ ملتا۔ اس کی محبت ان کے دل سے کم نہیں ہو سکتی تھی۔

شام ایک دم چونک گیا، ٹھٹک گیا۔ پھر سر اٹھایا اور جھکا لیا۔

طاہرہ دیوان پر بیٹھ رہی تھیں۔ شام سست قدموں سے چلتا ہوا ان کے قریب آ گیا۔ پھر وہ سرخ قالین پر دوزانو بیٹھ گیا۔ بیچ میں خاموشی کے طویل وقفے آئے تھے۔ ایسی خاموشی جو روح کو کاٹتی تھی اور دماغ کو سنسناتی تھی۔ معاً شام کی دھیمی، سنجیدہ اور بھاری آواز ابھری تھی۔ طاہرہ کا عضو، عضو کان بن گیا تھا۔ شام کیوں آیا تھا؟ کیا



www.pklibrary.com

کہنے آیا تھا؟ پھر انہیں خیال آیا..... ان کے اندر تو بہت حبس اور گھٹن تھی..... یہ حبس اور گھٹن کیوں تھی؟ انہیں اچانک یاد آ گیا۔ آج تو شام کا نکاح تھا۔ ان کا دل پاتال میں ڈھے گیا۔ جیسے عمر بھر کے لیے..... کبھی نہ نکلنے کے لیے..... ان کی آنکھوں میں ریت سی بھر گئی تھی۔ وہ آنکھیں رگڑنے لگیں۔ انہیں اس گھٹن کا جواز مل گیا تھا۔ اس گھٹن بھری فضا میں شام کی آواز ابھر رہی تھی۔ طاہرہ چونک گئیں۔ وہ ان سے کچھ کہہ رہا تھا۔

''آپا.....'' شام نے دھیمی آواز میں کہا..... جیسے سرمئیں شاموں نے قیامت کا نغمہ پھونک دیا ہو۔ انہیں اک نوحے کی سی آواز آئی تھی۔ وہ اندر ہی اندر سہم گئیں۔ یہ نوحے کی آواز کیوں آ رہی تھی؟

''مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے..... شاید پہلی اور آخری مرتبہ.....'' وہ سر جھکائے بول رہا تھا۔ طاہرہ کا رواں، رواں کان بن گیا۔ وہ کیا کہنا چاہتا تھا؟

''آپ نے مجھے پیدا نہیں کیا..... لیکن پالا ضرور ہے۔ میں نے ہمیشہ خالہ سے بڑھ کر آپ کو اپنی ماں سمجھا..... آپ سے محبت کی۔ آپ کا احترام کیا اور کبھی اپنے تئیں آپ کے دل کو ٹھیس پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔'' وہ دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔ اس کا لہجہ انتہائی سرگوشیانہ تھا۔ طاہرہ بمشکل سن سکیں۔

''لیکن پھر بھی مجھ سے ایک گناہ سرزد ہوا ہے، پتا نہیں جانے میں یا انجانے میں۔'' شام مضطرب تھا۔ وہ لمحے بھر کے لیے چپ ہوا پھر بے قراری سے بولا۔

''میں اس گناہ پر بہت پشیمان ہوں.....'' اس کی آواز میں سوکھے پتوں سی تڑتڑاہٹ تھی۔ خزاں کے... چرمرے سے پتے..... ہاتھ لگانے سے بکھر بکھر جاتے۔

''کیسا گناہ.....؟'' وہ گھبرا گئیں..... شام کیسی باتیں کر رہا تھا؟ اسے کیا ہوا تھا؟

''میں اس گناہ پر کبھی خود کو معاف نہیں کروں گا.....'' وہ بول رہا تھا۔

''عمر بھی اسی احساس تلے دبا رہوں گا.....'' شام کی آنکھوں میں عجیب سی اذیت تھی۔ طاہرہ سُن سی ہو گئیں۔

''اسی خیال کے حصار میں رہوں گا۔'' اس کا لہجہ نمناک ہو گیا۔

''روز جیوں گا، روز مروں گا.....'' اس کی آواز بھی نمناک ہو گئی تھی۔ طاہرہ گھبرا اٹھی تھیں۔ انہوں نے شام کا کندھا ہلایا۔

''آج کے دن تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟'' ان کے دل میں پکڑ دھکڑ ہونے لگی تھی۔

''آج نہیں کہوں گا تو کبھی نہیں کہہ سکوں گا.....'' وہ لمحے بھر کے لیے چپ ہوا تھا۔ پھر بولا۔ پھر چپ ہوا جیسے لفظ سوچ رہا ہو۔

''شام! ایسا مت کہو۔ یہ موقع نہیں آج..... آج تمہاری شادی ہے.....'' طاہرہ کا اپنا لہجہ بھی کھوکھلا سا ہو گیا تھا۔ وہ لب بھینچ کر رہ گئیں۔

''مجھے بار، بار یاد مت دلائیں.....'' وہ اذیت سے بولا۔ ''میں بھولا نہیں.....''

''اور بھولنا بھی نہیں.....'' طاہرہ ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئی تھیں۔ ''آج کے دن تم کچھ نہ سوچو..... بس خوش رہو، طاہر کی طرح.....'' انہوں نے بڑے ضبط سے کہا..... جو بھی تھا۔ وہ ہمیشہ شام کو خوش دیکھنا چاہتی تھیں۔

شام چپ چاپ انہیں دیکھتا رہا۔ گہری رنجیدگی سے، ٹوٹ پڑتی افسردگی سے، نہایت غمزدگی سے۔

''خوش رہنے کی بددعا نہ دیں.....'' وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔ بڑبڑاتا رہا، طاہرہ دھک سے رہ گئی تھیں۔

''بس ایک ''سزا.....'' سنا دیں۔'' شام نے بے قراری سے کہا۔ طاہرہ کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ جیسے تحیر در آیا ہو۔

''کیسی سزا؟ تم کیوں ایسی باتیں کر رہے ہو؟'' طاہرہ نے اسے بے ساختہ ٹوکا۔

''اس لیے کہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہوا ہے آپا.....'' اس نے طاہرہ کے دونوں ہاتھ تھام لیے..... طاہرہ نے



www.pklibrary.com

چونک کر شام کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں ضبط سے سرخ ہو رہی تھیں۔

''کیسا گناہ.....؟'' طاہرہ اس کی نظر سے نظر چرا گئیں۔ شام نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے ان پر اپنی گرفت اور بھی سخت کر لی تھی۔

''مجھ سے ایک گناہ انجانے میں سرزد ہوا۔ عمامہ کا دل توڑنے کا گناہ..... میں آپ کی بیٹی کا مجرم ہوں..... میں آپ کا مجرم ہوں۔ میں آپ کا گناہ گار ہوں، میں نے آپ کی عمامہ کا دل توڑ دیا ہے۔ اس لیے نہیں کہ میں احساسِ برتری کا شکار تھا۔ اس لیے بھی نہیں کہ میں احساسِ کمتری کا شکار تھا۔ اس لیے کہ میرا خود پر کوئی اختیار نہیں تھا۔ میں گروی رکھا ہوا مال تھا۔ عمامہ سے میرا دام نہیں لگا۔ اس میں اتنا شعور نہیں تھا۔ مجھے قرض دار سے چھڑا لیتی۔ پھر بھی آپا! میں آپ سے معافی مانگنے آیا ہوں..... سب پچھلا بھلانے آیا ہوں۔ وہ سب جو ہمارے درمیان تھا اور نہیں بھی تھا' میں نے عمامہ کا دل نہیں..... بڑے مقدس گھر کو ڈھا دیا۔ میں نے مسجد کو ڈھا دیا۔ میں نے بڑا گناہ کیا۔ میں بڑی سزا کا حق دار ہوں..... میں ہر سزا کے لیے تیار ہوں۔'' شام کی شام جیسی آنکھوں سے اوس گر پڑی تھی۔ طاہرہ نے زندگی میں پہلی مرتبہ کسی مرد کو 'شدتِ ضبط' سے گزرتے ہوئے دیکھا تھا۔ ایسا مرد جو رونا چاہتا تھا لیکن رو نہیں پا رہا تھا۔ وہ آنسو گرانا چاہتا تھا لیکن آنسو بہا نہیں پا رہا تھا۔ وہ ضبط کے پل صراط پر کھڑا تھا۔ وہ ''ضبط'' کے پل صراط پر کھڑا تھا۔ جس کے اوپر بھی آگ جل رہی تھی۔ جس کے نیچے بھی آگ جل رہی تھی۔

طاہرہ کے اندر بڑی سخت گرما کی بارش برسنے لگی تھی۔ بڑے سخت طوفانی بگولے اڑے تھے بڑے سخت جھکڑ چلے تھے ان کے اندر کئی نوحے چھڑ گئے، کئی بین بکھر گئے۔ انہوں نے سرخ پڑتی بادامی آنکھوں کو بمشکل اٹھا کر دیکھا۔ ان سے شام کا شکستہ وجود دیکھا نہ گیا۔

''دلوں کی اقلیم میں منٹوں اور لمحوں کے اندر انقلاب آ جاتا ہے۔ اور اس کے انقلاب سے اس دنیا کے انقلاب وابستہ ہوتے ہیں۔ محبت کسی انقلابی کیفیت کا نام نہیں..... الہامی کیفیت کو کہتے ہیں، یہ دلوں پر وحی کی طرح اترتی ہے۔ محبت کرنا گناہ نہیں..... محبت کو غلط طریقوں سے حاصل کرنا گناہ ہے۔ تم کہاں سے گناہ گار ہو شاہ منصور! تم نے محبت کی، اسے غلط اسلوب سے حاصل کرنے کا گناہ نہیں کیا۔ حسن، خوشبو، نغمہ، اور زیب و آسائش الگ، الگ نام ہیں لیکن حقیقت صرف ایک ہے، یعنی عدل اور اعتدال..... محبت اور نفرت دونوں عدل اور اعتدال مانگتے ہیں..... عدل برابری کو کہتے ہیں۔ محبت اور عشق میں میانہ روی یا اعتدال نہ ہو تو اس سے آگے کی منزلیں بڑی ''خطرناک'' ہوتی ہیں۔ کیونکہ عشق سے آگے ''جنون'' ہے اور جنون کے بعد تباہی..... تم نے کوئی گناہ نہیں کیا شام..... یہ گناہ ہے، جو تم نے محبت کو جنون نہیں بننے دیا..... اس گھر کی اونچی فصیلوں کے اندر شروع ہونے والی کہانی کو اس کے اندر ہی بند کر دیا..... اس گھر کی بنیادوں کو 'ہلایا' نہیں بلکہ اور مضبوطی سے جما دیا..... میں تم سے قیامت تک راضی ہوں میرے بیٹے.....! تم اپنے نصیب کی ہر خوشی کو حاصل کرو..... اور عمامہ کا مقدر اس کے پاس چھوڑ دو..... وہ اپنے مقدر پر ''صبر'' اور ''قناعت'' کرے گی۔ وہ طاہرہ کی بیٹی ہے۔ کبھی سر نہیں جھکائے گی۔ کبھی تمہاری، راہوں میں نہیں آئے گی۔'' طاہرہ نے بھیگی آواز میں ٹوٹ پڑتے غم کو سمیٹا تھا۔ پھر شام کی روشن پیشانی چوم لی تھی۔

شام کا جھکا سر پھر اٹھا نہیں..... اس کی جھکی نگاہیں، اٹھی نہیں..... وہ اپنی آنکھوں میں پگھلے ہوئے اس آخری احساس کو کیسے دکھاتا.....؟ جسے شاعروں کی زبان میں 'احساسِ زیاں'..... اور ''شامِ شہر یاراں'' کہتے تھے۔

☆☆☆

طاہرہ آنکھیں رگڑتی اٹھ کر کھڑکی میں آ گئیں..... ان کے پیر من، من بھر کے ہو رہے تھے۔ ہر قدم پر بھاری پاٹ بندھا تھا۔ ان سے چلنا بھی دشوار تھا، کھڑا ہونا بھی دشوار تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے دریچہ تھام کر کھڑی ہو گئیں۔ بادامی آنکھوں سے سیلِ رواں جاری تھا۔ وہ آنسوؤں کو روکنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ تنہائی میں کھل کر رونا چاہتی تھی۔



www.pklibrary.com

ابھی دو دن پہلے کی بات تھی..... وہ اسی دیوانِ خاص میں لرزتے قدموں سے چلتی ہوئی آئی تھیں۔ تب بھی ان کے قدم بہت بھاری تھے، چلنا دشوار تھا اور رکنا بھی محال تھا۔ وہ سر جھکائے اندر داخل ہوئیں..... یہ دیوانِ خاص صوفی صالح کا مخصوص مہمان خانہ اور ٹھکانا تھا۔ یہ جگہ مناقبت کی محافل کے لیے بھی مخصوص تھی اور دوستوں کی بیٹھک کے لیے بھی۔ وہ فیکٹری سے آکر دیوانِ خاص میں قیام کرتے تھے۔ یہ گھر سے الگ تھلگ حصہ تھا۔ طاہرہ، عمامہ کے پاس سے اٹھ کر سیدھا یہیں آگئی تھیں۔ انہیں صوفی صالح سے عمامہ کے حق کی خاطر ایک آخری لڑائی کرنا تھی۔ یہ ان کی پوری ازدواجی زندگی کی پہلی اور آخری لڑائی تھی۔

صوفی صالح، طاہرہ کو دیکھ کر اچانک چونک گئے تھے۔ طاہرہ بہت کم یہاں آتی تھیں..... اور جب بھی آتیں بہت خاص مقصد کے لیے..... ان کا ٹھٹکنا بہت فطری سا امر تھا۔

''آپ یہاں.....؟ خیریت تو ہے.....؟'' ان کا انداز متفکر سا تھا۔ کیا وہ طاہر اور بسمہ کے حوالے سے بات کرنے آئی تھیں؟

''خیریت نہیں ہے۔'' طاہرہ نے بغیر تمہید کے گفتگو کا آغاز کرلیا۔ ان کے انداز میں کچھ تو تھا جو صوفی صالح اپنے ہاتھ سے کتاب رکھے کر ان کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔

''کیا ہوا؟'' ان کا انداز سوالیہ تھا۔ طاہرہ لمحہ بھر کے لیے سوچ میں گم ہوئیں۔ پھر بڑی ہمت کے ساتھ کہنا شروع کیا تھا۔

''زندگی میں پہلی مرتبہ آپ سے کچھ مانگنے آئی ہوں.....'' طاہرہ کی بادامی آنکھوں میں التجا تھی۔ پھر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ صوفی صالح دم بخود ہو کر رہ گئے تھے۔ طاہرہ کو کیا ہوا تھا؟ آج یہ کیسی باتیں کررہی تھیں۔

''آپ کو انکار نہیں کرنا ہوگا.....'' ان کے انداز میں اب بھی التجا تھی۔

''بات کیا ہے؟'' صوفی صالح کا تفکر اور بھی بڑھ گیا۔ ان کا دل کہہ رہا تھا۔ معاملہ کچھ گمبھیر ہے۔ ''کہیں منصور نے تو کچھ.....؟'' وہ سوچ میں گم ہوئے تھے۔

''پہلے آپ کو وعدہ کرنا ہوگا۔'' طاہرہ کا اصرار بڑھتا رہا۔

''آپ بات تو کریں.....'' صوفی صالح کچھ زچ ہوئے تھے۔ طاہرہ کا سابقہ انداز برقرار ہی رہا تھا۔ وہ اپنی بات سے ہٹی نہیں تھیں۔ حالانکہ وہ کبھی بھی ہٹیلی نہیں تھیں..... ہٹیلا پن ان کے مزاج کا حصہ نہیں تھا۔

''وعدے کے بغیر کیسے کروں.....؟'' انہوں نے بے چینی سے کہا۔

''معاملہ گمبھیر ہے.....'' وہ متفکر ہوگئے تھے۔

''آپ کی سوچ سے زیادہ.....'' طاہرہ کا انداز دھیما پڑ گیا۔ ایک اضطراب کی لہر اُن کے اندر سے اٹھی تھی۔ بھلا وہ صوفی صالح سے کس طرح بات کرتیں؟ کتنا بڑا پل صراط تھا۔ جسے عبور کرنا تھا اور ضرور کرنا تھا۔ وہ عمامہ کی خاطر کچھ بھی کرسکتی تھیں کچھ بھی۔

''کیا آپ کو طاہر کی پسند پر اعتراض ہے؟'' صوفی صالح نے قیاس کی لگامیں ڈھیلی کرتے ہوئے اندازہ لگانا چاہا تھا۔ طاہرہ کا بے ساختہ نفی میں سر ہل گیا تھا۔

''ایسی بات نہیں.....''

''تو پھر.....؟'' انہوں نے فکرمندی سے کہا۔ اب کہ وہ اندر سے مضطرب ہوگئے تھے۔ انہیں لگ رہا تھا بات معمولی نہیں تھی۔

''آپ میری بات مان لیں گے؟'' طاہرہ کی آواز نم ہوگئی۔ التجا بڑھ گئی۔ اصرار بھی بڑھتا گیا تھا۔



www.pklibrary.com

''مانے والی ہوئی تو ضرور مانوں گا۔'' انہوں نے بالآخر کہہ دیا۔
''اور اگر نہ ماننے والی ہوئی تو.....؟'' طاہرہ کی آنکھوں میں سہم اتر گیا تھا۔
''آپ ایسی بات کیوں کریں گی۔'' وہ مضطرب سے ہو گئے تھے۔ بے چین سے ہو گئے تھے، فکر مند ہو گئے تھے۔
''لیکن میں ایسی بات کرنے والی ہوں.....'' طاہرہ نے ہتھیلیاں مسلی تھیں، ان میں پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ ان کی پیشانی بھی تر بتر تھی۔ ان کا وجود بھی کانپ رہا تھا۔ پھر بھی وہ مضبوطی سے کھڑی تھیں۔ اپنی عمامہ کی خاطر، اس کی خوشی کے لیے۔
''طاہرہ.....'' صوفی صالح گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے بے چینی سے اپنے سر پر رکھا سفید عمامہ شریف اتارا اور میز پر رکھ دیا۔ اب وہ بے قراری سے اپنے سر میں ہاتھ پھیر رہے تھے۔
''پلیز مجھے کسی ''امتحان'' میں مت ڈالنا.....'' انہوں نے پلٹ کر طاہرہ سے جیسے التجا کی تھی۔ طاہرہ بھی بے تابی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
''اگر ساری زندگی کے بعد ایک ''امتحان'' سے آپ بھی گزر جائیں تو کیا فرق پڑنے والا ہے۔'' طاہرہ کے لہجے میں دبا، دبا سا غصہ ابھرا تھا۔ دبی، دبی سی ناراضی چھلکی تھی۔
''آپ کیا چاہتی ہیں.....؟'' صوفی صالح نے گہری سانس کھینچ کر بے ساختہ کہا..... ان کا دل کہہ رہا تھا۔ طاہرہ کوئی پہاڑ ان کے اوپر گرانے والی ہیں۔ ان کا دل اپنی رفتار۔ چھوڑ کر غیر معمولی چلنے لگا۔ بھاگنے لگا، دوڑنے لگا۔
''میں چاہتی ہوں..... آپ فیقہ اور شام کی شادی کو رکوا دیں۔ کسی بھی طریقے سے سہی.....'' طاہرہ نے بالآخر پل صراط پر چلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ اندھا دھند بھاگنے لگی تھیں۔ انہوں نے آنکھیں موند لی تھیں۔ ان کے قدم۔ لڑکھڑانے لگے۔ وہ صوفی صالح کا جواب سننا چاہتی تھیں۔ ان کا دل لمحہ بھر کے لیے رک گیا تھا۔
صوفی صالح پر پہاڑ گر سا گیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے وجود پر زلزلہ سا آ گیا تھا۔ آنکھوں میں تحیر امڈ، امڈ آیا تھا۔ اضطراب چھلکنے لگا تھا۔ وہ جیسے لمحوں میں نڈھال ہو گئے تھے۔ ان سے ایک لفظ ''کیوں؟'' تک بولا نہیں گیا تھا۔ ان کے پورے وجود پر بوجھ لد گیا تھا۔
''طاہرہ.....'' وہ اندر تک کانپ سے گئے تھے۔ ''آپ کے ہوش و حواس قائم ہیں۔''
''میں پاگل نہیں ہوں.....'' طاہرہ کی آواز پھٹ گئی تھی۔
''تو پھر ایسی ''بہکی'' باتیں کیوں کر رہی ہیں؟'' وہ نگاہ چرا گئے تھے۔ طاہرہ نے دونوں آنکھیں بے ساختہ موند کر کہا۔
''عمامہ کے لیے۔'' طاہرہ نے ایک اور پہاڑ ان کے سر پر گرا دیا تھا۔ وہ اپنی ''ذات'' میں ہل کر رہ گئے تھے۔ تو گویا امتحان کی گھڑیاں آن پہنچی تھیں۔ تو گویا ''آزمائش'' کا وقت قریب تھا۔ ان کے اندر قیامت کا شور اٹھ گیا۔ ایک بھونچال سا آ گیا۔ اک زلزلہ سا اتر گیا تھا۔
''طاہرہ.....'' ان کی روح تک کانپ گئی تھی۔ چہرہ انگارہ ہو گیا۔ وہ شدتِ ضبط سے چیخ پڑے تھے۔
''خاموش ہو جائیں کچھ مت کہیں، کچھ مت بولیں۔'' انہوں نے سینے کو مسل دیا۔ آنکھوں کو مسل دیا۔ ان کی انگارہ آنکھوں میں کئی عکس بنتے اور ٹوٹتے رہے..... منال کے پیچھے بھاگتی عمامہ، جھولے پر جھولتی عمامہ، شام سے لڑتی عمامہ، اس کے ساتھ چہکتی عمامہ..... روشن آنکھوں سے شام کو بے خودی کے عالم میں تکتی عمامہ..... شام کے نام پر مہکتی عمامہ..... کیا وہ ''بے خبر'' تھے؟ انہوں نے دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر خود سے دریافت کیا۔ ان کے اندر کوئی اونچی آواز میں، چلانے لگا۔
''نہیں، نہیں.....'' انہوں نے سماعتوں کو بہرہ کر لیا۔ آنکھوں کو اندھا کر لیا..... ذہن کو مفلوج کر لیا..... سوچوں کو قید کر لیا۔

(جاری ہے)


www.pklibrary.com

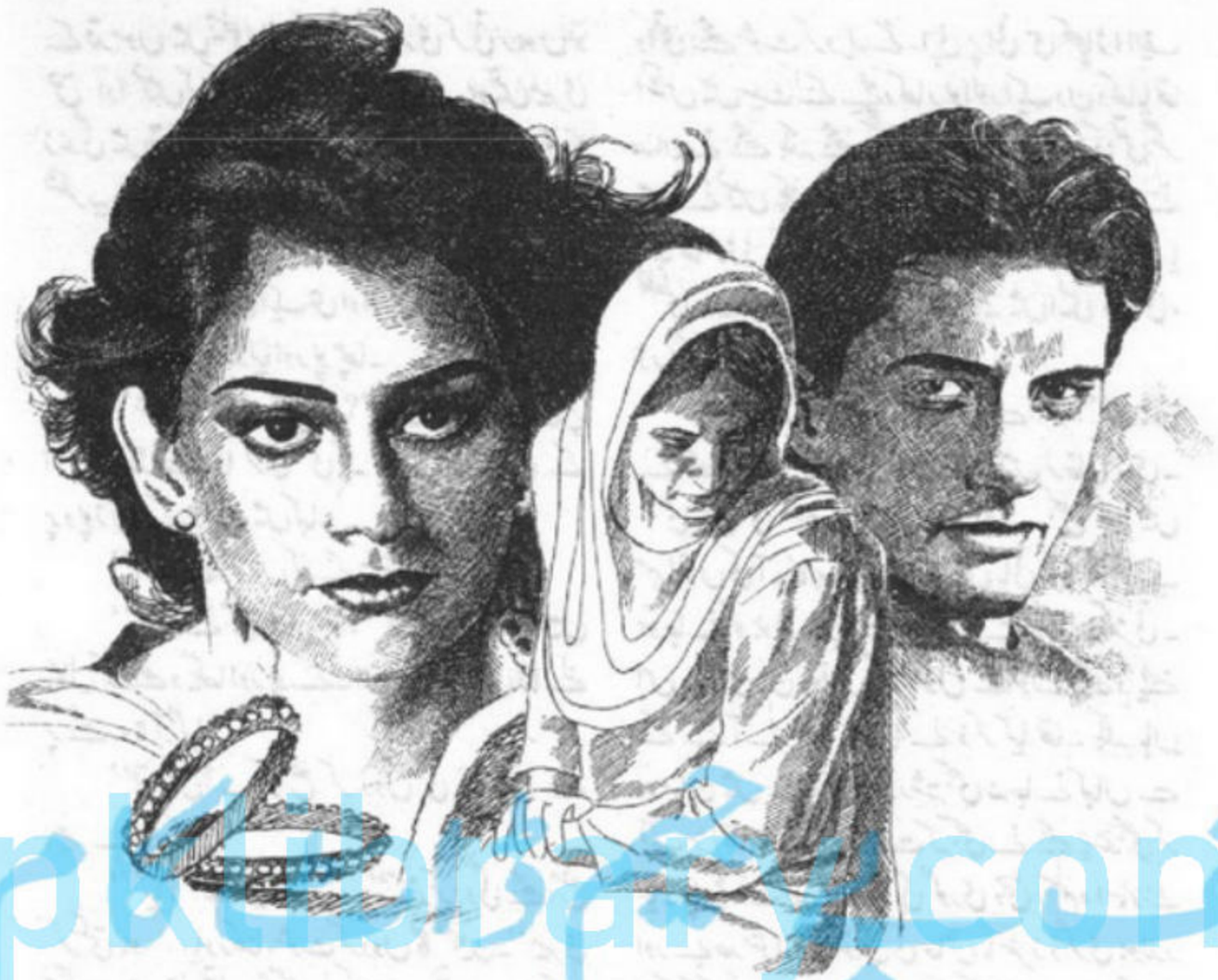

pklibrary.com

ناولٹ

# ماں! تیرا شکریہ

ناہید سلطانہ اختر

آج کا دن بہت خاص تھا۔ میں نے اور عدنان نے اپنی شادی کی دسویں سالگرہ منائی۔ سب بہت خوش تھے۔ عدنان، میں اور ہمارے دونوں بچے بھی۔ ہم نے اس سے پہلے اپنی شادی کی کوئی سالگرہ نہیں منائی تھی مگر اس بار عدنان نے خود کہا۔

"ہم اپنی ویڈنگ اینورسری منائیں گے اور اس تقریب کے مہمانانِ خصوصی تمہاری امی اور میرے ابو ہوں گے۔"

"میرے پاپا؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"راز کی بات ہے......" وہ ہنس کر بولے۔

راز کی بات میں جانتی ہوں...... پاپا اور عدنان کی کیمسٹری نہیں ملتی۔ خیر کیمسٹری تو ان کی اور امی کی بھی نہیں ملتی تھی اور شاید میری اور عدنان کے ابو کی بھی نہیں مگر...... ہیٹس آف تو امی......! ساری زندگی بھی امی



www.pklibrary.com

کے قدموں میں بیٹھی ان کی شکر گزاری کرتی رہوں تو حق ادا نہیں کرسکتی۔ خدانخواستہ امی نہ ہوتیں میری زندگی میں تو آج کا دن کتنا مختلف بھی ہوسکتا تھا۔ امی کا شکریہ.....! امی کو سلام.....!

☆☆☆

عدنان اور میں ایک ہی ادارے میں ملازم تھے۔ عدنان نے مجھے پسند کیا اور پوچھا۔

''شادی کروگی مجھ سے؟'' میں ان دنوں امی پر اتنی ڈیپینڈنٹ ہوا کرتی تھی کہ میں نے عدنان کے پروپوزل کے جواب میں کہا۔

''امی سے ڈسکس کرکے بتاؤں گی.....''

''امی نے منع کردیا تو؟'' عدنان نے آنکھیں نکال کر مجھے دیکھا اور بولے۔ ان کے آنکھیں نکالنے پر مجھے رونا آگیا۔

''تو میں آپ کو منع کردوں گی۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔

''کیا؟'' عدنان دہاڑے۔ ''منع کردوگی مجھے، منع کرسکتی ہو..... یاد رکھنا، شوٹ کردوں گا تمہیں۔'' میری آنکھوں میں جل تھل مچ گئی۔ یہ کیسی محبت تھی..... اور کیسا عاشق..... جو شادی سے انکار کی صورت میں مجھے شوٹ کردینے کی دھمکی دے رہا تھا..... میں جانتی تھی کہ عدنان محض دھمکی نہیں دے رہے تھے، وہ ایسے اینگری ینگ مین تھے جو کچھ بھی کرسکتے تھے۔ وہ جو چاہتے کرگزرتے تھے۔ امی تک بات پہنچائی تو وہ بگڑ گئیں۔

''پندرہ ہزار کے معمولی ملازم سے شادی کروگی تم۔ ڈاکٹر، انجینئر، افسر کا کال پڑ گیا ہے کیا۔ مسز ندیم دو رشتے بتا چکی ہیں ایک ٹیلی کام انجینئر ہے دوسرا ڈاکٹر ہے۔''

''مجھے نہیں کرنی کسی انجینئر، ڈاکٹر سے.....'' میں رونے لگی۔

''ہاں، تجھے تو وہی بھا گیا ہے ناں۔'' امی دہاڑیں۔ میں کیا بتاتی امی کو کہ مجھے مرجانے سے کتنا خوف آتا تھا۔ مجھے عدنان سے کسی اچھے کی امید نہیں تھی۔ مجھے یقین تھا، میں نے ان سے شادی سے انکار کیا تو وہ واقعی مجھے شوٹ کردیں گے۔ اپنی پرانی سی کھچاڑا ایف ایکس میں سیٹ کے نیچے رکھا ریوالور ایک دن دکھایا تھا عدنان نے مجھے بلکہ مجھے پکڑانے کی کوشش بھی کی تھی مگر میں نے نہیں پکڑا تھا۔ میں ڈر گئی تھی کیونکہ عدنان نے کہا تھا لوڈڈ ہے۔ میں ڈر گئی تھی کہ میری بے احتیاطی یا غلطی سے گولی چل گئی تو کیا ہوگا۔ میں ایسی ہی تھی، ڈرپوک، بزدل، بدھو!

''تم نے ڈسکس کیا اپنی امی سے.....؟'' عدنان نے مجھ سے پوچھا۔ میں کافی دن انہیں ٹرخاتی رہی۔ کبھی امی کی طبیعت خرابی کا بہانہ..... کبھی گھر میں مہمانوں کی آمد کا بہانہ..... کبھی میں پانی کی موٹر خراب ہوجانے کو جواز بناتی۔ کبھی یاد نہ رہنے کا بہانہ گھڑتی۔ اس دوران ان دونوں گھرانوں کے لوگ مجھے دیکھنے کے لیے آئے جن کا امی نے ذکر کیا تھا۔ بلکہ ہاں درمیان میں سے ایک اور رشتہ بھی نہ جانے کہاں سے ٹپک پڑا تھا۔ اور شومئی قسمت کہ سبھی نے مجھے پسند بھی کرلیا۔ پانچ فٹ سات انچ کی گوری چٹی، سلم، اسمارٹ اور بے حد متوازن نقوش کی حامل ماسٹرز ڈگری ہولڈر لڑکی کو کوئی بدذوق ہی ناپسند کرسکتا تھا۔ عدنان بھی تو میری خوب صورتی پر ہی مرمٹے تھے۔ میں نے ان تمام رشتوں کی نامنظوری کے لیے رو، رو کر آنسوؤں کے دریا بہادیے..... بالآخر امی مجبور ہوگئیں۔

''اس سے کہو اپنے گھر والوں کو بھیجے۔'' انہوں نے کہا۔ اس کے گھر میں تھا ہی کون بوڑھے سے ابو، ایک چھوٹی بہن اور اس سے بھی چھوٹا ایک بھائی۔ ایک بہن شادی شدہ تھی۔ امی عرصہ ہوا مرچکی تھیں۔ عدنان میری پسند کا کیک لے کر اپنے ابو اور رشتے کی ایک بھابی کے ساتھ ہمارے گھر آئے۔ رسمی سی بات چیت ہوئی۔

''بہن آپ کی بیٹی ہمارے گھر میں ہماری بیٹی بن کر رہے گی۔'' اس کے ابو نے امی سے کہا۔

''اب آپ کسی دن ان کے گھر آکر ان کا رہن سہن دیکھ لیں.....'' عدنان کی رشتے کی بھابی نے امی سے کہا۔



www.pklibrary.com

''ٹھیک ہے۔'' امی نے کہا۔

امی اور میری بڑی بہن اور بھائی عدنان کے گھر گئے۔ امی کو نہ تو ان کا گھر پسند آیا نہ ان کا رہن سہن۔

''گیزر نہیں تھا ان کے گھر میں..... گھی کے ڈبے میں چولھے پر پانی گرم ہو رہا تھا۔ تنگ گلیاں ہیں، چھوٹا سا گھر ہے۔ چائے کے ساتھ سموسے، نمک پارے اور جلیبیاں تھیں، گزارہ کرلوگی؟'' واپسی پر امی نے مجھ سے کہا۔ شوٹ ہو کر مرنے سے سموسے، نمک پارے اور جلیبیاں کھانا بہر حال بہتر تھا۔

''کرلوں گی۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔

پھر بھی امی نے عدنان کے سامنے کسی بہتر علاقے میں کرایے کا مکان لینے کی شرط رکھی۔ عدنان نے اپنے ابو کی منت سماجت کر کے انہیں اپنا پرانا گھر فروخت کر کے کسی بہتر علاقے میں دوسرا مکان خریدنے پر آمادہ کیا۔ اِدھر ان کے پرانے گھر کا سودا ہوا اُدھر انہوں نے شہر کے ایک بہترین رہائشی علاقے میں فروخت پر لگا ہوا ایک چھوٹا سا مکان دیکھا اور اس کا سودا کرلیا۔ گھر بدلنے میں انہوں نے اتنی تیزی دکھائی کہ امی بھی حیران رہ گئیں۔ بعد میں میری بہن نے مجھے بتایا کہ امی نے مکان بدلنے کی شرط اس لیے رکھی تھی کہ ان کا خیال تھا کہ عدنان کے ابو اور بہن، بھائی اپنا گھر تبدیل کر کے کہیں اور منتقل ہونے کی مخالفت کریں گے کیونکہ ان کا مکان بوسیدہ اور گلیاں تنگ سہی مگر شہر کے بیچوں بیچ تھا جہاں آس پاس زندگی کی تمام ضروریات بہ آسانی دستیاب تھیں..... اور یوں امی کی شرط پوری نہ ہونے پر عدنان سے میرے رشتے کا معاملہ ٹھس ہو کر رہ جائے گا مگر عدنان نے تو کمال کی سرعت دکھائی..... گو نیا مکان بھی بس گزارے لائق ہی تھا جبکہ امی کے بقول میں اعلیٰ درجے کی رہائش رکھنے والے کسی نوجوان سے بھی بیاہی جاسکتی تھی مگر..... اب امی کے پاس عدنان کے رشتے سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔

شادی ہوگئی..... عدنان کے گھر آکر مجھے چند ہی دنوں میں اندازہ ہوگیا کہ عدنان کے گھر میں میری زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہوگی..... شادی سے قبل میں بھی ہر لڑکی کی طرح ایک آرام دہ زندگی کے خواب دیکھتی تھی۔ اچھا گھر، عمدہ فرنیچر، آرام دہ رہائش، نئی گاڑی، گھر چھوٹا سا تھا دو کمرے نیچے، دو اوپر..... ایک میں بیٹھک، دوسرے میں ابو، تیسرے میں عدنان اور میں، چوتھے میں ان کی بہن اور بھائی بیچارہ ابو کے کمرے میں پڑا رہتا۔ فرنیچر سالہا سال پرانا تھا۔ امی نے مجھے شاید احتجاجاً فقط ایک بیڈ روم سیٹ دیا تھا۔ نہ صوفہ سیٹ، نہ ڈائننگ ٹیبل، کچھ نہیں۔

''چھوٹا سا تو گھر ہے دوں بھی تو کہاں رکھا جائے گا.....'' انہوں نے جہیز کی تیاری کرتے ہوئے کہا تھا۔ افرادِ خانہ میں ابو کے سوا سب دیہاڑی دار تھے۔ صبح گھر سے نکلتے شام کو واپس لوٹتے۔ شادی کے بعد دوسرے تیسرے دن ہی مجھے خانہ دارانہ ذمے داریاں سنبھالنی پڑیں۔ عدنان کی بہن بھی ہاتھ بٹاتی مگر مہمان تھی..... جلد ہی اس کی بھی شادی ہونے والی تھی، مجھے گھر کے سودا سلف سے لے کر امورِ خانہ داری تک اپنے ذمے لینا پڑے۔ صبح بھاگم بھاگ سب کو ناشتا کرواتی، دوپہر کے لیے ہانڈی پکاتی..... اپنے اور چھوٹے بیٹے کے لیے ابو دوپہر کو قریبی تنور سے نان لے آتے۔ میں تیار ہوتی پھر عدنان اور میں عدنان کی پرانی سی ایف ایکس گاڑی میں بیٹھتے جو کبھی تو موڈ اچھا ہونے پر اسٹارٹ ہوجاتی کبھی آٹھ، آٹھ آنسو رُلا دیتی۔ شام کو ہم دونوں اکٹھے گھر واپس لوٹتے۔ مجھے سب کو چائے پلانا ہوتی۔ پھر رات کے کھانے کی تیاری کا مرحلہ ہوتا۔ کچن سے فارغ ہوتے، ہوتے دس ساڑھے دس بج جاتے۔ پھر اگلے دن کے لیے اپنے اور عدنان کے کپڑوں پر استری کرنا ہوتی..... عدنان کے موزوں، جوتوں کا خیال بھی مجھی کو رکھنا ہوتا۔ رات کو بارہ بجے کے بعد ہی بستر پر جانے کا موقع ملتا اگلے دن پھر وہی مصروفیت ہوتی۔ ہفتہ واری چھٹی کا خیال مسرت بخش تو ہوتا مگر چھٹی کا دن ہڈی، ہڈی توڑ دیتا۔ ابو سے ملنے کے لیے عدنان کی شادی شدہ بہن اپنے بچوں کے ساتھ صبح دس گیارہ بجے ہی آجاتی اور رات ہی کو اپنے شوہر کے آنے پر واپس جاتی۔ میں ہر ہفتے



www.pklibrary.com

سوچتی اس بار امی کے ہاں ضرور جاؤں گی لیکن کئی، کئی ہفتے گزر جاتے اور میں نہ جا پاتی۔ کافی عرصے بعد میں نے اس محرومی کا حل یہ نکالا کہ مہینے میں ایک دو مرتبہ آفس سے اتفاقی رخصت لیتی اور کبھی ایک کبھی دو دن کو امی کے ہاں چلی جاتی۔ آئے دن عدنان کے خاندان میں ہونے والی غمی، خوشی میں بھی شرکت لازم ہوتی۔ شادی سے پہلے ایسے مصروف روز و شب کا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

مجھے ایک نہیں دو محاذوں پر لڑنا پڑ رہا تھا۔ گھر اور دفتر..... گھر میں ہر فرد کی نظریں مجھ پر لگی ہوتیں۔ ہر ایک مجھ سے توقعات منسوب رکھتا..... اسے چائے دینی ہے، اس کی پسند کا کھانا پکانا ہے۔ اس کے کپڑے واشنگ مشین میں ڈالنے ہیں..... اس کی طبیعت خراب ہے۔ عدنان کے ساتھ اسے ڈاکٹر کو دکھانے لے جانا ہے۔ آج اس کی فوتگی میں شرکت کرنی ہے تو کل فلاں رشتے دار کو بیٹے کی پیدائش پر مبارک باد دینے کے لیے ابو کو بھی ساتھ لے کر جانا ہے۔ دفتر میں تو پھر بھی کبھی چھوٹ اور رعایت مل جاتی مگر گھر میں کسی رعایت کا امکان نہ ہوتا۔ میں گھر کی بہو تھی..... مجھی کو سب کچھ سنبھالنا تھا۔ گھر کی بیٹی کو کوئی کچھ نہ کہتا..... بیچاری بن ماں کی تھی۔ گھر کے قریب اسکول میں پڑھاتی تھی اور اسے کون سا کوئی ہمیشہ اس گھر میں رہنا تھا۔ ایک دن چلے ہی جانا تھا۔ وہ موبائل پر گیم کھیلتی، چیٹ کرتی..... دوستوں اور کزنز کو لمبی، لمبی فون کالز کرتی۔ چھٹی والے دن لمبی تان کر سوتی، گھر کے کام کاج سے دور رہتی، کچن میں صرف اس وقت جاتی جب اسے کچھ کھانے پینے کی طلب ہوتی..... پھر بھی بیچاری تھی۔

☆☆☆

میں جلدی ہی تھکنے لگی یا شاید بیزار ہو گئی۔ عدنان کی محبت کا غبارہ بھی رفتہ، رفتہ پھُس پھُسا ہوتا جا رہا تھا۔ ہمیں ایک دوسرے سے شکایتیں رہنے لگیں۔ ان شکایتوں کا ردِعمل بھی یقینی تھا۔

''یار..... تم نے میری شرٹ پریس نہیں کی؟'' عدنان کہتے۔

''آپ خود کر لیں۔''

''کیا..... ! میں؟''

''ہاں..... تو کیا ہوا؟''

''یہ تمہارا کام ہے۔''

''میں انسان ہوں مشین نہیں..... دیکھتے نہیں کتنے کام ہوتے ہیں مجھے.....''

''تم کوئی نرالی نہیں ہو..... ساری عورتیں کرتی ہیں۔''

''ساری عورتیں ملازمت نہیں کرتیں.....''

''ملازمت کرنے والی عورتیں زیادہ آرگنائزڈ ہوتی ہیں۔''

''اس سے تو اچھا تھا میں شادی ہی نہ کرتی۔''

''شکر کرو کہ کر لی ورنہ تمہاری امی تو ابھی رشتے ہی دیکھ رہی ہوتیں۔''

''امی چاہتی تھیں کسی اچھے گھر میں ہو میری شادی.....''

''یہ کیا برا ہے۔''

''صبح سے شام تک بلکہ رات تک مزدوری لگی رہتی ہے۔''

''بکواس مت کرو..... عیش کر رہی ہو.....''

''کیا عیش کر رہی ہوں.....؟''

''صبح تیار ہو کر میرے ساتھ ٹھاٹھ سے گاڑی میں بیٹھ کر دفتر جاتی ہو۔ دن بھر اے سی میں بیٹھتی ہو یا سردی ہوئی تو ہیٹر لگا کر..... شام کو آئیں الٹا سیدھا کھانا پکایا چھٹی۔''

''چھٹی.....!'' میں کرب سے کہتی۔ ''رات کو بستر پر لیٹتی ہوں تو جوڑ، جوڑ دکھ رہا ہوتا ہے۔'' میں روہانسی ہو جاتی۔

''یار.....! احسان نہیں کرتی ہو، ساری عورتیں اپنے گھر میں کام کرتی ہیں..... کبھی دکھاؤں گا تمہیں کہ ہمارے گاؤں میں عورتیں کتنی مشقت کرتی ہیں۔ تم شہری عورتیں تو مزے کرتی ہو.....''

''خاک مزے کرتی ہیں..... کبھی گھر والوں کی باتیں سنو کبھی افسروں کی جھاڑ.....'' میں بڑبڑاتی۔

''ایسے کام کیوں کرتی ہو؟'' عدنان کے دور رس کان میری بڑبڑاہٹ بھی سن لیتے۔

''کیا.....؟'' میں آنکھیں نکال کر انہیں دیکھتی۔

''کام کرو کام.....''



www.pklibrary.com

''کام ہی کرتی ہوں اور کرتی ہی کیا ہوں..... آپ سے شادی کر کے تو میں عذاب میں پھنس گئی..... ایک ماسی تک نہیں ہے گھر میں.....''

''کسی اور سے کر لیتیں..... جس کے گھر میں نوکروں کی فوج ہوتی۔''

''بہت رشتے تھے میرے لیے..... اچھے، اچھے.....''

''بس تھے ہی..... لے کر تو کوئی نہیں گیا.....''

عدنان منہ پھٹ عورتوں کی طرح طعنہ دیتے۔

''لے ہی جاتا کوئی۔''

''کیوں نہ گئیں.....؟''

''آپ نے شوٹ کرنے کی دھمکی جو دے رکھی تھی مجھے۔''

''میں تو الو تھا.....'' عدنان اپنے ابو کو کچھ کہنے سے گریز کرتے خود کو صرف الو کہتے۔

''نہیں خیر..... تھے تو بہت کائیاں، بہت دیکھ بھال کر ہاتھ ڈالا۔ مجھ جیسی لڑکی مل سکتی تھی آپ کو بھلا.....''

''تم سے لاکھ اچھی مل جاتیں۔''

''میری قسمت کیوں پھوڑی؟'' میں روہانسی ہو جاتی۔

''اب ٹسوے بہانے نہ بیٹھ جانا..... تم عورتوں کا آزمودہ ہتھیار.....'' میں کلس کر رہ جاتی۔

☆☆☆

''امی.....! سارا وقت گھن چکر بنی رہتی ہوں۔'' میں نے امی کے سامنے رونا گانا شروع کر دیا۔

''کوئی بات نہیں۔'' امی بڑے اطمینان سے کہتیں۔

''تھک جاتی ہوں امی.....''

''تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کی تسبیح پڑھ لیا کرو..... تھکن جاتی رہے گی۔''

''عدنان کی بہن سارا دن پلنگ توڑتی ہے۔''

''چلی جائے گی اپنے گھر..... پھر پلنگ اسے یاد کیا کرے گا۔''

''تین مردوں اور ڈیڑھ عورتوں کا کھانا پکانا پڑتا ہے مجھے۔''

''کوئی بات نہیں..... شکر کرو چھوٹی فیملی ہے اور یہ عورتیں ڈیڑھ کیسے ہو گئیں۔''

''میں تو ڈائٹنگ پر رہتی ہوں ناں..... آدھی چپاتی مشکل سے..... باقی آدھی عدنان کھا جاتے ہیں کہ باسی ہو گی۔''

''اچھا ہے..... رزق کا ادب کرنا چاہیے۔ مرد تو پھر سوا تین ہو گئے۔''

''امی میں نے کہا جھاڑو برتن کے لیے تو ماسی رکھ لیں۔ صاف منع کر دیا عدنان نے کہ میں افورڈ نہیں کر سکتا۔''

''ہاں تو نہیں کر سکتا ہو گا ناں، تم کیوں بیچارے سے فرمائش کرتی ہو۔''

''بیچارہ.....'' میں بڑبڑاتی۔ ''اس بیچارے کی باتیں سنیں ناں آپ تو پاپا کی باتوں کا گلہ جاتا رہے۔''

''ارے میں ہی تھی جو تمہارے پاپا کی زہریلی باتوں کے باوجود اُن کے ساتھ گزارہ کر گئی۔''

''عدنان کی زہریلی باتیں سنیں ناں آپ تو پتا چلے آپ کو.....''

''اچھا ہے، تمیز دار ہے..... امی، امی کر کے بات کرتا ہے۔''

''ظاہر ہے امی ہی کہے گا۔ آپ کے سامنے مہذب بنا رہتا ہے۔ آپ اس کا اصل روپ دیکھیں تو.....''

''میں نے جو دیکھ لیا میرے اطمینان کے لیے وہی کافی ہے۔''

''امی.....!'' میں احتجاج کرتی۔

''کیا ہوا؟'' امی مجھے یوں دیکھتیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

''آفس سے آ کر بستر پر پڑ جاتا ہے اور کمرے سے آوازیں لگائے جائے گا۔ رافعہ پانی..... رافعہ چائے، رافعہ ٹی وی آن کر دو۔ رافعہ میرے جوتے پالش کر دینا، رافعہ پکوڑے بنا دو، رافعہ یہ کر دو، رافعہ وہ کر دو۔''

''تمہیں نہیں تو پھر کسے آواز لگائے گا۔''

''امی میں بھی تو اس کے ساتھ برابر کی نوکری کر کے آتی ہوں، تھکی ہوئی ہوتی ہوں.....''



www.pklibrary.com

''تو کیا ہوا..... وہ مرد ہے بھئی۔'' امی سے ہمدردی ملنے کی امید میں، میں نیم جان ہو جاتی۔

''امی پلیز اتنا فیور نہ دیں اسے..... وہ مرد ہے تو میں بھی تو اسی کی طرح گوشت پوست کی انسان ہوں۔''

''مرد کو عورت پر فضیلت ہے۔'' امی بہت اطمینان سے کہتیں۔

''امی انصاف تو یہ ہے کہ گاڑی کے دونوں پہیے توازن میں رہیں۔ ایک پر اتنا بوجھ تو نہ ڈالا جائے کہ وہ پھس ہی ہو جائے۔''

''ارے بھئی وہ اتنا تو کرتا ہے تمہارے لیے۔''

''کیا کرتا ہے؟''

''تمہیں دفتر لاتا، لے جاتا ہے..... بسوں میں دھکے کھانے سے بچی رہتی ہو..... ٹیکسی، رکشے کے انتظار میں سڑک پر نہیں کھڑا ہونا پڑتا۔''

''ہاں تو جو کماتی ہوں اسی کے گھر میں خرچ ہوتا ہے۔''

''کوئی احسان نہیں، تمہارا بھی تو ہے وہ گھر..... شاپنگ کے لیے لے جاتا ہے تمہیں۔''

''زیادہ شاپنگ گھر ہی کے لیے ہوتی ہے، میں تو مہینے میں ایک آدھ جوڑا بناتی ہوں اپنے لیے یا کوئی کاسمیٹک.....''

''شکر کیا کرو..... ایسی عورتیں بھی ہیں جنہیں عید، بقرعید کو بھی نیا جوڑا نصیب نہیں ہوتا۔''

''اس کے خاندان کی فوتگیاں اور خوشیاں بھگتانے کے لیے بھی بس میں ہی ہوں۔''

''ہاں..... تو اور کون ہوگا..... بیوی ہو اس کی۔ تمہی نے اس کا دکھ سکھ شیئر کرنا ہوگا۔''

''آپ بھی ناں بس.....'' میں امی کو شاکی نگاہوں سے دیکھتی۔

''بس کیا.....؟''

''اسی کی حمایت کرتی ہیں۔''

''داماد ہے میرا.....''

مجھے حیرت ہوتی کہ امی جو عدنان سے میری شادی کرنے کی سب سے بڑی مخالف ہوا کرتی تھیں اب کتنی چاہت سے ''اپنا داماد'' کہتی تھیں۔

''وہ آپ کا داماد بعد میں ہے..... پہلے میں آپ کی بیٹی ہوں۔ آپ کو مجھ سے ہمدردی ہونی چاہیے۔''

''بھلا کیا ہمدردی ہونی چاہیے۔''

''اس سے بات کریں..... اسے احساس دلائیں کہ وہ مجھے بھی اپنی طرح انسان سمجھے..... مجھے کچھ سہولت، کچھ ریلیف تو دے..... گھر کی نوکرانی نہ جانے مجھے۔''

''ہر عورت اپنے گھر کی نوکرانی ہی ہوتی ہے۔ نوکرانی بنتی ہے تب اسے ملکہ کے درجے تک ترقی ملتی ہے۔''

اپنی بیٹی کے مقابلے میں داماد کو رعایت دیتی ہوئی امی مجھے اپنے حق میں بے رحم سی لگتیں۔ میں تہیہ کر لیتی کہ آئندہ انہیں کچھ... نہیں بتاؤں گی، نہ بتاؤں گی نہ ہمدردی کی توقع ہوگی، نہ امی کے بے رحمانہ رویے سے دکھی ہوں گی..... مگر میں اپنے اس فیصلے پر زیادہ عرصہ قائم نہ رہ پاتی۔ کسی کا کندھا تو چاہیے تھا مجھے..... اپنا سر رکھنے، اپنی بپتا سنانے اور آنسو بہانے کو..... عدنان کے گھر میں اس کے ابو تھے گاہے بہ گاہے میری اشک شوئی کرنے کے لیے مگر..... بہر حال وہ تھے تو عدنان کے ابو ہی..... کبھی میری طرفداری کرتے مگر اکثر عدنان کے ہمنوا ہوتے..... گھٹنا بالآخر پیٹ کی طرف جھکنے والی مثال بھی تو سچ ہی تھی..... مجھے امی کو کچھ نہ بتانے کے فیصلے کی نفی کر کے پھر امی کے کندھے کی ضرورت ہی محسوس ہوتی۔

☆☆☆

آفس میں میرے ساتھ کام کرنے والوں کو بھی مجھ سے شکایتیں رہنے لگیں۔ افسران سے بھی تساہلی اور نااہلی کے طعنے سننے کو ملتے۔

''مس رافعہ.....! یہ لیٹر پرسوں ڈسپیچ ہو جانا چاہیے تھا مگر آپ کی بے پروائی نے ریڈ کوارٹر کو ایکشن لینے پر مجبور کر دیا..... اب دیں اس ایکسپلینیشن لیٹر کا جواب آپ ہی۔'' باس غصہ ہوتے۔

''میں.....! میں کیوں سر.....؟''

''کیونکہ لیٹر وقت پر ڈسپیچ کرنا آپ ہی کی ذمے داری تھی۔''



www.pklibrary.com

''سوری سر.....''

''سوری کہنے سے کام نہیں چلتا۔''

''آئی ایم رئیلی سوری.....''

''کب تک سوری کرتی رہیں گی..... پچھلے ہفتے بھی فائل گم ہوجانے پر ایم ڈی کا نزلہ مجھ ہی پر گرا تھا۔''

''سر..... میں غلطی سے فائل اپنے ساتھ گھر لے گئی تھی۔''

''غلطی سے.....! بس آپ غلطیاں کرتی رہیں اور دوسرے آپ کی جگہ ہیڈ آفس میں پیشیاں بھگتتے رہیں۔''

''آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی سر.....'' میں شرم سے پانی، پانی ہوتی۔

''آئندہ.....'' استہزائیہ لہجے میں کہا جاتا..... ''زیادہ نہیں بس دو تین دن بعد پھر یہی ہوگا۔''

''سوری سر.....'' میرا سر جھک جاتا۔

غنیمت تھا کہ عدنان نے اس ادارے سے جاب چھوڑ کر ایک بینک میں ملازمت کر لی تھی۔ ورنہ مجھے ان سے بھی باتیں سننے کو ملتیں۔ وہ تو ویسے ہی مجھے بات بے بات غیر ذمے دار، غائب دماغ، بد سلیقہ اور غیر منظم ہونے کے طعنے دینے لگے تھے۔ ذرا سی ہانڈی لگتی اور وہ آدم بُو، آدم بُو کرتے کچن میں در آتے۔

''کہاں دھیان رہتا ہے تمہارا جو روز ہانڈی جلا دیتی ہو۔''

''روز کہاں..... تین دن پہلے قیمہ لگ گیا تھا ذرا سا.....'' میں مجرمانہ احساس کے ساتھ صفائی پیش کرتی۔

''ذرا سا.....'' عدنان طنز سے کہتے۔ ''کڑ، ہو گیا تھا سارا قیمہ.....''

''عدنان..... مجھے دس کام دیکھنے ہوتے ہیں..... اوپر گئی تھی باتھ روم دھونے، اتنی دیر میں ہانڈی لگ گئی..... آپ تو نیچے تھے اٹھ کر دیکھ سکتے تھے۔''

''میں کیوں دیکھتا..... تمہارا کام ہے۔''

''یاسمین دیکھ لیتی..... اسے بھی تو بُو آئی ہوگی ہانڈی لگنے کی.....'' میں عدنان کی بہن کی بابت کہتی۔

''وہ کیوں دیکھے..... گھر تمہارا ہے..... اس نے


ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ

اپریل 2021ء کے
شمارے کی نت نئی کہانیاں

**اولین صفحات**

کچھ واقعات انسان کو انتہائی بے بس کر دیتے ہیں..... ایک مجبور باپ کی لاچاری، زر اور زن کے بگڑے معاملات کی سنسنی خیز کہانی۔

**انا گیر**

سنہری ریت کے سرابوں میں بھٹکتے خوابوں کے سوداگر کی دل فگار داستان..... **امجد جاوید** کے زور آور قلم کا امتحان.....

**الاؤ**

مسیحاؤں کے بھیس میں شاطر مجرموں کا کھیل..... زندہ انسانوں کے لیے دہکتے الاؤ کی صورت موت تیار کی جارہی تھی..... **ڈاکٹر عبدالرب بھٹی** کے قلم سے نیا سنسنی خیز سلسلہ

**سرورق کے رنگ**

**پہلا رنگ**

زندگی کو مضبوط ڈوری سے باندھ دینے والے لوازمات کا کھیل..... سرورق کی انوکھی تحریر

**دوسرا رنگ**

ماضی کی نادانیاں اور خطائیں دور تک پیچھا کرتی ہیں..... سرورق کی تیکھی کہانی

**چینی نکتہ چینی**

آپ کے تبصرے... مشورے... محبتیں... شکایتیں... اور نئی دلچسپ باتیں... کتھائیں




www.pklibrary.com

تو چلے ہی جانا ہے۔"

"اچھا بابا غلطی ہوگئی..... معاف کردیں۔" میں زچ ہوکر ہاتھ جوڑ دیتی۔

"بہو! کچھ جل گیا ہے کیا....؟" عدنان کے ابو سوں، سوں کرتے کچن کے دروازے پر آ کھڑے ہوتے۔

"ابو جی.....! دل جل گیا ہے۔" عدنان کہتے۔

"بکری کا تھا گائے کا؟" ابو فرماتے۔

"آپ کی بہو صاحبہ کا....."

"ہیں....." ابو ہڑبڑا اٹھتے۔

"سخت قسم کی بے پروا اور پھوہڑ عورت ہے یہ۔" عدنان کسی پھاپھا کٹنی عورت کی طرح ہاتھ چلا کر کہتے۔

"یار! پسند تو تیری اپنی ہے..... میں تو کہتا تھا کوئی سلیقہ مند گھریلو لڑکی دیکھ لے۔"

"کاش..... آپ کی نظر گاؤں میں ماجے چاچا کی کلم کلوٹی بیٹی پر نہ ہوتی۔" عدنان کہتے۔

"یار..... گھر دیکھا ہے تو نے اس کے ماں، باپ کا کیسا سنوار کے رکھتی ہے۔"

"ابو جی.....! ویاہ اس کا ہونا نہیں..... اس نے ماں پیو کا گھر ہی سنوارتے رہنا ہے۔"

"او چھڈ یار..... ویاہ اس سے بھی زیادہ کلم کلوٹیوں کا ہوتے دیکھا ہے ہم نے۔" لگی ہانڈی کے تلے سے کھرچن نکالتے ہوئے میں باپ بیٹے کا مکالمہ چپ چاپ سنتے ہوئے دل ہی دل میں اپنے مقدر کو کوسے جاتی۔

"خیال کیا کرو بہو..... مہنگائی بہت ہے..... چیزیں بگڑتی یا ضائع نہیں ہونی چاہئیں۔"

"ابو میں اکیلی کس، کس بات کا خیال کروں۔" میں روہانسی ہوجاتی۔

"ہاں یار یہ تو ٹھیک ہے۔" ابو کے دل کو میری بات لگ جاتی۔ "تو بھی کچھ خیال کیا کر....."

ابو کی ذرا سی ہمدردی پاکر میں رونے لگتی۔

"نہ..... نہ بہو....." ابو اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھ دیتے۔ مجھے چمکارتے اور کوئی کفگیر، چمٹا یا بیلن اٹھا کر عدنان کو دکھاتے ہوئے کہتے۔ "تو بھی کچھ خیال کیا کر..... دفتر سے آکر بستر پر سوار ہوجاتا ہے بس۔"

"بائی داوے ابو جی..... امی کے زمانے میں آپ کیا کرتے تھے کام سے واپس آکر۔" عدنان کہتے۔

"باپ کی برابری کرے گا....." ابو ہاتھ بڑھا کر عدنان کا کان پکڑتے پھر مجھے چمکارتے ہوئے دلاسا دیتے۔

"اس بیوقوف کی بات دل پر نہ لیا کرو بہو..... خوش نصیب ہے جو اسے تم جیسی خوب صورت، پڑھی لکھی اور سمجھدار لڑکی مل گئی۔"

"آپ تو سب سے زیادہ مخالفت کرتے تھے اس سے میری شادی کی۔" عدنان کہتے۔

"لگاؤں تیرے دو ہاتھ۔"

"دو نہیں چار لگادیں ابو جی....." عدنان سر جھکا کر سعادت مندی ظاہر کرتے۔

"میری بہو لاکھوں میں ایک ہے....." ابو کہتے۔ مرا دل بڑھ جاتا۔

یاسمین کی شادی کی تاریخ طے ہوگئی اور میرا پاؤں بھاری ہوگیا، کام بہت بڑھ گیا تھا۔ دفتر، گھر، یاسمین کی شادی کی تیاری اور اپنی طبیعت کو سنبھالے رکھنا۔ ہر دوسرے دن عدنان کی شادی شدہ بہن اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ آدھمکتی۔ بہانہ یہ ہوتا کہ شادی کی تیاری میں کسی معاونت یا مدد کی ضرورت تو نہیں اور کھانا کھائے بنا وہ ٹلتے نہیں تھے۔ گھر میں اور رشتے داروں اور یاسمین کی سسرال کے لوگوں کی آمد و رفت بھی رہنے لگی تھی۔ صبح سے شام تک گھن چکر بنی میں بولا جاتی۔

"عدنان سے کہیں اپنی بہن کی شادی نمٹنے تک تو ایک کام والی رکھ دیں مجھے۔" تنگ آکر ایک روز میں نے امی سے کہا۔

"تمہارے گھر کا معاملہ ہے..... میں ٹانگ نہیں اڑاؤں گی۔" امی نے کورا جواب دے دیا۔

"ٹانگ اڑانے کی کیا بات ہے..... آپ میری ماں ہیں..... آپ کو پورا حق ہے بیٹی کا استحصال ہوتے دیکھ کر آواز اٹھانے کا۔"



www.pklibrary.com

''یہ گھر میں استحصال اور آواز اٹھانے کا قصہ کہاں سے آ گیا؟''

''میں کام کر کر کے مری جا رہی ہوں..... صبح سے شام تک کولھو کے بیل کی طرح جتی رہتی ہوں۔''

''کوئی بات نہیں..... حرکت میں برکت ہے۔''

''میں کسی حال سے ہوں امی.....''

''خوش نصیب عورتیں اس حال سے ہوتی ہیں۔ کتنی ہی بیچاری ترستی رہتی ہیں۔ اس حال میں ہونے کے لیے.....''

''سوچ رہی ہوں نوکری چھوڑ دوں.....''

''کیوں.....؟'' امی نے چونک کر مجھے دیکھا۔

''آنے والے کو کون پالے گا۔''

''ماں پالتی ہے اور کون.....''

''میں آفس جاؤں گی یا اسے پالوں گی۔''

''انوکھی نرالی نہیں ہو تم..... بے شمار عورتیں نوکری بھی کرتی ہیں، بچے بھی پالتی ہیں۔ نوکری چھوڑ دو گی تو خرچ میں تنگی نہیں ہو گی۔''

''ظاہر ہے..... ہو گی۔''

''تو آرام سے نوکری کرتی رہو.....''

''امی نوکری آرام سے نہیں ہوتی..... مغز کھپانا پڑتا ہے..... جان مارنی پڑتی ہے۔''

''مفت میں تو پیسے کوئی نہیں دیتا۔''

''آپ سمجھتی کیوں نہیں.....'' میں روہانسی ہو گئی۔

''میں سب سمجھتی ہوں.....''

''اپنا سامان سمیٹ کر یہاں آ جاؤں گی۔''

''خبردار! اِدھر کا رخ بھی نہ کرنا۔'' امی نے تیور بگاڑ کر مجھے دیکھا۔

''کیوں.....؟''

''کیوں کا کیا مطلب..... تمہارا گھر اب وہی ہے..... بہت سال رہ لیں اس گھر میں، اب تو مہمانوں کی طرح آؤ مہمانوں کی طرح جاؤ سمجھیں.....''

''یعنی اس گھر پر میرا اب کوئی حق نہیں رہا۔'' میرا دل بری طرح دکھ رہا تھا۔

''اتنا ہی کہ خوشی، خوشی اپنے گھر سے آؤ خوشی، خوشی جاؤ۔'' امی کا جواب نہایت سیاسی تھا۔

''ٹھیک ہے اب جتنا آتی ہوں اگر آپ کو گوارا نہیں تو اتنا بھی نہیں آ ں گی۔''

''گوارا، نا گوارا کی بات کب کی میں نے۔'' امی نے ابرو چڑھا کر مجھے دیکھا۔

''پھر کیا مطلب ہے آپ کا.....؟''

''میرا مطلب ہے اپنے گھر سے خوش سو مرتبہ آؤ..... ہر قدم بسم اللہ..... مگر اپنے گھر سے روٹھ کر یا منہ بنا کر نہیں.....'' امی کچھ نرم پڑیں۔

امی سے میری امیدوں کی طنابیں ڈھیلی پڑ رہی تھیں۔ عدنان کو میکے جا بیٹھنے کی دھمکی بھی نہیں دے سکتی تھی میں..... اللہ، اللہ کر کے یاسمین کی شادی ہو گئی۔

عدنان امی کے ہاں کم ہی جاتے۔ عموماً مجھے گیٹ پر ہی پہنچا کر گاڑی واپس موڑ لیتے لیکن جب اندر آ جاتے تو امی ان کی وہ، وہ خاطر مدارات کرتیں کہ مجھے حیرت ہونے لگتی۔ کباب، دہی بھلے، گھر کے بنے سموسے اور رول، گرما گرم خستہ اور لذیذ پکوڑے، بریانی، پاستا، مولی کے پراٹھے، چکن کڑاہی، بروسٹ، ملائی بوٹی، تکہ، شیر خرما، فروٹ چاٹ اور جانے کیا کچھ..... امی کی کوکنگ کی تو اپنے پرایوں سب میں دھوم تھی۔ مجھے حیرت ہوتی کہ امی اسی داماد کو اتنی عزت دیتیں اور خاطر مدارت کرتی تھیں جس کا وہ میری شادی سے پہلے نام تک سننے کی روادار نہیں ہوتی تھیں۔

''ساس ہو تو میری ساس جیسی۔'' عدنان کہتے۔

☆☆☆

شاید اور عورتوں کو ذمے داریوں کے بوجھ سے اتنا مسئلہ نہیں ہوتا ہو جتنا مجھے ہو رہا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ شادی سے پہلے امی کے گھر میں مجھ پر کوئی گھریلو ذمے داری نہیں تھی۔ امی کو کوکنگ سے خصوصی رغبت تھی۔ ان کا زیادہ وقت کچن میں ہی گزرتا۔ نت نئی چیزیں پکاتیں، کھلاتیں اور تعریف سن، سن کر خوش ہوتیں۔ باقی کاموں کے لیے گھر میں ایک ملازمہ تھی جو سارا وقت الہ دین کے جن کی طرح حکم سنتی اور تعمیل کرتی



www.pklibrary.com

رہتی۔ عدنان کے گھر میں ایسی کوئی سہولت نہیں تھی بلکہ جب میں ان سے کوئی ملازمہ رکھنے کو کہتی تو وہ کبھی پیار سے کبھی غصے سے ٹال جاتے۔

''پہلے ہی کچھ کم خرچے ہیں کیا جو ایک اور روگ پال لیں۔'' وہ کہتے۔

''مجھے تھوڑی آسانی ہوجائے گی۔'' میں اپنا موقف پیش کرتی۔

''تمہیں مشکل کیا ہے؟'' جواب ملتا۔

ابو کی طبیعت خراب تھی۔ عدنان کی دونوں بہنیں ان کی تیمارداری کو آکر بیٹھ گئیں۔ تیمارداری تو خیر انہوں نے کیا کرنی تھی مسلسل مہمانداری کا کھاتا کھل گیا۔ کبھی بڑی بہن کے بچوں کے لیے فرنچ فرائز تلے جارہے ہیں تو کبھی اس کے شوہر کے لیے کافی بن رہی ہے۔ کبھی چھوٹی بہن کی فرمائش۔ ''بھابی آج تو سوپ بنالیں ابو بھی پی لیں گے.....'' کبھی بڑی بہن خود پاستا بنانے کھڑی ہوجاتی۔ گھر کا ماہانہ راشن مہینہ ختم ہونے سے پہلے ہی منہ چڑانے لگا۔ میری اور عدنان کی تنخواہوں کا عالم یہ تھا کہ مہینے کا پہلا عشرہ تو اطمینان سے گزر جاتا۔ دوسرے عشرے میں ہم ہاتھ کھینچ کر خرچ کرنے لگتے۔ تیسرے عشرے میں تو کسمپرسی شروع ہوجاتی۔

صبح دفتر جانے کے لیے گاڑی میں بیٹھتے تو عدنان مجھ سے پوچھتے۔ ''پٹرول کے لیے پیسے ہیں؟'' خدا، خدا کر کے مہینہ تمام ہوتا اور پہلی تاریخ آجاتی۔

عدنان کی بہنوں کا گاہے گاہے آنا جانا تو لگا ہی رہتا تھا مگر اتنے تواتر سے آکر پہلے کبھی نہیں بیٹھتی تھیں۔ مہینے کی آخری تاریخوں میں یہ حال ہوگیا کہ عدنان میرا منہ تکتے اور میں ان کا..... عدنان کے چھوٹے بھائی کو گھر کے حالات سے کوئی غرض نہ تھی۔ یونیورسٹی جاتا۔ گھر آکر کھاتا پیتا یا دوستوں میں نکل جاتا۔ کبھی کوئی سودا سلف لانے کو بھی کہا جاتا تو ایڑیاں رگڑ، رگڑ کر جاتا۔

میں اس روز بہت تھک گئی تھی۔ کمرے میں آئی تو عدنان نے کہا۔ ''کیا بات ہے تمہارا تھوبڑا کیوں سوجا ہوا ہے؟''

''شام سے کچن میں کھڑی تھی۔ آپ کی دونوں بہنوں میں سے کسی کو کچن میں جھانکنے کی توفیق نہیں ہوئی۔''

''وہ مہمان ہیں..... ابو کی تیمارداری کو آئی ہوئی ہیں۔''

''خاک ابو کی تیمارداری ہورہی ہے۔ لگتا ہے ہالیڈیز منانے آئی ہوئی ہیں۔''

''تمہیں کیا تکلیف ہے.....؟'' عدنان نے غصہ سے کہا۔

''مصیبتیں.....!'' میں بڑبڑائی۔

''کیا.....'' عدنان بیڈ سے اتر کر سیدھے کھڑے ہوگئے۔ ''کیا کہا تم نے.....؟''

''مصیبتیں.....!'' میں نے دُہرایا۔

عدنان کا ہاتھ اوپر اٹھا، لہرایا اور پوری قوت سے میرے چہرے پر آپڑا۔

''آپ نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔'' میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''بالکل اٹھایا..... اور اٹھاؤں گا۔''

''مجھے نہیں رہنا آپ کے ساتھ۔'' مجھے سخت ذلت محسوس ہورہی تھی۔

عدنان نے بستر پر پڑا موبائل اٹھایا اور گرج کر بولے۔ ''نہیں رہنا تو بلاؤ اپنے ماں، باپ کو۔''

مجھے عدنان سے اس بے رحمی کی توقع نہیں تھی۔

''کروفون انہیں.....'' وہ آنکھیں نکال کر بولے۔

''رات کے ساڑھے بارہ بج رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ساڑھے بارہ بج رہے ہیں تو کیا.....؟'' وہ غرائے۔

''سو رہے ہوں گے۔'' میری آنکھوں میں آنسو تھے۔

''مر تو نہیں گئے ہوں گے..... بلاؤ انہیں۔''

مجھے عدنان سے اس بے دردی کا اندیشہ نہیں تھا۔

''بلاؤ.....'' عدنان کا غصہ بڑھ گیا۔

میری ہمت نہیں ہورہی تھی امی، پاپا کو فون کرنے کی..... دفعتاً عدنان نے میرے ہاتھ سے فون جھپٹ لیا۔ نمبر ملایا اور کال ریسیو کیے جانے پر بولے۔

''محترمہ آپ آئیں اور اپنی صاحبزادی کو لے جائیں۔'' اتنا کہہ کر انہوں نے فون بند کیا اور بستر پر اچھال دیا۔



www.pklibrary.com

میں دم بخود عدنان کو دیکھ رہی تھی۔ ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا دیا تھا انہوں نے۔

موبائل بج رہا تھا..... ایک بار..... دو بار..... تین بار..... عدنان کال ریسیو نہیں کر رہے تھے۔ تیسری بار فون بجنے پر میں نے فون اٹھانا چاہا تو انہوں نے میرا ہاتھ روک دیا۔ فون بجتا رہا..... حتیٰ کہ کمرے کے بند دروازے پر دستک ہوئی۔ عدنان نے دروازہ کھولا..... خوابِ خرگوش کے مزے لیتی ان کی بڑی بہن دروازے پر کھڑی کہہ رہی تھی۔

''کیا بات ہے آپ لوگوں کا فون مسلسل بج رہا ہے۔''

''کچھ نہیں..... تم جا کر سوؤ.....''

وہ ہم دونوں کو کچھ شک سے دیکھتی پلٹ گئی۔ عدنان بیٹھ گئے میں کچھ دیر کھڑی رہی پھر بیڈ کے ایک کونے پر کسی مجرم کی طرح سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

''کرتا ہوں تمہارا فیصلہ.....'' کافی دیر بعد عدنان نے کہا۔

میں دل گرفتہ بیٹھی تھی۔ اپنے گھر والوں کی پریشانی کا خیال مجھے رہ رہ کر ستا رہا تھا۔ نصف شب عدنان کی غصے بھری کال سن کر ان پر کیا بیتی ہوگی۔ کال یقیناً امی نے ہی ریسیو کی تھی تبھی تو انہوں نے محترمہ کہا تھا۔

گھنٹا، پون گھنٹا گزرا ہوگا، امی اور پاپا آپہنچے۔ گھر کے دروازے پر گاڑی رکنے کی آواز سنتے ہی عدنان تیزی سے اٹھ کر باہر گئے اور دروازہ کھول دیا۔ ان کی بہنوں، بھائی، ابو کسی کو خبر نہ ہوئی۔

وہ، امی اور پاپا کو اپنے ساتھ کمرے میں لے آئے اور انہوں نے میری جانب انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''اسے لے جائیں۔''

''بات کیا ہے؟'' پاپا نے پوچھا۔

''میرے والد بیمار ہیں میں اس وقت کوئی تماشا نہیں کرنا چاہتا..... بس اسے لے جائیں۔'' عدنان نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

''کچھ پتا تو چلے بیٹا.....'' امی گھگیائیں۔

''میں نے کہا ناں.....'' عدنان کی بدتمیزی اور رعونت انتہا پر تھی۔

امی نے مجھے دیکھا، میں رونے لگی۔

''بیٹا..... ! بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔'' پاپا نے کہا۔

''کوئی بات وات نہیں..... بس لے جائیں اسے..... ورنہ محلہ جاگ جائے گا۔''

''چلو..... اٹھو۔'' امی نے مجھ سے کہا۔

مجھے اٹھے بنا چارہ نہ تھا۔

''کیا ہوا تھا؟'' راستے میں امی نے مجھ سے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں..... میں نے ان کی بہنوں کو مصیبتیں کہہ دیا تھا۔'' میں نے روتے ہوئے کہا۔

''کیوں کہا مصیبتیں.....؟'' امی غصے سے بولیں۔

''میں تھک گئی تھی۔''

میرا خیال تھا امی مجھے گلے لگا کر تسلی دیں گی مگر میری توقع کے برعکس انہوں نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔ ''اب بھگتو اپنی تھکن.....''

میں رونا بھول گئی۔

''میں انسان ہوں امی.....'' میرے لہجے میں احتجاج تھا۔

''مظاہرہ تو تم نے حیوانوں کا سا کیا..... گھر آئے مہمانوں اور وہ بھی شوہر کی بہنوں کو مصیبتیں کون کہتا ہے۔''

''پندرہ دن سے بیٹھی ہوئی ہیں دونوں.....''

''تو کیا ہوا..... ان کے باپ کا گھر ہے۔ بیٹیاں، ماں، باپ کے گھر آ کر مہینوں، مہینوں رہتی ہیں اور..... اس وقت تو ان کے بیٹھنے کی وجہ ہے..... ان کا باپ بیمار ہے۔''

''باپ بیمار ہے تو بھائی بھاوج پر تو بوجھ نہ بنیں۔'' میں نے کہا۔

''تم پر کیا بوجھ.....؟''

''مہینے کا راشن وقت سے پہلے ہی ختم ہو گیا۔ دونوں بہنوں اور بچوں کے زبان کے چٹخارے ہی پورے نہیں ہوتے..... اب یہ بنا دیں، اب وہ بنا دیں۔''

''گھر آنے والا مہمان اپنی قسمت کا رزق ساتھ



www.pklibrary.com

لاتا ہے..... کیا مہینے کا راشن جلدی ختم ہو جانے سے اللہ پر تمہارا توکل جاتا رہا۔"

"آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں....." میں بلبلا کر بولی۔

"میں سب سمجھ رہی ہوں۔"

"پکانا تو مجھی کو پڑتا ہے ناں، شام سے رات تک کچن میں کھڑے، کھڑے میری کمر تختہ ہو جاتی ہے۔"

"صبح سے شام تک دفتر میں بیٹھی بھی تو رہتی ہو۔"

"بیکار تھوڑی بیٹھتی ہوں..... دماغ کھپانا پڑتا ہے۔"

"مفت تھوڑی کھپاتی ہو..... پیسے ملتے ہیں۔"

"اسی گھر میں خرچ ہو جاتے ہیں۔"

"کوئی احسان نہیں....."

"احسان نہ مانیں..... بات بے بات باتیں تو نہ سنائیں مجھے۔"

"سارے شوہر سناتے ہیں..... کوئی، کوئی نیک فطرت ہوتا ہے جو نہیں سناتا..... شادی کے بعد عورت کو اپنی انا کو مار دینا پڑتا ہے۔"

"کھانا نہ کھایا ہو تو خود نکالو اور کھالو ورنہ سو جاؤ۔" گھر پہنچنے پر امی نے نہایت بے رخی سے کہا۔

سچ کہا ہے کسی نے کہ نیند سولی پر بھی آجاتی ہے۔ دیر سے آئی مگر آگئی۔ صبح طبیعت اتنی مکدر تھی کہ ناشتا کرنے کو دل چاہا نہ دفتر جانے کی ہمت ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ رات امی کا فوری ردِعمل جو تھا سو تھا اب ضرور میری دلداری کریں گی مگر انہوں نے ڈپٹ کر کہا۔ "آفس نہیں جانا ہے کیا؟"

"نہیں....." میں نے ماندے دل سے جواب دیا۔

"کیوں؟" امی تڑخیں۔

"ہمت نہیں ہو رہی۔"

"شوہر سے بگاڑ لی ہے اب تو ہمت کرنی پڑے گی۔" امی نے سسرالیوں سے بھی زیادہ تند لہجے میں کہا۔

"کپڑے بھی نہیں لے کر آئی میں۔"

"اب تو آنے سے رہے..... مانگے تانگے گزارہ کرنا ہوگا۔"

میں نے امی کو حیرانی سے دیکھا۔ کیسی ماں تھیں جو میرے دکھ میں دلسوزی کے بجائے..... کچوکے لگا رہی تھیں۔

"پرانے دو تین جوڑے ماسی کو دینے کو نکال کے رکھے تھے میں نے..... انہیں استعمال کرلو....."

میرا دل کٹنے لگا کہ امی مجھے اپنے پرانے اور وہ بھی ماسی کو دینے کے لیے رکھے گئے کپڑے استعمال کرنے کو کہہ رہی تھیں۔

"ضرورت ہوگی تو استعمال کرلوں گی۔" میں نے بھاری دل سے کہا۔

"ضرورت تو ہوگی..... دفتر جانا ہے تو استری کرلو۔"

"آج چھٹی کروں گی۔"

"ناشتا بنالو اپنا۔"

ہائے..... میرا دل پھٹنے لگا۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ امی میرا دل رکھنے کو آج اپنے ہاتھوں سے ناشتا کرائیں گی مجھے۔

غنیمت ہوا کہ پاپا آگئے اور انہوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"کیسے ضرورت نہیں پریشان ہونے کی۔" امی بھڑکیں۔ "شوہر نے گھر سے نکال دیا ہے اور آپ شہہ دے رہے ہیں کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

پاپا جن کے لیے امی کا ایک بار زور سے بولنا ہی ان کی بولتی بند کر دینے کو کافی ہوتا تھا، میرے سر سے اپنا ہاتھ ہٹا کر اپنے دونوں ہاتھ باندھ کر بیٹھ گئے۔

"گھر داؤ پر لگا آئی ہے یہ۔" امی بولیں۔

"اللہ خیر کرے گا۔" پاپا نے آہستہ سے کہا۔

"اس سے اچھی تو میں اپنے ہی گھر میں تھی..... وہاں امی کی اتنی کڑوی کسیلی باتوں اور بے رخی کا سامنا تو نہیں کرنا پڑا تھا۔ یہاں تو مجھے اور ذلت محسوس ہو رہی تھی۔ دن بھر مجھے امی کی ایسی ہی باتوں اور بے رخی کا سامنا رہا۔ سہ پہر کو میں نے امی سے دبی زبان سے کہا۔

"وہ کپڑے جو آپ نے ماسی کو دینے کو رکھے تھے کہاں ہیں؟"



www.pklibrary.com

''اسٹور میں نیلے شاپر میں بندھے رکھے ہیں۔''

میرے اور امی کے کپڑوں کے ناپ میں کچھ زیادہ فرق نہیں تھا۔ اسٹور میں نیلے شاپر میں تین جوڑے بندھے رکھے تھے۔ تینوں نہایت عمدہ حالت میں۔ ''ایک امی ہیں ستائیس سال پرانی شادی کے بعد بھی اپنے اتنے اچھے کپڑے ماسی کو دینے کو رکھتی ہیں اور ایک میں ہوں ان کی بیٹی..... شادی کو دوسرا سال..... پرانے کپڑے ہی گھستی رہتی ہوں..... مہینے دو مہینے بعد سستا سا نیا کوئی جوڑا..... پھر بھی شوہر نے میری قدر نہ کی..... نکال دیا گھر سے..... میں ہی اندھی تھی..... بیوقوف۔'' میں نے دل ہی دل میں سوچا..... مگر میں بھی کیا کرتی۔ مجبور تھی۔ عدنان نے شوٹ کر دینے کی دھمکی جو دے رکھی تھی۔ ویسے اس ذلت اور خواری سے تو عدنان کے ہاتھوں شوٹ ہو جانا ہی بہتر تھا۔ میں تو جان سے جاتی وہ بھی جیل کی روٹی کھا رہا ہوتا۔

میں نے تینوں جوڑے استری کر کے ہینگر پر لٹکائے اور انہیں اسٹور ہی میں ایک اسٹیل راڈ پر ٹانگتے ہوئے نہایت دل گرفتگی سے اپنے آپ سے کہا۔ ''رافعہ بی بی.....! یہ ہے تمہاری اوقات کہ کپڑے لٹکانے کے لیے ماں، باپ کے گھر میں کسی الماری کا کونا بھی میسر نہیں۔''

''کپڑے بدلو.....'' شام گہری ہوئی تو امی نے مجھ سے کہا۔

''صبح آفس جاؤں گی تو بدل لوں گی.....'' میں نے جواباً کہا۔

''کیا کہا میں نے.....؟'' امی نے درشت لہجے میں کہا اور اپنا حکم نامہ دُہرایا۔ ''کپڑے بدلو جانا ہے۔''

''کہاں؟'' میں نے پوچھا۔

''جہنم میں.....'' امی کا جواب خاصا جلّادی تھا۔

میں نے چپ چاپ کپڑے تبدیل کیے۔ امی سے کچھ پوچھنے یا چھیڑنے کی گنجائش نہ تھی۔ گھر پر سڑک ہونے کی وجہ سے ٹیکسی، رکشا ملنے کی کوئی مشکل نہیں تھی۔ میں کسی مجرم کی طرح سر جھکائے امی کے ساتھ گھر سے نکلی اور ہمیں فوراً ہی ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ امی نے ٹیکسی ڈرائیور کو اپنی منزل سے آگاہ کیا تو مجھے پتا چلا کہ امی مجھے میرے گھر لے جا رہی تھیں۔ پاپا بھی گھر میں تھے ہم ان کے ساتھ بھی جا سکتے تھے مگر امی نے نہ جانے کیوں گھر کی گاڑی میں جانے کے بجائے ٹیکسی میں جانا مناسب سمجھا تھا۔

عدنان آفس سے گھر پہنچ چکے تھے، دونوں بہنیں بھی ہنوز موجود تھیں۔ کھانا پینا، موج مستی حسبِ معمول جاری تھا۔ امی جوں ہی مجھے ساتھ لیے گھر میں داخل ہوئیں عدنان نے نہایت غصے سے دروازے کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔

''لے جائیں اسے..... مجھے نہیں رکھنا۔''

''عدنان سنو تو.....'' امی نہایت رساں لہجہ میں بولیں۔

''مجھے کچھ نہیں سننا.....''

''یہ شرمندہ ہے اپنے کیے پر..... معذرت کرنا چاہتی ہے تم سے۔'' امی گڑگڑائیں۔

''معذرت کا وقت گزر چکا.....'' عدنان نے کہا۔

''عدنان بچے، پلیز.....'' امی عاجزی کی انتہا پر تھیں۔

''سنا نہیں کیا کہا میں نے.....'' عدنان نے امی سے نہایت بدتمیزی سے کہا۔ ابو بھی بستر سے اٹھ کر آ گئے۔ دونوں بہنیں بھی تماشائیوں کی طرح کھڑی ہو گئیں۔

''بھائی! آپ ہی سمجھائیں عدنان کو.....'' امی نے عدنان کے ابو سے التجا کی۔

''یہ ان دونوں کا معاملہ ہے..... میں کچھ نہیں بول سکتا۔'' انہوں نے ہری جھنڈی دکھا دی۔

''نورین، یاسمین تم دونوں ہی سمجھاؤ بھائی کو.....'' امی نے عدنان کی دونوں بہنوں سے خوشامدانہ لہجہ میں کہا۔

''محترمہ.....! سمجھانا چاہیے تھا آپ کو اپنی بیٹی کو..... مگر اب وقت گزر چکا.....'' عدنان نے امی سے نہایت بدتمیزی سے کہا۔

''تمہیں کیا بتاؤں کتنا سمجھاتی رہی ہوں.....'' امی روہانسی ہو گئیں۔

''اسے سوائے گلے شکووں کے کچھ نہیں آتا۔



www.pklibrary.com

اسے آرام چاہیے، نوکرانی چاہیے..... عیش و عشرت چاہیے۔ یہ کہتی ہے، اسے نہیں رہنا میرے ساتھ..... میں کہتا ہوں..... مجھے نہیں رکھنا ہے اسے..... لے جائیں اسے، ورنہ ہاتھ پکڑ کر نکال دوں گا اسے۔"

ذلت کے احساس سے میرا دل پھٹا جا رہا تھا..... یقین نہیں آتا تھا کہ یہ وہی شخص تھا جو شادی سے پہلے مجھے آرام دینے اور خوش رکھنے کے طولانی دعوے کیا کرتا تھا..... جو کہتا تھا، دنیا میں کوئی اور شخص اس سے زیادہ بڑھ کر نہ تو مجھے چاہ سکتا تھا نہ اس جیسا وفادار ہو سکتا تھا۔ ذرا سی بات کو اس نے اتنا بڑا ایشو بنا لیا تھا۔ اس کی بہنوں کو "مصیبتیں" ہی تو کہہ دیا تھا ناں میں نے بس..... اور کیا غلطی تھی میری۔ رہا آرام یا نوکرانی کا مطالبہ تو وہ کوئی ایسی بڑی خطا نہیں تھی میری کہ عدنان مجھے اپنے گھر میں نہ رکھنے اور ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال دینے کی بات کر رہا تھا۔ بیویاں تو شوہروں سے بہت کچھ کہہ سن جاتی ہیں اگر اتنی چھوٹی، چھوٹی سی باتوں پر شوہر اس بری طرح ری ایکٹ کرنے لگیں تو پھر بس گئے گھر..... یہ تو خیر میں جانتی تھی کہ عدنان آمرانہ ذہنیت رکھنے والے زود رنج آدمی ہیں مگر ایسا بھی کیا۔

"میرے کہنے سے ایک دفعہ معاف کر دو اسے۔" امی نے عدنان کی منت سماجت کی۔

"آؤٹ....." عدنان نے گھر کے بیرونی دروازے کی طرف انگلی اٹھائی اور چلائے۔ امی اور اپنی بے عزتی کے احساس سے میرا وجود کانپنے لگا۔ میں نے امی کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔

"چلیں امی....." زیادہ خوشامد کر کے ان کا دماغ خراب مت کریں..... انہیں بڑوں کا احترام ہے نہ بیوی کا خیال۔"

"بکواس بند کرو اپنی....." عدنان نے مجھے دشمن کی طرح گھورا۔

امی نے جھٹکے سے اپنا بازو میرے ہاتھ کی گرفت سے چھڑایا اور عدنان کو نہایت بیچارگی سے دیکھنے لگیں۔

عدنان نے اپنے ابو اور بہنوں کو دیکھا اور ان سے کہا۔ "آپ لوگ اندر جائیں۔" ہم گھر کے چھوٹے سے دالان میں کھڑے تھے۔ عدنان اور ان کے گھر والوں کو اتنی توفیق بھی نہیں ہوئی تھی کہ ہم سے بیٹھنے ہی کو کہتے..... مجھے ابو کے رویے پر افسوس ہو رہا تھا۔ چاہتے تو بیٹے کو سمجھا بجھا کر مجھ سے اس کی صلح، صفائی کروا سکتے تھے مگر ان کا سرد رویہ بتا رہا تھا کہ جیسے وہ تو منتظر ہی تھے کہ کب ان کا بیٹا مجھے گھر سے نکالے۔

امی رونے لگیں۔ عدنان ان کے رونے سے بھی نہ پسیجے بلکہ نہایت بدتمیزی سے بولے۔ "ان آنسوؤں سے آپ کا شوہر ہی ڈرے گا مجھ پر کوئی اثر ہونے والا نہیں....."

"امی.....! میں یک لخت چلائی اور پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔ "اب اور کتنی بے عزتی کروائیں گی آپ اپنی..... چلیں۔" میں نے روتے ہوئے کہا۔

امی نے دونوں ہاتھ مجھ پر تابڑ توڑ برسانے شروع کر دیے اور جلے بھنے لہجے میں بولیں۔ "تیری وجہ سے ہوئی ہے میری بے عزتی..... نہ تو اپنی للو چلاتی نہ مجھے یہ وقت دیکھنا پڑتا..... بیٹی چاہے تو سسرال میں اپنے ماں، باپ کی عزت بھی کروا سکتی ہے چاہے تو بے عزتی....."

"چلیں یہاں سے....." میں مسلسل رو رہی تھی۔

مجھے اور امی کو عدنان کے گھر سے ناکام و ناشاد لوٹنا پڑا۔

☆☆☆

زندگی بدل گئی۔ میں بس میں سفر کر کے دفتر جاتی اور شام کو تھکی ہاری نہایت پژمردہ اور دل گرفتہ گھر واپس لوٹتی۔ امی مجھ سے اکھڑی، اکھڑی رہتیں۔ عدنان کے ابو اور بہنوں سے انہوں نے جب بات کی ان کا ایک ہی جواب ہوتا۔

"یہ عدنان کا معاملہ ہے ہم کچھ نہیں بول سکتے۔"

"دیکھا یہ ہوتا ہے لڑکیوں کا اپنی مرضی سے شادی کرنے کا انجام..... عدنان کے گھر والوں نے رشتے کے لیے جوتیاں رگڑی ہوتیں تو میں کہتی..... کیوں نہیں بول سکتے، رشتہ لینے تو تم ہی لوگ آئے تھے۔" امی نے مجھے چرکا لگایا۔



www.pklibrary.com

عدنان کے بعض قریبی رشتے داروں اور کولیگز کے نمبر میرے موبائل میں محفوظ تھے۔ امی نے ان کو درمیان میں ڈالنے کی کوشش کی مگر عدنان کسی کی سننے پر آمادہ نہ ہوئے۔ آخر کار امی نے پاپا کو جن کی سادہ لوحی کے باعث امی ہی ان سے شادی کے بعد نہ صرف گھریلو معاملات بلکہ بیرونِ خانہ مسائل کا بھی مردانہ وار بے جگری سے مقابلہ کرتی رہی تھیں عدنان کے پاس بھیجا۔ ابو، ہانپتے کانپتے واپس ہوئے اور انہوں نے بتایا کہ وہ تو مجھے طلاق دینے کی تیاری کر رہا تھا۔ میں بلک، بلک کر رونے لگی۔

''میں طلاق نہیں لوں گی.....'' میں نے روتے ہوئے کہا۔

''تمہارے اپنے نہ لینے سے کیا ہوتا ہے..... وہ دے گا تو ہو جائے گی۔'' امی بولیں۔

''انہیں سمجھائیں۔''

''کیا سمجھائیں.....؟''

''میں انہی کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں..... ہر حال میں..... چاہے وہ جیسے بھی رکھیں۔''

''جب وہ رکھنے کو تیار نہیں تو تمہارے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔''

''امی اس کا بچہ میرے.....'' میں کہتے، کہتے رک گئی۔

''یہ تو تمہیں پہلے سوچنا تھا..... اس کا بچہ اس کے حوالے کرنا..... کوئی ڈھنگ کا آدمی مل جائے تو بسم اللہ کرنا۔''

''نہیں امی نہیں.....'' میں بلبلا اٹھی۔ ''عدنان کے علاوہ میں کسی کے بارے میں نہیں سوچ سکتی۔''

''دیکھ تو لی اس کی اوقات.....'' امی شاید بہت ہی مایوس ہو گئی تھیں۔

''میں غلط تھی امی..... آپ ٹھیک کہتی تھیں..... ساری عورتیں اپنے گھر کے لیے محنت مشقت کرتی ہیں۔ ساری عورتیں اس حال سے بھی گزرتی ہیں جس میں، میں ہوں..... مجھے برداشت کرنا چاہیے تھا۔ گلے شکوے کر کے بھی مجھے یہی دن دیکھنے تھے تو بہتر تھا چپ رہتی..... گزارہ کرتی۔''

''ہاں وقت تو جیسا تیسا گزر جاتا ہے..... میاں، بیوی کے رشتے میں دراڑ پڑ جائے تو نہیں بھرتی۔''

''اسے سمجھائیں امی.....'' میرا دل کانپنے لگا۔

''بہت کوشش کر لی۔''

''ایک بار اور سہی.....''

''بندوں کا سمجھانا تو کام آیا نہیں اب اللہ ہی سمجھائے گا اسے۔'' امی کے لہجے میں تلخی تھی۔ ''جو بندوں کی عاجزی سے نہ مانے پھر اللہ اپنا کوڑا برساتا ہے اس پر۔''

نہ جانے امی کے دل کے کس زخمی گوشے سے یہ بات نکلی تھی۔ عدنان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ چہرے پر ضربیں اور دائیں ٹانگ میں کمپاؤنڈ فریکچر.....

امی نے پھر مجھ سے تیار ہونے اور عدنان کی عیادت بلکہ تیمارداری کے لیے چلنے کو کہا۔ مجھے امی کی استقامت پر حیرت ہوئی۔

''تم خود ہی تو کہتی ہو اس کے علاوہ کسی اور کے بارے میں نہیں سوچ سکتیں۔'' امی نے مجھے تذبذب میں دیکھ کر کہا۔

''ہاں..... مگر..... اس نے پھر اسی طرح کیا تو؟''

''کوئی بات نہیں..... جس کی چاہ ہوتی ہے اس کی طرف راہ نکالی جاتی ہے۔''

عدنان اسپتال سے گھر آ چکا تھا۔ ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا اور چہرے پر جا بجا چھوٹے، چھوٹے زخم..... اس کے ابو، بڑی بہن نورین اور چھوٹی یاسمین اس کے پاس تھے۔ ہمیں دیکھ کر تینوں علیک سلیک کیے بغیر کمرے سے نکل گئے۔ عدنان نے مجھے اور امی کو دیکھ کر چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔ امی نے ابرو سے مجھے اشارہ کیا۔ میں جھجکی پھر ہمت کر کے آگے بڑھی اور میں نے عدنان پر جھکتے ہوئے کہا۔

''آئی ایم سوری عدنان.....'' اور میں عدنان کے بازو پر چہرہ اوندھا کر کے پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔

ہم انسانوں کو دوسرے کی تکلیف کا احساس خود



www.pklibrary.com

تکلیف میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں ہوتا۔

''آنٹی..... اسے چپ کرائیں۔'' عدنان نے کہا..... آنٹی.....! ظاہر تھا کہ اس وقت کمرے میں امی ہی تھیں جنہیں وہ آنٹی کہہ سکتا تھا۔

''عدنان بچے! جب تک تم اسے معاف نہیں کروگے۔ یہ چپ نہیں ہوگی..... یہ تو جب سے تمہارے گھر سے گئی ہے مسلسل رو رہی ہے۔'' امی آگے بڑھیں اور انہوں نے کہا۔

عدنان نے کروٹ بدلی اور پہلے مجھے پھر امی کو دیکھتے ہوئے قدرے دقت سے اٹھ بیٹھے..... ''اسے سمجھائیں۔'' مجھے ایک نظر دیکھتے ہوئے انہوں نے امی سے کہا۔ ''اسے سمجھائیں..... شادی کوئی کھیل تماشا نہیں..... دو افراد کی فل ٹائم کمٹ منٹ ہے..... ہر حال میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے کی، ایک دوسرے کی پرابلمز کا احساس رکھنے، ان کا سامنا کرنے اور انہیں بتانے کی.....''

''ٹھیک کہہ رہے ہو بیٹا.....'' امی نے تائید کی۔

''اسے بھی تائید کرنی چاہیے کہ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔'' امی نے مجھے ٹہوکا دیا..... اشارہ کیا۔

''جی..... ٹھیک کہہ رہے ہیں.....'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''بی بی..... ٹھیک کہہ رہا ہوں تو یہ بھی سمجھ لو کہ اس دنیا میں بہت کم لوگ سونے کا چمچہ منہ میں لے کر دنیا میں آتے ہیں۔ اکثریت کو اپنے حصے کی آسانیاں اور خوشیاں خود ڈھونڈنی اور قطرہ، قطرہ جمع کرنی پڑتی ہیں..... ہم بھی اسی اکثریت کا حصہ ہیں.....'' عدنان نے امی کی جانب توجہ کی اور ان سے مخاطب ہوئے۔

''آنٹی.....! آپ نے بھی جب انکل کے ساتھ زندگی کا رشتہ جوڑا ہوگا تب زندگی ویسی نہیں ہوگی جیسی اب ہے..... غلط کہہ رہا ہوں کیا؟''

''بالکل ٹھیک..... کرایے کا گھر تھا اور کھٹارا موٹر سائیکل.....'' امی نے کہا۔

''اسے بھی سمجھائیں کہ..... ہم جیسے متوسط درجہ لوگوں کی زندگی میں آسانیاں آہستہ، آہستہ، ایک، ایک کر کے..... بوند، بوند آتی ہیں..... خوشیاں قطرہ، قطرہ کھوجنا پڑتی ہیں..... رفتہ، رفتہ سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔''

''پوچھو اس سے کتنا سمجھاتی ہوں.....'' امی بولیں۔

''کیوں بھئی کوڑھ مغز..... سمجھتیں کیوں نہیں.....؟'' عدنان کے بدلے ہوئے لہجے نے مجھے رُلا دیا۔

''کم آن.....'' عدنان نے اپنا بازو دراز کر کے ہاتھ میرے شانے پر دھر دیا۔

''عدنان! بچے اب اسے معاف کر دو..... بہت رو چکی ہے یہ..... کھانے بیٹھتی ہے تو روتی ہے، دفتر سے گھر آتی ہے تو روتی ہے..... میں کچھ کہہ دوں تو روتی ہے..... یہ تو رو، رو کر مر جائے گی۔''

''مرنے دوں گا اسے.....'' عدنان گھمنڈی لہجے میں بولے۔

میں نے بے ساختہ چونک کر بھیگی، بھیگی آنکھوں سے عدنان کو دیکھا۔

''سلی وومن.....! ایک اور بات بھی سمجھ لو..... میرے ابو، میرا بھائی، میری بہنیں اور ان کے شوہر اور بچے..... تم اس گھر میں صرف مجھ سے نہیں ان سب سے بھی رشتوں میں جڑی ہو..... انہیں اپنا سمجھو گی تو مجھے اپنا بندۂ بے دام پاؤ گی..... ان سے بے رخی برتو گی تو عدنان کے دل سے بھی جاؤ گی..... راستے کا انتخاب تم نے خود کرنا ہے۔''

''آئی ایم سوری عدنان.....'' میں نے دھیرے سے کہا۔

عدنان نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے صدا لگائی۔ ''ابو جی.....'' پھر دونوں بہنوں کے نام لے کر انہیں پکارا..... تینوں کمرے میں آ گئے۔

''ابو..... ویسے تو آپ اپنی بہو کی بڑی طرفداری کرتے ہیں..... آج بھی ذرا سر پر ہاتھ دھر کر دکھائیں ناں.....'' عدنان نے اپنے ابو سے کہا۔

ابو میری طرف بڑھے اور انہوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے عدنان سے کہا۔



www.pklibrary.com

''میں تو ہمیشہ کہتا ہوں..... میری بھولا کھوں میں ایک ہے۔''

پھر عدنان نے دونوں بہنوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اتفاق کی بات ہے کہ یہ دونوں مجھے دیکھنے کے لیے آئی ہوئی ہیں..... انہوں نے بڑے پیار سے ان سے کہا۔

''بیٹا.....! اپنی بھابی سے گلے نہیں ملوگی۔''

دونوں باری، باری مجھ سے گلے ملیں۔

''اب اسی خوشی میں ہو جائے اچھی سی چائے۔''

عدنان نے سر ہلانے پر اپنا والٹ اٹھایا اور اس میں سے پیسے نکال کر ابو کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

''ابو جی باہر محلے کے کسی لڑکے سے چائے کے ساتھ کچھ کھانے کو بھی منگوالیں..... ہاں بھئی چائے کون بنائے گا؟'' عدنان نے مجھے اور اپنی دونوں بہنوں کو دیکھا۔

''گھر والی اور کون.....'' امی کی نظریں مجھ پر تھیں۔

''واہ..... دل خوش کر دیا آنٹی.....''

میں اپنے گھر واپس آ کر مسرور اور مطمئن تھی۔

امی مجھے چھوڑ کر واپس چلی گئیں..... عدنان کی بہنیں بھی اپنے، اپنے گھر سدھاریں۔ میں کچھ وقت خجل سی رہی پھر نارمل ہو گئی۔

''ایک بات بتاؤ کیا وظیفہ کیا تھا؟'' رات کو عدنان نے مجھ سے کہا۔

''وظیفہ.....؟'' میں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''کیسا وظیفہ.....؟''

''میں تو کورٹ جا رہا تھا..... ایفی ڈیوٹ تیار کروانے..... راستے میں ایکسیڈنٹ ہو گیا شکر ہے بائیک پر تھا۔ ہماری ایف ایکس بچ گئی۔''

میں سمجھ گئی وہ کس کی بات کر رہے تھے.....

''طلاق نامہ.....!''

مجھے امی کی بات یاد آئی..... جو بندوں کی عاجزی سے نہ مانے پھر اللہ اپنا کوڑا برساتا ہے اس پر..... مگر میں نے یہ بات عدنان کو بتانے سے گریز کیا۔

☆☆☆

میں روبوٹ بن گئی۔ عدنان سے گلہ، شکوہ،

## سالگرہ

موتیا، بیلا، پھول اور کلیاں
دیکھو سب ہی شاد ہیں ناں
آج تمہاری سالگرہ ہے
دیکھو ہم کو یاد ہے ناں

مخلص: ثمینہ کوکب، ضلع جہلم

## بہار آئی

بہار آئی
تو جیسے یک بار لوٹ آئے ہیں پھر عدم سے
وہ خواب سارے شباب سارے
جو تیرے ہونٹوں پر مرمٹے تھے
جو مٹ کے ہر بار پھر جیے تھے
نکھر گئے ہیں گلاب سارے
جو تیری یادوں سے مُشک بو ہیں
جو تیرے عشاق کا لہو ہیں
اُبل پڑے ہیں عذاب سارے
ملال احوالِ دوستاں بھی
خمارِ آغوشِ مہوشاں بھی
غبارِ خاطر کے باب سارے
تیرے ہمارے سوال سارے جواب سارے.....
بہار آئی تو کھل گئے ہیں نئے سرے سے حساب سارے

شاعر: فیض احمد فیض
پسند انشال، ملتان

## قید

یہ وقت بھی گزر جائے گا، کسی کونے میں تھم جائے گا
سسکیاں میری وفاؤں کی، وقت کے کسی لمحے میں
رہ جائیں گی سمٹ کر، اک یاد بن جائیں گی
یہ لمحے گزر جائیں گے، یہ لب سسک جائیں گے
آنکھیں خشک ہوں گی، اور وقت بھی گزر جائے گا
میری سسکیاں وقت کے کسی کونے میں قید ہو جائیں گی

کاوش: اریبہ ارشد، لاہور



www.pklibrary.com

مطالبات، توقعات سب بالائے طاق رکھ دیے۔ عدنان کے کہے کو آمنا صدقنا جانتی..... ان کی بہنیں گھر آتیں تو ہمت اور حیثیت سے بڑھ کر ان کی خاطر مدارات کرتی۔ ان کا کوئی بھی رشتے دار آتا گرمجوشی سے ملتی۔

پہلے اللہ میاں نے امتنان کی صورت ایک چاند میری گود میں اتارا پھر دو سال کے وقفے سے رابیل کی پیدائش نے ہماری فیملی کو مکمل کر دیا۔ خانگی ذمے داریوں اور ملازمت کے ساتھ بچوں کی پرورش کارِ آسان نہ تھا۔ میرے دونوں بچے میرے دفتر کے کونوں کھدروں میں پلے بڑھے، بہت کٹھن وقت تھا مگر میں نے عدنان سے کوئی گلہ نہ کرنے کی قسم اٹھا رکھی تھی..... میں جان چکی تھی کہ خدانخواستہ کوئی اونچ نیچ ہوئی تو سہنا مجھی کو ہوگا اور وہ بھی تنہا..... میں تنہا نہیں ہونا چاہتی تھی۔

مشکل وقت گزر گیا۔

عدنان نے بہت صحیح کہا تھا..... ہم جیسوں کو آسانیاں اور خوشیاں..... بوند، بوند، قطرہ، قطرہ خود ڈھونڈنی پڑتی ہیں..... اور ان کی یہ بات بھی حرف بہ حرف درست تھی کہ شادی کوئی کھیل تماشا نہیں، دو افراد کی مکمل کمٹ منٹ ہے۔ میں سربسر کمٹڈ ہوگئی..... ہم دونوں نے مل کر جدوجہد کی بقول عدنان خوش قسمت تھے کہ بہت طویل جدوجہد نہیں کرنی پڑی..... شاید دونوں کی نیت کی راستی تھی کہ ہمیں آسانیاں ملتی ہی چلی گئیں اور اللہ نے ہمارے معاملات میں ایسی برکت عطا فرمائی کہ محض دس برس میں ہم نے وہ سب کچھ پالیا جو اکثر لوگ ایک عمر گزار کر بھی نہیں حاصل کر پاتے۔

ہماری رہائش ابھی اسی چھوٹے سے پرانے گھر میں ہے لیکن نیا مکان بنانے کے لیے عدنان نے نہایت زیرکی سے چھوٹے پلاٹس میں سرمایہ کاری کی انہیں فروخت کیا اور ایک بڑے رہائشی منصوبے میں ایک کنال کا پلاٹ خرید لیا ہے۔ اب ہم اکٹھے ایف ایکس میں دفتر نہیں جاتے کیونکہ عدنان کی ترقی اور نئی تعیناتیاں انہیں کبھی کہیں کبھی کہیں جانے پر مجبور رکھتی ہیں، میں البتہ اب تک اپنے پرانے دفتر ہی میں ہوں۔ ہم دونوں کے پاس اب اپنی، اپنی علیحدہ گاڑی ہے۔ بچوں کو اسکول لے جانا اور چھٹی کے بعد واپس لانا میری ہی ذمے داری ہے۔ ڈرائیونگ سیکھنے اور گاڑی رکھنے سے میری مشقت آدھی ہوگئی ہے۔ دفتر سے واپسی پر میں اپنے بہت سے گھریلو امور بھی نمٹاتی ہوئی گھر جاتی ہوں۔ دونوں بچے اسکول سے آنے کے بعد شام کو دفتر سے میری واپسی تک میرے دفتر ہی میں ہوتے ہیں۔ گھر کے کام کاج میں میرا ہاتھ بٹانے کے لیے عدنان نے ایک جز وقتی ملازمہ بھی رکھ دی ہے جو گھر کی صفائی، برتنوں اور کپڑوں کی دھلائی کے علاوہ چھٹی والے دن ہم سب کے کپڑوں پر ہفتے بھر کے لیے استری بھی کرتی ہے..... مجھے اب صرف کھانا پکانا پڑتا ہے پھر بھی پہلے سے زیادہ تھک جاتی ہوں..... شاید بڑھتی عمر کی وجہ سے..... مگر کوئی حرف شکایت عدنان کے سامنے اپنی زبان پر لاتی ہوں نہ اپنی امی کے سامنے.....

گزشتہ دس برسوں میں، ہم دونوں نے اپنی شادی کی باقاعدہ سالگرہ کبھی نہیں منائی۔ شادی کا دن البتہ یاد رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کو وش بھی کر دیتے ہیں۔ اس بار عدنان کو شادی کی سالگرہ منانے کا شوق سوجھا اور انہوں نے مجھ سے کہا۔

''یار رافعہ.....! اس بار ہم اپنی ویڈنگ اینورسری منائیں گے۔''

''کوئی خاص وجہ.....؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں..... ہے ناں..... شادی کے دس سال خیریت سے گزر گئے۔''

میرے دل میں ہوک سی اٹھی۔

عدنان کو کیا معلوم کہ شادی کے دوسرے سال سے اب تک میں اپنی انا کو کس بری طرح کچلتی رہی تھی۔ نہایت سفاکی سے..... امی کی یہ بات میں نے اپنی گرہ میں باندھ لی تھی کہ شادی کے بعد عورت کو اپنی انا کو مار دینا پڑتا ہے۔



www.pklibrary.com

''سب کو بلائیں گے.....'' عدنان بولے۔

''سب کو..... کس کو.....؟''

''تمہارے گھر والے..... میرے بہن، بھائی اور ان کے بچے.....'' امتنان اور رابیل تو اچھل پڑے کہ ان کے اماں باوا اپنی ویڈنگ اینورسری منانے جارہے تھے اور وہ بھی ایک ہوٹل میں..... دونوں نے چپکے، چپکے کارڈز بنانے شروع کردیے۔

آج کا دن بہت خاص تھا..... میری اور عدنان کی شادی کی دسویں سالگرہ..... سب اکٹھے ہوئے۔ میرے گھر والے اور عدنان کے گھر والے بھی۔ عدنان نے دس پونڈ کا کیک بنوایا تھا..... ہائی ٹی تھی۔ سب بہت خوش تھے..... کیک کاٹنے کے بعد فوٹو سیشن ہوا..... پھر عدنان نے کسی مقرر کی طرح حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''مہمانانِ گرامی..... آپ سب کی آمد کا بہت شکریہ..... اب سے تھوڑی دیر بعد ہم سب اکٹھے فرسٹ فلور پر جائیں گے جہاں ہائی ٹی آپ سب کی منتظر ہے لیکن اس سے پہلے میں اپنی دلعزیز بیگم کو شاباش دینا چاہوں گا کہ اس نے مجھ جیسے رف ٹف آدمی کے ساتھ زندگی کے دس سال ہنسی خوشی کامیابی کے ساتھ گزار دیے۔ میں اس موقع پر ایک چھوٹا سا تحفہ اپنی بیگم کی خدمت میں پیش کرنا چاہوں گا۔'' اتنا کہہ کر عدنان نے اپنے ابو کی طرف دیکھا اور انہوں نے ایک گفٹ بیگ عدنان کی طرف بڑھادیا۔ عدنان نے بیگ سے ایک مخملیں ڈبا نکالا اور اسے کھول کر اس میں سے دو جڑاؤ طلائی کنگن نکال کر میرے ہاتھ میں پہنادیے۔

میری آنکھیں بھر آئیں۔ شادی کی دسویں سالگرہ کا وہ تحفہ مجھے اپنی انا کو مار دینے کا تحفہ لگا۔ میری نظریں بے اختیار امی کی جانب اٹھیں۔ وہ مجھی کو دیکھ رہی تھیں..... ان کے تاثرات..... میں یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ وہ میری شادی کے دس سال بعد بھی میرے اپنے ہی گھر میں ہونے پر خوش تھیں یا..... اپنے ان خوابوں کے شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکنے پر ملول جو وہ میری شادی سے قبل میری شادی کے بارے میں دیکھا کرتی تھیں..... ایک خوبرو اور ہمہ صفت شہزادہ جو شاندار رتھ میں سوار اُن کی بیٹی کو بیاہنے..... آئے گا اور دنیا جہاں کی نعمتیں اس کے قدموں میں ڈھیر کردینے کو اسے اپنے ساتھ لے جائے گا۔

مجھے یاد تھا..... امی میری شادی سے قبل کہا کرتی تھیں رافعہ کو میں اس کی سسرال سے کم سے کم بیس تولہ زیور چڑھواؤں گی۔ شادی پر مجھے عدنان کی شادی شدہ بہن کا طلائی سیٹ چڑھایا گیا تھا جو ولیمہ کے فوراً بعد اسے واپس کردیا گیا تھا۔ اور اب شادی کے دس سال بعد پہلی بار دو کنگن..... اور یہ بھی اللہ کی مہربانی کے بعد امی کی عطا تھی۔ وہ شادی کے بعد میرا گھر بسائے رکھنے کے لیے عدنان کے ہاتھوں اپنی ذلت برداشت نہ کرتیں، مجھے ٹف ٹائم نہ دیتیں..... عاقبت نا اندیش ماؤں کی طرح مجھے عدنان اور میرے سسرال والوں کے خلاف بھڑکاتی رہتیں..... مجھے راستہ بھانے کے بجائے گمراہ کردیتیں..... مجھے اپنی انا کو مار دینے کے بجائے عدنان کے مقابل ڈٹ جانے کا مشورہ دیتیں تو مجھے شادی کے دس سال بعد یہ دو کنگن کیسے نصیب ہو پاتے۔

''بھابی.....! آپ بھائی جان کو کیا تحفہ دے رہی ہیں؟'' میری چھوٹی نند نے بہ آواز بلند پوچھا۔

مجھے اپنی بے بضاعتی کا احساس ہوا..... میں بھلا کیا دے سکتی تھی..... میں تو کل بھی اپنے شوہر کی دستِ نگر تھی آج بھی..... لیکن امتنان نے اتنی چھوٹی سی عمر میں بھی اپنی ماں کی عزت رکھ لی..... بہت بدمعاش..... بڑا حاضر جواب ہے..... ایسی، ایسی باتیں آجاتی ہیں اس کے دماغ میں کہ میں حیران رہ جاتی ہوں..... اپنی چھوٹی پھپھو کی بات پر اس نے پاس کھڑی رابیل کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اوپر اٹھایا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

''پھپھو! ماما نے بابا کو یہ دو تحفے دیے ہیں ناں.....''

محفل اس کی حاضر جوابی پر کشتِ زعفران بن گئی۔

میں نے پھر امی کو دیکھا..... اور میرے دل نے کہا۔ ''ہیٹس آف ٹو امی.....'' تیرا شکریہ ماں.....

آج کا دن واقعی بہت خاص تھا۔

❁❁❁



www.pklibrary.com

# پیمانہ

نظیر فاطمہ

عافیہ بہت دنوں سے کوشش کر رہی تھی کہ خالہ جان کی عیادت کو جائے مگر روڑے کے ساتھ جانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی اور افطاری کے بعد تو ویسے بھی وقت نہیں ہوتا... کہیں آنے جانے کا۔

"میں کل خالہ جان کی عیادت کو جاؤں گی۔ آٹھواں روزہ ہے آج اور وہ رمضان سے دو چار دن پہلے کی بیمار ہیں۔ مجھ سے ابھی تک جایا نہیں گیا۔ ساجدہ بھابی نے خود فون کر کے بتایا بھی تھا مجھے کہ خالہ اسپتال میں ہیں۔ اب تو خیر سے گھر آ چکی ہیں۔ اب تو ضرور ہی جاؤں گی۔" عافیہ نے شوہر سے کہا۔

"بالکل جائیں..... بلکہ ایسا کریں آپ جائیں۔ میں واپسی پر آپ کو لیتا ہوا گھر واپس آ جاؤں گا اور خالہ کی عیادت بھی کر لوں گا۔" خالد صاحب نے کہا۔

"ارے! اتنی گرمی ہے اور آپ کا آفس بالکل ہی



www.pklibrary.com

مخالف سمت میں ہے، میں خود ہی آجاؤں گی۔ آپ چھٹی والے روز جا کر خیریت معلوم کر لیجیے گا۔ میں بس گھنٹے ڈیڑھ کے لیے ہی جاؤں گی۔" عافیہ نے ان کی سہولت کے خیال سے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی بیگم صاحبہ!" وہ بیوی کا والہانہ انداز دیکھ کر مسکرا دیے۔

☆☆☆

اگلے روز عافیہ نے سحری کے بعد سونے کے بجائے جلدی جلدی سارے کام نمٹائے اور اب دس بجے وہ خالہ جان کے گھر میں موجود تھی۔ اُن کا گھر کھلا، وسیع، روشن اور ہوا دار تھا۔ لان کے اختتام پر تین سیڑھیاں چڑھ کر لاؤنج کا دروازہ تھا۔ دروازہ کھول کر عافیہ جونہی اندر داخل ہوئی، اُسے باہر کی گرمی اور حدت کی نسبت اندر کافی بہتر محسوس ہوا۔ خالہ جان اب قدرے بہتر تھیں۔ اپنے کمرے میں بیٹھ کر ذکر و اذکار میں مصروف تھیں۔ عافیہ کو دیکھ کر وہ کھل اٹھیں۔ اور سلام کا گرم جوشی سے جواب دیا۔

"آؤ، آؤ بیٹا۔"

"کیسی طبیعت ہے خالہ جان؟"

"اللہ کا شکر ہے، بہتر ہوں مگر اتنی ٹھیک نہیں ہوں کہ روزے رکھ پاؤں۔ بس اس بات کا بہت دکھ ہے مجھے۔" ان کے لہجے میں واقعی دکھ تھا۔

"خالہ جان، اللہ کرم کرے گا۔ اللہ پاک آپ کو دوبارہ صحت سے نوازے گا تو روزے رکھ لیجیے گا۔ مجبوری میں تو اللہ نے بھی چھوٹ دے رکھی ہے۔" عافیہ نے تسلی دی۔ اس دوران خالہ جان کی بہو آگئی۔ انہیں دوا دی، کچھ دیر بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی باتیں کیں پھر اُٹھ کر چلی گئیں۔

"میں اماں جان کے لیے کچھ کھانے کو لے آؤں، دوا کے آدھے گھنٹے بعد کچھ ضرور دینا ہوتا ہے۔" وہ چلی گئی۔

"مجھے یاد نہیں پڑتا کہ ہوش سنبھالنے کے بعد کبھی روزے چھوڑے ہوں، ارے میں تو شوال کے چھ روزے بھی عید کے اگلے دن شروع کر دیتی تھی، بس اس سال ہی سکت نہیں ہو پا رہی۔" خالہ جان کی آواز میں قدرے تفاخر تھا جو آخر میں دکھ میں بدل گیا۔

"خالہ جان! آپ فدیہ دے دیں، پریشان نہ ہوں، آپ کون سا جان بوجھ کر روزے چھوڑ رہی ہیں۔" عافیہ نے پھر انہیں تسلی دی۔

"ارے، فدیہ تو پہلے روزے کو ہی دے دیا تھا۔ وہ بھی پورے تین ہزار روپے۔" عافیہ نے چونک کر اُن کی طرف دیکھا..... تیس روزوں کا عوضانہ صرف تین ہزار روپے جبکہ خالہ جان کا گھرانا مالی طور پر آسودگی کے اعلیٰ درجے کو چھوتا تھا۔

"تین ہزار روپے؟" عافیہ نے دُہرایا۔

"آپ کو کس نے بتایا کہ آپ کے روزوں کا فدیہ تین ہزار روپے بنتا ہے؟"

"ارے، بتانا کس نے ہے؟ قریبی مسجد کے مولوی صاحب نے اعلان کیا تھا کہ فی روزہ اتنا فدیہ بنتا ہے۔"

"خالہ جو اعلان مسجد میں کیا جاتا ہے وہ غریب سے غریب تر کو مدِنظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔ جو لوگ روکھی سوکھی کھا کر روزہ رکھتے ہیں، ان کا فی روزہ شاید سو روپے سے بھی کم خرچ ہوگا۔" عافیہ نے رسان سے کہا۔

"تو؟" خالہ نے ناسمجھی سے پوچھا۔

"اچھا بتائیں، آپ سحری میں کیا کھاتی تھیں؟"

"دیسی گھی کا پراٹھا، اس کے ساتھ دہی کا ایک کٹورا، کبھی فرائی انڈا، کبھی دو گلاس لسی، کبھی کھجوروں کا شیک اور ایک دو گلاس پانی۔"

"اور افطاری میں؟" عافیہ نے پوچھا۔

"بھئی پکوڑے سموسے تو اب ہضم نہیں ہوتے تو فروٹ چاٹ کھاتی تھی، دو گلاس دودھ سوڈا پھر نماز کے بعد مٹن کے شوربے کے ساتھ ایک روٹی کھاتی تھی۔" خالہ نے تفصیلاً بتایا۔

"اب آپ خود دیکھیں، آپ کی سحری اور افطاری کی چیزوں کا خرچ ملائیں تو آپ کے ایک روزے کا عوضانہ پانچ سے سات سو تک بنتا ہے۔" خالہ جان نے



www.pklibrary.com

قدرے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔ ان کے ماتھے پر بل سے پڑ رہے تھے جنہیں عافیہ نے نظر انداز کر دیا۔ اس دوران ان کی بہو دوبارہ آ گئی اور خالہ اس کا لایا ہوا سوپ پینے لگیں۔ اب وہ بھی وہیں بیٹھ گئی ۔ عافیہ خالہ کو سوپ پیتے دیکھنے لگی اور جیسے ہی ان کا سوپ ختم ہوا وہ بولی۔

''خالہ جی، ہم پر روزے کا فدیہ اُسی حساب سے ہوتا ہے جس حساب سے ہم اپنے لیے خرچ کرتے ہیں۔ یعنی جو ایک دن میں ہماری خوراک عام طور سے ہوتی ہے اور یہی فدیہ ادا کرنے کا اصل پیمانہ ہے، اُمید ہے کہ آپ اس پہلو پر ضرور غور کریں گی اور پورا فدیہ ادا کریں گی۔''

''دیکھو ذرا، یہ کیسی انوکھی باتیں کر رہی ہے؟'' خالہ نے اپنی بہو سے کہا۔

''اماں! عافیہ آپا بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں اُن کی بات سمجھ چکی ہوں۔ عافیہ آپا آپ کا شکریہ کہ آپ نے ہماری توجہ اس طرف دلوائی۔ ہم یقیناً ازالہ کر دیں گے۔''

''خالہ جان! ہمیں اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے پیمانے کو پورا رکھنا چاہیے، اس میں کمی نہیں کرنی چاہیے، اسی میں ہماری بھلائی ہے۔'' عافیہ نے مسکرا کر خالہ جان کو دیکھا تو وہ بھی قصداً مسکرا دیں۔

عافیہ کو یقین ہو گیا کہ جو بات وہ سمجھانا چاہ رہی تھی، وہ ان کی سمجھ میں آ چکی تھی اور اب اس پر عمل بھی ہو جائے گا۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے فطرے کا بھی نصاب بتا دیا کہ یہ بھی اس طرح طے ہوتا ہے۔ اسلام کے احکام اصل میں معاشرے کی بھلائی کے لیے ہیں کہ مال و دولت کسی ایک جگہ جمع نہ رہے بلکہ مستحقین تک برابر پہنچتا رہے اگر روزے جیسی عبادت میں عذرِ شرعی ہے تو اس کے لیے فدیہ ہے جو اپنی مرضی سے طے نہیں کیا جا سکتا۔ آج عافیہ کا عیادت کو جانا اس کے لیے دُہرے ثواب کا باعث بن گیا تھا۔ وہ نیتِ خالص سے ایک بیمار کی مزاج پرسی کرنے گئی تھی اور وہاں سے اور نیکی سمیٹ لائی تھی۔

❁❁❁


پاکیزہ کی سالگرہ کے موقع پر ایک خوشخبری..... دل پزیر، دل نشیں اور دل گداز تحریروں کی خالق

مصنفہ

نسیم دلشاد

جلد ہی

ماہنامہ پاکیزہ کراچی

کے باذوق قارئین کے لیے اپنا

ایک اور دل نواز ناول لے کر آ رہی ہیں

معاشرے میں پھیلے ان گنت مسائل اور ان کے مؤثر حل کا

بے حد خوب صورت اور دل خوش کُن انداز میں قلمی اظہار.....

یقیناً قارئین کے ادبی ذوق کے لیے باعثِ تسکین ہو گا





www.pklibrary.com

# تحفہ

طیبہ عنصر مغل

بشارت بی بی نے آنسو صاف کر کے سامنے پڑی گلابی جیتی جاگتی گڑیا کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ ایسا لگا کہ افشاں نے ان کے سینے میں ٹھنڈک ڈال دی ہو۔

"چلیں گڑیا پھر سے آپ کو بڑا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔" آنکھیں بند کیے وہ دھیرے سے بڑبڑائیں تو رفاقت بوا نے منہ اوپر کر کے الحمدللہ کہا اور دھیرے سے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆☆☆

"میں تو کہتی ہوں شوکت دلہن ہاتھ کے ہاتھ چار، چھ جھبلے سی لو۔ پھر بعد میں کڑھائی، ٹکائی والے فراک سیتی رہیے گا۔" بشارت بیگم نے بہو کو محبت سے دیکھا جو خوش رنگ کپڑوں کے ٹکڑے سامنے پھیلائے



www.pklibrary.com

ان کی کٹائی میں مگن تھیں۔

''ارے نہیں اماں بی! ہماری گڑیا تو ایک سے ایک فراک پہنیں گی، ہماری افشاں کی نشانی ہیں، ہم کیوں چاہیں گے کہ اسے افشاں سے کم چاہ ملے۔ آپ کو پتا ہے ناں افشاں کتنی خوش تھیں جب سے پاؤں بھاری ہوا تھا۔''

''آہ! اس کی کیا بات کرے ہو دلہن، وہ بہشتن تو جانے کیا، کیا سوچے بیٹھی تھی لیکن موت کے آگے کب کسی کی چلی ہے کب جانتی تھی کہ ایک نظر بھی اپنی اولاد کو نہ دیکھ پائے گی اور مظہر میاں کو تو دیکھو..... کیسے چار دن بھی بچی کو نہ رکھ پائے بھرا پُرا گھر ہے، ایک دن بھی کوئی نہ سنبھال سکا۔'' ان کے آنسو چہرے کی جھریوں میں جذب ہو رہے تھے۔

''چھوڑیں اماں بی، یہ گڑیا ہمارے گھر کی رونق بننے آئی ہے، اِدھر دیکھیں یہ گلابی ساٹن والے فراک پر ہم سنہری گوٹا لگا لیں کیا؟'' شوکت آرا نے بات بدلنے کو ساس کو متوجہ کیا۔

اماں بی نے کپڑے پر ہاتھ پھیرا۔ ''ہاں دلہن یہ تو بہت ہی بھلا لگے گا، ریشم کے کپڑے کی تو بات ہی الگ ہے۔'' وہ دھیرے سے مسکرائیں۔ ''جیتی رہیے۔''

☆☆☆

بشارت محل دلی کے علاقے کی مشہور کوٹھی کا نام تھا۔ میاں اقبال کو اپنی بیگم سے بہت محبت تھی ان ہی کے نام پر اپنے گھر کا نام بڑے چاؤ سے رکھا تھا۔ بڑے، بڑے ستونوں والی یہ سرخ عمارت جس کے چھت پر بنے گنبدوں سے مغلیہ طرزِ تعمیر کی جھلک آتی تھی۔ دیکھنے میں ہی دل موہ لیتی۔ میاں اقبال کی کپڑوں کی تجارت کا کام سونا اگلتا تھا تو حسین سی بشارت بیگم رنگیلے غراروں میں سر سے پاؤں تک سونے کے زیورات کھنکھناتی پھرتی تھیں۔ گھر میں محل کی طرح پائیں باغ تھا تو ملازمائیں اور مامائیں بھی خدمت پر معمور تھیں لیکن بشارت بیگم کو اعتماد صرف رفاقت بوا پر تھا۔ وہ ان کا احترام گھر کے بڑوں کی طرح کرتی تھیں۔ زندگی مزے سے گزر رہی تھی کہ پھر تحریکِ پاکستان نے زور پکڑ لیا بشارت بیگم بھی ہراساں سی رہنے لگی تھیں۔

سب کی طرح بمشکل وہ بھی قائداعظم کے بنائے ملک کی طرف ہجرت کرنے کو عازمِ سفر ہوئیں۔ راستے کے مناظر نے دل نہ دہلا دیا ہوتا تو جو حال دل کا اپنی پرکھوں کی حویلیوں کو چھوڑنے کا تھا وہ دل پر تازیانے لگا گیا۔ چلتے سے بشارت بیگم کے حسین چہرے پر آنسو تسبیح کی لڑی کی طرح بہتے تھے۔ گنبدوں پر الوداعی نظر ڈالی جو کہ اقبال صاحب نے بروقت ایک ہندو بنیے کے ہاتھوں بیچ دیا تھا۔ ان کی زیرک نگاہی نے بتا دیا تھا بہت جلد ان کو یہ ملک چھوڑنا پڑے گا اور کل کا انتظار کرنا فضول تھا اسی لیے اچھے داموں جو، جو بک سکا بیچ ڈالا۔ برتن تک نہ چھوڑے۔ عقلمند انسان تھے بہت جلد نکلتے، نکلتے بھی وہ جب گھر سے نکلے تو بلوائیوں کے حملے شروع ہو چکے تھے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کرم رہا کہ وہ بخیریت اس سرزمین پر اس طرح پہنچ گئے کہ کسی جانی و مالی نقصان سے بچ گئے ورنہ راستے میں بے تحاشا لوگوں کی لاشیں بے دردی سے قتل کی داستان سنا رہی تھیں۔ پاکستان پہنچتے ہی ایک مناسب گھر کلیم میں جلد ہی مل گیا زیادہ وقت انہیں کیمپ میں نہیں رہنا پڑا تھا۔ بشارت بیگم سخت پردہ کرتی تھیں گھر بشارت محل جیسا تو نہ تھا لیکن چھوٹا بھی نہیں تھا یہ پیلی کوٹھی بھی وسیع و عریض رقبے پر بنی تھی۔ اقبال صاحب نے کپڑے ہی کا کام یہاں بھی شروع کر دیا تھا جو اللہ تعالیٰ کے کرم سے خوب پھلا پھولا..... یادوں کے ست لڑے میں گرتے موتیوں کو پروتی بشارت بیگم جلد، جلد ماں کے منصب پر بھی فائز ہوتی چلی گئیں۔

☆☆☆

ماشاءاللہ چاروں بیٹوں کی دفعہ اقبال میاں کو بیٹی کی آس لگتی لیکن ہر بار بجائے رحمتِ نعمت سے ان کی گود بھرتی چلی گئی..... ابراہیم، داؤد، یونس اور عیسیٰ کے بعد وہ جب پھر سے امید سے ہوئیں تو خوب منتیں مانگیں۔



www.pklibrary.com

روزانہ ڈولی منگواتیں اور درگاہوں پر اپنی نگرانی میں لنگر بٹواتیں تو کبھی محرم کی نیاز میں ڈھیروں ڈھیر مٹی کے پیالوں میں کھیر جما کر بوا کے ہاتھوں بھجواتیں۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے جتن میں وہ اس کے پیاروں کے دروں پر پھیرے لگاتی تھیں، ان کے وسیلے اللہ تعالیٰ سے رحمت مانگتی تھیں۔

اور اس بار اللہ تعالیٰ کو ان کی التجاؤں پر ہاں کی مہر لگانی تھی سو لگا دی۔ وہ ایک گول مٹول گلابی گڑیا کی ماں بن کر پھولے نہ سمائیں۔ ہر سال افشاں کی سالگرہ دھوم دھام سے منائی جاتی بہت سارا کھانا غریبوں میں تقسیم کیا جاتا۔ وہ ننھی پری باپ اور بھائیوں کی بھی آنکھ کا تارہ تھی۔

ننھی افشاں کب تتلی کی طرح پیلی کوٹھی میں پل کر جوان ہوگئی پتا تب چلا جب اُن کے لیے اقبال صاحب نے الگ سے موٹر لے کر دی تاکہ وہ پردے لگی کھڑکیوں والی موٹر میں اسکول جایا کریں۔ پالکی کا تو اب زمانہ ہی نہیں رہا تھا' تانگوں اور موٹروں کا ہی دور دورہ تھا۔ میٹرک پاس کرتے ہی جانے کیسے لوگوں کو خبر ہوگئی کہ بیٹی جوان ہوگئی ہے سو دن رات رشتے برسنے لگے۔

اپنے جیسے ہی ایک گھرانے سے آئے معقول رشتے کے لیے ہاں کر دی گئی۔ یوں جوڑا ٹکائی اور سلائی کے لیے درزی کو بھی بٹھا لیا گیا۔ ایک، ایک رسم پوری خوشی سے منائی گئی اور سب کی دعاؤں میں افشاں رخصت ہو کر پیا دیس سدھار گئی۔ مظہر تو دیوانہ تھا افشاں کا اور اس وقت اور زیادہ محبت برسانے لگا جب پتا چلا کہ وہ باپ بننے والا ہے، سسرال بھی اچھی تھی۔ دو جیٹھ اور ایک نند تھی۔ میکے جیسی محبت ملنا تو محال تھا لیکن بہت سے لوگوں سے اچھے لوگ تھے۔

خدا، خدا کر کے وہ دن بھی آن پہنچا جب افشاں نے درد کی سیڑھی پر قدم رکھا لیکن وہ جو اس دن کے انتظار میں دن گن گن کر گزار رہی تھی ایسی پیچیدگی کا شکار ہوئی کہ بچی کی پیدائش کے ساتھ ہی دنیا چھوڑ گئی، سسرال میں تو سوگ پڑا ہی لیکن میکے کی تو زندگی ہی جیسے رک گئی۔

سب کو ہوش کرلاتی ہوئی بچی کی آواز نے دلایا جو بشارت بیگم کی گود میں جا کر چپ ہوئی، جانے والی چلی گئی تھی اب سسرال والوں نے بچی کو کچھ خاص قابلِ توجہ نہ جانا لیکن بشارت بیگم کے تو جگر کا ٹکڑا تھی وہ .....ان کی لاڈلی افشاں کی نشانی نہ ہوتی تو وہ تو شاید یہ صدمہ ہی نہ جھیل پاتیں اوپر سے افشاں کے سسرال والوں کی یہ بے اعتنائی کہ کسی نے بھی بچی کی ذمے داری نہ اٹھائی۔ دل کڑا کر کے پھر بھی وہ بچی کو مظہر کی وجہ سے ددھیال میں چھوڑ بھی آئیں لیکن دوسرے دن ہی حال سے بے حال مظہر میاں روتی بلکتی ننھی سی جان کو لیے بشارت بیگم کے سامنے کھڑے تھے۔

''اماں بی یہ آپ کے علاوہ کسی کی گود میں چپ نہیں ہوتی ہے، یہ جو گھم آپ کو ہی اٹھانا ہوگا۔'' اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔

''لو میاں جو گھم کا ہے کا، میری افشاں کے جگر کا ٹکڑا ہے، لاؤ اسے مجھے دو، ہم تو شاید زندہ بھی اسی کے لیے ہیں۔'' آنسو ان کے چہرے پر روانی سے بہنے لگے۔ بچی کو گود میں لیتے ہی احساس ہوا کہ وہ کس قدر بے قدری کا شکار ہے انہوں نے ایک شکایتی نظر مظہر میاں پر ڈالی۔

''میں چلتا ہوں اماں بی!'' مظہر نے جیب سے کچھ رقم نکال کر بشارت بیگم کی طرف بڑھائی تو ان کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے۔

''اب ہم تم سے اس کے اخراجات لیں گے حد ہوگئی بیٹا..... کچھ تو وضع داری کا دھیان کرتے۔''

''ارے نہیں، آپ غلط سمجھ رہی ہیں، میں باپ ہوں اس کا میرا فرض ہے اس کے اخراجات کا دھیان رکھنا۔'' مظہر نے خفت سے ہاتھ نیچے کر دیا۔

''جاؤ میاں اللہ تعالیٰ کی بہت کرم نوازی ہے ہم پر آنے والی اپنا رزق لے کر آئی ہے، باپ کی اور بھی ذمے داریاں ہوتی ہیں وہ تو پوری نہ کر پائے تو پیسوں کا تکلف بھی مت کرو ابھی ہم زندہ ہیں۔ تم نے تو اس کا



www.pklibrary.com

نام بھی نہ رکھا ہم رکھیں گے اس کا نام بس آج سے ہم سب اس کو تتلی بلائیں گے تم بھی سن لو مظہر میاں!''

''کیسے بتاتا اماں بی میں آپ کو کہ..... مجھے آپ کی تتلی میری افشاں کی قاتل لگتی ہے، میں دل کا ہر کونہ ٹٹول کے دیکھتا رہا ہوں کہ کہیں تو بیٹی کی محبت موجود ہوگی لیکن کہیں بھی محبت یا شفقت کا احساس نہ جاگا، نفرت جانے کیوں ڈیرے ڈال بیٹھی ہے۔'' مظہر نے ایک اچٹتی نظر تتلی پر ڈالی جسے اب روئی کی بتی بنا کر دودھ پلایا جا رہا تھا، بچی خاموش ہوگئی تھی اسے دیکھ کر مظہر نے قدم بیرونی دروازے کی طرف بڑھا دیے۔

☆☆☆

تتلی تو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتے سب کی آنکھوں کا تارہ بن چکی تھی۔ شوکت دلہن اس کے لیے رنگ برنگ کپڑے بناتیں تو ارم اس کے کھانے کے دھیان میں الجھی رہتی تو مہروز مامی تو اسے اپنے کمرے میں سلانے میں بھی عار محسوس نہ کرتی تھیں اور تو اور اعلیٰ تعلیم یافتہ عینی ماموں کی لیے دیے رہنے والی دلہن سارہ مامی بھی اسے سینے سے لگائے رکھتیں۔ محبتوں کی فراوانی میں پلتی گڑیا جیسی تتلی بے حد حسین بچی تھی۔ مختلف عمر کے کزنز میں وہ خوب کھیلتی کودتی۔ ابراہیم ماموں کی بیٹی فرحت آپا تو پندرہ سال کی تھیں، عمر بھیا بھی گیارہ برس کے تھے، داؤد ماموں کی وانیہ آپی بھی نو سال کی تھیں، یونس ماموں کے دس سالہ شاہ میر بھیا کو بھی گویا گڑیا مل گئی تھی لیکن عینی ماموں کے شایان کو اس سے چڑ ہوگئی تھی۔ تین سالہ شایان جو پہلے سب کی آنکھ کا تارہ تھے، ان کو لگتا تھا کہ یہ چھوٹی سی چوہیا ان کی جگہ لینے آگئی ہے۔ چھوٹا ہونے کی وجہ سے جو توجہ ان کو ملا کرتی تھی وہ اب تتلی بٹور لیتی ہے، اس لیے جب موقع ملتا شایان اس کے چٹکی کاٹ کر رُلا دیتا کبھی اس کے کھلونے چھپاتا تو کبھی توڑ ڈالتا۔ زندگی یونہی رواں دواں تھی یوں جیسے پر لگا کر اڑ رہی تھی۔

☆☆☆

گول میز کے گرد سب مرد نشست جمائے بیٹھے تھے۔ خواتین بشارت بیگم کے تخت کے پاس قالین پر بیٹھی تھیں سب کے لیے یہ بات تکلیف دہ تھی اور حیران کن بھی۔

''کہاں تو افشاں کی محبت کے گُن گانے والے مظہر میاں سگی بیٹی کو نظر انداز کر گئے تھے اور کہاں اب دوسری شادی کر کے نئی دلہن کے چونچلے اٹھا رہے ہیں۔'' شوکت آرا نے آہ بھر کر کہا۔

''ارے رہنے دیں بھابی بیگم کہاں کی محبت سب منہ دیکھے کی باتیں ہیں، بیوی کی موت کہنی کی چوٹ ہی تو ہوتی ہے، زور سے لگتی ہے لیکن بہت جلد درد جاتا رہتا ہے۔'' مہروز نے منہ بنا کر اپنے شوہر کو دیکھا۔

''بھئی ہمیں کس لیے گھسیٹ رہی ہیں ان زنانہ محاورات میں، ہم سے ایسی کیا گستاخی ہوئی اور ویسے بھی مظہر نے شادی کی ہے کوئی گناہ تھوڑی کیا ہے۔ اتنے سال سوگ بھی تو مناتا رہا۔ اب اس عمر میں شادی کی ہے تو تنہائی سے اکتا کر ہی کی ہوگی ناں، اس عمر میں عشق تو ہونے سے رہا۔'' یونس نے تفصیلاً جواب دیا۔

سب حضرات نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی لیکن خواتین میں اب بھی کھسر پھسر جاری تھی۔

☆☆☆

وانیہ اور عمر بھیا کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں فرحت آپا جو اب دو بچوں کی ماں تھیں، وہ بھی میکے آئی ہوئی تھیں گھر میں خوب گہما گہمی تھی۔

''تتلی کی بچی، ایرج کو (فرحت کی دو سالہ بیٹی) مجھے دے دو، یہ میری بھانجی ہے۔'' شایان نے ایرج کو تتلی سے چھیننے کی کوشش کی لیکن سامنے بھی تتلی تھی جھٹ سے بشارت بیگم کے تخت پر چڑھ گئی اور بشارت بیگم ..... اے ہے ہی کرتی رہ گئی تھیں۔

''اماں بی شان کو سمجھا دیں، یہ کوئی میری گڑیا نہیں ہے جو یہ چھپا دے گا یا چھین لے گا، میں اسے خود فرحت آپا سے لے کر آئی ہوں، دس کام کیے ہیں اس کے، منہ دھلایا، دلیہ کھلایا ہے، فراک بھی بدل دی، یہ کیا کرے گا لے جا کر، لان میں کھیلے گا اور پھر سے گندا کر دے گا۔''



www.pklibrary.com

''توبہ بھلی تم دونوں سے، بچوں کے جیسے لڑتے ہو اب تک، مجال ہے جو ایک منٹ بھی چین سے بیٹھو۔'' بشارت بیگم نے ہول کر کہا۔

''اللہ!'' تتلی کے منہ سے سسکی نکلی اس کی لمبی چٹیا کو شایان نے زور سے جھٹکا دیا تھا۔

''دفع ہو جاؤ تم، مرو..... میں سارہ مامی سے شکایت کروں گی تمہاری۔'' اس نے بڑی بڑی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو دھکیل کر بمشکل کہا۔

''ارے باؤلی ہوئی ہو کیا؟ اس طرح سے بھی کوئی بد دعائیں دیتا ہے بیٹا بہت بری بات ہے۔'' اماں بی نے اسے گھرکا تو شایان نے اماں بی سے آنکھ بچا کر اسے انگوٹھا دکھایا۔

☆☆☆

''آخر کو اتنے سالوں بعد تمہیں باپ ہونے کا احساس کیسے جاگ گیا مظہر میاں، بیس سال تو پلٹ کر خبر نہیں لی۔ کبھی نہ کہا کہ بچی کو دھیال لے جانا ہے۔ تم پلٹے نہ تمہارے گھر والے اور تو اور نہ تمہارے والدین کی مرگ پر ہمیں تو چھوڑ تتلی کو لے کر گئے، نہ اقبال احمد کی مرگ پر تم آئے اب کیونکر محبت جاگی؟'' بشارت بیگم کا غصے سے بلڈ پریشر بڑھ رہا تھا۔ ابراہیم نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر محبت سے ساتھ لگایا۔

''اگر اتنے سال میں نے تتلی کی خبر نہیں لی تو ایسا بھی نہیں ہوا کہ میں اس سے بے خبر رہا۔ ایک معقول رقم میں اس کے لیے بھجواتا رہا ہوں اور دور رہنے سے یہ حقیقت نہیں بدل جاتی کہ میں ہی اس کا باپ ہوں۔''

''جاؤ میاں! لے جاؤ ساری رقم، جوں کی توں دھری ہے، ہم نہ خرچے اس رقم کو، تتلی کی پڑھائی، کھانا پینا پہننا اوڑھنا سب اللہ تعالیٰ کے کرم سے اچھے سے اچھا رہا۔''

''آپ اسے خود ہی بھیج دیں میرے ساتھ ورنہ میں خود بیرسٹر ہوں، قانون لونڈی ہے ہمارے گھر کی۔'' مظہر کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

''بیرسٹر صاحب! اتنا قانون تو ہم بھی جانتے ہیں کہ تتلی ابھی سترہ برس کی ہے، وہ خود فیصلہ کرنے کی عمر

## موسم بہار کی آمد

بہار کا موسم اپنے اندر بہت سی خوشیاں، رونقیں کھلکھلاہٹیں اور روشن امیدیں لاتا ہے۔ جب ہر طرف ہم قدرت کے حسین نظاروں سے خوب صورت پھولوں سے اور ان کی معطر خوشبو سے اور دلکش رنگوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں تو ہمیں فرحت بخش احساس ہوتا ہے۔ دل و دماغ چاہے وقتی طور پر ہی سہی سکون محسوس کرتا ہے۔ جب خدا کی قدرت کے لاجواب مناظر دیکھتا ہے اور انسان کو خدا کی قدرت کے حسین شاہکار دیکھ کر اپنے مالک و مولیٰ کی وحدانیت پر مزید یقین ہوتا چلا جاتا ہے۔ بہار کا موسم امید کا پیغام لاتا ہے۔ جس طرح موسم خزاں میں ہر طرف زرد پتوں کی آوازیں ہوتی ہیں۔ درخت سوکھ چکے ہوتے ہیں اور اپنے پتوں سے جدا ہو چکے ہوتے ہیں تو خزاں کا موسم جوبن پر ہوتا ہے اور پھر اچانک سے بہار کی ہوا چلتی ہے اور درخت و پودے پھر سے سرسبز و شاداب ہو جاتے ہیں اور ہر طرف ہریالی چھا جاتی ہے۔ پرندے باغوں میں چہچہانے لگتے ہیں اور ایک حسین و دلکش منظر انسان دیکھتا ہے۔ بالکل اسی طرح انسان کو بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ خدا کی ذات پر یقین رکھ کر محنت، کوشش، لگن و جستجو سے حالات بدل سکتا ہے۔ انسان کی زندگی میں بھی دکھوں، پریشانیوں، آزمائشوں کی اندھیری رات کے اختتام پر روشن صبح طلوع ہوتی ہے جو موسم بہار کے مانند ہوتی ہے۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

از: فہمیدہ جاوید، ملتان



www.pklibrary.com

میں نہیں ہے لیکن ابھی گھر میں بچوں کی شادی کا ماحول ہے تو یہ بات اس شادی کے بعد اٹھا رکھی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔'' ابراہیم نے رسانیت سے بات کو سنبھالا دیا۔

''ٹھیک ہے لیکن میں تتلی سے ملنا چاہتا ہوں۔'' مظہر نے اطمینان سے ڈرائنگ روم کے صوفے پر بیٹھ کر سگار سلگالیا۔ بشارت بیگم نے ناگواری سے اسے اور ناراضی سے بیٹے کو دیکھا اور کمرے سے نکل گئیں۔

تتلی انگلیاں مروڑتی ہوئی اس سوٹڈ بوٹڈ وجیہہ و شکیل انسان کو دیکھ رہی تھی بڑے ماموں نے اس کے پاپا کہہ کر ملوایا تھا۔ یوں اچانک باپ سے ملاقات اس کے لیے خوشگوار تو تھی لیکن عجیب سی کیفیات طاری ہوگئی تھیں۔ اس کیفیت کو وہ کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی بس انگلیاں چٹخاتی باپ کی شفقت وصول کر رہی تھی یوں پہلی بار۔

☆☆☆

آج وانیہ کا مایوں تھا اور رت جگا بھی، سب سجاوٹ گھر کے بڑے ہال میں کی گئی تھی۔ ہلدی رنگ سے سجے ہال میں خوب صورت سفید اور پیلے پھولوں کی بہار تھی، ان کے درمیان دیے سجاتی چٹاپٹی غرارے پر پیلی کرتی اور پیلے دوپٹے میں، بندیا سے ماتھا سجائے تتلی آسمان سے اتری حور لگ رہی تھی، جانے وہ سچ میں اتنی پیاری لگ رہی تھی یا شایان کے دیکھنے کا انداز آج بدلا تھا کچھ کہا نہیں جاسکتا تھا۔ وہ جو مٹھائی کا ٹوکرا اندر رکھنے آیا تھا کچھ تھا جو نکلتے، نکلتے اندر چھوڑ گیا تھا شاید دل؟

''سنا ہے ایک چڑیل یہاں سے جارہی ہے ہمیشہ کے لیے۔'' شایان کے لہجے میں شرارت تھی۔

سب بڑے اپنے کمروں میں جاچکے تھے، مہمان رسم کے بعد رخصت ہوگئے تھے جبکہ فرحت آپا، عمر، وانیہ، شاہ میر، تتلی اور شایان بڑے کمرے میں ہی براجمان تھے کچھ قریبی کزن اور بھی تھے۔

''جی نہیں جناب! مجھے کہیں جانا نہیں پڑے گا اور تم یہ اتنے بدتمیز کب سے ہوگئے کہ مجھے چڑیل بولا۔'' وانیہ نے تلملا کر شایان کا کان مروڑ ڈالا۔

''ارے، ارے آپ کی بات کس نے کی دلہن صاحبہ ہم تو اس فلائی کی بات کررہے ہیں۔''

''میں کہیں نہیں جارہی ہوں۔ کچھ دنوں کی بات ہے پھر سے تمہارے سینے پر مونگ دلوں گی اور یہ مکھی کسے کہا تم نے، پکے میسنے ہو تم۔'' تتلی نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور اٹھ کر باہر چل دی۔

''اب سینے پر مونگ دلو یا دل کی دھڑکنوں میں رہو ہم تو اب تمہارے ہوئے، کتنے بے خبر تھے ہم محبت کو سمجھ بھی نہ پائے۔ مجھے لگتا تھا کہ تم میری جگہ لے رہی ہو۔ یہ پتا ہی نہ تھا کہ تم تو میرے دل میں جگہ لے رہی ہو۔'' بہار کی اس خوب صورت رات میں چاندنی کا فسوں ایک جانب دوسری جانب دالان کے ساتھ چھت کی طرف جاتا کھلا زینہ اس زینے کے بیچوں بیچ راستہ روکے بیٹھا شایان آج کچھ الگ ہی انداز سے باتیں کررہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا ابھی وہ ہنس کر اس کے سر پر چپت لگا کر کہے گا۔ ''بنا دیا ناں الو''..... لیکن اس کی بولتی آنکھوں میں کچھ تھا جو پہلے کبھی نہیں ہوتا تھا۔

''مجھے راستہ دو اور فضول باتوں سے میرا دماغ خراب مت کرو۔'' وہ دندناتی ہوئی اس کے پاس سے اس طرح گزری کہ شایان کو اس کا راستہ چھوڑنا پڑا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو شاید وہ سیڑھیوں سے گر پڑتی۔

☆☆☆

شادی کا فنکشن بہت شاندار انداز میں انجام پزیر ہوا دلہن تو پیاری لگ ہی رہی تھی لیکن تتلی کی چھب ہی نرالی تھی۔ فان اور ریڈ کے کامبینیشن میں شرارہ سوٹ پر لمبے بالوں کا خوب صورت سا اسٹائل اسے بے پناہ جچ رہا تھا پوری شادی میں شایان اس کے اردگرد پروانہ بنا گھومتا رہا لیکن ساری خوشی اس وقت ماند پڑ گئی جب رخصتی کے بعد سب گھر پہنچے تو مظہر میاں نے آکر دھماکا کیا کہ وہ تتلی کو رات کی فلائٹ سے لاہور لے جانا چاہتے ہیں۔

''ایسی بھی کیا آفت آن پڑی ہے مظہر میاں؟'' بشارت بیگم نے کچھ غصے بھرے لہجے میں مظہر کو لتاڑا۔



www.pklibrary.com

''اماں بی آفت کی کیا بات... ہے تو وہ میری بیٹی جلد یا بدیر لے جانا تو تھا' ابھی کیوں نہ لے جاؤں؟''

''خوب جانتی ہوں، دوسری سے اولاد نہیں ہونے کی، اسی لیے تو بیٹی کی یاد ستائی، میں نہیں بھیجوں گی' میری تتلی اس گھر سے دور نہ رہ سکے گی، کملا جائے گی۔''

''اماں بی جانے دیں اگر تتلی وہاں نہ رہ سکی تو لوٹ آئے گی۔'' یونس نے ماں کے کندھوں پر ہلکا سا دباؤ ڈالا گویا وہ ان کو سمجھانا چاہ رہے ہوں گھر کے سب مرد حضرات کو اندیشہ تھا کہ مظہر جواب تک کراچی میں رکے ہوئے تھے وہ بیٹی کو لیے بغیر نہیں جائیں گے چاہے وہ عدالت کے ذریعے لے جاتے اور ایسی جگ ہنسائی وہ نہیں چاہتے تھے سو تتلی کی روانگی کا فیصلہ ہوگیا۔

☆☆☆

تتلی سارے راستے آنسو بہاتی آئی تھی ابھی تو عمر بھیا کا ولیمہ بھی اٹینڈ نہیں کیا تھا، سب کتنے مزے میں ہوں گے لیکن دوسری جانب ایک انجانی سی خوشی بھی تھی۔ اپنے بابا جانی کے ملنے کی، بہت سارا پیار ملنے کے باوجود اسے یہ کمی بہت کھلتی تھی سب ماموؤں کی اولاد جب اپنے ماما، بابا کو پکارتے تو وہ دل مسوس کر رہ جاتی۔ اب اس کے بھی بابا اور سوتیلی ہی سہی ماما تو ہوں گی۔ سوچتے سوچتے ہی وہ ائرپورٹ سے گھر تک کا فاصلہ طے کر آئی۔ بڑے سے گیٹ سے جب گاڑی ڈرائیو وے پر آئی تو دائیں جانب وسیع و عریض لش گرین لان تھا سامنے سنگ مرمر کے ستونوں والی بہت دلکش عمارت تھی۔ وہ بابا جانی کا ہاتھ پکڑ کر نیچے اتری اس کے انداز میں تفاخر تھا۔

☆☆☆

''یہ تمہاری بڑی تائی جان ہیں۔'' اس نے ٹیبل پر برتن سیٹ کرتی ایک خاتون کو دیکھا اس کے سلام کا جواب انہوں نے سر کے اشارے سے دیا۔ اسے فوراً ممانیوں کی شفقت بھری آغوش یاد آئی۔ دوسری تائی کا انداز بھی کچھ الگ نہ تھا صوفے پر بیٹھے، بیٹھے سلام کا انداز تقریباً ویسا ہی تھا بس ایک وہ عورت جس کو بابا جانی نے اس کی ماما کہہ کر متعارف کروایا تھا انہوں نے ایک بوسہ اس کے ماتھے پر دیا تھا لیکن انداز میں ان کے بھی گرمجوشی مفقود تھی۔ کھانا تو وہ کھا کر آئی تھی سب سے تعارف کے بعد ماما نے اسے اس کا کمرا دکھایا جو بہت ہی شاندار تھا لیکن جانے کیوں اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ ساری رات کروٹ بدلتی سب کو سوچتی رہی۔ صبح دم فجر کی نماز پڑھ کر جو لیٹی تو جانے کب نیند حملہ آور ہوگئی۔

☆☆☆

دوپہر میں جب وہ بیدار ہوئی تو فریش ہو کر نیچے آگئی۔ سب ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھے، اتوار کا دن تھا سب سے ملاقات ہو چکی تھی۔

''تتلی ناشتا کریں گی یا ہمارے ساتھ لنچ کا ارادہ ہے۔'' ماما نے مسکرا کر پوچھا۔ ''میں ناشتا ہی کروں گی چائے کے بغیر ست رہتی ہوں، سوری میں بہت دیر سوئی۔'' تتلی کہتے، کہتے رک گئی اس کی نظر سیڑھیوں سے اترتے یونانی دیوتاؤں کو مات دیتے اس شخص پر پڑی تو پلٹنا بھول گئی۔ بابا جانی نے مسکراتے ہوئے اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔

''یہ جہاں زیب ہیں تتلی بیٹا' آپ کے بڑے تایا ابو کے بیٹے' ہمارے لاڈلے بھتیجے، یہ بھی ہماری ہی طرح مستقبل کے مشہور بیرسٹر بننے والے ہیں ان شاء اللہ۔'' جہاں زیب نے خود ہی سر کے اشارے سے تتلی کو سلام کیا جو دم بخود بیٹھی تھی' سلام کے جواب میں سٹپٹا کر وعلیکم کہا۔

تائی جان نے جب خانساماں کو جہاں زیب اور تتلی کے لیے ناشتا لانے کو کہا تو اندازہ ہوا کہ وہ بھی دیر سے جاگے تھے۔

ناشتے کے بعد بابا جان اس کے کالج میں داخلے کے بارے میں پوچھنے لگے تو سن کر کافی خوش ہوئے کہ وہ بی اے کر چکی ہے اب یونی میں ایڈمشن لینا چاہتی ہے۔

☆☆☆

''آخر کو یہ مظہر میاں کو کیا سوجھی کہ اتنے سال بعد بیٹی کو اٹھا لائے، پہلے کی نفرت کب محبت میں بدل



www.pklibrary.com

گئی۔ بھئی ہماری تو سمجھ سے باہر ہے۔'' بڑی تائی نے دیورانی کی طرف الجھن بھرے انداز میں دیکھا۔

''ہوگی کچھ منطق۔ مجھے بھی کچھ نہیں بتایا مظہر صاحب نے۔'' ماما کا لہجہ اکتاہٹ بھرا تھا۔

''خیر اب لے آئے ہیں تو وہ کون سا ننھی منی بچی ہے جو ہمیں اس کا خیال رکھنا پڑے گا اپنا خیال خود رکھ سکتی ہے۔''

''یہ تو وقت بتائے گا ابھی سے کیا کہہ سکتے ہیں۔'' چھوٹی تائی نے پُرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

☆☆☆

پیلی کوٹھی میں اداسی رچ بس گئی تھی ولیمے کی تقریب بھی بدمزہ ہوگئی تھی۔ بشارت بیگم بیٹوں پر خوب خفا ہوئی تھیں۔

''یوں لگتا ہے جیسے تم سب کو اسی بات کا انتظار تھا کہ کب تتلی کو کوئی لینے آئے اور تم اس کا ہاتھ پکڑا کر چلتا کرو بہت بھاری تھی ناں، اس کی دو روٹی تم پر۔'' وہ آخر میں رو پڑی تھیں۔

سب بیٹے ان کی دلجوئی میں لگ گئے بہویں تو خود اپنے شوہروں سے خفا تھیں، تتلی میں تو سب کی جان تھی۔ شایان خالی، خالی نظروں سے سب کو دیکھ رہا تھا ابھی تو پتا چلا تھا کہ وہ دل میں بستی ہے اور ابھی ہی وہ دور چلی گئی تھی۔ ابھی تو وہ کھل کر اظہار بھی نہیں کر سکا تھا۔

''اماں بی! جانے دیں کتنی جلد وہ بھی خود جانے کو مان گئی، وہ ہے ہی بے وفا، آپ اپنی جان کیوں گھلاتی ہیں۔ اتنے سال یہاں گزارے ہیں لیکن باپ ملتے ہی ان کے ساتھ چل دی کسی کو سوگ منانے کی ضرورت نہیں ہے لوگ مر بھی تو جاتے ہیں۔'' وہ سنگدلی سے بولا۔

''شایان بکواس بند کرو، اسے ہم سب نے مشکل سے منایا ہے، تم نہیں جانتے کیا کہ وہ ماموؤں کی کوئی بات نہیں ٹالتی ہے۔ اس بار بھی وہ ابراہیم تایا کی بات رکھ گئی ہے۔'' شاہ میر نے غصے سے اسے گھورتے ہوئے تنبیہہ کی۔

''اونہہ! سب کی مانتی ہے تب ہی یوں چھوڑ کر چلی گئی۔'' وہ تپا پڑا تھا کہہ کر رکا نہیں باہر کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

زندگی رکتی نہیں ہے ملال کے موسم بدلیں یا نہ بدلیں شایان نے ائر فورس جوائن کر لی تھی بے حد مصروف رہنے لگا تھا شاہ میر تو پہلے سے ہی آرمی میں کیپٹن کی پوسٹ پر تھا واپس اپنے مشن پر چلا گیا تھا۔ وانیہ اور عمر فی الحال ہنی مون پر ورلڈ ٹور انجوائے کر رہے تھے واپس آتے بھی تو دونوں ڈاکٹر تھے گھر سے باہر زیادہ وقت رہتے۔ فرحت آپا کب تک اپنا گھر چھوڑ یہاں رہتیں بالآخر سسرال روانہ ہو ہی گئی تھیں۔ ایک سناٹا تھا جو پیلی کوٹھی کا مکین بننے لگا تھا۔ بشارت بیگم دن رات اللہ تعالیٰ سے لو لگائے رکھتیں، آنکھیں دہلیز پر دھری رہتیں جانے کب تتلی چھپاک سے اندر آ کر گلے میں بانہیں ڈال دے۔

☆☆☆

تتلی اب اس گھر میں اپنے آپ کو سیٹ کرنے کی تگ و دو میں لگ گئی تھی کبھی کبھار جو اماں بی کو فون کرتی تو آس پاس موجود ہر فرد اماں بی سے فون چھین چھین کر اس سے بات کرنے کو بے تاب ہوتا اگر کوئی نہیں کرتا تو وہ شایان تھا۔ اسے لگتا کہ وہ کبھی کبھار کی کی ہوئی محبت بھری باتیں محض اس کا گمان تھیں، آنکھ کا دھوکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اتری رنگوں کی برسات، وہ بھی کبھی اس کا حال نہ پوچھتی سب کے بارے میں بات کرتی اگر نہ کرتی تو صرف شایان کی، وہ چاہتی تھی شایان گزرا ہوا موسم بن جائے۔

''جہاں زیب رکو!'' باہر کی طرف بڑھتے جہاں زیب کو مظہر چچا کی آواز نے رکنے پر مجبور کیا۔

''جی چاچو کہیے۔'' وہ مؤدب ہوا۔

''میں چاہتا ہوں کہ آپ کی نسبت تتلی سے طے کر دوں۔''

اسے لگا چاچو نے اس کی دھڑکنوں کو سن لیا ہو، وہ حسین ترین گڑیا جیسی لڑکی اسے بھی دل و جان سے پسند آئی تھی جب وہ اسے یونی ورسٹی میں داخلہ دلوانے



www.pklibrary.com

گیا تھا تو اس کی ہمراہی میں ایک الگ ہی راحت محسوس ہوئی تھی۔ سگنل پر گاڑی رکنے پر جب ایک فقیرنی نے ان کے لیے جوڑی سلامت رہے کی دعا کی تھی تو تتلی کے گلابی پڑتے رخساروں پر اس کا دل فدا ہوگیا تھا۔

''جی چاچو جیسے آپ کی مرضی، مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔''

''باقی گھر والوں سے بات کرلوں سب کی رائے کے بعد ہی کوئی دن طے کرتے ہیں۔'' مظہر نے فیصلہ کُن انداز میں کہا۔

☆☆☆

''یہ کیسے ہوسکتا ہے، جہاں زیب کو تو زائشہ کے لیے سوچا تھا میں نے۔'' چھوٹی تائی کی آواز میں تلخی ہی تلخی تھی۔

''اب میں کیا جانوں بالا ہی بالا اظہر نے مظہر کے ساتھ بات طے کرلی ہمیں تو صرف بتایا جارہا ہے۔'' بڑی تائی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''تتلی نے بھی ہاں کردی کیا؟'' بڑی تائی نے ماما کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا؟

''جی تتلی نے ہاں کردی۔ اسے لگتا ہے وہ اس طرح شاید اپنی ماں کی موت کی تلافی کردے گی جو اس کے باپ کے دل میں اتنے سال پھانس بن کر چبھتی رہی ہے۔'' ماما نے جواب دیا۔

''سب ڈرامے بازیاں ہیں، اصل میں تو جہاں زیب ہے ہی ایسا..... کون بیوقوف ہوگی جو اس کا ساتھ نہ پانا چاہے گی، یہ تتلی بیگم کیا بیچتی ہیں جو انکار کریں گی۔'' چھوٹی تائی کے انداز میں زہر گھلا تھا۔

☆☆☆

''یہ کیا کہہ رہی ہو تتلی بیٹا؟ یہ کیسے ممکن ہے تمہیں تو اس گھر میں واپس آنا تھا، تم نے ہاں کیسے کردی؟'' فون کے دوسری جانب اماں بی مضطرب تھیں۔

''اماں بی جہاں زیب بہت اچھے ہیں۔ بہت سلجھے ہوئے لیکن میری ہاں کی وجہ بابا جانی ہیں، میں نہ کرکے ایک بار پھر ان کے ملال کا باعث نہیں بننا چاہتی، زندگی نے ایک موقع دیا ہے مجھے کہ ان کے دل سے اپنے لیے نفرت کے اتنے سال دھودوں انہیں یہ لگتا تھا ناں کہ میں اپنی امی کی موت کی وجہ بنی۔ اب میں نافرمان ہونے کا تمغہ نہیں سجانا چاہتی ہوں۔ آپ کی تربیت نے مجھے فیصلہ کرنے میں آسانی دی۔''

''لیکن ہم تو سوچ رہے تھے شایان یا شاہ میر کے لیے تمہیں مانگ لیتے تو.....'' ان کی بات ادھوری رہ گئی۔

''شایان اور میرے لیے۔ اماں بی وہ تو ہمیشہ مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا رہا، شاہ میر بھیا تو شاید اپنی پسند سے شادی کرنے کا ٹھانے بیٹھے ہیں۔ آپ نے غلط بندوں کے لیے مجھے سوچا ہے اماں بی آپ پُرسکون رہیں، میں جلد آپ کی طرف چکر لگاؤں گی۔'' کہہ کر تتلی نے ریسیور رکھ دیا۔ ہتھیلی کی پشت سے آنسو پونچھتے کوئی چھم سے آنکھوں کی پتلیوں پر اتر آیا تو

## سالگرہ کے پیغامات

بہنوں! آپ سب کو پاکیزہ کی سالگرہ مبارک

ازطرف: عرشیہ جنید، کراچی

زندگی بھر یہ آسماں تجھ کو
کسی آفت میں مبتلا نہ کرے

از: ثوبیہ ظہور، ضلع اٹک

خزاں کی رت ہے جنم دن ہے، دھواں اور پھول
ہوا بکھیر گئی موم بتیاں اور پھول

دعا گو: زاہدہ جبیں، میرپور خاص

## پیارے پاکیزہ

پ: پایا ہے ہم نے
الف: الفت کا
ک: کیا خوب صورت انداز
ی: یہاں
ز: زندگی کی ساری
ہ: ہی خوب صورتی کے رنگوں میں
واہ کیا بات ہے تیری اے پاکیزہ

دعا گو: حدیث اختر، بہاول پور



www.pklibrary.com

آنکھوں کو بے دردی سے مسل ڈالا۔

☆☆☆

زائشہ کی اچانک آمد پر سب حیران تھے۔ وہ جو بیرون ملک تعلیم کے سلسلے میں مقیم تھی، اچانک کیسے آگئی سب ہی حیران تھے۔ تتلی کو دیکھ کر وہ کافی پُرجوش لگی۔

''اوہ واؤ بیوٹی اوور لوڈڈ۔'' اس نے سیٹی کی طرح ہونٹ گول کیے تو اس کی امی یعنی چھوٹی تائی نے برا سا منہ بنالیا، تتلی اس کے ساتھ آرام دہ نہیں تھی کیونکہ وہ بہت بولڈ تھی اس کا مغربی پہناوا، اس کی عادات سے بہت مختلف تھا لیکن جہاں زیب سے اس کی بے حد بے تکلفی تھی، ظاہر ہے بچپن سے ساتھ پلے بڑھے تھے سو وہ گرد و پیش سے بے نیاز جب باتیں کرنے میں مگن ہوتے تو وقت کا انداز ہی بھول جاتے۔

چھوٹی تائی کے چہرے پر ذومعنی مسکراہٹ تھی یعنی زائشہ کو بلانا ضائع نہیں گیا تھا۔

☆☆☆

''اوہ مائی گاڈ آج تمہاری سالگرہ ہے، مجھے تو کبھی پتا نہ چلتا اگر چاچو نہ بتاتے۔'' وہ پڑھنے میں مگن تھی رات بارہ بجے کا وقت تھا جب زائشہ دھم سے اس کے برابر آکر بیڈ پر ڈھیر ہوگئی۔

''اس میں تو کچھ عجیب نہیں ہے سالگرہ تو ہر سال آتی ہے۔'' اس نے آزردگی سے کہا۔

''ہاں تو منانی چاہیے ناں، یوں کون بیٹھا رہتا ہے، کتنی بور ہو تم یار۔'' زائشہ نے اپنے روایتی انداز میں کہا۔

''نہیں، ایسا بھی نہیں کہ مناتی نہیں ہوں، وہاں اماں بی ...تو بہت دھوم دھام سے مناتی تھیں لیکن یہاں کچھ مناسب نہیں لگتا کیونکہ میری امی کی برسی بھی اسی دن ہوتی ہے ناں بابا اداس ہو جائیں گے۔''

''اچھا چلو باہر چلتے ہیں، آئس کریم کھائیں گے تمہاری پسند کا سب کچھ ہوگا موو، گفٹ سب کچھ، چلو اٹھو گیٹ اپ فاسٹ.....'' اس کے بعد اس نے تتلی کی ایک نہ چلنے دی صرف اپنی چلائی۔ وہ جو ہر کام فاسٹ کرتی تھی اس نے گاڑی بھی بہت تیز چلائی اور ایک بار پھر قسمت نے اس دن کو غم سے بھر ڈالا۔

جہاں زیب کا چہرہ دوسری جانب کی بات سنتے تاریک ہو رہا تھا سب اس کی طرف متوجہ تھے جب اس کے منہ سے نکلا۔ ''اوہ نو ہم پہنچ رہے ہیں۔''

☆☆☆

اسپتال کی راہداری میں سب ہی موجود تھے زائشہ کو کافی چوٹیں آئی تھیں لیکن جان بچ گئی تھی لیکن تتلی ابھی تک آئی سی یو میں تھی سب کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہوئے تھے۔

جلد ہی کراچی سے بشارت بیگم بھی ابراہیم کے ساتھ پہنچ گئی تھیں۔ تتلی کا حال دیکھ کر ان کو خود پر اختیار نہ رہا انہوں نے مظہر کا گریبان پکڑ لیا۔

''اب میں تمہیں کہتی ہوں تم منحوس ہو، تمہارا گھر راس نہیں ہے میرے گھرانے کو، میری دونوں بچیوں کو ایک ہی دن موت کے حوالے تم نے کیا ہے۔'' وہ بلک رہی تھیں۔

''بس اماں، اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ تتلی کی زندگی بچ جائے۔'' ابراہیم نے ماں کو سنبھالنے کی کوشش کی تو وہ ان کے ہاتھوں میں بیہوش ہوگئی تھیں۔

سب کی دعا سے تتلی بچ تو گئی لیکن بینائی کھو بیٹھی ونڈ اسکرین سے ٹوٹے کانچ کچھ اس طرح اس کی آنکھوں میں چبھ گئے تھے کہ آنکھ کا نور چھن گیا تھا۔ مگر بھی پھر ڈاکٹر پُرامید تھے کہ علاج ہوسکتا ہے۔ وہ اسپتال میں ہی تھی سب ہی اس سے ملنے آتے رہے اگر نہیں آیا تھا کوئی تو وہ دشمنِ جان شایان ہی تھا جس کو آنا تھا نہ آیا، وہ ہر آہٹ پر گمان کرتی کہ وہ آیا ہے لیکن اسے نہ آنا تھا تھک کر وہ انتظار ہی چھوڑ بیٹھی۔

☆☆☆

لان میں چیئر پر خاموش بیٹھی وہ گزرے دنوں کی تسبیح رول رہی تھی۔ ایک، ایک پل بے نور آنکھوں کے پردے پر چل رہا تھا۔ بہت منت سماجت، پیار، ڈانٹ کسی چیز سے بھی وہ واپس کراچی جانے کو تیار نہیں ہوئی۔ اماں بی کی ناراضی نے بھی اسے ٹس سے مس



www.pklibrary.com

نہیں کیا تھا۔ وہ اب دوبارہ وہاں جا کر شایان کی جگہ نہیں لینا چاہتی تھی اسے لگا تھا کہ وہ اس سے نفرت کرتا ہے شدید نفرت۔

ٹھیک سال بھر بعد جہاں زیب نے تتلی کے بجائے زائشہ کو اپنا ہم سفر بنا لیا تھا کیونکہ وہ آنکھ سے اندھی لڑکی سے شادی کرنے سے معذرت کر چکا تھا۔

''شاید سب خوب صورت مرد ایسے ہی بے وفا ہوتے ہیں لیکن شایان تو بہت وجیہہ نہ تھا اس نے کیوں مجھے بھلا دیا اسے کس چیز کا گھمنڈ تھا۔''

وہ ایک بار پھر اسپتال کے بستر پر پٹیاں کھلنے کی منتظر تھی۔ آج بھی اس کی سالگرہ ہی تھی اور آج اسے کوئی تحفے میں آنکھوں کی روشنی دے گیا تھا' پٹی ہٹتے ہی اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں۔ باری، باری سب نظر آئے آج بھی وہ نہ آیا جس کی وہ منتظر تھی۔

☆☆☆

''بابا جانی مجھے کراچی جانا ہے اب مزید میں یہاں نہیں رہنا چاہتی ہوں، مجھے واپس اسی مسکن میں جانا ہے.....'' اس نے مٹھیاں بند کرتے، کھولتے ان کی طرف دیکھا۔

''ٹھیک ہے' میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔'' مظہر نے کچھ سوچا۔

''نہیں، آپ مجھے بس اکیلے بھیج دیں، میں سب کو سرپرائز دینا چاہتی ہوں۔''

''اوکے جیسے تمہاری مرضی، تمہارے لیے یہی بہتر ہے مجھے بھی لگتا ہے تمہاری خوشی اسی گھر میں ہے۔'' وہ کہہ کر خاموش ہو گئے کیسے کہتے کہ جس تتلی کو جہاں زیب نے مسترد کر دیا تھا اس کے لیے شاہ میر اور شایان کے لیے اس کی ننھیال والوں نے دامن پھیلایا تھا۔ ان کو اس سے غرض نہیں تھی کہ اس کی آنکھیں بے نور ہیں لیکن اس وقت وہ جہاں زیب کے گمان میں تھے سو بڑے دعوی سے انکار کر دیا تھا کہ تتلی تو ان کے بھتیجے کی مانگ ہے اس خوش گمانی میں ان سب سے تلخ کلامی بھی کر بیٹھے تھے پر آج وہ تتلی کو روکنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ یہی اس کے لیے بہتر تھا۔

☆☆☆

پیلی کوٹھی کے سامنے ٹیکسی سے اتر کر وہ سامان چوکیدار بابا کے حوالے کر کے اندر داخل ہوئی تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے وہ بھاگتی ہوئی دالان میں داخل ہوئی سامنے ہی اماں بی تخت پر بیٹھی تھیں، شوکت ممانی ان کی کنگھی کر رہی تھیں باقی سب بھی اپنے، اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ وہ دوڑ کر اماں بی کے گلے لگی تو سب کی ملی جلی آوازوں میں خوشیاں دوڑ گئیں۔ سب اپنے کام چھوڑ چھاڑ لپک جھپک تتلی کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے۔ سب تھے اس ایک کے سوا۔

☆☆☆

وہ بار، بار سیڑھیوں کی جانب دیکھ رہی تھی تو کبھی بیرونی دروازے کی جانب۔ ''وہ کہیں تو ہو گا یا تو باہر سے آئے گا یا اوپر اپنے کمرے سے تین، تین سیڑھیاں پھلانگتا اترے گا اور اب میں دیر نہیں کروں گی کہہ دوں گی مجھے تم سے محبت ہے شایان۔'' وہ سوچتے، سوچتے اٹھ کر کھڑی ہوئی تو دو قدم پر عجلت میں کسی سے ٹکرا گئی۔

''اندھے ہو گیا؟'' پرانے انداز میں ترش لہجے میں اسے گھرکا۔

''ہاں ٹھیک کہا تم نے اندھا ہی تو ہوں۔'' اس نے سفید چھڑی جسے وہ کھول رہا تھا اسے دکھانے کی کوشش کرنے لگا وہ ہق دق منہ پر ہاتھ دھرے زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

تو اس کی بے نور آنکھوں کو روشنی دینے والا شایان ہی تھا' اتنا قیمتی تحفہ صرف وہی تو دے سکتا تھا، وہ اتنی محبت کی قدر کیسے نہ کرتی وہ شاہ میر کے پروپوزل کو مسترد کرتے ہوئے اپنی سالگرہ والے دن شایان کی زندگی میں شامل ہو گئی۔ اب اسے شایان کے سوا کچھ نہیں چاہیے تھا۔ اس کی زندگی کا حسین ترین تحفہ وہی تو تھا۔ وہ ہی جس نے اسے نور بخشا تھا تو وہ کیسے نہ اس کی بینائی بنتی۔

❁❁❁



www.pklibrary.com

# عورت اور نصیب

ایک عام تاثر یہی ہے کہ عورت ایک کمزور اور کم تر ہستی ہے... مگر یہی کمزور اور کم تر ہستی صنف مخالف پر کس، کس طرح اثر انداز ہوتی اور وقت پڑنے پر چٹان جیسی مضبوطی بھی دکھاتی ہے۔ حروف تہجی کے اعتبار سے شروع ہونے والے اس نئے سلسلے عورت کہانی میں ہماری معروف قلم کار **فرحین اظفر** نے یہی بتانے کی کوشش کی ہے۔

**جُداگانہ موضوعات لیے کہانیوں کا نیا سلسلہ آپ جیسے باذوق قارئین کی نذر**

اس نے بچپن میں کبھی سنا تھا، نصیب خراب ہو تو اونٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی کو بھی کتا کاٹ لیتا ہے۔

وہ بھی اونٹ پر بیٹھی تھی لیکن اسے کتے کے بجائے سانپ نے کاٹ لیا تھا۔ سانپ بھی وہ، جسے اس نے... تو لکھا سمجھ کے بڑے شوق سے خود گلے میں ڈالا تھا۔

☆☆☆

غریب علاقے کے غریب طبقے سے تعلق رکھنے والے علیم الدین صاحب کے گھر کسی متمول گھرانے سے بالکل انجان شخص کا رشتہ آ جانا۔ ایک دن اچانک، بالکل بغیر کسی پیشگی اطلاع کے...... جو نہ صرف خود اُن کو بلکہ پورے محلے کو بدحواس کر دینے کے لیے کافی تھا۔

جب سیاہ رنگ کی یہ لمبی، چوڑی چمچماتی کار نے گلی کے اندر داخل ہونے سے انکار کیا تب ہی سے، اس گاڑی کی شان و شوکت دیکھنے کے لیے، ننھے منے حیران آنکھوں والے کالے، پیلے بچوں کا ٹھٹھ لگنا شروع ہو گیا تھا۔

پھر گاڑی باہر کہیں مین روڈ پر رکی رہی۔ اور اس کار میں سے نکلنے والی باپردہ خواتین، ان ہی ننگ دھڑنگ باراتیوں کے جلو میں علیم الدین کے گھر کی طرف روانہ ہوئیں۔

کچھ نے گاڑی کی حفاظت کی ذمے داری از خود اپنے ذمے لے کر وہیں کھڑے ہو کے پہرہ دینے کا فیصلہ کیا۔ یہ الگ بات..... کہ گاڑی میں موجود ڈرائیور نے بعد میں ان کو وہاں سے بھگا دیا تھا۔

علیم الدین کے دروازے پر کھڑی نقاب پوش خواتین کا رکھ رکھاؤ سر سے پیر تک سیاہ رنگ میں ملفوف ہونے کے باوجود چھلکا پڑ رہا تھا۔ سفید دودھیا ہاتھوں کی انگلیوں میں پھنسی دو ایک بھاری انگوٹھیوں کی چمک ہی نگاہوں کو خیرہ کرنے کے لیے کافی تھی۔

سکینہ علیم الدین تو کتنی ہی دیر دروازہ کھول کے ان کے سامنے حیران پریشان سی کھڑی رہی۔ کیونکہ اُن کی گاڑی کے جیسی قیمتی بریکنگ نیوز، کسی نے خواتین کے پہنچنے سے پہلے ہی علیم الدین کے گھر تک پہنچا دی تھی۔

''کیا یہ علیم الدین صاحب کا گھر ہے؟'' ایک خاتون جو باقی دونوں سے عمر میں بڑی لگتی تھیں، بارعب شائستگی سے پوچھنے لگیں۔

''آ...... ا...... جی...... لیکن..... آ..... آپ کون؟ میں پہچانی نہیں۔'' سکینہ کا سوال جائز تھا۔ جس کلاس سے ان کا تعلق لگ رہا تھا۔ اس سے سکینہ کا تعلق تو شاید پچھلی سات نسلوں میں بھی نہیں رہا تھا۔

''آپ پریشان ہو گئیں شاید۔ اس طرح اچانک ہمیں دیکھ کے۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ ہم آپ سے کچھ چھیننے نہیں.. بلکہ ایک ضروری بات کرنے یا یوں کہہ لیں کچھ مانگنے آئے ہیں۔''

اب کی بار دوسری خاتون نے نرم لہجے میں کہا تو



www.pklibrary.com

اس کے حواس تھوڑے بحال ہوئے۔

بھلا وہ ان سے کیا چھین سکتی تھیں۔ تین ننھے، ننھے کمروں کے دڑبے میں ایسے کون سے لعل جڑے تھے۔

اس نے ہڑ بڑا کے ان کو اندر آنے کا راستہ دیا اور سیلن زدہ دیواروں والے ایک چھوٹے کمرے میں لے آئی۔ جہاں خستہ حالت میں چار چھوٹے صوفے اور ہلتی ہوئی ایک پرانی میز رکھی ہوئی تھی۔ یہ کمرا شاید بیٹھک کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ جس کو ڈرائنگ روم کہنا بھی عجیب مخمصے میں ڈال دیتا۔

تینوں خواتین بلا جھجک، بڑے معمول کے سے انداز میں اندر آ کر صوفوں پر یوں براجمان ہو گئیں۔ جیسے روز یہاں آتی ہوں۔

''علیم الدین صاحب گھر پر نہیں ہیں کیا؟''

''جی، وہ کسی کام سے گھر سے باہر گئے ہیں۔ ابھی آتے ہی ہوں گے۔'' وہ جواب دے کے پھر یونہی ان کی شکل دیکھنے لگی۔

''دراصل..... ہم آپ کے گھر اپنے بیٹے کے لیے، آپ کی بیٹی عائشہ کا ہاتھ مانگنے آئے ہیں۔''

سکینہ کا منہ کھل گیا۔ اصل سکتہ تو اس کو اب ہوا تھا۔

''ہم تو چاہتے تھے کہ علیم الدین صاحب کی موجودگی میں ہی یہ بات کریں لیکن آپ کو پریشان دیکھ کے۔''

وہ اور بھی کچھ کہہ رہی تھیں لیکن سکینہ کو تو یہ بھی خیال نہیں رہا تھا کہ اپنا کھلا ہوا منہ ہی بند کر لے۔

☆☆☆

شام تک پوری گلی میں چرچے ہو گئے۔ علیم الدین کو بھی سن گن مل گئی تھی۔ کپڑے کی دکان پر ملازم تھے۔ پیسہ تھا نہ حیثیت..... سن کے ہی سوچ میں پڑ گئی کہ آخر اتنے پیسے والے لوگوں کو ہمارے گھر رشتہ کرنے کی کیا سوجھی؟

''اس میں تعجب کیا ہے۔ اپنی عائشہ کی شکل



www.pklibrary.com

صورت ہی ایسی ہے۔ جو دیکھے دیکھتا ہی رہ جائے.....''
سکینہ کی بات ٹھیک تھی۔ صورت شکل تو واقعی میں اس نے ایسی ہی پائی تھی۔ گلی محلے تو کیا خاندان میں دور، دور ایسی حسین صورت کی کوئی لڑکی موجود نہیں تھی۔ ابھی سولھواں ہی پار کیا تھا کہ رشتے آنے لگے تھے۔

میٹرک کیا نہیں کہ علیم الدین کو ہر غریب والدین کی طرح بس اس کی شادی کی دُھن سوار ہوگئی۔ یہ تو عائشہ اور سکینہ کے کہنے پر ہی اس کو مزید دو سال یعنی انٹر کر لینے تک کی مہلت ملی تھی۔

عائشہ چاہتی تھی کہ وہ دو جماعتیں اور پڑھ لے اور سکینہ چاہتی تھی کہ شکل صورت کے بل بوتے پر ہی سہی لیکن اس کا کسی اچھی... خود سے بہتر حیثیت کے گھرانے سے رشتہ آجائے تاکہ جس طرح اس نے ترس، ترس کے زندگی گزاری، کم سے کم عائشہ کو نہ گزارنی پڑے۔

''سوال یہ ہے کہ خوب صورت لڑکیاں تو ان کے اپنے خاندان میں بھی ہوں گی..... پھر.....؟'' علیم الدین نے چشمہ اتار کے تھکن زدہ انداز میں داہنے ہاتھ سے آنکھیں مسلیں۔

''ہاں تو آپ چھان بین کروائیں ناں۔''

علیم الدین چونک گئے۔

''مطلب تم راضی ہو.....؟''

''اور نہیں تو..... ارے لاٹری لگ جائے گی ہماری بیٹی کی..... اتنا پیسہ، آرام اور آسائشیں..... ہم نے تو ساری زندگی بھوک کو اپنا پیچھا کرتے دیکھا ہے۔ ہم کیا، ہمارے خاندان والے اور یہ محلے کے لوگ..... انہوں نے خواب میں بھی نہیں دیکھی ہوگی اتنی بڑی گاڑی۔''

سکینہ کی مجبوری تھی کہ ابھی اس نے گاڑی کے صرف قصے ہی سنے تھے۔ ان کا گھر، اور رہن سہن دیکھنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ اور وہ بری طرح ان سے مرعوب ہو چکی تھی۔

علیم الدین ایک بار پھر سوچ میں ڈوب گئے۔

بیٹی کا معاملہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ صحرا میں بھٹکتا پیاسا، سراب کو دیکھ کے دیوانہ وار اس کی طرف دوڑ پڑتا ہے لیکن غریبوں کے یہاں اگر کھاتے پیتے گھر سے رشتہ آجائے تو وہ بیچارے دوڑنے کے بجائے سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔

☆☆☆

علیم الدین کی اتنی پہنچ نہیں تھی کہ وہ اچھی طرح دیکھ بھال کر پاتے..... پھر ان کے گھر جانا ہوا تو ایسی چکا چوند دیکھی کہ بس دیکھتے ہی رہ گئے۔

سیدھے سادے علیم الدین اور ناخواندہ سکینہ کے لیے تو ان کی کراکری، دبیز قالین اور مدارات کے طویل سلسلے ہی کافی تھے۔

پھیکی، کالی، پتلی چائے پینے والوں کے لیے گرین ٹی کا مزہ ہی اتنا مسحور کن تھا کہ وہ رشتے والی بات میں اپنی مرضی کی نہ تو کیا ہاں کرنا بھی بھول گئے۔

انہیں تو میزبانی کے آداب ہی نہ آتے تھے، رشتے داری تو بہت ہی اونچی چیز تھی۔

گھر واپسی تک سکینہ کی آنکھیں پھٹی، پھٹی تھیں۔ باچھیں چری جا رہی تھیں۔ علیم الدین بھی لبوں میں مسکراہٹ دباتے اور وہ پھر چھلک پڑتی۔

بیٹی کی صورت کبھی اتنی بھاگوان بھی ثابت ہوگی، یہ تو خوابوں میں بھی نہ دیکھا تھا۔

وہ کوئی پہلی اور آخری حسین لڑکی نہیں تھی۔ اس سے پہلے بھی بہت جوان ہوئیں اور ان ہی کے جیسے بھوکے، ننگے خاندانوں میں کھپ گئیں۔ نہ کسی نے ایسے پوچھا، نہ کسی کا ایسا جوڑ ملا جیسا اب بننے جا رہا تھا۔

اونچا لمبا گورا چٹا وقار الحسن جب اپنے پورے قد کے ساتھ انہیں الوداع کہنے کو کھڑا ہوا تو ان کا دل چاہا کہ وہ یونہی بار، بار اس سے ملنے جائیں اور وہ ہر بار یونہی تعظیماً ان کے لیے اٹھ کے کھڑا ہو جائے۔

وہ اِک سوال جو خدشے کی صورت میں ان کے دل میں جاگا تھا اس کا جواب بھی انہوں نے خود ہی دیا۔

''دیکھیں بھائی صاحب۔'' یہ لڑکے کے والد تھے۔

''بات یہ ہے کہ آپ دیکھ ہی چکے ہیں اللہ نے ہمیں بہت نوازا ہے۔ کسی شے کی کمی نہیں اللہ کے فضل سے..... پھر آپ سوچتے ہوں گے کہ ہم آپ ہی کے گھر کیوں آئے۔ ہمارے اپنے سرکل میں بھی لڑکیاں موجود ہیں۔''



www.pklibrary.com

وہ پل دو پل کو رکے تھے۔ لیکن اس مختصر دورانیے میں علیم الدین کو ان کی بات مکمل ہونے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ ان کو تو اب شاید اس خوابوں کے محل سے نکلنے کی بھی کوئی جلدی نہیں تھی۔

''ہمیں ایسی لڑکی چاہیے جو دیندار اور اخلاق و تہذیب والی ہو۔ صوم وصلوٰت کی پابند..... اچھے اطوار کی، گھر کو جوڑ کے رکھنے والی..... آج کل کی نوجوان نسل میں یہ اقدار ناپید ہوتی جارہی ہیں۔''

وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہے تھے لیکن عورتوں میں بیٹھی سکینہ نے ان کا طویل مدعا علیم الدین کی زبانی آدھا ادھورا سنا تو اپنی مرضی سے شارٹ کر کے دوسروں کے گوش گزار بھی کر دیا۔

''بس ان کو اچھی صورت کے ساتھ اچھی سیرت اور شرافت کی تلاش تھی۔ آئے ہائے..... آج کل کے نئے، نئے پیسے والے لوگوں کا کوئی بھروسا نہیں۔ اور کیا پتا کسی کی لڑکی کے لچھن کیا ہیں..... اسی بات سے گھبراتے ہیں وہ..... کیا بتاؤں عائشہ..... کس قدر دیندار، پردے دار اور کتنے پیسے والے لوگ ہیں۔ اللہ نے تمہارے نصیب کھول دیے میری بچی۔ بس میں تو اگلے ہی جمعے ان کو بلا رہی ہوں بات پکی کرنے.....''

فیصلہ کتنا مشکل لگ رہا تھا اور کس قدر جلد اور آسانی سے ہو گیا۔

ابھی بات پکی بھی نہیں ہوئی تھی کہ انہوں نے عائشہ کے لیے قیمتی شال تحفتاً بھیج دی تھی۔ جس کے ملائم ریشم پر اپنا دودھیا ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے تصور کی آنکھ سے وقار الحسن کو دیکھا۔ پھر شرما کے اسی شال میں منہ چھپا لیا۔ جس میں سے مہنگے پرفیوم کی مسحور کن مہک اٹھ رہی تھی۔

☆☆☆

سامنے رکھی تصویر میں وجاہت اپنی پوری آن بان اور شان کے ساتھ سر اٹھا کے کھڑی تھی۔ چند لمحے تصویر تکتے رہنے کے بعد گویا اس نے خود کو خود ہی حال میں واپس کھینچا تھا۔ ورنہ تصویر میں دکھائی دیتے شخص نے اس کے حواس اس طرح جکڑے تھے کہ وہ چند لمحوں کے لیے بالکل پتھر سی ہو گئی تھی۔

''شادی کی جلدی ہے ان لوگوں کو اور.....''

''اور.....؟'' وہ اپنی دوست کی آواز پر چونکی تھی۔

''اور ہمیں بھی انتظار کس چیز کا کرنا ہے۔'' اس کی دوست کی شرمائی شرمائی، جھینپی ہوئی آواز، اس کی سماعتوں پر شدید گراں گزری۔

تصویر پر جمی ہوئی اس کی نگاہوں میں حیرت کے بعد رشک کی جگہ اب، حسد اور حسرت کے تاثرات ابھر رہے تھے۔ جنہیں دبانا شاید اس کے بس سے باہر تھا۔ جبھی وہ ایک دم سے واپسی کے لیے اٹھ گئی۔

''کیا ہوا ایک دم سے.....؟''

''کچھ نہیں..... دال چڑھا کے نکلی تھی۔ جل جلا گئی تو..... اماں کا پتا ہے ناں.....'' اس نے دل میں اٹھتی تمام تر کوفت کو ماں کے نام سے جھاڑا۔

''ابھی ابھی تو آئی ہو۔ کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔''

''اب کوئی بات باقی رہ گئی ہے کیا۔'' دل ہی دل میں اس نے کلس کے سوچا۔

''میں آؤں گی دوبارہ فرصت سے..... پھر سنوں گی تمہاری رام کہانی۔''

اس نے اپنی دوست کے جگمگاتے چہرے کو دیکھ کے زبردستی مسکراہٹ اپنے پھیکے رنگ کے ہونٹوں پر سجائی۔ اسے معلوم تھا وہ زیادہ دیر تک ایکٹنگ کر نہیں سکے گی۔ اس لیے تیزی سے باہر نکل گئی..... گھر کا راستہ گولی کی سی رفتار سے طے ہوا۔ چند منٹوں کے اس سفر میں اس نے اپنی قسمت کا ہر ہر رونا رو دیا۔ خدا سے گلے شکوے بھی کر لیے۔

وہ کون سی کمی اور محرومی تھی جو آج یاد نہ آئی تھی۔ بچپن سے گھر میں بھوک اور افلاس کا رقص دیکھا، دیکھ کر بھی وہ اس کی عادی نہیں ہوئی تھی۔ اور اب اپنی سب سے قریبی دوست کے حال ہی میں طے پا جانے والے اس رشتے نے اس کے دل میں آگ سی لگا دی تھی۔ اس کی حالت ایسی تھی جیسے چونٹیوں بھرے شاہی ٹکڑے کو کسی نے ذرا سا ہلا دیا تھا۔ ذرا سا دھکا لگتے ہی، جلن، حسد اور خود ترسی کی چیونٹیاں بلبلا کے دل سے ابل رہی تھیں اور



www.pklibrary.com

اس کے دماغ میں بار، بار ڈنک مار رہی تھیں۔

☆☆☆

پورا ملک بلکہ پوری دنیا، وبائی مرض کی لپیٹ میں آگئی تھی۔ بالکل اچانک، آندھی طوفان کی طرح کسی شہر سے پھوٹی اور دیکھتے، دیکھتے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

طرح، طرح کی افواہیں، سچی جھوٹی خبریں روزانہ کی بنیاد پر سننے میں آرہی تھیں۔

ملک میں لاک ڈاؤن کی خبریں گرم ہو رہی تھیں۔ ایک ان دیکھی برائی تھی جو قدم بہ قدم ان کی جانب بڑھ رہی تھی۔

عائشہ کے رشتے والا معاملہ بھی کھٹائی میں پڑ گیا۔

سب جگہ لاک ڈاؤن کا نفاذ ہو گیا۔

علیم الدین اور سکینہ بھی کچھ دن کے لیے باقی سب کی طرح گھر میں دُبک گئے اور صبر سے لاک ڈاؤن کھلنے کا انتظار کرنے لگے۔ پندرہ دن کی مدت گھر بیٹھے دعائیں کرتے ختم ہو نہیں پائی تھی کہ لاک ڈاؤن کی مدت بڑھا دی گئی۔

باہر آنا جانا، مارکیٹ، دکانیں، اسکول، تفریحی مقامات سب پر تالے پڑ گئے۔

مہینہ گزر نہیں پایا تھا کہ وہی تالا سکینہ کو اپنے نصیب پر لگتا دکھائی دیا۔ پہلی بار علیم الدین کے ہاتھ میں گھر بیٹھے تنخواہ آئی تو اس میں چالیس فیصد کٹوتی کی گئی تھی۔ کاروبار معطل ہونے کی وجہ سے اٹھائے جانے والے نقصان کی مد میں۔ سکینہ کو تو بہت تاؤ آیا۔

''اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ کیا بیماری ہم نے پھیلائی ہے؟'' وہ بھی کتنا بول سکتی تھی۔ اپنے شوہر کے چہرے پر پھیلے فکر مندی کے مہیب سایوں نے اسے زیادہ بولنے کی اجازت نہیں دی۔

وقت نے ثابت کیا کہ علیم الدین جس خدشے کا اظہار نہیں کر سکے تھے۔ وہ بدترین حقیقت بن کر ان کی چوکھٹ پر آ کے بیٹھ گیا۔

اگلے مہینے تنخواہ نہیں آئی اور اس سے اگلے، تنخواہ کے بجائے نوکری سے فراغت کا پیغام آ گیا۔

ان کے خاندان نے وہ وقت بھی دیکھا جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ فاقے، غربت اور تنگدستی کی انتہا پر شدید مایوسی اور بے بسی نے حواس سلب کر رکھے تھے۔

دکانیں بند پڑی تھیں اشیائے خورونوش عنقا ہو چلی تھیں۔ محلے کے دکانداروں نے ادھار دینے سے انکار کر دیا تھا۔ گلی محلے میں کم و بیش سب کی یہی حالت ہو گئی تھی۔ ایک جیسے لوگ تھے۔ کوئی دیہاڑی دار، کسی کی ہوائی روزی..... جو اللہ کے کرم سے ابھی تک نوکری سے لگے ہوئے تھے ان کو اپنے لالے پڑ گئے تھے۔

ایسی ہی ایک دم توڑتی شام میں ایک بار پھر ایک سیاہ کار گلی کے باہر چوڑی سڑک پر رکی اور سب جگہ تھلبلی سی مچ گئی۔

کون سی چیز تھی جو راشن کے سامان کے ساتھ نہیں آئی تھی۔ باورچی خانہ پہلے منہ تک بھرا پھر ابلنے لگا۔

صابن، شیمپو کی امپورٹڈ بوتلیں جن کے نام بھی انہوں نے پہلی بار سنے تھے۔ کئی طرح کی انوکھی خوشبوؤں والے صابن، چاکلیٹس، چٹنیوں، ساسز، کے کانچ کے جار، نوڈلز کے پیکٹ اور تیار مسالا جات، آٹا، چینی، چاول جیسے روایتی راشن کے علاوہ تھے۔ یہی نہیں دودھ کے کارٹن، انڈے، مکھن کے ٹب، جیم اور سب سے خاص چاکلیٹ کی بوتل..... ڈبل روٹی، تیار فروزن پراٹھے..... اور جانے کیا کیا۔

چھوٹا سا سیکنڈ ہینڈ فریج بدہضمی کا شکار ہو گیا۔ دو ملازم بت کے جیسی شکلیں بنائے، گھر کے کھلے دروازے سے کئی بار اندر باہر آئے گئے۔ اور ایک علیحدہ سا کھڑا شخص ان کو ہدایات دیتا رہا۔ جو اپنی وضع قطع سے ملازموں میں ذرا اونچے درجے پر دکھتا تھا۔

جب سارا سامان گھر کے اندر رکھ دیا گیا اور بمشکل کچن کے باہر والے حصے میں صرف گھر والوں کے بیٹھنے کی جگہ بچی تو ادب سے گویا ہوا۔

''بڑے صاحب نے کہلوایا ہے کہ وہ معذرت چاہتے ہیں۔ وبائی مرض کے پھیلنے کی احتیاط کے سبب وہ خود نہیں آسکے اور سامان بھجوانے میں کچھ تاخیر ہو گئی۔''

علیم الدین جو اتنی دیر سے ہق دق کھڑے تھے۔



www.pklibrary.com

ایک دم گڑبڑا سے گئے اور سکینہ کا بس نہ چلا کہ جا کے بڑے صاحب کے قدموں میں گر جائے۔

مزید کچھ بھی کہے سنے بغیر، جس قطعی انداز میں وہ تشریف لائے تھے اسی اسٹائل میں بے تاثر چہروں کے ساتھ باہر نکلے اور گھر والوں کے ساتھ، ساتھ پورے محلے کو حیران پریشان چھوڑ کے یہ جا وہ جا۔

☆☆☆

ہر جگہ عائشہ کی سسرال کی دھوم مچ گئی۔ ان کے اقرار کے بنا ہی سب نے عائشہ کی سسرال خود بخود فرض کر لی۔ ظاہر ہے اب اس کے بعد انکار کا کوئی جواز باقی بھی نہیں بچا تھا۔

بہر حال، وہ مشکل وقت گزر گیا جو علیم الدین اور سکینہ کے لیے کسی بھی طرح مشکل نہیں رہا تھا۔ چھ ماہ کا راشن گھر میں اکٹھا ہو گیا تھا۔ ایسے موقع پر سکینہ نے پوری ایمانداری سے محلے داری نبھائی اور تھوڑا، تھوڑا سامان پاس پڑوس اور عائشہ نے اپنی سب سے قریب ترین سہیلی شازیہ کو بھی بھیجا۔

اس نے جب سنا کہ اس کی سسرال والوں نے اتنا سب بھجوایا تو اس کے دل میں کبھی کا دبا ہوا احساسِ کمتری پھر عود کر آ گیا۔

عائشہ اس کے بچپن کی سہیلی تھی لیکن ان کی دوستی کی تب ہوئی جب لڑکپن کی دہلیز پر قدم رکھا اور گلی میں کھیلنا بند ہو گیا۔

اس کے بعد سے بس ایک عائشہ اور شازیہ ہی رہ گئی تھیں جنہیں ایک دوسرے کے گھر جانے کی اجازت تھی۔ باقی سب سے ساتھ چھٹا تو دوستی خود بخود پلتی، پھلتی گئی۔

شازیہ ہمیشہ اپنی قسمت سے نالاں اور شاکی رہی تھی۔ اسے خدا سے یہ شکوے اور شکایتیں کرنے کی بہت عادت تھی کہ خدا نے انہیں دوسروں کی طرح امیر کیوں نہیں بنایا۔ وہ اکثر اپنی سوچوں کا اظہار عائشہ کے سامنے کرتی اور عائشہ ہمیشہ اسے الگ انداز میں سمجھاتی۔

"شکر کرو ماں باپ اور بہن بھائی دیے۔"

"شکر کرو۔ معذور تو نہیں ہیں ناں..... نہ کسی پر


بہترین تحریریں، لاجواب روداد اور
اعلیٰ داستانیں پڑھنے والوں کے لیے
سرگزشت کا مطالعہ ضروری ہے

ماہنامہ سرگزشت کراچی

شمارہ مارچ 2021ء
کی جھلکیاں

ستم رسیدہ
سقوطِ حیدرآباد کا پس منظر،
سفیر حیدرآباد کا زندگی نامہ

چار درویش
مرجع خلائق کا تذکرہ، جن
کا ذکر بھی رہنما ٹھہرے

بادبان
فلمی دنیا کے وہ ہنرمند جنہوں
نے فلمی صنعت کو عروج بخشا

بے سائبان
والدین کی بے توجہی کا شاخسانہ،
دلچسپ سچ بیانی

اس کے علاوہ
آخری مراحل میں داخل ہوتی سفر کہانی **سفر**
**پبلا پبلا** لہو کی گردش تیز کر دینے والی طویل
کہانی **روسیاہ** ادب نوازوں کے لیے
انعامی مقابلہ **ادب شناس** ذوق مطالعہ کی
تسکین کے لیے اور بھی بہت کچھ۔

بس ایک بار پڑھ کر دیکھیں،
آپ خود گرویدہ ہو جائیں گے۔




www.pklibrary.com

بوجھ ہیں۔"

"اللہ کا شکر ہے، بہت سوں سے اچھے ہیں۔"

اور کبھی.....

"شکر کرو مسلمان پیدا ہوئے یہی کیا کم ہے۔"

شازیہ کبھی چڑ جاتی کبھی فوراً تائب ہو جاتی۔ کبھی بہت سوں سے اچھے ہونے والی بات پر وہ چڑ بھی جاتی۔

"میں تو نہیں کرتی شکر..... تم ہی کرو۔ لاکھوں میں ایک شکل جو مل گئی ہے۔"

عائشہ اس کی ان باتوں کو کبھی خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ اسے معلوم تھا۔ شازیہ کے دل میں ذرا، ذرا سی چیزوں کو ترسنے کی وجہ سے کچھ گلے پیدا ہو گئے ہیں بس..... ورنہ وہ دل کی بری نہیں ہے۔

اسے کیا معلوم تھا کہ اب اس سہیلی کے دل میں جو بچپن سے اس کے ساتھ رہی، کھیلی، پلی، بڑھی تھی، اپنی ہی سہیلی کے خلاف جلن اور حسد کے جذبات پیدا ہو گئے ہیں۔

اسے کیا معلوم تھا کہ گھر وہی تھا۔ وہ خود وہی تھی لیکن دل بدل رہا تھا۔

☆☆☆

لاک ڈاؤن ختم ہونے تک وقار الحسن کی فیملی نے ان کو اپنا بے دام کا غلام بنا لیا۔

بے انتہا سادگی سے کی گئی رسم میں بات چیت پکی ہو گئی اور دو ماہ میں ہی اس کی شادی اسی خاموشی اور سادگی سے نمٹا دی گئی۔

سب انتظام..... سب کچھ..... علیم الدین کے پلے تو چند ہزار بھی نہیں تھے۔ اس نے قرض لے کے چند نفوس کی بارات کا کھانا کیا۔ یہاں تک آ کے اس کی عزتِ نفس بالآخر جاگ ہی گئی۔ اور عائشہ نے ایک خواب کے فسوں میں کسی تاج محل میں قدم رکھا۔ اور گویا وہاں کی ملکہ بن گئی۔

زندگی..... یہ زندگی تو نہ لگتی تھی۔ ایک خواب کی کیفیت تھی جس سے وہ ہولے، ہولے گزر رہی تھی۔

وقار بے انتہا محبت کرنے والے شوہر ثابت ہوئے۔ اتنی پزیرائی تو اس نے خواب میں بھی نہیں سوچی تھی۔ صورتِ حال ایسی تھی کہ اسے یقین تھا اگر وہ دن کو رات کہہ دیتی تو وقار فوراً اس کی ہاں میں ہاں ملا دیتے سکینہ نظر بھر کے اسے دیکھتی تک نہ تھی۔ مبادا اپنی ہی نظر لگ جائے۔ ہر بار مرچیں وار، وار جلاتی اور ہر چکر پر ہی عائشہ تھوڑی دیر کو سب بھول بھال کے اپنی پیاری سہیلی شازیہ سے ملنے ضرور جاتی جو خود بھی اس سے ملاقات کے لیے بے چین اس کے آنے کے دن گنا کرتی تھی۔

وہ وقار کی باتیں اس کے گھر کے الف لیلوی قصے سنا، سنا کے شازیہ کے شوق کو مہمیز کرتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ ایک دن اس نے خود ہی عائشہ کی سسرال جانے کی فرمائش کر دی۔

عائشہ کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

وقار اور اپنی ساس کی اجازت سے اس نے ایک دن، شام تک کے لیے اسے اپنے گھر بلا لیا۔ وہ یادگار دن دونوں دوستوں نے ساتھ مل کے گزار... خوب باتیں کیں اور یادیں تازہ کیں۔ اور وہاں سے واپسی پر شازیہ اپنے کندھوں پر احساسِ کمتری کی ایک نئی گٹھڑی باندھ کے لے آئی۔

☆☆☆

رفتہ، رفتہ شازیہ کا وہاں جانا اور عائشہ کے ساتھ دن گزارنا معمول بن گیا۔

دو ماہ بعد اسے اپنے ماں بننے کی نوید ملی اور گویا اس کی دنیا مکمل ہو گئی۔

اتنا پیار، محبت، پیسہ، آسائشیں..... اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچی تھیں۔

گھر کے کاموں میں اس کا حصہ بس اتنا ہی تھا کہ وہ دیکھ بھال کر لے۔ کھانا کیا پکے گا یہ فیصلہ بھی اس کے اوپر تھا۔ جب جو کھانے کا دل کرے اپنے لیے بنوانے کی آزادی تھی۔ کئی ہفتے تک تو روز نت نئی ڈشز کے نام سنتی، سیکھتی اور چکھتی ہی رہی۔ دل ہی دل میں شرمندہ بھی ہوتی اور اپنے ساس سسر کی شکر گزار بھی..... کہ انہوں نے اس کی کم حیثیتی کو کبھی جتایا نہیں۔ کم علمی کا مذاق نہیں بنایا۔ وہ ان کی محافل میں اٹھنے بیٹھنے کا سلیقہ نہیں جانتی تھی۔ وہ بھی سیکھ رہی تھی لیکن کسی



www.pklibrary.com

جھجک کے بنا۔ شوہر اور سسرال والوں کی حوصلہ افزائی کے سبب وہ خود اعتمادی جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھی اور نئے ماحول کو دیکھ کے ساتھ چھوڑتی جارہی تھی۔ دوبارہ سے اس کے اندر پنپنے لگی۔

ذرا روز و شب معمول کے مطابق چلنے لگے تو اس کے ساس سسر نے بیرون ملک واپسی کی ٹھان لی۔ انہوں نے رشتے کے آغاز میں ہی یہ بات بتادی تھی کہ وقار زیادہ تر پاکستان میں اکیلا ہی ہوتا ہے۔ وہ کبھی مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لیے اور کبھی کسی ریسرچ اسکالرز وغیرہ کی صحبت سے فیض اٹھانے کے لیے ملک سے باہر جاتے رہتے تھے۔ وہیں ان کی رہائش بھی تھی۔ پاکستان بھی آنا جانا رہتا تھا۔ اب بیٹے کی شادی کے سلسلے میں آئے تھے تو زیادہ دن کے لیے رکے ہوئے تھے۔ ابھی اسے حمل ٹھہرے دوسرا ہی مہینہ تھا۔

''میں اتنے بڑے گھر میں اکیلی.....'' وہ گھبرا سی گئی۔ وقار سن کے مسکرا پڑے۔

''کچھ دن کی تو بات ہے۔ پھر تمہارے پاس ایک ننھا کھلونا آجائے گا۔''

اسے منہ چھپانا پڑا۔ وقار کی پُرکشش اور بارعب شخصیت سے ویسے ہی جھجک آتی تھی۔ وہ خود تو بے تکلف تھے لیکن عائشہ بے ساختہ خوشی کا اظہار کرتے، کرتے رک جاتی۔ اسے اِک بے نام سی شرم گھیر لیتی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس کی اور وقار کی عمر میں بھی دس سال کا فرق تھا۔ وہ خود چھوئی موئی سے تھی اور وقار کا سراپا لمبا چوڑا.....

پورے قد سے سامنے کھڑے ہوتے تو عائشہ پر جیسے سایہ سا پڑ جاتا۔

''جب تک آپ اکیلی ہیں۔ اپنی امی کے پاس چلی جایا کریں۔''

''روز.....!'' اس نے حیرت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''ظاہر ہے۔ میں آفس سے آتے ہوئے لے آیا کروں گا۔''

''آپ روز مجھے لینے آئیں گے۔'' اس کے لیے تو بہت حیرانی کی بات تھی۔

''ظاہر ہے آپ روز مجھے چھوڑ، چھوڑ کے جائیں گی تو لینے تو آنا پڑے گا۔''

عائشہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ایسا قدر دان جیون ساتھی ملنے پر اپنے رب کا کیسے شکر ادا کرے۔

طے پا گیا۔

عائشہ ڈرائیور کے ساتھ چلی جاتی۔ وقار واپسی پر لیتے ہوئے آجاتے۔

اس بہانے علیم الدین اور سکینہ کے بھی مزے ہوگئے۔ روز موسم کے پھل اور دوسری طرح، طرح کی مزے، مزے کی کھانے پینے کی چیزیں۔ دودھ اور جوس کے ڈبے، ملٹی وٹامن، ایسے بھی جن کی عائشہ کو ضرورت نہیں تھی۔ ان کے پاس پہنچنے لگے۔

سکینہ اور علیم کا گھر اور جسم دونوں بھرنے لگے۔ دن میں ایک بار سجدۂ شکر تو لازم ہی ہوگیا۔

شازیہ اور اس کے گھر والے بھی گاہے گاہے مستفید ہو جاتے۔

سکینہ خود سے بھی بڑھ کے عائشہ کا خیال رکھ رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ بیٹی کے قدموں کے نیچے ہتھیلیاں رکھ دے۔

اس پُرسکون اور مکمل ماحول میں ہلچل کا پہلا کنکر اس روز پڑا، جب محلے کے کسی شرارتی بچے نے وقار کی گاڑی کا ونڈ اسکرین پتھر کی زوردار ضرب سے توڑ ڈالا۔

☆☆☆

عائشہ کی جان حلق میں آگئی۔

وقار کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی نے اسے پہلی بار ڈرایا تھا۔

اس سے پہلے کبھی وقار اس کی موجودگی میں یوں خاموش نہیں ہوئے تھے۔ علیم الدین اور سکینہ تو باقاعدہ گڑگڑانے لگے تھے۔ علیم الدین کا بس نہیں چلتا تھا کہ وقار کی قیمتی گاڑی کو نقصان پہنچانے والے کو جان سے ہی مار ڈالے۔

وقار سنجیدہ ضرور تھے۔ وہ اور عائشہ واپسی کے لیے گلی کے باہر تک آئے تو ہمیشہ کی طرح ماں، باپ اسے چھوڑنے آئے تھے اور اس وقت ان پر یہ انکشاف ہوا تھا۔ لیکن وقار نے ان سے کچھ بھی نہیں کہا بلکہ ان



www.pklibrary.com

کے معذرت کرنے پر خود بھی شرمندگی کا اظہار کیا تھا۔ وہ دونوں کسی حد تک مطمئن ہو گئے تھے۔ لیکن عائشہ نہیں۔

عائشہ کے دل کو پنکھے لگ گئے تھے۔ وہ ہر صورت میں وقار کو پہلے کی طرح ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتی تھی۔ لیکن وقار کی خاموشی اس کی ہمت توڑ رہی تھی۔

رات میں وہ دیر تک اپنی اسٹڈی میں رہے۔ عائشہ ان کا انتظار کرتے، کرتے سو گئی۔ نیند میں بھی ایک بے چینی کا عالم رہا۔

صبح آنکھ کھلتے ہی وقار کو اپنے نزدیک جاگتا ہوا پا کر اس کی جان میں جان آئی۔

''عائشہ! میں نے سوچا ہے۔ آپ کے پیرنٹس کا اس جگہ رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ میں خود بھی اب وہاں ایزی فیل نہیں کروں گا۔ اچھا ہوگا اگر وہ گھر چینج کر لیں۔''

ناشتا کرتے، کرتے ان کی بات سن کر عائشہ کو اچھو لگ گیا۔ وقار اس کی کیفیت سمجھ رہے تھے۔ جلدی سے اس کو پانی پلایا پیٹھ تھپکی۔

''لل..... لیکن کیسے..... وہ..... تو..... ان کے پاس تو اتنے.....'' عائشہ بری طرح سہم گئی۔ یوں لگ رہا تھا کوئی نہ کوئی پابندی اس کا انتظار کر رہی ہے اور اب شاید وہ اپنے ماں باپ سے ملنے نہیں جا سکے گی۔

''آپ اتنی پریشان کیوں ہو گئیں۔ میں کب کہہ رہا ہوں کہ وہ خود سے کوئی انتظام کریں۔ میں دلوا دوں گا رینٹ پر..... میں خود پے کروں گا، آپ کیوں اتنی فکر کر رہی ہیں۔'' اس کے منہ سے بات کیا نکلی۔ عائشہ اپنی کھانسی بھول گئی۔ بجائے خوشی کے اسے انتہا کی حیرت نے گھیر لیا۔

''آ..... آپ..... لیکن کیوں، آپ اتنا کچھ.....''

''کیونکہ اگر میرا سب کچھ آپ کا ہے اب تو کیا آپ کے پیرنٹس میرے نہیں.....''

عائشہ یونہی بے یقین نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ اس کی اپنی ذات تک تو بات ٹھیک تھی لیکن.....

''دیکھیں عائشہ!..... جس کسی نے بھی یہ کیا یقیناً حسد یا جلن میں کیا..... ورنہ میری وہاں کسی سے کیا دشمنی ہے اور میں نہیں چاہتا کل کو آپ یا میرا ہونے والا بچہ کسی کی جلن یا حسد کا شکار ہو۔ آپ کی حفاظت بھی میری ذمے داری ہے..... میں آپ کو ان سے ملنے سے نہیں روک سکتا لیکن ان کو کسی محفوظ جگہ پر منتقل تو کر سکتا ہوں۔ اور وہ میں ضرور کروں گا۔''

عائشہ کی آنکھیں بے ساختہ بھر آئیں۔ اسے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ اب کہے تو کیا کہے۔

''لیکن امی، ابا..... شاید وہ نہ مانیں۔'' بے ساختہ نظریں جھکا کے اس نے خدشے کا اظہار کیا۔ اسے خود بھی ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔

''آپ وہ مجھ پر چھوڑ دیں..... میں ان کو منا لوں گا۔''

عائشہ کے پاس کرنے کو کوئی بات نہ بچی۔

☆☆☆

زیادہ دن نہیں لگے۔ علیم الدین اور سکینہ ایک بہت اچھے اور خوب صورت فلیٹ میں منتقل ہو گئے تھے۔ گو کہ یہ فلیٹ عائشہ کے گھر کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھا، لیکن انہیں کوئی مقابلہ تھوڑا ہی کرنا تھا۔ ان کی تو لاٹری نکلی تھی۔ نئے سفر کا ایسا فری ٹکٹ ملا تھا جس پر انہیں بس آگے ہی آگے سفر کرنا تھا۔ پیچھے اب رکھا ہی کیا تھا جو مڑ کے دیکھتے۔

شازیہ اس سے لپٹ کے بہت روئی۔ اس کا اپنا دل بھی بھرا ہوا تھا لیکن اس کی کنڈیشن ایسی نہیں تھی کہ وہ زیادہ اسٹریس لے سکتی۔ وقار نے سختی سے رونے دھونے سے منع کیا تھا اور اسے یقین دہانی کروائی تھی کہ وہ جب چاہے اپنی دوست سے ملنے یہاں آ سکتی تھی۔

بظاہر وہ ایک مطمئن، خوش اور بھرپور زندگی گزار رہی تھی۔ جس میں کوئی غم اور پریشانی نام کو بھی نہیں تھی۔ لیکن زندگی ہمیشہ ایک سی تو نہیں چلتی۔ کہتے ہیں پاؤں تر کیے بغیر سمندر پار کیا جا سکتا ہے لیکن روئے بغیر زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔

اس کی زندگی میں بھی بہت خاموشی سے دبے پاؤں کچھ ایسا آیا۔ جس نے اس کے مسکراتے لبوں سے مسکراہٹ نوچ لی۔ اس کا دل لخت، لخت ہو گیا۔ اور جسم نیم مردہ..... ایک ایسی حقیقت، جو اول دن سے اپنا منہ چھپائے بیٹھی تھی۔ کسی خون آشام بلا کی طرح،



www.pklibrary.com

اچانک ہی اپنا بھیانک چہرہ لے کے اس کے سامنے آئی اور وہ پتھر کی طرح، بے جان ہوگئی..... خوف سے نہیں..... غم و غصے سے۔

☆☆☆

کتاب اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کے زمین پر جا گری۔ وقار کی اس کی طرف پشت تھی۔

وہ بیٹے کی پیدائش کے بعد جتنی کمزور ہوگئی تھی اس کی ریکوری میں بہت وقت لگ گیا تھا۔ وجہ تھی ڈلیوری سے چند دن پہلے ہی بگڑنے والی اس کی کنڈیشن..... جانے کس بات نے اسے اس قدر ٹینشن دی کہ.... بلڈ پریشر خطرناک حد تک شوٹ کر گیا۔ بمشکل اسے واپس نارمل کیا گیا۔ بچے اور ماں دونوں کی جان کو خطرہ تھا۔ ایسی حالت میں فوراً آپریشن بھی نہیں کر سکتے تھے۔

علیم الدین، سکینہ اور خود وقار بھی بری طرح بوکھلا کے رہ گئے۔ ساس سسر کا ابھی واپسی کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ وہ کسی اسلامک ریسرچ سینٹر سے منسلک تھے اور ان کا سال کا زیادہ عرصہ باہر اپنے کاموں کے سلسلے میں مصروف رہ کے گزرتا تھا۔

عائشہ نے کبھی نہ ان کے کاموں کی تفصیل پوچھی تھی نہ ضرورت محسوس کی تھی۔

ایسے وقت میں علیم الدین اور سکینہ ہی اس کے پاس تھے۔ وقار کو ان باتوں کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ ڈاکٹر کے مشورے، تسلی اور یقین دہانی کے بعد کنڈیشن کچھ نارمل ہوتے ہی آپریٹ کر دیا گیا۔ اور وہ ایک ننھے منے سے فرشتے جیسے معصوم بیٹے کی ماں بن... گئی تھی۔

لیکن جانے کون سا روگ اس کی جان کو لگا تھا کہ وہ اتنی بڑی خوش خبری ملنے کے بعد بجائے خوش ہونے کے زار و زار رو پڑی تھی۔

اسے کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کس صورتِ حال میں پھنسی ہے یا پھنسنے والی ہے۔ آگے کنواں پیچھے کھائی جیسی صورتِ حال..... اظہار بھی مشکل چپ رہ بھی نہیں سکتے..... کی طرح.....

ماں بننے کی خبر سننے کے بعد بھی ٹکر ٹکر خاموشی سے سب کی شکلیں دیکھتی رہی۔ یوں لگتا تھا اس کا ذہن حاضر نہیں ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے منظر چل پھر رہے ہیں لیکن وہ کچھ سوچنے یا سمجھنے کے قابل نہیں ہے۔

سکینہ کو محسوس ہوا جیسے وہ کسی چیز کے جھپیٹے میں آ گئی ہے۔ اس کی اپنی جھاڑ پھونک شروع ہوگئی۔ وقار خود ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے انہوں نے ڈاکٹرز کی قطار اور دواؤں کے ڈھیر لگا دیے۔ ایک مستقل ملازمہ خاص طور پر اس کی اور ننھی جان کی دیکھ بھال کے لیے رکھی گئی۔

گہری توجہ، محبت اور دواؤں کے اثر سے، اس کی جسمانی کنڈیشن تو بہتر ہوگئی لیکن ذہنی طور پر لگا ہوا آزار اس کی جان کو نہیں روح کو چمٹ گیا تھا۔

وہ نہ اپنے بیٹے کی طرف دیکھتی تھی۔ نہ اسے زیادہ پیار کرتی تھی۔ فیڈ کروانے کے لیے بھی بادلِ ناخواستہ راضی ہوتی۔ ساتھ ہی ہر بار کہتی کہ اس کو فیڈر لگا دیں۔ مجھ سے اتنی دیر بیٹھا نہیں جاتا۔

پیلا زرد چہرہ اور حلقوں میں دھنسی آنکھیں اندرونی خلفشار کی غماز تھیں۔ اسی لیے جب کم و بیش بیس، بائیس دن کے بعد اس نے وقار کی موجودگی میں اسٹڈی میں قدم رکھا تو وقار کے چہرے پر جو خوشی تھی وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی اور یہی خوشی اس کے اپنے دل پر انگارے بن کے برس گئی تھی۔

اس نے کس دل سے خود پر ضبط کیا تھا یہ وہ خود ہی جانتی تھی۔

وقار بہت دیر تک اس کے بولنے کے منتظر رہے۔ لیکن وہ بس کبھی انہیں دیکھ کے مسکرا دیتی اور کبھی یونہی کتابوں سے بھری الماریوں پر نگاہیں دوڑانے لگتی۔

وقار اس کی خاموشی سے تھک کے اپنا کام کرنے لگے۔ وہ اٹھ کے اس مخصوص شیلف کے پاس چلی گئی۔ جس میں سے اکثر وقار کوئی نہ کوئی کتاب نکال کے پڑھتے تھے۔ یہ خاص شیلف تھا جس کی صفائی وہ خود ہی کرتے تھے۔ ملازمین کو اسے ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں تھی۔ زیادہ تر وقت یہ الماری جس میں شیشے کے دروازے لگے تھے۔ لاکڈ رہتی تھی اور اگر کبھی لاکڈ نہ بھی ہو تو عائشہ نے کبھی اس کے نزدیک آ کے دیکھنے کی



www.pklibrary.com

ضرورت محسوس ہی نہیں کی تھی۔

آہ..... اس کے دل سے درد کی لہر اٹھی اور پورے جسم میں سرائیت کرگئی۔

''میں نے تو کبھی کچھ بھی جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کی بس..... جو نظر آ گیا اسی کو بہت جان لیا۔ نہ اس سے زیادہ سوچنے کی زحمت کی نہ غور کرنے کی.....'' اس نے ہاتھ بڑھا کے ادھ کھلے دروازے کو ذرا سا اور کھولا اور یونہی ڈبڈباتی نظریں کتابوں پر دوڑانے لگی۔

بہت سے نام، جو اس نے پہلے کبھی نہیں سنے تھے اور بہت سے موضوعات جو اس سے پہلے کبھی نہیں جانے تھے۔

اس نے گردن موڑ کے وقار کو دیکھا۔ وہ اس کی طرف سے پشت کیے بیٹھے تھے۔

بے آواز انداز میں اس نے سامنے رکھی ایک کتاب نکالی۔ اسے کھولا، کچھ سطریں پڑھیں۔ پھر اسی انداز میں خاموشی سے واپس رکھ دی۔ پھر دوسری کتاب نکالی اسی طرح چند صفحات الٹ کے واپس رکھ دی۔ پھر اسی طرح تیسری کتاب نکالی۔ اسے بھی یونہی بے دلی سے دیکھتے ہوئے اچانک ایک صفحے پر لکھی ہوئی تحریر نے اس کی توجہ کھینچی۔

اس کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ چہرہ سرخ پڑ گیا۔ ہاتھوں میں کپکپاہٹ اتری اور اس بھاری وزن دار کتاب کو مزید سہارنے سے انکار کردیا۔

کتاب کے گرنے کی آواز پر وقار پلٹے اور تیزی سے اٹھ کے اس کی طرف آئے۔

وہ خود بھی چکرا کے گرنے کو تھی جب انہوں نے اسے تھام لیا۔ عائشہ کو ان کے قرب سے گھن آ رہی تھی اور..... اور شاید اپنے وجود سے بھی۔

☆☆☆

کمرے میں موت کی سی خاموشی تھی اور قبر جیسا سکوت.....

تینوں نفوس سر جھکائے بیٹھے تھے اپنی، اپنی سوچوں سے نبرد آزما تھے۔

اس نے کافی دیر انتظار کے بعد قدرے بے چین ہو کے سر اٹھایا تو سکینہ اور علیم الدین کو اتنا جامد بیٹھا دیکھ کے۔ اس کی بے چینی اور سوا ہوگئی۔

شدید گرمی کا موسم تھا۔ کمرے میں اے سی کی ٹھنڈک نے ساری تپش کو دیواروں کے باہر روک دیا تھا۔ پھر بھی اسے لگتا تھا اس کے اندر ایک آگ لگی ہوئی ہے۔ وہ تو یہاں اپنا فیصلہ سنانے آئی تھی لیکن سکینہ اور علیم الدین کے چہرے کی گمبھیرتا اسے جانے کس بات سے روک رہی تھی۔

وہ دونوں ہنوز گم صم چپ چاپ سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔

''میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔ میں طلاق لے لوں گی۔'' بالآخر اسے کہنا ہی تھا جو وہ کہنے آئی تھی۔ لیکن اگلا پل اس کی سوچوں سے لامتناہی فاصلے پر کھڑا تھا۔

سکینہ نے تڑپ کے سر اٹھایا۔

''پاگل ہوئی ہو کیا..... ایسے کیسے.....؟''

ادھوری بات، شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہوگئی۔ سکینہ کو خود بھی احساس ہوگیا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے اور کیوں کہہ رہی ہے۔

عائشہ اسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے بھوت دیکھ لیا ہو۔

''میرا مطلب ہے کہ.....''

سکینہ سے اب کوئی بات نہیں بنائی جا رہی تھی۔ تھک ہار کے اس نے مدد کے لیے علیم الدین کو دیکھا۔

''دیکھو بیٹا! یوں ایک دم سے اتنی جلدی کوئی فیصلہ مت کرو..... یہ اتنا آسان نہیں ہے.....'' علیم الدین کی بات نے اسے سہارا دیا۔

''میں جانتی ہوں آسان نہیں ہے۔ لیکن جس کنڈیشن میں، میں وہاں رہ رہی ہوں۔ وہ میرے لیے کہیں زیادہ مشکل ہے ابا.....''

''ہاں، ہاں میں جانتا ہوں..... لیکن دیکھو ناں..... ہم تو بہت مجبور اور بے بس ہیں۔ اگر تم کچھ کرنا بھی چاہ رہی ہو تو کیا وقار تمہیں اتنی آسانی سے کرنے دیں گے۔ تم کیا سمجھتی ہو۔ تم الگ ہونا چاہو گی اور وہ تمہیں ہونے دیں گے؟ ان کے تو..... بہت بڑے، بڑے لوگوں سے تعلقات ہوں گے..... پیسے والے



www.pklibrary.com

لوگوں کے ہوتے ہی ہیں..... ان کے آگے ہماری اوقات ہی کیا..... یہ..... کوئی..... معمولی بات نہیں..... وہ کبھی بھی..... کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ اس ملک میں ویسے ہی..... غریب..... کو کوئی نہیں پوچھتا۔"

علیم الدین کی بات لمبی ضرور تھی۔ لیکن اس میں روانی نہیں تھی۔ یوں جیسے وہ بہت اٹک، اٹک کے سوچ سمجھ کے بول رہے ہوں۔

عائشہ آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"اور پھر یہ بھی تو دیکھو کہ..... انہوں نے ہمارے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ بھول گئیں لاک ڈاؤن میں جب کھانے پینے کے فاقے پڑے تھے۔ یہ آرام آسائش..... تمہیں اتنا پیار محبت دی، ہمیں اتنی عزت..... اب..... اس بات کو..... سن کے..... وہ..... اگر ناراض ہو گئے تو ہم تو..... بے بس..... ہم تو....."

"مجھے صرف اللہ کی ناراضی کی پروا ہے ابا....."

بالآخر وہ بری طرح چیخ پڑی..... اس سے زیادہ سننا اس کی برداشت سے باہر تھا۔

"اور میں بھی سمجھ گئی ہوں آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔"

"بیٹا ہم، بہت مجبور....." سکینہ اور علیم الدین ایک دم کچھ ڈر سے گئے۔

"آپ صرف غریب ہیں ابا مجبور نہیں....." وہ پھر بے اختیار سی ہو کے چلائی۔

"اور چند دنوں میں اس آرام دہ زندگی کی جو عادت آپ کو پڑ گئی ہے آپ اسے چھوڑنے سے ڈر رہے ہیں اور کچھ نہیں....."

"اور بھی بہت کچھ ہے ہمارے ڈرنے کے لیے۔ تم طلاق لے کے آجاؤ گی تو ہم کہاں جائیں اسی پرانے محلے میں؟ لوگ کیسی، کیسی باتیں نہیں بنائیں گے۔ تمہارے ابا کی نوکری نہیں ہے۔ اب کہاں سے کمائیں گے، کہاں سے کھائیں گے۔ اب تو تمہارا بیٹا بھی ہے....."

عائشہ کا حلق کڑوا ہونے لگا۔

"تم سے دوبارہ کون شادی کرے گا اور وہ تو وقار کی اولاد ہے۔ وہ اسے چھوڑ دے گا اتنی آرام سے..... ارے، ارے....."

سکینہ تڑپ کے اپنی جگہ سے اٹھ کے اس کے سر پر پہنچ گئی۔

"وہ تو تجھے کہیں زندہ دبا دے گا ناں۔ تو ہمارے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوگی۔ ہم تو زندہ درگور ہو جائیں گے۔ یا اللہ..... یہ کیا ہو گیا۔ میں کیا کروں کہاں جاؤں۔"

وہ بات کرتے، کرتے بری طرح پھپھک پڑی۔

"اتنے سارے خوف ہیں آپ کو اماں..... وقار یہ کر دے گا، وہ کر دے گا۔ جان سے مار دے گا۔ اور وہ..... جس کے قبضے میں سب کی جان ہے۔ اس کا کوئی ڈر نہیں آپ کو..... موت کا خوف ہے۔ اس کے بعد کیا ہوگا اس کا کوئی خوف نہیں۔"

"ارے ابھی تو مجھے زندگی کا خوف ہے۔ مجھے تو تیری جان کے لالے پڑ گئے ہیں۔ پہلے ڈھنگ سے زندگی تو گزار لیں۔ پھر مرنے کا بھی سوچ لیں گے۔"

سکینہ روتے ہوئے ہذیانی کیفیت میں چیخی اور عائشہ کا پورا وجود سُن ہو گیا۔

☆☆☆

اس کی واپسی ہارے ہوئے جواری کے مانند تھی۔ لیکن صرف جسمانی حد تک..... ذہن تو دور بہت دور کہیں اور ہی اڑان بھر رہا تھا۔

اس نے یہ تو سوچ ہی لیا تھا کہ اسے اب وقار کے ساتھ نہیں رہنا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ وہ رہ سکتی ہی نہیں تھی۔

یہ دنیا اور اس کی سب آسائشیں، عیش آرام سب کچھ اس کے ایمان کے آگے ہیچ تھا۔ وہ مسلمان تھی اللہ کو واحد اور رسول کو خاتم النبیینؐ مانتی تھی۔ اور اس کا عقیدہ اس کے لیے ہر چیز یہاں تک کہ اس کی جان پر بھی مقدم تھا لیکن یہ جان بھی اللہ کی امانت تھی اور اس کی حفاظت بھی اس پر فرض تھی۔

عجیب بات یہ تھی کہ تمام سوچوں کے دوران اسے کبھی، کبھی اپنے بیٹے کا خیال آتا بھی تو وہ اسے یوں نظر انداز کرتی جیسے وہ کسی اور کی اولاد ہے۔ دل میں ممتا کا کوئی جذبہ جاگتا بھی تو وہ یہ سوچ کے کہ یہ کسی



www.pklibrary.com

کافر، منکر کی اولاد ہے۔ اپنے جذبے کو خود ہی تھپک، تھپک کے سلا دیتی تھی۔

ذہنی پریشانی کی وجہ سے بچے کی خوراک پر بھی اثر پڑ رہا تھا جس کا بہانہ بنا کے اسے اس نے ڈبے کا دودھ لگوایا تھا اور اپنے تئیں اس نے اس طرح کر کے وقار کو خوب مزہ چکھایا تھا۔

فی الحال اس نے سوچ لیا تھا کہ کم سے کم وقار سے ابھی کوئی بات نہیں کرنی۔

اسے جو بھی کرنا تھا خاموشی سے کرنا تھا اور تنہا ہی کرنا تھا کیونکہ وہ جان گئی تھی۔ اس محاذ پر وہ بالکل اکیلی ہے۔ اسے معلوم ہو گیا تھا۔ زبان سے نہ کہنے کے باوجود اس کے ماں باپ اس کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔

☆☆☆

''میں آپ سے کچھ کہنے نہیں بلکہ کچھ مانگنے آئی ہوں۔ لیکن آپ پہلے وعدہ کریں کہ آپ میری پوری بات بہت توجہ سے سنیں گی اور درمیان میں ٹوکیں گی نہیں۔'' اس نے تمہید باندھ کے سامنے بیٹھی خاتون کو دیکھا۔ جن کی آنکھوں میں تیرتی حیرت کی جگہ الجھن نے لے لی تھی۔

یہ خاتون اس کے مدرسے کے مہتمم کی زوجہ تھیں۔ فقہ و حدیث کا علم بھی رکھتی تھیں اور حافظہ بھی تھیں۔

زندگی کے ایسے اندھے موڑ پر جہاں اسے امید کی کوئی روشنی دکھائی نہیں دے رہی تھی وہاں ان کا خیال ایک جگنو کی طرح چمکا تھا اور اس کا دل اجال گیا تھا۔

ہر طرف دماغ دوڑانے کے بعد ایک وہی تھیں جو اس صورت میں شاید اس کی کچھ مدد کر پاتیں۔ حالانکہ کوئی گارنٹی نہیں تھی لیکن ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت.....

عائشہ نے اپنا قرآن مجید اسی مدرسے میں ختم کیا دُہرایا اور بعد میں کافی عرصہ بچیوں کو پڑھایا بھی تھا۔ ایسے میں صالحہ باجی ہی اس کی اور اس جیسی دوسری لڑکیاں جو قرآن پڑھنے اور حفظ کرنے کے بعد وہیں دُہرائی یا ٹیچنگ کرتی تھیں۔ ان کی نگران ہوتی تھیں۔ لہجے میں مٹھاس اور بات کرنے کا انداز اس قدر پُراثر تھا کہ عائشہ کا دل کرتا وہ جب بھی کوئی بات کریں تو ہر کام چھوڑ کر ان کو بس ان کو سنے۔ اور جب بھی کوئی نصیحت کریں تو اس پر سب سے پہلے عمل کرے۔ وہ بھی عائشہ سے بہت پیار اور محبت کے ساتھ پیش آتی تھیں کیونکہ عائشہ مدرسے کی دوسری بچیوں سے کچھ مختلف سی تھی..... بہت پُر اعتماد، سنجیدہ، کم گو اور بے حد تابعدار..... انہیں اس کی اچھی عادتوں کی وجہ سے اس سے خاص انسیت سی محسوس ہوتی تھی۔

مدرسہ چھوڑ دینے کے بعد بھی وہ کچھ عرصہ ان سے ملنے جاتی رہی تھی۔ لیکن یہ معمول زیادہ عرصے قائم نہیں رہ سکا۔

آج اتنے سالوں کے بعد ان کو سامنے دیکھ کر عائشہ کا خود پر سے ضبط ختم ہو رہا تھا۔ ایسا لگتا عرصے بعد کسی اپنے سگے کو دیکھا ہے۔ دل کرتا تھا بھاگ کر ان سے جا لپٹے اور چیخ، چیخ کے روئے۔ اپنا سارا غم ان کے سامنے بہا کے ٹھنڈی ہو جائے۔

بے دلی اور بیزاری ایسی تھی کہ اب جینے کی بھی زیادہ تمنا نہیں تھی اور شادی کی صورت میں جو حادثہ اس کے ساتھ ہوا تھا۔ اس نے اس کے اندر سے ہر مثبت بات ختم کر ڈالی تھی۔

یہ عائشہ کی اچھی عادتیں تھیں جن کی وجہ سے باجی نے اسے اب تک یاد رکھا ہوا تھا۔ وہ اس کی شکل دیکھتے ہی اسے پہچان گئی تھیں اور جیسا کہ اسے امید تھی اس سے کہیں بڑھ کے گرمجوشی سے انہوں نے اس کا استقبال کیا تھا۔

''پریشان مت ہو عائشہ! جو بھی بات ہے بلا جھجک کہہ ڈالو۔ اگر اللہ نے اتنے سال کے بعد تمہیں میری یاد دلائی ہے تو یقیناً یہ بے سبب نہیں ہوگی۔ سمجھو کہ تم آئینے کے سامنے بیٹھی ہو۔'' ان کا نرم اور مٹھاس بھرے لہجے نے ایسا کانوں میں رس گھولا کہ وہ بجائے مضبوط ہونے کے وہ بری طرح بکھر گئی۔ اس کا ضبط ٹوٹ گیا۔ یوں لگا ایک طغیانی اسی دلاسے کی منتظر تھی کہ کب ملے اور کب بند ٹوٹ جائے۔

''کیا ہوا۔ کیا ہو گیا عائشہ! میری پیاری بیٹی کچھ تو بولو۔ کچھ بتاؤ تو سہی۔ تم ٹھیک ہو۔ گھر والے ٹھیک



www.pklibrary.com

ہیں۔ سب خیریت تو ہے ناں۔" پانی منگوا کر وہ پریشان ہونے کے باوجود اسے طریقے سے خود کو بھی سنبھال رہی تھیں اور اس کو بھی۔

"باجی..... باجی..... بہت برا ہوا میرے ساتھ میں برباد ہوگئی..... باجی....." اس کا رونا، اس کی دہائی کسی صورت کسی بیوہ کے بین سے کم نہیں تھی۔

صالحہ نے بدقت خود کو کسی استفسار سے باز رکھا۔ اب وہ کھل رہی تھی۔ تو انہیں زور زبردستی یا جلدی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ حالانکہ دل اس کے انداز پر ڈوبا جارہا تھا۔

کتنی دیر رو چکنے کے بعد جب وہ خود ہی کچھ سنبھلی تو پانی لے کے پیا۔

"اب بتاؤ۔ ٹھیک تو ہے ناں سب..... اور تمہارا شوہر..... وہ کیسا ہے؟"

"وہی تو ٹھیک نہیں ہے باجی..... وہ..... وہ مسلمان نہیں ہے۔ وہ نبی محمد صلی علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتا۔"

صالحہ باجی جہاں کی تہاں بیٹھی رہ گئیں۔

☆☆☆

یہ اس خوب صورت اور شاندار گھر میں اس کی آخری رات تھی۔

وقار اس رات گھر پر نہیں تھا۔ اس نے رات میں علیم الدین اور سکینہ کو رکنے کے لیے بلا لیا تھا۔ لیکن کسی کو اس کے ارادوں کی کچھ خبر نہیں تھی۔

ان دونوں اور اپنے بیٹے کے سو جانے کے بعد اس نے ہینڈ بیگ میں اپنی ضروری اشیا رکھیں۔ اکلوتی ڈگری اور شناختی کارڈ کے علاوہ نقدی کے نام پر بھی کچھ نہیں اٹھایا نہ اپنا کوئی جوڑا۔ بس بچے کا بیگ الگ تیار کیا۔ اس میں بھی گنتی کے چند کپڑے دودھ کا ڈبا اور فیڈر وغیرہ۔

اپنا سامان وہ لے کے جانا ہی نہیں چاہتی تھی اس لیے زیادہ بڑا ہینڈ بیگ نہیں تھا کہ کسی کو کوئی شک ہو۔ بچے کا بیگ کا سائز گھر سے نکلتے وقت اتنا ہی ہوتا تھا۔

اس سب سامان کے علاوہ اس کے پاس صرف

## بے پناہ ثواب کے پانچ عمل

نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا کہ "اے علیؓ! رات کو روزانہ پانچ کام کر کے سویا کرو۔

(1) چار ہزار دینار صدقہ دے کر سویا کرو (2) ایک قرآن شریف پڑھ کر سویا کرو (3) جنت کی قیمت دے کر سویا کرو (4) ایک حج کر کے سویا کرو (5) دو لڑے ہوؤں میں صلح کرا کے سویا کرو۔"

حضرت علیؓ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ ﷺ یہ امر تو محال ہے، میں کیسے کر سکوں گا؟" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

1- چار مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر سویا کرو۔ اس کا ثواب چار ہزار دینار صدقہ دینے کے برابر تمہارے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔

2- تین مرتبہ قل ھو اللہ پڑھ کر سویا کرو۔ اس کا ثواب ایک قرآن کریم پڑھنے کے برابر ہوگا۔

3- دس مرتبہ درود شریف پڑھ کو سویا کرو تو اس کا ثواب جنت کی قیمت ادا کرنے کے برابر ہوگا۔

4- چار مرتبہ تیسرا کلمہ سبحان اللہ والحمد للہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھ کر سویا کرو۔ ایک حج کے برابر ثواب ملے گا۔

5- دس مرتبہ استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ پڑھ کر سویا کرو۔ دو لڑنے والوں میں صلح کرانے کے برابر ثواب ہوگا۔

اس پر حضرت علیؓ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ ﷺ اب تو میں ہر روز یہی عمل کروں گا۔"

طالبِ دعا: حمیرا انجم وحید، واہ کینٹ



www.pklibrary.com

وہ چند روپے تھے جو باجی نے گھر سے نکلتے وقت نصیحتوں کے علاوہ اس کی مٹھی میں دبائے تھے۔

''تم یقیناً اپنے شوہر کی کمائی میں سے خرچ کرنا نہیں چاہو گی۔ اور پیسے کی ضرورت تو قدم قدم پر پڑتی ہے اس لیے دے رہی ہوں۔''

چلتے وقت انہوں نے ایک بار پھر اسے ہمت اور حوصلہ دیا۔

وہ اپنے بیٹے کو ساتھ نہیں لانا چاہتی تھی۔ وہ اس شخص کی اولاد کو بھی خود سے دور رکھنا چاہتی تھی۔ بھلے بعد میں ممتا کی تڑپ اس کی جان لے لیتی۔

صالحہ باجی نے سنا تو بری طرح بدک گئیں۔

''دماغ خراب ہے تمہارا۔ اپنی اولاد چھوڑ کے آجاؤ گی؟ تاکہ وہ کل کو اسے پال پوس کر اسے بھی اپنی طرح بنالیں۔ تم نے یہ نہیں سوچا کہ اس ننھی جان پر کیسا ظلم کا پہاڑ توڑنے جارہی ہو۔ ایک تو اسے خود سے دور کرو گی۔ اور پھر اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو کیا منہ دکھاؤ گی کہ ایک معصوم جان کو نہ صرف تم نے ماں کی ممتا سے دور کیا بلکہ انہیں ایسوں کے حوالے کر آئیں۔''

صالحہ باجی نے اسے کچھ کہنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

اس نے اپنے پروگرام میں تبدیلی کر کے بیٹے کو بھی اس میں شامل کیا۔

علیم الدین اور سکینہ سے اس نے رات کھانے کے بعد ایک بار پھر بات کرنے کی کوشش کی۔

نتیجہ اس کی توقعات کے عین مطابق تھا۔ علیم الدین کو ایک دوسری جگہ بہت اچھی اور بہتر تنخواہ پر نوکری ملنے والی تھی۔ وقار اور ان کے والد کی مہربانی سے تاکہ وہ اپنی عزتِ نفس کو مجروح کیے بغیر اپنی روزی روٹی خود کما سکیں۔ علیم الدین ایسی نوکری سے ہاتھ نہیں دھو سکتے تھے۔ وہ ایسا کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے تھے جس سے ان کا بڑھاپا خوار ہو جائے۔ سکینہ ان کی ہم آواز تھی۔

سکینہ نے اسے اور بھی بہت سی دوسری باتیں بتائیں۔ خاندان والوں میں رسوائی کا خوف جگانے کی کوشش کی۔ آنے والی مالی تنگی سے آگاہ کیا اور جسمانی آزمائش کا امکان تو موجود تھا ہی.....

تھک ہار کے اس نے خاموشی اختیار کر لی۔ وہ اپنے ماں باپ کے لیے صرف دعا ہی کر سکتی تھی اب اور کچھ نہیں۔ اب اسے جو کچھ بھی کرنا تھا اپنے لیے کرنا تھا یا اپنے بیٹے کے لیے.....

ایک دو بار اسے شازیہ سے بات کرنے کا خیال بھی آیا۔ لیکن والدین کی کایا پلٹ دیکھ کے اس نے اسے موقوف کر دیا۔

وہ پوری رات اس نے عبادت میں گزاری اور خدا سے ڈھیروں دعائیں کی..... معافیاں طلب کیں۔

ان دعاؤں میں اس کے اپنے اور اپنے بیٹے کے بعد ماں باپ، دوست احباب اور وقار تک سب شامل تھے۔ خاص طور پر ہدایت پا جانے کی دعاؤں میں اس نے وقار کو بھی نہیں چھوڑا تھا۔ کیونکہ وہ جب اس بندھن میں بندھی تو اس کے دل پر پہلی بار لکھا جانے والا نام وقار کا ہی تھا۔ گو کہ وہ اسے اب کھرچ دینا چاہتی تھی۔ لیکن یہ بھی اتنا آسان کہاں تھا۔ دین، ایمان ایک طرف اور بشری تقاضے ایک طرف.....

آنسو اس کے رخسار بھگوتے رہے۔ دل میں ایک انجان خوف بھی کروٹیں بدلتا رہا لیکن کوئی ڈر، خوف اسے اس کے فیصلے سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹا سکا۔

بلاشبہ وہ اپنے نصیب کے اس پلٹاوے کو اپنے لیے آزمائش ہی سمجھ رہی تھی اور خدا سے اس آزمائش میں سرخرو ہو جانے کی دعا بھی مانگتی رہی تھی جو آگے جا کے اس کے لیے کتنی سخت ہونے والی تھی اس کو اس بارے میں کچھ بھی اندازہ نہیں تھا۔

عجیب بات یہ تھی کہ اپنے فیصلے پر ہر طرح سے غور کرتے ہوئے اگر کوئی چیز اسے پیچھے ہٹا بھی سکتی تو ان میں یہ سب آسائشیں، روپیہ پیسہ، آرام وہ زندگی آخری نمبر پر بھی نہیں تھیں۔

جن مادی اشیا کی فراوانی اور ان کا آرام سکینہ اسے بار، بار یاد دلا رہی تھی وہ اس کے لیے کنکر مٹی سے زیادہ بے اہم ہو گئے تھیں۔ بلکہ اسے تو سوچ، سوچ کر خود سے گھن سی آرہی تھی کہ وہ کس طرح اس فانی دنیا



www.pklibrary.com

اور ختم ہو جانے والی بے جان چیزوں کے مل جانے سے اتنی بے خبر ہو گئی اور اتنا عرصہ غافل رہی..... اور جانے کب تک غافل رہتی۔

دوسرے دن صبح گھر جانے سے پہلے اس نے ماں، باپ کو اس وقت تک خوب جی بھر کے دیکھا جب تک وہ گھر سے چلے نہیں گئے۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اب زندگی میں وہ دوبارہ ان چہروں کو دیکھ پائے گی اس بات کی کوئی ضمانت نہیں تھی۔

جانے سے پہلے ان دونوں نے اسے سمجھانے کی ایک آخری کوشش اور کی اور بظاہر وہ یوں سر جھکا کے سنتی رہی گویا ان کی باتوں سے اتفاق کر رہی ہو۔ ان کے جانے کے بعد ایک بار پھر اس کا دل بری طرح ٹوٹ کے بکھرا۔ اور وہ اپنے بیٹے کو گلے لگا کے پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی۔

بچہ کسمسا کے گھبرا کے رونے لگا تب اس نے اسے خود سے الگ کیا۔ اس نے اپنی ملازمہ کو کہہ رکھا تھا کہ آج وہ ذرا دیر سے گھر آئے۔ کیونکہ اسے کہیں جانا ہے۔

وقار کی ہدایت تھی کہ گھر سے باہر جاتے وقت ملازمہ کو ساتھ لے، لے کیونکہ اس طرح وہ چھوٹے بچے کو سنبھالنے کی فکر سے آزاد رہ سکتی ہے۔ لیکن اس کا تو ارادہ کچھ اور تھا۔

ڈرائیور کو ایک مشہور شاپنگ مال کا پتا بتا کر وہ اطمینان سے بیٹھ گئی۔

☆☆☆

صالحہ باجی نے اپنی حیثیت سے بڑھ کے اس کا ساتھ دیا۔ اور اسے مدرسے کے مہتمم قاری صاحب کے آبائی گھر بھجوا دیا۔

وہ اپنے بیٹے کو ساتھ لیے اس بڑے ساری حویلی نما مکان میں چلی آئی۔ الگ سے کمرا اور دیگر گھر والوں کی طرح یہاں اس کا خیال رکھا گیا۔ اسے اور اس کے بیٹے کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ کسی نے اس سے اس کی گزشتہ زندگی کے بارے میں جاننے اور سوال کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ کافی طویل عرصہ وہاں رہتی رہی۔ مقصد صرف بچے اور اپنے آپ کو وقار اور اس کے گھر والوں سے چھپانا تھا۔ اپنے ماں باپ اور اس کی تلاش کے متعلق خبریں اسے مل جاتی تھیں۔

کچھ لوگ صالحہ باجی تک بھی پہنچے لیکن کوئی کھوج لگانے سے قاصر رہے۔ یوں بھی زیادہ شور مچانے سے ان کی اپنی اصلیت لوگوں پر آشکار ہوتی چلی جاتی۔ ان کے پاس اس بات کا بھی کوئی جواب نہ تھا کہ اچانک سے راتوں رات عائشہ کو کیا مصیبت پڑی کہ وہ یوں گھر سے نکل گئی کہ اپنے پیچھے کوئی نام و نشان نہ چھوڑا۔

کافی مہینوں بعد پتا چلا کہ شاید اس کی تلاش ترک کر دی گئی ہے۔ عائشہ وہاں سے صالحہ باجی کے ہی حوالے سے ایک ترقی یافتہ گاؤں جواب قصبے کی شکل اختیار کر گیا تھا وہاں چلی گئی۔

ایک اچھے پرائیویٹ اسکول میں اس کی نوکری اور شام میں بچوں کو قرآن پڑھانے کا کام اسے سونپا گیا۔ جو اس نے سالہا سال پوری جانفشانی سے انجام دیا۔

اس کا اور اس کے بیٹے کا خرچہ بھی مدرسے کے مہتمم قاری عبدالرحمن سالوں تک اٹھاتے رہے پھر نوکری ملنے کے بعد اس نے خود ہی منع کر دیا۔

اس نے اپنے شوق سے خود بھی عالمہ و معلمہ کے کورس کیے اور بعد میں دوسروں کو پڑھایا بھی۔

کئی بچیوں نے اس سے قرآن پڑھ کے ختم کیا۔ کلمے، درود پاک، چھوٹی سورتیں، اور بے شمار مسنون دعائیں بچیوں کو یاد کروا کے اس نے اپنے لیے صدقۂ جاریہ کا انتظام کیا۔

اب وہ بھی محلے بھر کی بچیوں کی باجی تھی اور بالکل باجی صالحہ کا دوسرا روپ بن چکی تھی۔

کبھی، کبھی اسے خیال آتا کہ شاید اسے رب نے اسی کام کے لیے چنا تھا جبھی ایسی آزمائش میں ڈالا..... اور وہ آزمائش بھی اب کتنی تھوڑی معلوم ہوتی تھی۔ یہ چین، سکون جو اب میسر تھا۔ جتنی عزت اور قدر اس کی کی جاتی تھی یہ جزا اس صبر سے بہت زیادہ تھی جو مشکل وقت میں اس نے کیا تھا۔

اور وہ خود کیا تھی کچھ بھی نہیں۔ بہت بے بس، بہت بے اختیار..... اس نے بس ایک بار امتی ہونے کے



www.pklibrary.com

ناتے کفر سے بچنے کی کوشش کی تھی۔ اماں عائشہ کے نام کی لاج رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اللہ نے اسے کامیاب کیا تھا۔ اللہ نے ہی اس کا اجر بھی دیا تھا۔ اس نے اپنے ایمان کو مادی چیزوں کے مقابلے میں نہیں بیچا تھا۔

وہ کسی رات ماں باپ کے لیے دعا کیے بغیر نہیں سوئی تھی۔ وہ ان کو زندگی کے کسی ایک پل بھی بھولی نہیں تھی۔ اس لیے ان کو اپنے ہر صدقے، ہر دعا اور ہر نیک عمل میں یاد رکھا تھا کہ آج وہ جو کچھ بھی تھی اللہ کے بعد ان کی تربیت کی وجہ سے ہی تھی۔ بھلا وہ ان کو کیسے بھول سکتی تھی۔ ایک بار وہ شہر چھوڑنے کے بعد اس نے دوبارہ کبھی پیچھے مڑ کے نہیں دیکھا۔ دیکھ کے حاصل بھی کیا ہونا تھا۔ وہ یادیں اس کے لیے تکلیف دہ اور ندامت کا باعث تھیں۔

اپنے بیٹے جس کا نام اس نے بڑی چاہ سے مصطفیٰ رکھا تھا۔ کو حافظ قرآن بنانا اس کا خواب تھا۔ وہ خواب بھی بالآخر پورا ہوا۔

جس روز اس کی حفظِ قرآن کی تقریب ہوئی اس روز دس سال کے بعد اس نے صالحہ باجی کو اپنے گھر کی دہلیز پر دیکھا۔

☆☆☆

جانے کتنے عرصے بعد اس نے شہر کی شکل دیکھی تھی وہ بھی صالحہ باجی کے بہت مجبور کرنے پر وہ لاہور آئی تھی۔ اس کا بیٹا گھر ہی رہ گیا تھا۔ وہاں اس کا خیال رکھنے اور اس سے باتیں کرنے کے لیے اور بھی لوگ تھے۔ مدرسے کے انتظامات سنبھالنے میں وہ عائشہ کی مدد بھی کرتا تھا۔ اور اس کی غیر موجودگی میں ملاقاتی آجاتے تو ان کے نام اور کام ایک کاغذ پر لکھ کے رکھ لیا کرتا تھا۔

مصطفیٰ ایک بہت صابر بچہ تھا۔ ایک دو بار ماں کے سمجھانے کے بعد اس نے کبھی اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ عائشہ نے ابھی اسے سب کچھ تو نہیں لیکن کچھ اہم باتیں اپنے ماضی اور باپ کی حقیقت کے بارے میں ضرور بتا دی تھیں۔ تاکہ وہ کل کلاں کو اس سے بدگمان نہ ہو جائے۔

صالحہ باجی اسے شاپنگ کروانے لے کے آئی تھیں۔ اور وہ مال میں گھومتے ہوئے مسلسل اپنے بجائے مصطفیٰ کی چیزیں دیکھ رہی تھیں۔

یونہی اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے، اسے ایسا منظر دیکھنے کو ملا جس کی تاب تھی نہ توقع۔

میک اپ اور ڈریسنگ اسٹائل کی تبدیلی اور دس سال کے وقفے نے چہرے کے نقوش ذرا سے بدلے ضرور تھے لیکن اتنے بھی نہیں کہ وہ پہچان نہ پاتی۔

جدید تراش کے مہنگے عبایا اور آستین سے نظر آتی ہاتھ کی انگلیوں میں پہنا زیور، اسے متمول ظاہر کرنے کے لیے کافی تھا۔

وہ کوئی اور نہیں۔ اس کی سنگی ساتھی اس کی اپنی بچپن کی سہیلی شازیہ تھی۔

ایک لمحے کو عائشہ نے خود پر سے اختیار کھویا اور بے تابانہ اس کی طرف بڑھی۔ لیکن..... ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکا۔

اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔ وہ فوراً ایڑھیوں کے بل گھوم گئی۔ شازیہ سے جا کے ملنا اس کے لیے خطرے سے خالی نہیں تھا۔

اس خیال کے آتے ہی اس نے صالحہ باجی کا ہاتھ دبوچا۔

وہ ارے، ارے کرتی رہ گئیں اور وہ ان کو لے کے مال سے باہر نکل آئی۔

☆☆☆

''صالحہ باجی۔'' کافی دیر گزری دکھ سکھ کی باتیں کرتے وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔ مغرب کی اذان سے کچھ پہلے جب وہ چائے کے خالی کپ لے کے اٹھنے لگی تھی تب اس نے کچھ سوچ کے ان کو مخاطب کیا۔

''میں اپنے پرانے محلے جاؤں گی امی اور ابا سے ملنے۔''

صالحہ باجی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے سر اٹھا کے ان کو دیکھا۔

''وہ لوگ اب وہاں نہیں رہتے۔ جا چکے ہیں وہاں سے۔ پتا نہیں کہاں۔''

وہ کچھ دیر یونہی بیٹھی رہی۔

''میں تب بھی جاؤں گی۔''

☆☆☆



www.pklibrary.com

اک سفرِ مسلسل اور ایک جہدِ ناتمام سے فرصت کے چند مختصر پل ادھار مانگ کر آج وہ پھر اسی محلے، ان ہی گلیوں میں قدم رکھ رہی تھی جہاں اس کا بچپن بیتا تھا۔ جوانی کی حسین خوش رنگ تتلیوں نے آنکھوں میں پر کھولے تھے اور جہاں وقار جیسے سراب نے اس کا پیچھا پکڑا تھا۔ جہاں سے وہ جاہ کے اونٹ پر بیٹھ کے سفر کو نکلی تھی اور جہاں حقیقت کے اکچھا دھاری، سو سالہ ناگ نے انسان کا روپ دھار کے اسے ڈس لیا تھا۔

بھری دوپہر میں چہار سو تپش برس رہی تھی۔ مرد کام کی طرف اور عورتیں اور بچے اپنے نیم اندھیرے کمروں میں اونگھ رہے تھے۔ بہت کچھ بدل گیا تھا۔ یا تقریباً سب کچھ.....

وہ کپکپاتے قدموں سے آگے بڑھتی اندازہ لگا رہی تھی کہ دس سال یا اس سے بھی کچھ پہلے چھوٹ جانے والے محلے میں کس کا گھر کون سا تھا۔ چہرے پر نقاب اور ہاتھوں میں دستانے پہننے کے بعد اسے کسی کے پہچان لیے جانے کا بھی ڈر نہیں تھا۔

اب وہاں بہت سے کچے گھر، پکے ہو گئے تھے۔ اور کچھ میں اوپر کی منزلیں بھی تعمیر ہو گئی تھیں۔ گلی بھی پکی ہو چکی تھی۔

کچھ سالوں بعد ہی سہی، بہر حال اس علاقے نے بھی خوشحالی کا منہ دیکھ لیا تھا۔ خوش حالی..... جس کا خواب علیم الدین اور سکینہ دیکھتے تھے اور دیکھتے، دیکھتے کسی سراب کے تعاقب میں جانے کون سے دیس جا بسے تھے۔

اس کے اپنے گھر کا دروازہ جس عورت نے کھولا وہ مکمل اجنبی تھی۔

"جی فرمائیں۔"

"وہ یہاں..... ایک علیم الدین صاحب..... میں ان کی ایک دور کی رشتے دار ہوں۔ دس بارہ سال بعد آئی ہوں۔"

عورت کے ہونٹ سکڑ گئے۔

"تھوڑا سا پانی پلا دیں گی۔"

عورت پانی لینے گئی۔ پھر کچھ دیر بعد واپس آئی تو اسے اندر بلا لیا۔ وہ پیاسی نگاہوں سے اس دو قدم کے گھر کو دیکھتی ہوئی آگے بڑھ کے اس کمرے میں آ گئی جو کبھی اس کا ہوا کرتا تھا۔

اندرونی حالت جگہ کی تنگی کے باوجود بہت بہتر تھی۔

"ہم نے یہ گھر اُن سے نہیں کسی اور سے لیا تھا لیکن میں پہچان گئی کیونکہ وہ ایک بار آئے تھے یہاں اپنی بیٹی کا پتا کرنے کافی پہلے کی بات ہے۔"

عائشہ کے گلے میں کچھ پھنسا تھا۔

"پھر.....؟"

"پھر پتا نہیں ملی کہ نہیں..... یہ لوگ ایسے ہی تو ہوتے ہیں۔ نہ دین کے نہ دنیا کے..... بے سر پیر....."

"کک..... کیا مطلب دین..... نہ دنیا..... وہ تو اچھے..... بھلے....." الفاظ اس کے حلق میں دم توڑنے لگے۔

"کیا خاک اچھے بھلے..... ارے کافر ہو گئے تھے وہ، آپ کو نہیں پتا..... آپ ان سے ملیں جو نہیں..... انہوں نے تو چند روپوں کے لالچ میں اپنا دین دنیا سب بیچ ڈالا..... توبہ توبہ..... سب سے ناتا توڑ کے چلے گئے۔ حالانکہ بہت پرانے رہنے والے تھے۔ جب سے انڈیا سے آئے تھے یہیں تو تھے....."

"آ..... آپ کو کیسے پتا یہ سب..... یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم....."

"مجھے کیسے پتا ہونا تھا۔ محلے والوں نے ہی بتایا ہے۔ پولیس تک آئی تھی ان کی بیٹی کے پیچھے..... پورا محلہ ان کی رسوائی کا گواہ ہے..... کیونکہ یہ گھر ہم نے لیا تھا تو ویسے بھی ان کی کہانی سب نے اپنا فرض سمجھ کے سنائی..... حالانکہ ہمارا کیا لینا دینا تھا ان سے۔"

"ان کی بیٹی تو..... وہ تو بہت اچھی لڑکی تھی....."

"ہاں ہو گی..... پتا نہیں..... اور..... خیر کہنا تو نہیں چاہیے..... لیکن بڑی باتیں سنی ہیں ان کے بارے میں۔"

"کیا مطلب کیسی باتیں.....؟"

"کہنا تو نہیں چاہیے....."

یہ شاید اس کا تکیہ کلام تھا۔

"سنا ہے اس لڑکی کی دوست کا اس کے خاوند سے چکر چل گیا تھا۔"



www.pklibrary.com

عائشہ کو زور سے کھانسی آ گئی۔

وہ عورت بھی شاید کسی کو یہ باتیں سنانے کے لیے ترسی ہوئی تھی۔ شاید خود سن، سن کے پک چکی تھی۔

''ہو سکتا ہے یہ دیکھ کر ان کی بیٹی خود ہی چھوڑ گئی ہو... یا پھر..... اس کے خاوند نے ہی نکال باہر کیا ہو۔ بہت پیسے والے لوگ تھے۔ ہم تو جب شفٹ ہوئے بس ہر زبان پر ان ہی کے چرچے ہوتے تھے۔ وہ اس کی دوست کا مکان تو اِدھر ہی تھا ناں... وہ لوگ تو ہمارے سامنے ہی نکلے ہیں یہاں سے۔''

عائشہ نے اب تک اپنا نقاب نہیں اتارا تھا۔ پنکھے کی ٹھنڈی ہوا میں بیٹھ کر اچھا تو لگا تھا لیکن اس عورت کی باتوں نے اب دوبارہ تپش چڑھا دی تھی۔

''وہ بھی..... چلے گئے.....''

''ارے بہت سے لوگ چلے گئے اب آپ کو وہ دس سال پہلے والے کہاں ملیں گے اور آپ کون سا کسی کو جانتی ہوں گی اب..... کہنا تو نہیں چاہیے لیکن جب کسی کی ایسی کہانی بنے تو پھر لوگ بات بے بات ہی قصے نکال لیتے ہیں۔ اب بھی آپ نے ان کا پوچھا تو میں بتانے بیٹھ گئی۔ ورنہ مجھے کسی سے کیا لینا دینا۔''

عائشہ کو احساس ہوا کہ اسے اب چلنا چاہیے۔ شاید وہ عورت اب بے آرام ہونے لگی تھی۔

''اچھا میں بس اب چلتی ہوں۔''

عائشہ کے کہتے ہی وہ عورت بھی فوراً ہی کھڑی ہو گئی۔

عائشہ نے ایک الوادعی نگاہ گھر میں چاروں طرف ڈالی۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ یادوں کا ایک ریلا سا اس کی نگاہوں میں امڈ آیا۔

یہ گھر اور اس کے مکین اتنے غیر اور انجان نہیں تھے کہ یوں بھلا دیے جاتے۔ اس نے کیا کچھ نہیں دیکھا تھا اس گھر میں..... اپنائیت اور محبت جہاں دیواروں میں بسی تھی۔ اب وہاں بیگانگی تھی۔ جس دہلیز پر اس کے قدم چھوتے تو دل شانت ہوتا تھا اب وہاں اجنبیت منتظر بیٹھی تھی کہ وہ باہر نکلے تو مٹی جھاڑے۔

اس کے پیچھے دروازہ بند ہوا تو وہ چند قدم آگے چلی۔ پھر بیچ سنسان گلی میں رک کر پیچھے پلٹ کر دیکھا۔

کسی کو نہیں پتا ہوتا کہ اس کا نصیب اسے کب کیا رنگ دکھانے والا ہے۔

جب وہ لوگ غریب تھے تو یہاں سب کے دلوں میں ان کے لیے محبت اور خلوص بھرا تھا۔ یہاں تک کہ شازیہ جو اس کی سب سے قریبی دوست ہونے کا دعویٰ کرتی تھی۔ اس کی ایک پکار پر دوڑی چلی آتی تھی۔

جب اس کا رشتہ طے ہوا تو سب لوگ کتنے مرعوب ہو گئے تھے۔ ہر ایک اس کی قسمت پر رشک کرتے نہیں تھکتا تھا۔

وہ وقت اور وہ دن کتنے حسین تھے جب وقار نامی شخص کا سایہ اس کی زندگی پر نہیں پڑا تھا۔ امی، ابا اور وہ کیسی شانتی سے رہا کرتے تھے۔ اس وقت دلوں میں وہ سکون تھا جو دوبارہ کبھی نہیں مل سکا۔ زندگی ایسی مکمل تھی جو بعد میں کبھی نہ ہو سکی۔

شازیہ نے بھی اپنا نصیب خود سنوارنے کی کوشش کی تھی اور اس نے بھی۔ اس میں کس کو فائدہ ہوا اور کس کے حصے میں خسارہ آیا۔ یہ فیصلہ روزِ محشر ہونا تھا۔

وہ مطمئن تھی کہ بہر حال اس نے گھاٹے کا سودا نہیں کیا تھا۔

وہ الٹے قدموں اپنے گھر کی طرف چل پڑی۔

ایک، ایک قدم پر اسے کچھ دیر پہلے سنی ہوئی اس عورت کی باتیں یاد آنے لگیں۔ امی اور ابا کے متعلق اس کا تضحیک آمیز لہجہ.....

شازیہ کے بارے میں برے گمان..... اس کے قدموں میں تیزی آ گئی۔

اس کے اپنے کردار کے بارے میں اس کی باتیں..... وہ بھاگتی ہوئی دروازے تک آئی۔

زندگی کا کام گزر جانا ہے۔ گزر ہی جاتی ہے۔ کوئی اپنے نصیب کا کھاتا ہے اور کوئی اپنا نصیب ہی کھا جاتا ہے۔

وہ چند لمحے گہری سانس لیتی وہاں کھڑی رہی پھر دہلیز سے لپٹ کے پھوٹ پھوٹ کے رو دی.....

نصیب بظاہر برا ضرور تھا مگر اس کی عاقبت بچا گیا۔

❁❁❁



www.pklibrary.com

# توکل

عائشہ خان

''اللہ اصل میں غریبوں کو کم کرنا چاہتا ہے اماں..... اور وہ کم ہوتے نظر آرہے ہیں..... اس منحوس کورونا سے بچیں گے تو فاقوں سے مرجائیں گے۔''

''پگلی نہ ہو تو..... وہ تو پتھر کے اندر کیڑے کو رزق پہنچاتا ہے، اپنے بندوں کو کیوں بھوکا مارے گا؟ پتا نہیں کیا اول فول کہہ رہی ہے۔'' زینت نے منہ ہی منہ میں استغفار پڑھی۔

''مارے گا نہیں اماں..... مار رہا ہے۔''

''تو، تو بڑی سمجھدار تھی رفعت..... پھر اب کیوں ہر وقت اللہ سے شکتیں (شکایتیں) کرتی ہے۔''

''اس لیے کہ وہ انصاف نہیں کرتا اماں.....'' اس نے خفگی بھرے انداز میں کہتے ہوئے روٹی کا آخری نوالہ نمک مرچ گھلے پانی میں ڈبو کر منہ میں ڈالتے ہوئے کہا تھا۔



www.pklibrary.com

''استغفار کر..... توبہ، توبہ اللہ ناراض ہوتا ہے ایسی باتوں سے۔''

''اللہ ہم جیسوں سے پہلے ہی ناراض ہے اماں۔''

''رفعت..... کیا ہو گیا ہے تجھے.....'' زینت نے بیچارگی سے کہا۔

''ہونہہ..... ''رفعت.....'' ایک تو یہ ماں باپ بھی ناں..... مجال ہے جو اولاد کا نام رکھتے ہوئے ذرا بھی سوچ لیں۔'' وہ بیزاری سے ماں کو دیکھتی کوفت زدہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''لے انا سوہنا نام ہے..... اور تجھے اب اس میں بھی کیڑے دکھنے لگے ہیں۔''

''اماں کیڑے نام میں نہیں، میرے مقدر میں ہیں۔'' وہ ایک دم بے حد زود رنج ہوئی تھی۔

''دیکھ رفعت.....! ہر وقت اللہ کی ناشکری نہ کیا کر.....''

''اماں میں بھی نہیں کرنا چاہتی..... پر کیا کروں..... ابا کو دیکھتی ہوں..... تجھے دیکھتی ہوں..... خود کو دیکھتی ہوں اور پھر اس گھر کے در و دیوار کو..... اس میں رینگ، رینگ کر گزرے ماہ و سال کو..... سب ویسے ہی چلتا رہتا تو بھی ٹھیک تھا اماں..... زندگی کسی طرح گزر ہی جاتی ہے..... پر اب..... ابا کو دیکھا ہے تو نے..... جس دن کا فیکٹری سے جواب ملا ہے اور وہ اس دوسری مزدوری پر جانے لگے ہیں زور لگا، لگا کر منجی سے اٹھتے ہیں..... چلا نہیں جاتا ان سے.....'' وہ کڑوے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ''مجھے ایف اے تعلیم کے ساتھ کتنی مشکل سے، کس قدر خوار ہونے کے بعد اسکول میں جاب ملی تھی۔ دس دن بھی نہیں گزرے کہ فارغ کر دیا انہوں نے کہ کورونا کی چھٹیاں جانے کب ختم ہوں..... ختم ہوں گی تو نیا اسٹاف رکھیں گے۔ آپ کے بھی بس ایک دو دن ہیں..... اور ضروری نہیں کہ پچھلی دفعہ کی طرح اس بار بھی تنخواہ مل جائے۔''

''اللہ بہتر کرے گا رفعت..... تو سوچ، سوچ کر پریشان نہ ہو۔'' اماں نے اس کی اتری صورت دیکھتے ہوئے محبت بھرے انداز میں اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

''اور سن..... اللہ کو یاد کیا کر..... اللہ کی یاد میں بڑا سکون ہے۔ ایمان باجی کہتی ہیں کہ اگر انسان اللہ کی یاد سے اپنے دل کو آباد کرے تو اللہ اسے..... دنیا کی بے شمار فکروں سے آزاد کر دیتے ہیں اور پتا ہے آج انہوں نے بڑی ہی پیاری ایک حدیث سنائی کہ نبی کریمؐ نے فرمایا۔

''جب کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درختوں کے پتے خزاں میں جھڑ جاتے ہیں۔''

''اماں..... آپ کو تو بس موقع چاہیے ایمان نامہ شروع کرنے کا۔'' بیزاری اور چڑچڑاپن ویسے تو اس کی شخصیت کا حصہ بنتا جا رہا تھا لیکن اس وقت تو حد سے سوا تھا۔

''بڑی باتیں آتیں ہیں ان امیروں کو..... ایک دن گزارنا پڑے ناں ہماری جگہ پر آ کر تو آٹے دال کا بھاؤ پتا چلے۔''

''کیوں بد فالیں منہ سے نکال رہی ہے..... کیوں گزارنا پڑے انہیں ہماری جگہ پر آ کر..... اللہ نہ کرے۔'' اس نے ماں کے بے ساختہ جملوں پر ناراضی سے انہیں دیکھا تھا اور پھر پاؤں پٹختی اندر کمرے میں چلی گئی۔

اسے اس وقت خود پر بھی شدید غصہ آ رہا تھا کہ وہ کیسی نکمی اولاد تھی کہ اپنے والدین کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی اور اماں پر بھی خفگی تھی کہ کیا تھا جو وہ ایمان باجی کی منت ترلہ کر کے ابا کو ایک ریڑھی دلوا دیتیں جس پر وہ کھڑے، کھڑے فروٹ ہی بیچ لیا کرتے۔ لیکن اماں..... ان کی ایک ہی رٹ تھی۔

''پہلے ہی ہمارا بہت خیال کرتی ہیں ایمان باجی..... پھر ابھی تو وہ خود اتنے دن اسپتال رہ کر آئی ہیں..... میں نہیں کہہ سکتی ابھی انہیں کچھ بھی..... اللہ سوہنا خود ہی کرے گا کوئی انتظام.....''

''ہونہہ..... اللہ سوہنا خود ہی کرے گا انتظام..... جیسے پہلے تو اللہ یونہی جھٹ پٹ کر دیتا ہے ناں ہمارے سارے انتظام.....'' بڑبڑاتے ہوئے اس نے کھینچ کر بستر کی چادر ٹھیک کی تھی اور دھپ سے چارپائی پر بیٹھ گئی۔ شکر تھا کہ اماں نے یہ جملہ نہیں سنا تھا ورنہ تو ایک



www.pklibrary.com

آدھ دو ہتڑ ہی اس کے جڑ دیتیں۔

''پتا نہیں اماں تو بے حس ہی ہو گئی ہے..... ابا بیچارے ایک دن مزدوری کرتے ہیں اور دو دن جوڑوں کے درد سے بے حال بستر پر پڑے رہتے ہیں اور اماں کو اپنی ناک عزیز ہے۔ عقل ٹھکانے آئے گی جب اس منحوس کورونا کی وجہ سے اتنی بھی مزدوری نہیں ملے گی ابا کو۔'' وہ بلند آواز میں بڑبڑا رہی تھی جب اماں کمرے میں داخل ہوئیں۔

''رفعت..... جلتی کڑھتی نہ رہا کر ہر وقت..... صحت خراب ہو گئی ناں تو یہ سارا رنگ روپ جاتا رہے گا۔''

''تو..... ان حالات میں کوئی پاگل ہی ہو گا جو خوشیاں منائے گا۔''

''نہ منا تو خوشیاں..... پر ہر وقت اس طرح ناشکری کی باتیں بھی تو نہ کیا کر.....''

''تو پھر ایک کام کر اماں.....''

''کیا.....؟'' زینت نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے پوچھا۔

''توکل سے مجھے اپنی ایمان باجی کے گھر کام کے لیے چھوڑ آ۔ میں وہاں کام کروں گی اور ان کی اللہ کی باتیں سنوں گی اور تم یہاں سارا دن ابا کے پاس رہنا اور ان کی کراہیں سننا تب تمہیں پتا چلے گا کہ رفعت ایسی بھی غلط نہیں۔'' آرام سے کہتے، کہتے آخر میں اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

''بس دل دکھتا ہے تو کچھ نہ کچھ کہہ جاتی ہوں اماں لیکن جیسے تو ناراض نہیں ہوتی ناں..... ایسے ہی اللہ بھی ناراض نہیں ہوتا..... تو فکر مند نہ ہوا کر.....'' اس نے ذرا توقف کیا تھا پھر گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔

''ناشکری نہیں ہوں میں اماں..... پر اللہ سے ایک گلہ ہے مجھے..... وہ ہماری جلدی نہیں سنتا۔'' اداسی اس کی آنکھوں کو ہی نہیں لہجے کو بھی بھگو گئی تھی۔

''رفعت اللہ سے گلہ نہیں کرتے میری سوہنی دھی۔'' زینت نے تڑپ کر اسے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

''پھر اور کس سے کریں اماں.....؟'' ٹوٹے کانچ جیسے لہجے میں کہتے ہوئے اس نے اماں کے بازو پیچھے ہٹائے تھے اور بستر پر لیٹتے ہوئے تکیے میں منہ دے لیا تھا۔

اس کا سارا دھیان اس وقت ابا کی جانب مرکوز تھا۔ اس لیے اماں کا پیار بھی قطعاً نہیں بھا رہا تھا۔ بے بسی کا شدید قسم کا احساس تھا جو اندر بری طرح توڑ پھوڑ مچا رہا تھا۔

زینت چند لمحے مڑ کر اسے دیکھتی رہی پھر تھکے، تھکے قدموں سے باہر نکل گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں تو ایمان باجی کی بات بڑی اچھی طرح آ گئی تھی کہ ''بندے کو اس کے رب سے زیادہ کوئی نہیں چاہ سکتا..... اس لیے جو اس نے ہمیں نہیں دیا اس کے نہ دینے میں ہی ہماری بہتری تھی..... بس وہ بہتری اپنی کم عقلی کی وجہ سے جلدی ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔'' لیکن یہ بات رفعت کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ الٹا وہ ہر بار آگے سے اس قسم کی باتیں کرتی تھی کہ وہ ڈر جاتی تھی کہ کہیں اللہ اس سے ناراض ہی نہ ہو جائے۔ وہ یہ بات نہیں جانتی تھی کہ اللہ کو تو اپنی دونوں بندیوں پر پیار آتا تھا۔

ایک ہر حال میں اسی سے آس لگائے رہتی تھی تو دوسری کو بھی یقین و ایمان اسی پر تھا..... وہ بھی جانتی تھی کہ وہ سنے گا تو ہی مسئلے حل ہوں گے۔ وہ کرے گا تو ضرورتیں پوری ہوں گی۔ اسے اس سے جو گلہ تھا، وہ اس گلے کو لفظوں کا جامہ پہنائے جانے سے بھی پہلے جانتا تھا اور اسے اس کے گلے شکووں نے ناراض نہیں کیا تھا بلکہ اسے اس پر پیار آیا تھا۔ وہ شہ رگ سے قریب تھا تو رگ، رگ سے آگاہ بھی تھا۔

بے نیاز ایسا کہ چاہتا تو بار، بار دستِ سوال دراز کرواتا اور چاہتا تو بن مانگے ہی عطا فرما دیتا..... لمحوں کا انتظار بھی نہ کرواتا۔ اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ چند ثانیے بھی نہیں گزرے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی اور ساتھ ہی زینت کی خوشی سے بھرپور آواز آئی۔

''ایمان باجی.....!''

رفعت ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ اگلے ہی لمحے وہ بغیر چپل کے کمرے سے باہر تھی اور باہر نکلتے ہی زینت کی طرح اس کی بھی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔



www.pklibrary.com

خوشی سے دھڑکتے دل اور بے یقینی سے پوری کھلی آنکھوں کے ساتھ وہ کبھی کھلے دروازے کے آگے کھڑی فروٹ کی ریڑھی کو دیکھ رہی تھی اور کبھی دروازے کے اندر کھڑی مسکراتی ہوئی ایمان باجی کو۔

''پہلے تو میں نے یہ سوچا کہ کل تم آؤ گی تو تمہیں کہوں گی شام کو فضل دین کو بھیجنا' وہ آکر ریڑھی لے جائے لیکن پھر اچانک خیال آیا کہ نیکی کے کام میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں اور رفعت ایک ٹک ان کے خوب صورت چہرے اور مسکراتے لبوں کو دیکھ رہی تھی۔

''کدھر ہے فضل دین.....؟''

''دیہاڑی..... پر گیا ہے۔'' زینت نے خوشی سے بتایا تھا پھر جلدی سے رفعت کی طرف مڑی تھی۔

''کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہے بھاگ کر جا..... صاف چادر لا اندر سے..... باجی کھڑی ہیں۔''

''نہیں زینت..... بیٹھوں گی نہیں، گھر میں کچھ مہمان آرہے ہیں۔ ٹائم بالکل نہیں تھا لیکن میرا دل چاہ رہا تھا تم لوگوں کی امانت ابھی تم تک پہنچادوں.....'' وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

''اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کے گناہوں اور خطاؤں کو معاف فرما کر اس بیماری کو پوری دنیا سے غائب فرما دیں..... بے شک یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر انسان اس کی وجہ سے بے حد پریشان ہے لیکن یہ اس سے بھی بڑی حقیقت ہے کہ پریشان ہونے سے پریشانی دور نہیں ہوتی اور زیادہ بڑھتی ہے۔ اس لیے سب سے پہلے تو خود کو اس پریشانی سے بچانا ہے۔ اور پھر اللہ سے بھرپور دعا اور اس پر بھرپور یقین رکھنا ہے۔ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا ایمان ہے ہر مشکل میں وہی ہمارا مددگار ہے بے شک۔ ساری احتیاط کے باوجود صرف اللہ کی ذات ہے جو اس بیماری سے ہمیں بچا سکتی ہے۔ اللہ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے، الٰہی آمین۔'' دعائیہ لہجے میں کہتیں وہ بت بنی کھڑی رفعت کی طرف مڑیں۔

''رفعت بیٹی کے بارے میں یہ تو مجھے پتا ہے کہ یہ اپنے ابا کی ماشاء اللہ سے خوب خدمت کرتی ہے۔ اب ایک خدمت اور کرنی ہے رفعت۔ روز اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اور درود شریف پڑھتے ہوئے ابا کو ریڑھی پر فروٹ رکھ کر دینا ہے اور بڑی محبت، خلوص اور دردمندی سے ایک بات سمجھانی ہے کہ ریڑھی پر کوئی زبان پر سوال لیے آئے یا آنکھوں میں تو خالی نہ جائے۔ جب ہم کسی کی ضرورت کو اس کے بن کہے اس کے چہرے اور اس کی آنکھوں سے جان لیتے ہیں ناں تو وہ رب جو بے پناہ مہربان ہے، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ وہ ہماری ضرورتوں کو ہی نہیں، ہماری خواہشوں کو بھی بن کہے پورا کرنے لگتا ہے۔''

جانے ان کے لہجے میں ایسی تاثیر تھی یا لفظوں میں کہ رفعت خود پر قابو نہیں رکھ سکی تھی۔ ضبط کی تمام کوشش کے باوجود اس کی پلکوں سے دو آنسو بے تابانہ نیچے جا گرے تھے اور پھر یہ آنسو رکے نہیں تھے یوں ٹوٹ کر برسے تھے کہ جل تھل کر دی تھی۔

ابھی کچھ دیر پہلے وہ کیسے برے انداز میں کہہ رہی تھی۔ ''ہونہہ..... اللہ سوہنا خود ہی کرے گا انتظام..... جیسے پہلے یونہی جھٹ پٹ کر دیتا ہے اللہ سارے انتظام ہے ناں اماں.....؟'' اور اللہ کیسا سوہنا ہے کہ بجائے ناراض ہونے کے انہیں کیسے وہ نواز دیا کیسے وہ دے دیا تھا جو وہ چاہ رہی تھی۔ بنا ان کے کہے..... بنا ان کے مانگے۔

اور وہ کیا کرتی تھی..... ہمیشہ ناشکرا پن، ہمیشہ گلے شکوے..... اس کے آنسوؤں میں کچھ اور شدت آئی تھی۔

زینت حیران و پریشان سی اس کے زار و قطار بہتے آنسوؤں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بجائے خوش ہونے کے وہ یوں رو کیوں رہی تھی۔

لیکن ایمان باجی کی سمجھ میں آچکا تھا۔

رفعت احساسِ تشکر سے لبریز دل کے ساتھ شکرِ الٰہی کی طمانیت لیے مسکرائی تھی۔ باجی نے ہولے سے اس کے سر کو تھپتھپایا تھا اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیے تھے۔

کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے
وہی خدا ہے..... وہی خدا ہے



www.pklibrary.com

# پیاسنگ

طاہرہ بختیار

آج چھٹی کا دن تھا اور میں بہت دنوں کے بعد ایک بھرپور نیند لینا چاہتی تھی مگر میری ایسی قسمت کہاں..... دودھ والے نے گھنٹی پر ایسے انگلی رکھی کہ پھر اٹھانا بھول گیا۔ چاروناچار مجھے اٹھنا ہی پڑا۔ میں منہ بناتی اٹھی تو بے اختیار ہی میری نظر عادل کے خالی بستر پر پڑی جو کہ صبح ہی صبح نہ جانے کہاں غائب تھا..... اور اس کا اس طرح سے غائب ہو جانا مجھے ہمیشہ کوفت میں مبتلا کر دیا کرتا تھا۔ ابھی میں دودھ سے بھرا برتن کچن میں رکھ کر واپس پلٹ ہی رہی تھی کہ مجھے عادل کی آواز سنائی دی۔ وہ بہت دھیمی آواز میں کسی سے فون پر بات کر رہا... تھا۔ اس کا محتاط انداز دیکھ کر میرے کان کھڑے ہو گئے۔ اب بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ میں ٹوہ لینے کی کوشش نہ کرتی حالانکہ بہت بار خود کو ایسا کرنے سے روکنے کی کوشش کر چکی تھی مگر شاید یہ میرے بس میں نہیں تھا۔ خیر



www.pklibrary.com

میں بات کر رہی تھی عادل کی ٹوہ لینے کی۔ میں خاموشی سے آڑ میں کھڑی بات سنتی رہی۔

''فکر نہیں کریں..... میں چھوڑ دوں گا اسے۔ ویسے بھی میں بھی چند دن آرام سے گزارنا چاہتا ہوں۔''

وہ یقیناً فاطمہ آپی ہی سے بات کر رہا تھا۔

میں اس کے دھیمے لہجے میں کہے ہوئے الفاظ مکمل طور پر سن چکی تھی۔ فاطمہ آپی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ ایک وہی ہیں جو آئے روز عادل کو مجھ سے بدظن کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھیں۔ یہ صرف میرا خیال تھا ورنہ عادل تو اپنی بہن کے بارے میں ایک بھی لفظ برداشت نہیں کر رہا تھا۔

''ارے بھئی کہہ دیا ہے ناں چھوڑ دوں گا انیلا کو، اب آپ بے فکر ہو جائیں.....'' وہ ایک بار پھر سے اپنی بات کو دُہرا رہا تھا۔

''حد ہوتی ہے بے شرمی کی..... کس سے بات کر رہے تھے تم؟'' میں لال آنکھیں لیے آج ایک بار پھر سے اس کے مقابلے پر کھڑی تھی اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اب تو تقریباً ہر دوسرے دن کا معمول تھا..... ابھی دو دن پہلے ہی میری فاطمہ آپی سے اچھی خاصی جھڑپ ہو گئی تھی۔ بات بھی کوئی خاص نہیں تھی بس شاید مجھے سننے اور سمجھنے میں غلطی ہوئی تھی۔ فاطمہ آپی کسی کی دوسری شادی کا ذکر کر رہی تھیں اور میں یہ سمجھی کہ شاید وہ عادل سے اسی کی دوسری شادی کی بات کر رہی ہیں اور کیوں نہ ایسا سمجھتی شادی کے سات سال بعد تک بھی اللہ نے مجھے اولاد سے نہیں نوازا تھا..... ایسے میں خواہ مخواہ عادل کی طرف سے میرے دل میں برے، برے سے خیالات آتے رہتے تھے۔

''اس کا مطلب ہے کل تم دونوں بہن بھائی مل کر میرے بارے میں ہی بات کر رہے تھے۔'' میں بہت زور سے گرجی تھی۔ عادل جیسا بھی تھا عادل کی شراکت مجھے کسی بھی صورت گوارا نہ تھی۔

''بکواس بند کرو، تم تو نیم پاگل ہو چکی ہو۔ جاؤ میرا سر نہ کھاؤ..... جاؤ یہاں سے۔'' وہ چند پل رکنے کے بعد ایک بار پھر مجھ پر گرجا تھا۔

''کیا کہا تم نے.....؟ جاؤں..... میں چلی جاؤں۔ تم بھی اپنی بہن کے ساتھ مل گئے ہو..... کتنی جلدی بدل گئے ہو تم۔'' اب میں اسے گریبان سے پکڑ کر چیخنے لگی تھی۔

''میں کہیں نہیں جاؤں گی..... چاہے کچھ بھی کر لو۔ تمہاری بہن کو اس کے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دوں گی..... کتنی معصوم سی بن رہی تھی کل..... اور میں ہی پاگل تھی جو کل تم دونوں کی بات مان گئی۔ اب پتا چلا کہ تم دونوں کل بھی یہی بات کر رہے تھے۔''

''خدا کے لیے انیلا..... چپ ہو جاؤ..... کیوں صبح ہی صبح تماشا کر رہی ہو.....'' عادل اپنے اندر اٹھنے والے غصے کو دباتے ہوئے بولا۔

''نہیں ہوں گی چپ..... جب تک تم مجھے یہ نہیں بتا دیتے کہ تم کس سے مجھے چھوڑنے کی بات کر رہے تھے۔ بولو اب..... بول کیوں نہیں رہے ہو.....'' میں بار، بار اس سے اسی سوال کا جواب مانگ رہی تھی..... مگر مجھے لگتا تھا کہ اس پر میری کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

''تم تو بالکل پاگل ہو چکی ہو..... اور میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتا۔'' وہ مجھے لاؤنج میں پڑے صوفے کی طرف دھکیلتے ہوئے بولا۔

''میں پاگل ہو چکی ہوں..... کیا کہا تم نے.....؟ ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔ ابھی بتاتی ہوں میں تایا جان کو..... تم دونوں بہن بھائی میرے خلاف کیا کچھ کرتے پھر رہے ہو.....'' میں غصے سے اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور تایا جان کے کمرے کی طرف لپکی..... اس گھر میں اب وہ مجھے اپنا آخری سہارا لگے تھے۔

عادل میرا ارادہ بھانپ چکا تھا..... اس نے مجھے بازو سے کھینچا اور ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔

اتنے سالوں میں بہت بار میری اور عادل کی لڑائی ہوئی اور اب جب سے میں نے اولاد کی کمی کو زیادہ محسوس کرنا شروع کیا تھا..... کچھ زیادہ ہی شکی اور چڑچڑی سی ہو گئی تھی۔ مگر کبھی نوبت یہاں تک نہیں پہنچی تھی کہ وہ مجھ پر ہاتھ اٹھاتا۔

میں پھٹی، پھٹی نگاہوں سے عادل کی طرف حیرت سے دیکھنے لگی جو کہ اب ایک بار پھر سے غصے میں آ چکا تھا۔

''چلو میرے ساتھ..... ابھی اور اسی وقت تمہیں



www.pklibrary.com

چھوڑ کر آتا ہوں..... اگر تم ایسا سمجھتی ہو تو پھر ایسا ہی سہی....." وہ میرے چیخنے چلانے کی بھی پروا نہ کرتے ہوئے گھسیٹ کر مجھے گاڑی تک لے آیا تھا۔

"چھوڑو مجھے..... تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔" میں نے لمحے بھر کو نگاہ اٹھا کر تایا جان کے کمرے کی بالکونی کی طرف دیکھا..... مگر دوسرے ہی پل میری نگاہیں خالی ہی واپس پلٹ آئیں۔

☆☆☆

"انیلا..... میری بچی کیا بات ہے؟ جب سے عادل تمہیں چھوڑ کر گیا ہے تم بہت خاموش ہو۔" امی کو اپنی لاڈلی بیٹی کی خاموشی کچھ زیادہ ہی کھلنے لگی تھی اور ایسا بہت ہی کم، کم ہوتا تھا کہ میں اتنی دیر تک یوں ہی خاموش بیٹھی رہتی۔

"انیلا..... بیٹا میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے؟" وہ ایک بار پھر سے استفسار کرنے لگی تھیں۔

"ہوں..... جی۔ کیا پوچھا ہے آپ نے؟ میں نے سنا نہیں۔" میں نے ان سے کہا۔

"کیا عادل سے پھر جھگڑا ہوا ہے تمہارا.....؟" وہ ماں تھیں میری اچھی طرح سے جانتی تھیں کہ میں آج کل کس قدر ڈپریشن کا شکار رہنے لگی ہوں۔ ویسے بھی میرے اور عادل کے آئے روز کے جھگڑے کوں سا ان سے ڈھکے چھپے تھے۔

"دیکھو میرے بچے..... مجھے سچ، سچ بتا دو کیا بات ہے.....! میں خود بات کروں گی عادل سے۔" وہ ہر بار کی طرح سے اس بار بھی مجھے تسلی دینے کی بھرپور کوشش کر رہی تھیں۔

اب میں ان سے کیا کہتی.....! کیسے بتاتی امی کو کہ اس بار نہ تو صرف عادل نے مجھے مارا ہے بلکہ اس نے تو مجھے ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے چھوڑنے کا پلان بھی بنا لیا ہے۔

☆☆☆

"یہ تم نے بہت ہی غلط کیا ہے عادل..... یہ ٹھیک نہیں ہے۔ خواہ مخواہ میں ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا کر رکھ دیا ہے تم دونوں نے۔" فاطمہ کو رہ، رہ کر عادل پر غصہ آ رہا تھا۔

"تو اور کیا کرتا.....! اور کتنا ضبط کروں میں؟ انیلا تو کسی طور بھی خود کو بدلنے کو تیار نہیں۔ بس اب بہت ہو گیا..... اب یہ اس کے لیے ضروری ہو گیا تھا۔ آخر کیوں وہ اتنی بدظن ہو چکی ہے آپ کی اور میری طرف سے.....؟ کیا میں بار، بار اس کو سمجھاتا نہیں رہا ہوں؟ مگر پھر بھی کچھ حاصل نہیں ہوا۔" وہ مایوسی سے فاطمہ آپی کی گود میں سر رکھتے ہوئے بولا۔

"چاہے کچھ بھی ہے..... لیکن اس بار سراسر تمہاری ہی غلطی ہے۔ میں مانتی ہو کہ تم اسے سرپرائز دینا چاہتے تھے..... مگر جب صورتِ حال اس قدر بگڑ گئی تھی تو پھر کیسا سرپرائز اور کہاں کا سرپرائز تمہیں ساری بات کھل کر اسے بتا دینی چاہیے تھی..... تم نے اور فیصل نے مل کر اسے کہاں لا پھینکا ہے۔ اور اب سزا بھی تم دونوں ہی کو ملنی چاہیے..... جاؤ اٹھو اور فون کرو انیلا کو اور بتاؤ اسے کہ اصل بات کیا تھی....." فاطمہ کو اپنی بھاوج سے لاکھ اختلاف سہی مگر پھر بھی وہ اسے لمحے بھر کے لیے بھی پریشان کرنا برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اسے عادل کا یوں انیلا پر ہاتھ اٹھانا سخت گراں گزرا تھا۔ ویسے بھی انیلا، فاطمہ کی اکلوتی بھابی اور چچازاد بہن بھی تھی۔

☆☆☆

میرا کھانا کھانے کو بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وقفے، وقفے سے امی مجھے دو تین بار ٹوک چکی تھیں۔ اس لیے صرف ان کا دل رکھنے کی خاطر تھوڑے سے چاول پلیٹ میں نکالے اور سست روی سے کھانے لگی کہ اتنے میں دروازے پر بجتی گھنٹی نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کروالی۔

"اس وقت کون آیا ہو گا.....؟" میں نے امی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا..... مگر شاید انہیں خود بھی کوئی اندازہ نہیں تھا جب ہی وہ سر کو ہلاتی ہوئی باہر والے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"ماشاء اللہ میرا بچہ....." خوشی سے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے اُن کی آواز لرزنے لگی تھی اور پھر فیصل کو گلے سے لگائے اتنی زور، زور سے روئیں کہ مجھے بھی فوراً صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے ان کے پیچھے جانا پڑا۔ فیصل کی اچانک آمد سے میں اور امی ابھی تک حیران تھے۔



www.pklibrary.com

"کیسا لگا میرا سرپرائز.....؟" وہ مسکراتے ہوئے چہرے سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"بہت اچھا.....!" میں نے زبردستی مسکراتے ہوئے اسے جواب دیا..... فیصل میرا اکلوتا بھائی مجھ سے پانچ سال بڑا تھا۔ اس کے باوجود ہم دونوں میں انتہا کی دوستی تھی..... وہ پچھلے آٹھ سالوں سے انگلینڈ میں مقیم تھا..... مگر چند وجوہات کی بنا پر کافی مدت سے پاکستان نہیں آسکا تھا۔ اب یوں اچانک اسے سامنے دیکھ کر امی کے چہرے سے پھوٹنے والی خوشی قابلِ رشک تھی..... گو کہ میری کیفیت بھی کچھ ایسی ہی تھی مگر پھر بھی دل کچھ بجھا، بجھا سا تھا۔ اس کی وجہ بھی شاید عادل کا وہ فیصلہ تھا جو مجھے صبح سے پریشان کیے ہوئے تھا۔ امی جلدی سے چائے بنانے چلی گئی تھیں۔

"کیا ہوا ہے میری گڑیا کو.....؟ کچھ بجھی، بجھی سی دکھ رہی ہو۔" وہ چائے کا کپ ایک طرف رکھتے ہوئے اب میرے پاس صوفے پر آبیٹھا تھا۔

"تم ہی کچھ پوچھو اس سے مجھے تو کچھ نہیں بتا رہی ہے.....؟" میرے بجائے امی نے فیصل کی بات کا جواب دیا تھا۔

"کیا بات ہے؟ کیا ہوا ہے میری گڑیا کو اور وہ عادل کیوں نہیں آیا ابھی تک.....؟" وہ چند پل کے توقف کے بعد پھر سے بولا تھا..... اور بس پھر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں فیصل کے سینے سے لگی پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔

"وہ چھوڑ رہا ہے مجھے..... وہ چھوڑ دے گا مجھے....." بس یہی وہ چند جملے تھے جن کا بوجھ کل صبح سے ڈھوتے، ڈھوتے اب میں ہار گئی تھی۔

"کیا کہہ رہی ہو..... تم ہوش میں تو ہو..... ابھی کل ہی تو میری بات ہوئی ہے اس سے..... جب تک تو سب ٹھیک تھا....." وہ حیرانی سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اور وہ خود کہاں ہے؟ آیا کیوں نہیں ابھی تک....." وہ حیران نظروں سے اب امی کی طرف دیکھ رہا تھا..... "میں نے بتایا تھا اسے اپنے آنے کے متعلق اور اسے کہا تھا کہ کسی سے بھی کچھ نہ کہے اور انیلا کو امی جان کی طرف چھوڑ آئے..... تب تک تو وہ بہت خوشدلی سے بات کر رہا تھا۔ یہ اچانک ایسا کیا ہو گیا.....؟"

میں حیران نظروں سے فیصل کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"تم فکر نہیں کرو یار، میں چھوڑ دوں گا اسے۔"

میرے کانوں میں دور کہیں عادل کے الفاظ کسی بھنبھناہٹ کی صورت ابھرے تھے۔ تو اس کا مطلب تھا کہ عادل کل صبح فیصل سے بات کر رہا تھا..... اور میں ایک مرتبہ پھر سے غلط فہمی کا شکار ہوئی تھی۔

"اُف میرے خدایا..... یہ میں نے کیا کر دیا؟"

ساری صورتِ حال میرے دماغ میں واضح ہو چکی تھی۔ میں سخت شرمندہ تھی عادل سے..... صبح اس کے مارے ہوئے ایک تھپڑ سے اب تک کے لیے جلنے والا میرا گال یک لخت برف کے مانند ٹھنڈا پڑ گیا تھا..... اور ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ میں دل سے اپنی غلطی کو نہ صرف مان رہی تھی بلکہ اس پر... بے حد شرمندہ بھی تھی..... اس لیے نہیں کہ میں کسی بیوقوفی کا شکار ہوئی تھی۔ بلکہ اس لیے بھی کہ آج کے دن میرے دل میں فاطمہ آپی اور عادل کے بارے میں پڑنے والی تہ در تہ گرہیں آہستہ، آہستہ کھلنے لگی تھیں۔

باہر گیٹ پر بجنے والی گھنٹی کی آواز نے ایک دفعہ پھر سے میری توجہ اپنی طرف کھینچی تھی..... آنے والا عادل ہی تھا۔ وہ بھلا کب مجھ سے زیادہ دیر ناراض رہ سکتا تھا..... پتا نہیں رات کیسے کٹی تھی۔ مگر اس دفعہ پہل مجھے کرنی تھی اسے منانے میں..... یہ اس کا حق اور میرا فرض بھی تو تھا اور مجھے یقین ہے اب میرا رب مجھے ثابت قدمی عطا کر کے میری آگے کی منزلیں آسان کر دے گا..... دل کی کیفیت کے بدلتے ہی مجھے باہر کا موسم سہانا لگنے لگا تھا..... آج میں دل سے پیا کے آگے ہاری تھی۔ ایک عجیب سا اطمینان تھا جو آہستہ، آہستہ میرے اندر اتر رہا تھا..... ٹھنڈی ہوائیں یک لخت سامنے سفیدے کے درخت سے ٹکراتی ہوئی واپس پلٹ کر مجھ تک آرہی تھیں اور مجھے اس موسم کو اپنی آنکھوں میں امر کرنا تھا اور اپنے پیا کے سنگ ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے رہنا تھا۔

❁❁❁



www.pklibrary.com

# خوشیاں لے کر آیا چاند

نشا وقار

"جب سے ماہ رمضان شروع ہوا ہے، میں دیکھ رہا ہوں آپ کچھ پریشان سی ہیں۔ خیر تو ہے سب؟" عبداللہ نے منہ پر سے ماسک اتار کر ایک طرف رکھا اور ہاتھ دھونے کے لیے واش بیسن کی طرف بڑھا۔ "اتار چڑھاؤ تو زندگی کا حصہ ہیں امی۔ جب اچھا وقت نہیں رہا تو برا وقت بھی ہمیشہ نہیں رہے گا۔ آپ فکر مت کریں، یہ وقت بھی گزر جائے گا....." عبداللہ نے تولیے سے ہاتھ خشک کرتے ہوئے بغور ماں کو دیکھا جو ابھی تک جائے نماز پر بیٹھی بظاہر تسبیح پڑھ رہی تھیں لیکن چہرے پر پریشانی ہویدا تھی۔

عبداللہ سمجھا کہ ماں اس کی نوکری چلے جانے پر پریشان ہے۔ اس لیے وہ ان کے برابر میں آ کر بیٹھ گیا اور پیار سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر انہیں سمجھانے لگا۔

افطار کا دسترخوان جوں کا توں اپنی جگہ پر موجود تھا۔ سالوں سے سمیرا کا یہ معمول تھا، جب تک عبداللہ مغرب کی نماز پڑھ کر گھر واپس آتا اتنی دیر میں سمیرا دسترخوان سمیٹ کر گرما گرم چائے کے ساتھ عبداللہ کا انتظار کرتی تھیں۔



www.pklibrary.com

پچھلے سال تک روبی بھی اس معمول کا حصہ تھی۔ اس کے پیا دیس سدھارنے کے بعد یہ پہلا رمضان تھا۔ سحری کی رونقیں اور افطار کی خوشیاں تو جیسے روبی کے دم سے تھیں جیسے، جیسے عید قریب آتی جارہی تھی سمیرا کی پریشانی اور... بے چینی میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ عبداللہ سے رہا نہ گیا تو بالآخر پوچھ ہی لیا۔ اس کا پوچھنا تھا کہ سمیرا کا ضبط جواب دے گیا اور وہ دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر پھوٹ، پھوٹ کر رو دیں۔

"اُف اللہ خیر کرے، سب خیریت تو ہے؟ کیوں رو رہی ہیں آپ..... روبی تو ٹھیک ہے ناں.....؟" ماں کے رونے پر عبداللہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"میری بچی بہت پریشان ہے عبداللہ....." سمیرا نے دوپٹے سے آنسو صاف کرتے ہوئے روہانسے لہجے میں بیٹے کو بتایا۔

"کیا ہوا.....؟ کیوں پریشان ہے وہ؟ حماد تو ٹھیک ہے ناں.....؟" ماں کی بات سن کر عبداللہ کو پہلا خیال کورونا کا آیا کہ کہیں خدانخواستہ حماد کو کورونا تو نہیں ہوگیا اس خیال نے ہی عبداللہ کے اوسان خطا کردیے۔ اس نے سامنے لگے دسترخوان سے شربت کا جگ اٹھا کر ایک گلاس خود شربت پیا اور ایک گلاس ماں کو دیا۔ شربت پینے سے دونوں کو کچھ راحت محسوس ہوئی تو عبداللہ نے جواب طلب نظروں سے ماں کو دیکھا۔

"ہم روبی کے لیے جو عیدی لے کر گئے تھے ناں..... وہ اس کے سسرال والوں کو پسند نہیں آئی۔ حماد اور اس کی امی روبی کو بات، بات پر طعنے دیتے ہیں جب سے اس کی جیٹھانی کی عیدی آئی ہے تب سے اس کی ساس اور اس کا شوہر اس سے ایسی ہی عیدی کا تقاضا کر رہے ہیں جیسی شاندار عیدی حماد کے بڑے بھائی سجاد کی سسرال سے آئی ہے....." سمیرا نے اپنی پریشانی کی اصل وجہ بیٹے کو بتائی۔

"دماغ تو ٹھیک ہے ان لوگوں کا، مجھے ان سے اس جہالت کی ہرگز توقع نہیں تھی۔ کیا وہ نہیں جانتے ہمارے گھر کے حالات..... وبا کے دنوں میں کتنی مشکل سے ہمارا گزر بسر ہو رہا ہے۔ کورونا کی وجہ سے میری لگی بندھی نوکری بھی چلی گئی، اتنی مشکل سے ایک دکان پر سیلز مین لگا ہوں، روزانہ کی اجرت پر..... اور وہ بھی کبھی لاک ڈاؤن تو کبھی اسمارٹ لاک ڈاؤن کی نذر ہو جاتی ہے۔ عیدی کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ آپ اپنی خوشی اور محبت سے اپنوں کے لیے تحائف خریدتے ہیں، وہ بھی اپنی حیثیت کے مطابق۔ ہم نے تو پھر بھی اپنی حیثیت سے بڑھ کر دیا اور تحفہ تو کیسا بھی ہو اسے خوشی، خوشی قبول کیا جاتا ہے نہ کہ حقارت سے ٹھکرا دیا جائے۔ بھئی حیرت تو مجھے سجاد بھائی کی سسرال والوں پر ہے۔ اللہ نے انہیں اگر اتنا پیسہ دیا ہے بجائے اس کے کہ وہ اس پیسے سے کوئی فلاحی کام کریں۔ کسی غریب کی مدد کریں۔ کورونا سے زیادہ لوگ بھوک سے مر رہے ہیں اور وہ اس پیسے کو فضول رسموں پر خرچ کر کے انہیں بڑھاوا دے رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہم جیسے سفید پوش لوگ مشکل میں آجاتے ہیں۔" روبی کی سسرال اور اس کے شوہر کا رویہ عبداللہ کی توقع کے برعکس تھا۔ روبی کی شادی اچھے کھاتے پیتے پڑھے لکھے لوگوں میں ہوئی تھی ان سے اس چھوٹے پن کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔

"اور اس وقت اس قسم کا تقاضا کرنا جب پوری دنیا کووڈ کی وجہ سے پریشان ہے، مالی بحران کا شکار ہے۔ ایک طرف بیماری کا خوف تو دوسری طرف کھانے کے لالے۔ اس وقت جو ملکی حالات ہیں ان سے سب سے زیادہ متاثر ہم جیسے سفید پوش لوگ ہو رہے ہیں۔ اپنی سفید پوشی کا بھرم رکھنے کے لیے بے حال ہوئے جارہے ہیں۔ کسی کی مدد لے سکتے ہیں نہ ہی حکومت کی دی ہوئی مراعات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔" ماں کی باتوں نے عبداللہ کو کشمکش و پنج میں مبتلا کردیا کہ اب وہ کیا کرے۔ فی الحال روبی کے سسرال والوں کی من پسند عیدی بنانا اس کے لیے تقریباً ناممکن تھا۔ رمضان کے آخری عشرے میں جب روزے داروں کی عبادات میں طاق راتیں اور اعتکاف کی روحانیت شامل ہو جاتی ہے اور اللہ کے نیک بندے خشوع و خضوع سے عبادتوں میں مگن ہو جاتے ہیں انہی دنوں میں من چاہی عیدی نہ ملنے پر روبی کی سسرال والوں نے اسے عیدی کے سامان کے ساتھ میکے بھیج دیا تھا۔

☆☆☆

"ہیلو السلام علیکم حماد کیسے ہو.....؟" آج کافی دنوں بعد اس کے دوست طاہر کی کال آئی تھی، جب سے کورونا آیا تھا تب سے ملنا ملانا تو تقریباً ختم ہی ہوگیا تھا۔ بس ایک موبائل ہی تھا جس سے ایک دوسرے کی خیر خیریت معلوم ہو جاتی۔ موبائل اسکرین پر طاہر کالنگ دیکھ کر حماد کو ایسا لگا جیسے گھٹن زدہ ماحول میں ٹھنڈی، ٹھنڈی ہوا چلنے لگی..... بے شک روبی اور اس کا بندھن زیادہ پرانا نہیں تھا چاہے چند



www.pklibrary.com

مہینوں کا ہی سہی صبح شام کا ساتھ تھا دونوں کا۔ ماں کے کہنے پر اسے میکے تو چھوڑ آیا تھا لیکن دل بار، بار سگنل دے رہا تھا کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ روبی کی غیر موجودگی اسے گھٹن میں مبتلا کر رہی تھی۔ ''وعلیکم السلام میں بالکل ٹھیک..... تو سنا کیسا ہے؟ جب سے رمضان آئے ہیں تو ایسا غائب ہوا ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ.....'' حماد نے قہقہہ لگاتے ہوئے طاہر کو چھیڑا۔

''بس یار ایک تو کووڈ کا خوف کہیں آنے جانے نہیں دیتا۔ دوسرا لاک ڈاؤن میں گھر میں بیٹھ کر آن لائن کام پھر روزوں کی اپنی مصروفیت ایک رمضان ہی تو ہوتے ہیں جس میں ہم جیسے گناہ گار بھی تھوڑی بہت عبادت کر لیتے ہیں خیر تو سنا کیسا ہے..... اور کام دھندا کیسا چل رہا ہے؟'' طاہر نے حماد کے چھیڑنے پر ہنستے ہوئے اپنی مصروفیت بتائی۔

''یہاں بھی اللہ کا کرم ہے سب خیریت ہے، میں بھی آن لائن ہی کام کر رہا ہوں۔'' حماد نے طاہر کو بتایا اور سامنے لگے وال کلاک پر نظر ڈالی جو صبح کے سات بجا رہی تھی۔ اگر طاہر کی کال نہ آتی تو وہ اب تک سو رہا ہوتا، نو بجے آفس کے کام کے لیے اسے آن لائن آنا ہوتا تھا۔

''ارے باتوں، باتوں میں بھول ہی گیا کہ میں نے تجھے کال کس لیے کی تھی۔ اگر تو کل فارغ ہے تو چل میرے ساتھ عید کی کچھ شاپنگ کرنی ہے مجھے۔'' طاہر نے اپنے کال کرنے کی وجہ بتائی۔

''کل تو ورکنگ ڈے ہے، کیسے آ سکتا ہوں میں؟ مجھے آن لائن آنا ہوتا ہے آفس ورک کے لیے۔'' حماد نے اپنی مجبوری بتائی۔

''یار شاپنگ ورکنگ ڈے میں ہی ہو سکتی ہے کیونکہ آف ڈیز میں تو حکومت کی طرف سے مارکیٹوں کو بند کرنے کے آرڈرز ہیں۔ افطار سے پہلے مارکیٹیں بند ہو جائیں گی اس لیے میرا خیال ہے کہ کل فجر کے فوراً بعد نکلتے ہیں۔''

اگلے دن حماد اور طاہر سحری کے فوراً بعد مارکیٹ آ گئے۔ جہاں سے طاہر نے اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے خریداری کی۔ اس دوران طاہر بار، بار حماد سے کہتا رہا کہ وہ بھی اپنی اور روبی کی شاپنگ کر لے۔ موجودہ حالات میں کب دوبارہ لاک ڈاؤن لگ جائے کچھ پتا نہیں پھر کورونا سے بچنے کے لیے ویسے بھی بار، بار باہر نکلنا صحیح نہیں تھا۔

''دیکھا تو نے کتنی جلدی تیرے بھائی نے خریداری کی ہے۔ وعدے کے مطابق ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے فارغ ہو گئے ہم تو بھی آج ہی خریداری کر لیتا عید کی۔ اچھا تھا آج ہی فارغ ہو جاتا، اب ان حالات میں، بار، بار گھر سے باہر جانا خطرے سے خالی نہیں..... یا پھر بھابی کے ساتھ عید کی خریداری کرنی ہے۔'' سنجیدگی سے کہتے، کہتے آخر میں طاہر نے شوخی سے ایک آنکھ دبائی اور گاڑی کا رخ حماد کے گھر کی طرف کر دیا۔ یہ کراچی کا ایک پوش علاقہ تھا۔ جہاں کشادہ اور صاف ستھری گلیاں ہرے بھرے پودوں سے سجی ہوئی اپنے مالکان کا ذوق اور ان کی خوشحالی کا منہ بولتا ثبوت تھیں، ایسے میں کون کہہ سکتا تھا کہ ان بڑے، بڑے گھروں میں رہنے والے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے دلوں پر فضول رسموں رواجوں کا پہرہ ہے۔ ان کے لیے خود کے بنائے رسم و رواج دوسرے کی عزتِ نفس سے بڑھ کر ہیں..... پرانے وقتوں میں بنائے گھروں میں ضروری نہیں کہ آج بھی ویسی ہی خوشحالی رچتی بستی ہو۔

''روبی تو اپنے میکے گئی ہوئی ہے۔ شادی کے بعد یہ میری پہلی عید ہے۔ بھلا مجھے کیا ضرورت ہے شاپنگ کی میری سسرال سے آئے گا سب کچھ..... روبی اسی لیے میکے گئی ہوئی ہے۔'' حماد نے بڑے فخر سے بتایا جیسے یہ بڑے اعزاز کی بات ہو۔

''کیا مطلب بھابی میکے عیدی لینے گئی ہیں؟'' طاہر نے اچھنبے سے حماد کو دیکھا اسے لگا شاید اس سے سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔

''گئی نہیں ہے میں نے بھیجا ہے وہ تو جا ہی نہیں رہی تھی میں نے دھمکی دی کہ اگر عیدی لے کر آؤ تو آنا ورنہ کوئی ضرورت نہیں واپس آنے کی..... بہت ہی کنجوس ہیں بھئی میری سسرال والے۔'' حماد نے فخریہ انداز میں اپنا کارنامہ بتایا تو طاہر کے دل نے شدت سے خواہش کی کہ ہاتھ میں پکڑے شاپرز حماد کے منہ پر دے مارے۔

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے.....؟ کیسی جاہلوں والی باتیں کر رہے ہو؟ یہ کیا حرکت کی ہے تم نے؟ بھابی کی پہلی عید ہے یہ تمہارے ساتھ..... بجائے اس کے کہ تم اس عید کو اپنے اور بھابی کے لیے ایک حسین اور خوشگوار یاد بناتے جو آنے والے دنوں میں ایک ایسی خوب صورت یاد ہوتی جو وقت کے ساتھ، ساتھ تمہارے رشتے کو مزید خوب صورت



www.pklibrary.com

اور مضبوط بناتی لیکن تم نے یار بہت مایوس کیا جبکہ تم نے خود ہی مجھے بتایا تھا کہ بھابی کا تعلق ایک سفید پوش فیملی سے ہے، والد بھی نہیں ہیں۔ اور ہاں یاد آیا کہ ابھی کچھ دن پہلے جب میری تم سے بات ہوئی تھی اس وقت تو تم نے بتایا تھا کہ تمہارے سسرال والے عیدی لے کر آرہے ہیں حالانکہ اس دن بھی مجھے یہ بات بہت عجیب لگی تھی کہ دنیا چاند پر پہنچ گئی اور ہم آج بھی ان خرافات میں پڑے ہوئے ہیں کہ کس کا سسرال تگڑا ہے، کس نے داماد کو کیا دیا۔ جو دے سکتے ہیں ان کے لیے کوئی بڑی بات نہیں لیکن جو نہیں دے سکتے ان کے لیے تم جیسے لوگوں نے بیٹیوں کو رحمت کے بجائے ایک بوجھ بنا دیا ہے۔'' حماد کی باتوں نے طاہر کا دماغ ہی گھما دیا تھا۔ اس نے خود آج تک اپنی سسرال سے کچھ نہیں لیا تھا بلکہ عید پر اپنے ساس سسر کے لیے وہ ہی تحائف لے کر جاتا تھا جیسے وہ اپنے والدین کے لیے عید پر خریدتا تھا بقول طاہر کے جب بہو بیٹی بن سکتی ہے تو داماد بیٹا کیوں نہیں بن سکتا۔

''عید تو خوشی کا تہوار ہے بجائے اس کے کہ خوشیاں منائی جائیں محبتیں بانٹی جائیں ہم نے اس خوشیوں والے تہوار کو دوسروں کے لیے بالخصوص لڑکی والوں کے لیے ایک بوجھ بنا دیا ہے۔'' طاہر نے اپنے لہجے کو حتی الامکان نرم رکھا اور سمجھانے والے انداز میں حماد سے بات کی۔

''اس میں افسوس والی کیا بات ہے یار..... کیا ہو گیا ہے تجھے، یہ تو رسم ہے ناں کہ بیٹی کے میکے سے عید پر عیدی آتی ہے..... میرے بھائی کی سسرال کو دیکھو رمضان کے پہلے عشرے میں ہی ایسی کوئی شاندار عیدی بھیجی ہے کہ کیا بتاؤں..... ہمیشہ کی طرح بھائی کا اس عید پر بھی روپیہ خرچ نہیں ہوگا۔ جب سے بھائی کی شادی ہوئی ہے ناں تب سے بھائی نے عید کی شاپنگ کرنا ہی چھوڑ دی ہے۔ ہر چیز تو ان کی سسرال سے آجاتی ہے عیدی میں اور ایک میری سسرال ہے اتنی فارغ عیدی بھیجی ہے کہ بندہ کسی کو دکھا بھی نہیں سکتا، ان کے دیے ہوئے تحائف کو استعمال کرنا تو دور کی بات ہے۔ میں نے بھی ان کی دی ہوئی عیدی کو روبی کے ساتھ ہی واپس بھیج دیا، آخر میرا بھی کوئی اسٹینڈرڈ ہے.....'' حماد نے اپنے نام نہاد اسٹینڈرڈ پر بڑے فخر سے گردن تانی۔ طاہر کا دل چاہا کہ کاش اس وقت اس کے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو وہ ارتغرل بننے میں منٹ نہیں لگاتا اور حماد کی تنی ہوئی گردن اڑا دیتا۔

طاہر کو اندازہ تو ہو گیا تھا کہ حماد کی جاہلانہ ذہنیت کے پیچھے اس کی فیملی کا بھی بڑا ہاتھ ہے جب ہی تو آج روبی اس جاہلانہ رسم کی وجہ سے اپنے میکے جا بیٹھی تھی اور گھر کے کسی فرد نے حماد کو سمجھانے کی کوشش نہیں کی بقول اس کے اس کا بڑا بھائی اسے بار، بار یہ احساس دلاتا ہے کہ اس کی سسرال والے بہت اچھے رکھ رکھاؤ والے لوگ ہیں انہیں طریقہ سلیقہ آتا ہے کہ بہن بیٹیوں کو کیسے سمجھا جاتا ہے داماد اور سمدھیانوں کے ساتھ کیسا لین دین رکھتے ہیں، اس لیے اس وقت حماد کو سمجھانا آسان نہیں تھا۔ ایک تو روزے کی حالت دوسرا حماد کو آن لائن ہونا تھا آفس کے لیے، اس لیے طاہر نے حماد کو سمجھانے کا ارادہ فی الحال ترک کر کے اسے اس کے گھر ڈراپ کر دیا۔

''یا اللہ ہمیں اس وبا سے نجات دلا دے، پوری زندگی گزر گئی ہماری ایسا کبھی دیکھا نہ سنا کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک ایسا بھی رمضان آئے گا کہ مسجدوں کی رونقیں ماند پڑ جائیں گی.....'' طاہر جیسے ہی گھر میں داخل ہوا اس کی بیوی غانیہ نے افطار کا دسترخوان سمیٹتے ہوئے اسے وہیں اشارے سے ماسک اتارنے اور ہاتھوں پر ڈیٹول کا اسپرے کرنے کا اشارہ کیا۔ طاہر جو مسجد کے سناٹے پر دل برداشتہ ہو کر اپنی ہی دُھن میں بولتا ہوا گھر میں داخل ہو رہا تھا بیوی کے اشارے پر وہیں تھم کر اپنے ہاتھوں پر اسپرے کرنے لگا۔

''کچھ عجیب سی حالت ہے دل کی، ایک طرف وبا کا خوف تو دوسری طرف لوگوں کی مالی حالت دیکھ کر کلیجا منہ کو آرہا ہے۔ کیسے لوگ بیروزگار ہو رہے ہیں، روکھی سوکھی کے لیے اپنے گھر کا سامان تک بیچ رہے ہیں۔'' طاہر کی امی نے نیوز چینل دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور تم بتاؤ آج سحری کے بعد کہاں نکل گئے تھے؟ اور سارا دن لیپ ٹاپ لے کر ڈرائنگ روم میں بند رہے، میں سوچتی ہی رہ گئی کہ پوچھوں..... سب خیریت تو ہے۔'' طاہر کی امی نے بہو کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے طاہر سے اپنی دلی کیفیت بیان کی جو نیوز چینل دیکھ، دیکھ کر اور خراب ہو رہی تھی اس پر طاہر کا سحری کے فوراً بعد گھر سے باہر جانا اور ہولا گیا تھا جس کی وجہ سے عجیب عجیب سے وہم انہیں پریشان کر رہے تھے کہ کہیں کسی عزیز کی فوتگی تو



www.pklibrary.com

☆ پاکیزہ کی مخلص دوست، شاعرہ، کالم نگار، مصنفہ، ماہر قانون اور تبصرہ نگار ایڈووکیٹ سعدیہ ہما شیخ، سرگودھا کو پاکستان لائرز فورم نے وومن ڈے کی خصوصی تقریبات پر ان کی بہترین کارکردگی کے اعتراف میں خدمت ایوارڈ اور بیگم محی الدین ایوارڈ سے نوازا۔ سعدیہ ہما شیخ حتی المقدور خواتین قیدیوں کی تربیت اور دادرسی کے لیے خصوصی تگ و دو کررہی ہیں۔ (سعدیہ اللہ پاک آپ کو مزید ہمت و طاقت عطا کرے، آمین) ان کی ایک اور کامیابی یہ ہے کہ پندرہ روزہ اخبار صف شکن جو ملتان سے شائع ہوتا ہے اس میں سعدیہ کو انچارج مضامین منتخب کیا گیا ہے۔

---

نہیں ہوگئی کورونا سے کیونکہ یہ ہی سننے میں آرہا تھا کہ کورونا کے مریض کو خاموشی سے دفنا دیتے ہیں۔

"حد کرتی ہیں آپ بھی سب سے پہلے تو یہ نیوز چینلز دیکھنا بند کریں جو آپ کا بلڈ پریشر بڑھا دیتے ہیں۔" طاہر نے ریموٹ سے ٹی وی بند کیا۔

"میں سحری کے بعد مارکیٹ چلا گیا تھا، آپ لوگوں کی عید کی خریداری کرنے۔ آپ لوگوں کا پتا تھا کہ مجھے کورونا کے خوف سے دہلیز بھی پار نہیں کرنے دیں گے۔ اسی لیے حماد کو ساتھ لے لیا تھا۔ یہ سوچ کر آج ہی خریداری کرلی کہ کچھ پتا نہیں ہے اگلا لاک ڈاؤن کب لگ جائے۔" طاہر نے کمرے سے شاپنگ بیگ لاکر ماں اور بیوی کے سامنے رکھ دیے۔

"ایسے حالات میں کہاں دل چاہتا ہے کسی چیز کا، فضول میں تم نے روزے کی حالت میں اتنی خواری کی۔ پتا نہیں عید تک ہم زندہ رہیں گے بھی کہ نہیں۔" ماں کی باتوں پر طاہر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں امی..... اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہوگا۔"

"ہمارا کیا ہے، ہم پر تو اللہ کا کرم ہے، آپ کسی مستحق کی مدد کردیتے ہم تو کچھ بھی پہن لیتے..... کورونا کی وجہ سے مالی طور پر لوگ بالکل ٹوٹ گئے ہیں، ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔" غانیہ نے اس کی بات پر افسردگی سے کہا۔

"تم فکر مت کرو، وہ مستحق لوگ جو گھر میں فاقے سے تو مرجاتے ہیں لیکن کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے ایسے لوگوں کی کھوج میں رہتا ہوں میں اور ان کی مدد بھی کرتا ہوں۔" طاہر نے محبت پاش نظروں سے اپنی شریکِ حیات کو دیکھا جو عام عورتوں کی طرح شاپنگ کی دلدادہ نہیں تھی بلکہ اپنے سے پہلے اسے دوسروں کا خیال رہتا۔ اس وقت بھی اسے اپنی شاپنگ کی خوشی کے بجائے دوسروں کی فکر تھی۔

"حماد کی سناؤ کیسا ہے وہ؟ اور گھر میں سب خیریت ہے ناں اس کے؟ بیوی کیسی ہے اس کی؟ اگر یہ بیماری نہ آئی ہوتی تو میں حماد کی دعوت کرتی۔" حماد کے ذکر پر امی کو اس کا خیال آیا تو طاہر کو حماد کی صبح کی باتیں یاد آگئیں اس کی ذہنیت پر طاہر کو سچ میں بہت افسوس ہوا تھا..... یہ ہی وجہ تھی کہ ماں کو حماد کی صبح والی ساری باتیں بتاتے ہوئے اس



www.pklibrary.com

کے لہجے میں غم اور غصہ دونوں تھے۔

"اتنے پڑھے لکھے کھاتے پیتے لوگوں کی اتنی چھوٹی سوچ کہ اپنی عزت کو اتنی چھوٹی سی بات پر بے عزت کر کے گھر سے نکال دیا..... اور تو اور ان کے تحفے بھی حقارت سے واپس کر دیے پتا نہیں کتنی مشکلوں سے انہوں نے بچی کی عیدی تیار کی ہوگی..... لوگوں کی نظروں میں اچھا بننے کے لیے غریب گھرانے کی لڑکی تو لے آتے ہیں لیکن انہیں بسانے کا ظرف نہیں ہوتا ان جیسوں میں۔" طاہر کی امی افسردگی سے سر ہلاتی ہوئی اپنے کمرے میں آرام کرنے چلی گئیں..... یہ ان کا معمول تھا افطار کے بعد سے عشا تک تھوڑا استراحت تھیں لیکن روبی کے ساتھ ہونے والے سلوک پر انہیں اپنا وقت یاد آ گیا کہ کیسے انہیں بات، بات پر طاہر کے ابا مرحوم اور ان کی والدہ مرحومہ سے طعنے ملتے تھے۔ ان کی کم مائیگی اور میکے کی غربت ان کے لیے گالی بن گئی تھی۔ یہ ہی وجہ تھی کہ طاہر کی گھٹی میں انہوں نے عورت کی عزت اور مرد کی غیرت ڈال دی تھی۔

☆☆☆

گھر کے سب لوگ دسترخوان پر بیٹھے روزہ کھولنے کا انتظار کر رہے تھے آج انتیسواں روزہ تھا اور چاند دکھنے کے امکانات زیادہ تھے۔ افطار ہونے میں ابھی چند منٹ تھے کہ اچانک دروازے کی گھنٹی بج اٹھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی گھنٹی پر ہاتھ رکھ کر اٹھانا بھول گیا ہو۔

سجاد نے دوڑ کر دروازہ کھولا تو سامنے حماد سامان سے لدا کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے روبی مسکراتی ہوئی گھر میں داخل ہو رہی تھی۔ یہ منظر گھر کے تمام افراد کے لیے غیر متوقع تھا سب کبھی حماد اور کبھی روبی کو دیکھتے تو کبھی اس سامان کے ڈھیر کو جو حماد نے صوفے پر لا رکھا تھا۔ اتنے میں مسجدوں سے مغرب کی اذان کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں تو سب لوگ افطار کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مغرب کی نماز کے بعد حماد نے گھر آ کر سب سے پہلے گھر والوں کو ان کے تحائف دیے۔ اپنا اور روبی کا سامان لے کر وہ کمرے میں چلا آیا۔ جہاں روبی حیران، حیران سی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟ چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ ہمیں فوراً نکلنا ہے، ایک سرپرائز ہے تمہارے لیے جلدی آؤ میں گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" اس سے پہلے کہ روبی کچھ کہتی وہ اسے مزید حیرانی میں ڈال کر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"السلام علیکم حماد بھائی وقت کے بڑے پابند ہیں آپ۔ بالکل ٹھیک وقت پر بھابی کو لے آئے، میں مہندی لے کر بیٹھی بھابی کا ہی انتظار کر رہی تھی۔" دروازہ غانیہ نے ہی کھولا تھا، رسمی علیک سلیک کے بعد طاہر، حماد کو لے کر ڈرائنگ روم میں چلا گیا جبکہ غانیہ اور طاہر کی امی باہر لاؤنج میں روبی کے ساتھ ہی بیٹھ گئیں۔ غانیہ مہندی کی کون لے کر آ گئی اور روبی کے ہاتھ پاؤں مہندی سے رنگنے لگی۔

"آپ کو پتا ہے بھابی! حماد بھائی بڑے پریشان تھے کہ آپ کو مہندی کہاں سے لگوائیں۔ کورونا کی وجہ سے پارلرز سب بند ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ آپ کو میرے پاس لے آئیں میں آپ کے مہندی لگا دوں گی۔ میری سب کزنز اور فرینڈز مجھ سے ہی مہندی لگواتی ہیں۔ آپ بتائیں آپ کو کیسی لگی میری لگائی ہوئی مہندی؟" حسب عادت غانیہ کی زبان بھی اس کے ہاتھوں کی طرح تیز، تیز چل رہی تھی۔ مہندی لگ چکی تھی..... تھوڑی دیر بیٹھ کر وہ لوگ ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

روبی کی تو حیرت ہی ختم نہیں ہو رہی تھی جس شخص نے کبھی اس سے مسکرا کر بات نہیں کی تھی ہمیشہ اسے لوئر کلاس کا طعنہ دیا تھا اس کے میکے والوں کو ہمیشہ کمتر سمجھا تھا، اس کے میکے سے من پسند عیدی نہ آنے کی وجہ سے اسے روزے کی حالت میں میکے یہ کہہ کر چھوڑ کر چلا گیا تھا کہ عیدی کے بغیر گھر واپس مت آنا، اس میں اچانک اتنی بڑی تبدیلی کیسے آ گئی کہ وہ جو کل تک اجنبی تھا آج اپنا اپنا سا کیسے ہو گیا تھا۔

اس موڑ سے شروع کریں پھر یہ زندگی
ہر شے جہاں حسین تھی ہم تم تھے اجنبی

"یہ میری زندگی کی پہلی چاند رات ہے جس میں اتنا سناٹا ہے ورنہ کراچی میں چاند رات کو ایک جشن کا سا سماں ہوتا تھا۔ اب تو سب ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے سوشل ڈسٹینس کا خیال رکھتے ہیں، اگر پہلے جیسے حالات ہوتے تو میں تمہیں طارق روڈ کی مشہور پان شاپ سے پان کھلاتا اور چوڑیاں بھی دلواتا۔ فی الحال تو ان ہی سے کام چلاؤ....." یہ کہتے ہوئے حماد نے سگنل پر گجرے بیچتے بچے سے گجرے خرید کر روبی کی نازک کلائیوں میں



www.pklibrary.com

ڈال دیے، مہندی رچے ہاتھ گجروں سے سج کر اور بھی حسین لگنے لگے۔

"روبی جب بھی اللہ نے ہمیں اولاد سے نوازا تو تم بیٹی سے زیادہ بیٹے کی تربیت پر توجہ دینا، بیٹیاں تو ہر ماحول میں ڈھل جاتی ہیں۔ بیٹے کی تربیت ایسی کرنا جیسی طاہر کی امی نے کی ہے، ایسی تربیت مت کرنا جیسے میری تربیت ہوئی ہے۔" حماد نے گجرے سے سجے ہاتھوں پر سے نہ چاہتے ہوئے بھی نظریں ہٹائیں اور اپنی پوری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کردی۔ آج پتا نہیں اسے روبی پر اتنا ٹوٹ کر پیار کیوں آرہا تھا شاید فضول رسموں رواجوں کو چھوڑ کر آج اسے پہلی بار نکاح کی اہمیت کا اندازہ ہوا تھا۔

"میں کچھ سمجھی نہیں....." روبی نے ناسمجھی سے حماد کو دیکھا۔

"اب تک میرا تمہارے ساتھ جو بھی رویہ رہا ہے، وہ میری ماں کی تربیت کا نتیجہ تھا۔ ہمیشہ اپنی ماں کے منہ سے یہ ہی سنا کہ شادی کے بعد ہر چیز سسرال سے ہی آتی ہے چاہے وہ تہواریاں ہوں یا دوسری رسوم کے مواقع۔ لڑکی والے داماد اور سمدھیانوں کو بہت سمجھتے ہیں، اچھے خاندانی لوگ ان رسموں، رواجوں کو اچھے سے نبھاتے ہیں۔ میں نے اپنے گھر میں یہ ہی دیکھا۔ میری بہنوں کی تہواریاں ہر سال ایسے ہی جاتی ہیں جیسے تم نے خود اپنی آنکھوں سے بھابی کی عیدی دیکھی حالانکہ امی کو مشکل بھی ہوتی تھی مگر کرتی تھیں۔ لیکن ان خود کی بنائی ہوئی رسموں میں ہم یہ بھول گئے کہ جو یہ سب کچھ افورڈ نہیں کرسکتے ان کی بہنوں، بیٹیوں کے لیے عید جیسا خوب صورت خوشیوں والا تہوار اس وقت کتنا تکلیف دہ بن جاتا ہوگا جب اس طرح کے طعنے سننے کو ملتے ہوں گے کہ فلاں کی بہو کی عیدی میں کیا کچھ نہیں آیا ہے یا فلاں نے اپنے داماد کو اور اس کے گھر والوں کو فلاں، فلاں چیزیں دیں۔ ہمیشہ باپ کا رویہ ماں کے ساتھ ہتک آمیز ہی دیکھا، بھائی کی شادی ہوئی تو ماں کو یہ ہی کہتے سنا زیادہ سر پر مت چڑھاؤ، دبا کر رکھو..... ہمارے اور ہم جیسے بہت سے خاندانوں میں ماں، بہن، بیٹی کو تو عورت سمجھ کر عزت دی جاتی ہے لیکن ہم جیسے پڑھے لکھے لوگوں میں بیوی کو جو کسی اور کی بہن اور بیٹی ہوتی ہے آج بھی پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی اپنی بیوی کا خیال رکھے، اسے عزت دے تو اسے سب جورو کا غلام کہتے ہیں۔ صحیح کہا ہے کسی نے تربیت صرف عورت کی ہی نہیں مرد کی بھی ضروری ہے۔ جس طرح سے کہا جاتا ہے کہ ایک کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے اسی طرح سے ایک غیرت مند شخص کے پیچھے ایک باغیرت ماں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ یہ ماؤں کی تربیت ہی تو ہے جو مرد کو بے غیرت یا باغیرت بناتی ہے۔ یہ مائیں ہی ہوتی ہیں جو مرد کو عورت کی عزت اور اس کا احترام اور اس سے محبت کرنا سکھاتی ہیں، اسے بتاتی ہیں کہ وہ مرد ہے اور مرد کی غیرت یہ کبھی گوارا نہیں کرے گی کہ وہ اپنی بیوی یا اس کے گھر والوں پر مالی بوجھ ڈالے۔ اور تمہیں معلوم ہے روبی..... یہ سب باتیں مجھے طاہر نے سمجھائی ہیں کیونکہ اس کی ماں نے اسے ایک باغیرت، خوددار مرد بنایا ہے اور میری ماں کی تربیت نے مجھے کیسا بے حس، بے غیرت بنادیا۔ میں شکر گزار ہوں طاہر کا کہ جس کی وجہ سے میرا گھر ٹوٹتے، ٹوٹتے بچ گیا۔" وہ کہے جارہا تھا اور روبی صرف اسے دیکھے جارہی تھی۔

"مجھے تو طاہر کی باتیں سمجھ آگئیں لیکن یہ سب باتیں امی کو کبھی سمجھ نہیں آئیں گی۔ ان کی ایک عمر گزر گئی ان فضول رسموں، رواجوں میں۔ میری جنت ہیں وہ میں ان کے ساتھ بحث نہیں کرسکتا اسی لیے میں نے وہ سب سامان اپنے پیسوں سے خرید کر ان کے سامنے رکھ دیا یہ کہہ کر کہ یہ سب تمہارے میکے والوں نے بھیجا ہے۔ آخر تمہاری عزت بھی تو عزیز ہے، تمہیں عزت اور مان کے ساتھ گھر جو لانا تھا مجھے۔ اس لیے یہ سب کیا لیکن میں وقتاً فوقتاً انہیں سمجھاتا رہوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ وقت کے ساتھ، ساتھ ان کی سوچ میں تبدیلی آجائے لیکن مجھے اس کا سو فیصد یقین ہے کہ اب ہماری آنے والی نسلوں کے مرد بچ میں مرد ہوں گے اور مرد غیرت مند ہی اچھا لگتا ہے، بے غیرت مرد تو بچ میں اس قابل بھی نہیں ہوتا کہ اسے نامرد ہی کہہ دیا جائے.... فی الحال ایک طرف ماں راضی اور خوش تو دوسری طرف بیوی بھی راضی اور خوش.....اور بیوی شاید تھوڑی سی حیران بھی ہے۔" آخری جملے پر حماد شوخ ہوا تو روبی نے گھبرا کر اپنا رخ کھڑکی کی طرف کرلیا جہاں ہلالِ عید مسکراتے ہوئے ہر اس لڑکی کو اچھے دنوں کی نوید دے رہا تھا جو آئے دن ان خودساختہ رسموں، رواجوں کی... بھینٹ چڑھ رہی تھی۔

❁❁❁



www.pklibrary.com

# سراہے خواب و خیال

فرح بخاری

**دوسرا اور آخری حصہ**

”اسٹڈی سے مطمئن تو ہو ناں دارین بیٹا؟ کیسی جارہی ہے پڑھائی؟ کل باقر سے فون پر بڑی لمبی بات ہوئی، تمہارے بارے میں پوچھ رہا تھا۔“ اظہر انکل ناشتے کے بعد اس سے پوچھ رہے تھے۔ میرب کچن سے نکل کر اتفاقاً ہی اس وقت وہاں سے گزر رہی تھی۔ دارین بنا آس پاس متوجہ ہوئے خالی، خالی نظروں سے ٹیبل کو دیکھ رہا تھا۔

”جی انکل، بس زور تو لگا رکھا ہے لیکن کبھی، کبھی عجیب سی کیفیت ہو جاتی ہے۔ پھر پڑھائی سے بالکل دل اچاٹ ہو جاتا ہے۔ گھنٹوں بھی کتاب لے کر بیٹھا رہوں تو سمجھ کچھ نہیں آتی۔“ اس کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔ میرب نے چونک کر اس کی شکل دیکھی.. شاید مذاق کا تاثر ڈھونڈنا چاہا لیکن وہ از حد سنجیدہ تھا۔

”آپ یہ ٹھیک نہیں کر رہے۔“ وہ کوئی آدھے



www.pklibrary.com

گھنٹے بعد ہی آؤٹ ہاؤس میں اس کے مقابل بلکہ سر پر کھڑی تھی۔

''کیا.....؟'' وہ انجان بنا اس کی صورت دیکھنے لگا۔ وہ اس وقت بھی بے رنگ سے نسواری کپڑوں میں عام دنوں والے حلیے میں تھی لیکن اس کی کالی آنکھوں کی جگنوؤں سی چمک، چھوٹی سی ناک کی پتلی سی اٹھان، مسکراہٹ سے عاری غصہ اگلتے لب۔

''آپ کی توجہ ہٹنے کی وجہ میں نہیں ہوں.....اور پلیز آنکھوں سے باتیں کرنا بند کریں۔'' وہ غصہ کھا گئی، دارین نے قہقہہ لگایا۔

''یہ بھی ویسے انڈر اسٹینڈنگ کا ایک اوپری درجہ ہے، جب بندہ آنکھوں کی تحریر سمجھنے لگ جائے۔''

''آپ مجھے ایموشنل بلیک میل کرنا چھوڑ دیں۔ اپنی پڑھائی پر دھیان دیں۔'' وہ ہاتھ سینے پر باندھے کسی چھوٹی بچی کی طرح روٹھی کھڑی تھی۔

''اور میں نہ دوں تو تمہیں کیا فرق پڑتا ہے؟''

''آپ کے والدین نے جس مقصد کے لیے آپ کو بھیجا ہے ان کی امیدوں کا کچھ خیال کریں۔'' وہ اسے سمجھاتے ہوئے سخت بے بسی محسوس کر رہی تھی۔

''ویسے انہوں نے مجھے لڑکی پسند کرنے بھی بھیجا تھا۔'' دارین نے پین دانتوں میں دباتے شرارت سے ایک آنکھ میچی۔

''یو آر ٹو مچ.....'' وہ غصے سے پلٹی البتہ میز پر رکھی گولیاں دیکھ کر لمحے بھر کو پریشان بھی ہوئی پھر توجہ ہٹالی۔

''پڑھائی کے علاوہ کسی پر دھیان دینا ہے تو وہ ارسلہ ہے۔ مجھے پتا ہے ان سب کے دل میں کیا ہے۔'' کھل کر کہنے سے اس نے گریز کیا۔

''لیکن یہ میرا دل ہے اور اس پر میری بھی نہیں چلتی۔'' وہ سخت شرارتی موڈ میں تھا۔ میرب کا یہاں تک چل کر آنا، بھلے سمجھانے کے لیے سہی، اس کے مزاج کو از حد شگفتہ کر گیا تھا۔

''ٹو ہیل ود یور..... دل.....'' وہ جل کڑھ کر



www.pklibrary.com

واپس پلٹی۔

"بک ریک کے سب سے نچلے خانے میں احمد فراز، گرین بک....." وہ پیچھے سے ہانک لگانا نہیں بھولا، میرب نے مٹھیاں بھینچیں..... لیکن ظاہر ہے..... "لیٹر" بھی نکالنا تھا۔

"موسم دید تیری جنبشِ ابرو پہ نثار
سجدۂ اہلِ وفا تیرے در و بام کے نام
میری پلکوں پہ سلگتی ہوئی صدیوں کے نجوم
تیری زلفوں سے مہکتی ہوئی اِک شام کے نام
میرے بجھتے ہوئے ہونٹوں پر غزل کی خواہش
تیری آنکھوں پر اترتے ہوئے الہام کے نام"

پلکوں پر آئی ایک چمکتی نمکین بوند آج اس حسین الہام سمیت کسی سمندر میں غرق ہو جانا چاہتی تھی۔ کاش وہ بدذوق ہوتی تو موتیوں سے الفاظ کا یہ چناؤ اس کے دل پر ذرہ برابر اثر انداز نہ ہوتا، شاعری سر سے گزر جانا بھی نعمت ہوا کرتی ہے۔ سعدیہ ممانی کی راہ میں ابھرتا ایک پتھر اسے پہلی بار پہاڑ جیسا بلند ہوتا دکھائی دیا۔

وہ آج اداس ہو گئی تھی، بہت اداس!

☆☆☆

صبح نیند سے اٹھ کر وہ باہر آئی تو ابھی ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی اور ایسا اکثر ہی ہوتا تھا۔ وہ اور اس کی امی سحر خیز تھیں اس لیے ابھی تک میرب کی یہ عادت برقرار تھی۔ فون کی گھنٹی پر اس کے کچن میں جاتے قدم رکے۔

"ہیلو.....!" اوروں کے آرام میں خلل کے خیال سے اس نے فوراً ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو، ارسلہ، بیٹا میں عارفہ آنٹی ہوں، سب خیریت ہے ناں اُدھر؟"

"جج جی....." وہ سمجھی نہیں کہ کیا کہے، عارفہ آنٹی کا اسے پتا تھا کہ دارین کی امی ہیں لیکن وہ اسے ارسلہ سمجھی تھیں۔

"بیٹا، دارین جاگ گیا ہے؟"

"ابھی تو وہ اس طرف نہیں آئے آنٹی، شاید سو....."

"بیٹا دارین میری کال پک نہیں کر رہا، مجھے بہت پریشانی ہو رہی ہے، رات اس کو بخار بھی تھا۔ روزانہ تو وہ الارم لگا کر سوتا ہے۔ پھر اٹھ کر پہلے مجھ سے بات کرتا ہے، اس کے بعد پڑھنے بیٹھ جاتا ہے لیکن اب تو بڑی دیر سے ٹرائی کر رہی ہوں، بیل مسلسل جا رہی ہے..... وہ اٹھاتا کیوں نہیں۔" عارفہ آنٹی کی پریشانی ان کے لہجے سے ہویدا تھی۔ یہ معلوم ہونے پر وہ مزید پریشان ہو چکی تھیں کہ دارین اس طرف بھی نہیں آیا تھا۔

"مجھے بڑی گھبراہٹ ہو رہی ہے بیٹا....."

"جج..... جی ... میں ... دیکھتی ہوں....." اس نے ریسیور اوندھا سیدھا کریڈل پر رکھا جو ہڑبڑاہٹ میں لٹکنے لگا لیکن وہ بنا پروا کیے ننگے پاؤں ہی بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ لان سے ہوتی اپنے گھر میں داخل ہوئی تو یہاں بھی ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی لیکن کوئی جواب نہیں آیا..... دوسری دستک کے بعد وہ کھڑکی کی طرف بھاگی اور اسے اندر کی جانب دبایا..... لیکن وہ بند تھی اس نے پریشانی سے کھڑکی پر ہاتھ مارے، لکڑی کے فریمز اور شیشوں سے بنی کھڑکی کو وہ جگہ جگہ سے ہاتھ مار رہی تھی کیونکہ ہر فریم کا اپنا الگ شیشے کا پیس تھا تبھی ایک جگہ فریم کا ایک چھوٹا شیشہ اپنی جگہ سے ہلا ہوا پایا۔ میرب نے شیشے کو اندر کی جانب دھکا دے کر توڑ ڈالا اور ٹوٹی ہوئی جگہ سے ہاتھ اندر ڈالتے کھڑکی کی چٹخنی بالآخر کھولی۔ کھڑکی کھلتے ہی وہ اس کے اوپر چڑھ کر اندر کود آئی..... کمرے میں اندھیرا تھا اس نے جلدی سے لائٹ آن کی اور پلٹی تو ڈھیلی سی شرٹ، ٹراؤزر اور بکھرے بالوں کے ساتھ وہ بستر سے نکل کر سامنے کھڑا حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اوہ مائی گاڈ....." پیشانی پر ہاتھ مارتے اس نے تھک کر دیوار سے ٹیک لگائی تھی۔ کمرے کی خاموشی میں اس کی گہری، گہری سانسوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ بہت دور سے لگاتار بھاگتی ہوئی آئی تھی اوپر سے گھبراہٹ..... سانس قابو میں آنا مشکل تھا۔



www.pklibrary.com

''کیا ہوا؟'' دارین حیران، پریشان اسے کھڑا دیکھ رہا تھا۔ لیکن وہ ہرگز بولنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ دارین نے سائڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس بھرا اور اس کے قریب آیا۔

''اوہ نو.....'' گلاس تیزی سے کرسی کے ہتھے پر رکھ کر دارین نے میرب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ وہ کچھ نہ سمجھتے چھڑوانے کی کوشش کرنے لگی لیکن دارین کی گرفت مضبوط تھی۔ وہ اسے کھینچتے ہوئے نزدیکی ٹیبل تک گیا اور بہت سے ٹشو پیپر اٹھا کر اس کے ہاتھ پر دبائے۔ میرب کا بھی حیرت سے منہ کھلا۔ اس کا ہاتھ تو خون میں تر تھا۔ کھڑکی کا شیشہ توڑتے اسے کب کانچ لگ گیا اسے پتا ہی نہیں چلا تھا۔

''خیر تو ہے؟'' دارین اب سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اس کی اس طرح آمد پریشان کن تھی۔

''آ..... آپ کال پک نہیں کر رہے رات سے۔ آپ کی امی پریشان ہیں۔'' وہ چہرے پر آئے اپنے ہلکے گیلے بالوں کو دوسرے ہاتھ سے کان کے پیچھے اڑس رہی تھی۔ سر جھکا ہوا تھا اور دوسرا ہاتھ ہنوز دارین کے ہاتھ میں۔

''بس اتنی سی بات.....!''

''وہ بتا رہی تھیں آپ کو رات بخار بھی تھا۔''

''اور تمہیں لگا صبح ہوتے مریض دوسری دنیا سدھار گیا۔'' وہ اب ہلکی مسکراہٹ لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ میرب ازحد شرمندہ تھی۔ اس کا سامنا کرنا اس وقت دنیا کا سب سے مشکل کام اور انتہائی embarrassing تھا۔ وہ سر نہیں اٹھا پا رہی تھی۔ بنا سوچے بھاگے چلے آنے انتہا درجے کا احمقانہ عمل لگا جو کہ سرزد ہو چکا تھا۔ دارین نے اس کے ہاتھ کو دیکھا، ٹشو پیپرز کی وجہ سے خون نکلنا بند ہو چکا تھا۔ اس طرف سے تسلی ہونے پر میرب کو دیکھا، اس کے کھلے گیلے بال ایک سائڈ سے چہرے پر آئے ہوئے تھے۔ سر ابھی تک جھکا تھا۔ چہرے پر گھبراہٹ کا پسینہ دارین کی موجودگی کے خیال سے مغلوب ہونے کا تاثر دے رہا تھا۔ آج وہ وارن کرتی شیروانی محسوس نہیں ہو رہی تھی، دارین کی جرأت کچھ اسی حساب سے غالب آئی۔

''یو آر بیوٹی فل.....'' وہ اس کے بالوں کو محض ایک انگلی کی مدد سے چہرے سے ہٹاتے اس کی جھکی پلکوں کو دیکھ رہا تھا۔ میرب ایک دم حواسوں میں آتے ہاتھ جھٹک کر سائڈ پر ہو گئی۔ وہ اس وقت بند کمرے میں اس کے ساتھ تھی..... اگر کوئی آ جاتا اس نے کانپتے ہاتھوں سے دروازے کی چٹخنی گرائی اور جلدی سے باہر آ گئی۔ زخمی ہاتھ سے ٹشو پیپر چپک گیا تھا اس لیے خون بہنا بند ہو چکا تھا۔ وہ اپنے زخم کو دیکھتی برآمدے میں آ گئی۔ اس کے لمبے ہلکے کرلی بال پشت پر بکھرے تھے۔ میرون اور بلو اجرک پرنٹ میں آج وہ بہت پُرکشش نظر آ رہی تھی۔ دارین نے اس کے چلنے پر پہلی مرتبہ نوٹس کیا کہ وہ ننگے پاؤں آئی تھی۔

''اے سنڈریلا.....'' وہ لپک کر اس کے پہلو میں آیا تو وہ رک گئی لیکن اس کی طرف دیکھا نہیں، زخمی ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھے سامنے دیکھتے چہرہ سنجیدہ رکھا ہوا تھا۔

''اگر میں سچ مچ گزر گیا ہوتا تو تم کیا کرتیں؟''

''میں آپ کی امی کے لیے پریشان تھی۔'' وہ تھوک نگل کر بمشکل بولی تھی۔

''جھوٹ.....''

''نہیں، سچ کہہ رہی ہوں۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے فوراً وضاحت دینے لگی۔

''ہوں..... اور تمہاری ان کالی جگنوؤں جیسی آنکھوں کا سچ.....؟'' وہ اب سنجیدگی سے ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بنا کوئی جواب دیے تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

''جی بابا معلوم ہے، بس دو ہفتے بعد ان شاء اللہ واپسی.....'' معلوم نہیں آگے سے اس کے بابا نے کیا کہا کہ دارین کی ایک آہ نکل گئی۔

''میری محنت کا کیا بھروسا بابا جان۔ آپ کی دعاؤں کا سہارا ہے۔'' اس نے دل میں سوچا۔



www.pklibrary.com

''زیادہ اچھے رزلٹ کی توقع نہ کریں بابا۔ پڑھائی پر فوکس نہیں کر پایا۔'' وہ بولا۔

''کیا واپس.....؟'' اس نے اپنے بابا کی بات سننے کے بعد دُہرایا۔ ''جی آ تو سکتا ہوں لیکن وہاں تو اور بھی زیادہ مشکل ہوگی۔''

''اچھا آپ پریشان نہ ہوں، امی سے کچھ نہیں کہیے۔ ابھی تو پندرہ دن ہیں ناں۔'' اس نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں جیسے بابا کے ساتھ، ساتھ خود کو بھی تسلی دی۔ میرب اپنے گھر کی دیوار کے اس طرف کیاریوں میں پانی دے رہی تھی۔ دارین ان کے لان میں یقیناً موبائل فون پر اپنے بابا سے بات کر رہا تھا اور اس میں تو کوئی شک نہیں تھا کہ میرب کی وہاں موجودگی سے وہ قطعی طور پر بے خبر تھا۔

پائپ وہیں چھوڑ کر وہ گم صم سی اپنے کمرے میں آ گئی۔ ''جو وہ اپنے ابو سے کہہ رہا تھا اگر وہ سچ تھا تو یعنی اس کی توجہ اس کا اظہار، اس کے خیالات کی تبدیلی کے آئینہ دار تھے۔ اور اس طرح تو اس کا پڑھائی پر دھیان نہ دینا بھی سچ ہوگا..... اور اگر ایسا تھا تو اس کی وجہ وہ خود تھی۔ وہ اسے مذاق سمجھ رہی تھی، اسے غیر سنجیدہ لینے کی جبراً کوشش کر رہی تھی لیکن اب تو اس کے جانے میں یہی دو ہفتے باقی بچے تھے۔ اس کے کیریئر کے انتہائی قیمتی دو ہفتے گویا اس کے ہاتھ سے پھسلتے جا رہے تھے۔ ان پندرہ دنوں میں اگر وہ پڑھائی پر فوکس کرے تو نتیجہ انتہائی شاندار ہو سکتا ہے..... لیکن اگر نہ کر پایا تو..... تو اس کا یہاں آنا، اظہر ماموں کا احسان لینا، گھر والوں سے دوری سب رائگاں چلے جائیں گے۔'' میرب کمرے میں چکر کاٹتے، لب چباتے مسلسل سوچ میں غلطاں تھی..... لیکن بہت سوچنے پر بھی کوئی قابلِ عمل حل نہ سوجھ سکا۔

☆☆☆

دوپہر کے کھانے پر سعدیہ آنٹی نے اسے بتایا کہ شام کو انہوں نے اپنے بھتیجے کی برتھ ڈے پارٹی میں جانا ہے اور ان کا پروگرام سن کر دارین نے بھی دوستوں کی طرف جانے کا پلان بنا لیا۔ حالانکہ سعدیہ آنٹی اسے سرسری انفارم کیا کرتیں لیکن دارین ایسے موقع پر اس لیے دوستوں کی طرف چلا جاتا تاکہ اس کی طرف سے ان کو کھانے وغیرہ کی فکر نہ لگی رہے۔

''تم چاہو تو گھر پر رہ سکتے ہو دارین، میں تو صرف تمہارے علم میں لا رہی تھی۔''

''جی آنٹی، مجھے پتا ہے..... لیکن دوستوں کی طرف کافی دنوں سے جانا نہیں ہوا.....''

''چلو جیسی تمہاری مرضی۔'' وہ محبت سے مسکرا دیں اور پھر شام کو دارین ان سب کے نکلنے سے پہلے ہی دوستوں کی طرف چلا گیا۔ لیکن طبیعت آج کچھ.... بے چین سی تھی۔ یہاں آ کر بھی موڈ تبدیل نہ ہو سکا تو گھنٹے بھر بعد ہی واپس آ گیا، سوچا کمرے میں بیٹھ کر پڑھائی ہی کر لے۔ پچھلے کچھ دنوں سے پڑھائی کی طرف اپنی بے رغبتی اسے بری طرح اپ سیٹ کر رہی تھی۔ خواہش دل لگا کر پڑھنے کی ہو اور آپ پڑھ نہ پائیں تو ڈپریشن سوار ہونے لگتا ہے۔ پہلے وہ دوستوں کی طرف اس لیے آتا تھا کہ دن بھر کی پڑھائی تھکانے لگتی تھی اور یہاں آنا مزاج میں خوشگوار تبدیلی کا باعث بنتا لیکن آج ایک خالی، خالی پن کا احساس اس کے ضمیر کو کچوکے لگا رہا تھا کیونکہ پڑھائی کا مطلوبہ ہدف وہ پچھلے کئی دنوں سے پورا نہیں کر پایا تھا۔ دوستوں میں دل ایک دم اچاٹ ہوا اور وہ گھر واپس آ گیا۔

میرب نے اسے کچن کی کھڑکی سے گھر میں داخل ہوتے دیکھا تو دل بڑی زور سے دھڑکا۔ وہ جلدی سے اوٹ میں ہو گئی۔ دارین کار سے نکل کر بنا آس پاس متوجہ ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

مغرب کی اذان ہونے والی تھی۔ ہر طرف ہلکا اندھیرا چھایا تھا۔ چوکیدار دارین کے لیے گیٹ کھول کر دوبارہ باہر چلا گیا تھا۔ میرب کا ذہن لگاتار کسی ادھیڑ بن میں تھا اور پھر ایک خیال آنے پر اس نے اپنے گھر کا لینڈ لائن نمبر ملایا۔

''ہیلو.....!'' دارین کی آواز میں ہلکی سی حیرت تھی۔ شاید لینڈ لائن پر کال اٹینڈ کرنے کا پہلا موقع تھا۔



www.pklibrary.com

''آ..... آپ کچھ لیں گے؟'' وہ بہت بری طرح نروس ہوئی تھی۔

''جی..... کون؟'' وہ حیرت سے ریسیور کو دیکھ رہا تھا۔

''میرب۔'' اس نے آہستہ سے کہا تو دارین مزید حیران ہوا۔

''آپ ساتھ نہیں گئیں؟''

''جی نہیں، میں گھر پر ہوں۔''

''ہوں.....'' دارین نے فی الحال تبصرہ محفوظ رکھا۔ ''کافی مل سکتی ہے، اگر آپ کو آسانی ہو تو.....''

''جی جی، میں بنا دیتی ہوں، آپ بس پانچ، سات منٹ تک ہمارے لان میں آجائیں۔''

''جی ضرور۔'' اس نے فون رکھ دیا۔ اور وہ اس کے حکم مطابق کچھ دیر بعد باہر لان میں آیا تو ابھی تک میرب نہیں آئی تھی۔

''دارین.....!'' پیچھے کہیں سے اچانک پکارا گیا تو وہ چونک کر پلٹا وہ جس کی دائیں ہاتھ پر لان کی انٹرنس سے توقع کر رہا تھا۔ وہ پیچھے گیسٹ روم کے باہر ہی چھوٹے برآمدے میں پہلے سے موجود تھی۔

''آج پہلی بار نام لے کر بلایا ہے، دعا ہے اس نام کی تکرار سے آپ میرے کان پکا دیں۔'' وہ بڑے اچھے موڈ میں چند قدم چل کر برآمدے میں آیا۔ میرب نے زبردستی مسکراہٹ روک کر خود کو سنجیدہ رکھا۔

''آپ واپس آگئے؟''

''جی، سنا تھا جب دوستوں میں دل نہ لگے تو بڑی خطرناک علامت ہوتی ہے۔''

''اوہو پھر تو ماموں اور ممانی کو بتانا چاہیے۔'' اس نے ڈرانے کی کوشش کی۔

''بڑا شوق ہو رہا ہے مشہور ہونے کا.....'' وہ ہر بات کو اسی کی طرف گھما رہا تھا لیکن بڑے لطیف انداز میں تبھی ناگوار نہیں لگ رہا تھا اور میرب تو آج ویسے بھی مہربان مزاج سی ہو رہی تھی، وجہ بھلے کچھ خاص ہی تھی۔

''آپ ساتھ کیوں نہیں گئیں؟'' وہ دونوں اب آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھے تھے۔

''بس یونہی، عادت نہیں ہے، کہیں بھی آنے جانے کی۔'' وہ اپنے بھی بنا لائی تھی۔

''عادت نہیں ہے یا کوئی لے نہیں جاتا؟'' وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ میرب نے جواب نہیں دیا اور کافی پیتی رہی۔ دارین کی توجہ آج پھر اس کے لباس نے کھینچی، عام دنوں کی نسبت آج کل وہ کچھ..... خوب صورت کپڑوں میں رہنے لگی تھی۔

''پہلے بھی تم ایسے ہی..... رہا کرتی تھیں..... ہے ناں؟'' وہ اس کے پیلے اور گہرے گرے پرنٹڈ کپڑوں کو تعریفی نظر سے دیکھ رہا تھا۔

''پہلے..... کب.....؟'' وہ متحیر سی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ دارین مسکرا دیا۔

''سوری، ہے تو اخلاقی جرم لیکن رہ نہیں پایا۔ وہاں اسٹور روم میں ایک تصویری البم رکھا تھا۔''

''کچھ لیا تو نہیں.....؟'' وہ شک بھری نظروں سے گھورنے لگی۔ دارین ہنس پڑا۔

''لے لوں.....؟''

''ناں..... بالکل نہیں۔''

''اچھا تو..... کچھ پوچھوں؟'' وہ سنجیدہ ہوا۔

''جی۔'' وہ توجہ ہٹا کر کافی پینے لگی۔

''مزاج میں ایک دم اتنا چینج کیوں؟ چند سال پہلے تک ہر تصویر میں کیا انرجیٹک لڑکی دکھائی دیتی ہو۔ ایکٹو، پُرکشش، جاذب نظر .... اور پھر ایسی بوڑھی روح بلکہ بھوتنی جئی.....'' وہ غور سے اس کی جانب دیکھتے بالکل بھی مذاق کے موڈ میں نہیں تھا۔

''بس امی کے بعد جی نہیں چاہتا۔'' اس نے کنی کترائی۔

''لوگ تمہیں سائڈ پر کرتے کھائی میں دھکا دینے کے درپے ہیں۔ اپنا استحصال مت ہونے دو لڑکی، زندوں میں واپس آؤ، ورنہ ایک دن سچ مچ بھٹکتی روح بن جاؤ گی۔''

''آپ بلاوجہ سیریس لے رہے ہیں۔''

''بلاوجہ.....؟'' وہ دبا، دبا سا غصے میں آیا۔ ''سر



www.pklibrary.com

سے پیر تک تمہاری پوری شخصیت مسخ کر دی گئی ہے اور تم کہتی ہو بلاوجہ..... تمہارا انٹرسٹ فیشن ڈیزائننگ میں ہے لیکن تمہیں دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ ڈریس ڈیزائننگ کا تمہیں کچھ سینس بھی ہوگا اور بھلے میں لباس سے لوگوں کو جانچنے' پرکھنے پر یقین نہیں رکھتا لیکن لباس ہماری شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے۔ یہ سوچ کچھ ایسی معیوب یا غلط بھی نہیں۔ ہر شخص کو اپنی مرضی اپنے ڈھنگ سے جینے کا حق ہے۔ ہم جو پہنتے ہیں، وہ ہماری پسند ہوتی ہے، اب وہ دیکھنے والے کو جیسی بھی لگے۔ وہ ایک الگ بحث ہے لیکن تم..... دوسروں کا دیا زبردستی خود پر لاد کر نہ وہ رہیں جو تم ہو اور نہ وہ رہیں جو یہ لوگ تمہیں بنانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ میں نے میرب کے حقیقی روپ کو محض اس کی تصویروں کی وجہ سے نہیں پایا، سچ تو یہ ہے کہ ہماری پہلی تفصیلی ملاقات نے ہی تمہارے ظاہری حلیے کو تم سے الگ کر دیا تھا۔ کوئی کسی کو جتنا بھی تبدیل کر دے اس کا اندر کبھی بدل نہیں سکتا۔''

''کوئی کسی کے اندر کب جھانکتا ہے؟'' وہ ایک سانس کھینچ کر رہ گئی، دارین نے چونکتی ہوئی سی نظر ڈالی۔

''ویسے جھانک بھی سکتا ہے۔ جیسے یہ..... آپ کی مہمان نوازی.....'' اس نے انگلیوں میں دبا کپ سامنے کیا۔ ''یوں لگا، کسی چارہ گری کے ارادے سے ہے۔'' وہ اعتماد سے بتا رہا تھا اور میرب منہ کھولے حیران ہو کر دیکھ رہی تھی۔

''آپ کو الہام آتے ہیں؟''

''ہا۔ہا..... نہیں، بس جتنا آپ کو جانا، یہ مہربانی اس حساب سے کچھ زیادہ ہے۔''

''آپ کو ان دنوں خصوصاً اپنی ساری توجہ اسٹڈی پر دینی چاہیے۔'' وہ سنجیدہ ہوئی۔

''اور آپ کو کیسے پتا کہ توجہ کہیں اور ہے؟''

''آپ شاید اپنے ابو سے بات کر رہے تھے۔'' اس نے صاف گوئی سے بتا دیا۔

''آیا تھا شوقِ چارہ گری میں کوئی مگر
کچھ اور دل کے زخم کو گہرائی دے گیا''

آہستہ روی سے کہہ کر وہ کافی پینے لگا۔ میرب نے نتھنے پھلا کر افسوس سے دیکھا۔

''میں کوئی دنیا کے سبھی طلبا کو سدھارنے کی مہم پر نہیں ہوں۔'' وہ ہنوز خفا تھی۔ دارین ہلکا سا مسکرایا۔

''یہ ہوئی ناں بات..... اسے کہتے ہیں ایک تحریک پیدا کرتا جملہ اب میں کچھ، کچھ موٹیویٹ ہو رہا ہوں۔'' وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

''آپ کو بکس میں اس طرح پیپرز نہیں رکھنے چاہئیں۔ کسی نے دیکھ لیا تو.....''

''ہوں..... اور.....؟'' وہ اس وقت صرف اور صرف ان لمحوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا جو نصیب سے میسر آئے تھے، اب چاہے میرب تقریر کرے یا پند و نصائح..... اسے تو نظمیں اور غزلیں ہی سنائی دے رہی تھیں۔

''اور آپ کو ارسلہ کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ ممانی، ارسلہ حتیٰ کہ ماموں بھی آپ سے متعلق بہت خاص فیلنگز رکھتے ہیں۔ آپ کو میں احسان فراموش نہیں سمجھ سکتی۔''

''ہوں.....'' دارین نے خالی کپ میز پر سامنے رکھتے پہلی مرتبہ اس کے کسی جملے کو سنجیدگی سے لیا۔

''میری چھوڑیں، یہ بتائیں، آپ پر ان کے کتنے احسان ہیں؟''

''مجھ پر؟'' وہ بری طرح گڑبڑائی، پتا نہیں کیا کہنے والا تھا۔

''احسان فراموشی کا الزام تو مل کر اٹھائیں گے ناں.....'' وہ پھر شوخی سے مسکرایا تو میرب کا دل چاہا اس ڈھیٹ بندے کا خون کر دے۔

''میں آپ کو کیا سمجھا رہی ہوں اور آپ ہیں کہ الٹا مجھے.....''

''میں روز آپ کی جانب سے خط کا انتظار کرتا ہوں لیکن پھر بھی مجھے آپ کی طرف سے خط کا جواب نہیں چاہیے، جانتی ہیں کیوں؟'' وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ میرب نے سوالیہ ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔



www.pklibrary.com

''کسی کا ننگے پاؤں بھاگ کر آنا اور میری خاطر اپنا ہاتھ زخمی کر لینا، جواب ہی نہیں محبت کی خوش نصیبی تھی۔

کبھی، کبھی مجھے ملنے بلندیوں سے کوئی
شعاعِ صبح کی صورت اتر بھی آتا ہے

اینڈ ڈئیر میرب فاطمہ، جہاں تک بات ہے احسان وغیرہ کی تو، احسان کا بدلہ مجھے اچھی طرح اتارنا آتا ہے..... اور بہت جلد ان شاء اللہ کسی نہ کسی صورت اتار بھی دوں گا لیکن اپنا آپ داؤ پر لگانا تو زیادتی ہے۔''

''اور آپ کی پریشانی.....؟'' وہ ابھی تک وہیں رکی تھی..... دارین اگر اس کے خاموش اقرار کو پا چکا تھا اور اس سے خوش بھی تھا تو پھر وہ اپنی توجہ کیوں پڑھائی پر نہیں دے پا رہا تھا اور اپ سیٹ کیوں تھا جیسا کہ اس کی اپنے والد سے باتوں کے دوران محسوس ہوا تھا گیٹ پر گاڑی کے ہارن سے دونوں بیک وقت چونکے۔ دارین تو پہلے ہی جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ بنا مزید کوئی بات کیے سائڈ والے گھر کو جاتے راستے پر مڑ گیا..... اور میرب ٹرے میں رکھے دو کپس کی وجہ سے ان لوگوں کے پورچ میں آنے سے پہلے ہی اندر... کچن میں چلی آئی۔ ذہن البتہ آج کی ملی جلی باتوں میں ہی الجھا رہا۔

☆☆☆

''اچھا..... کیوں، خیریت.....؟'' سعدیہ کا جوس کی طرف بڑھتا ہاتھ وہیں رکا۔ پریشانی سے کبھی شوہر کو دیکھتیں تو کبھی چور نظروں سے دروازے میں کھڑی ارسلہ کو۔

''کس نے بتایا آپ کو..... اور وجہ؟''

''بھئی دارین نے بتایا ہے.. اور بھلا کس نے.....'' اظہر حسین نے سنجیدہ لہجے میں واضح کیا۔

''لیکن کیوں، ابھی تو اسے مشکل سے تین ہفتے بھی نہیں ہوئے۔'' سعدیہ کے اعصاب ڈھیلے سے ہونے لگے۔

''ارے بھئی، عارفہ بھابی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے، وہ بس اسی پریشانی میں واپس جا رہا ہے۔ تم جا کر تسلی دو دارین کو اور بھابی کی طبیعت بھی پوچھو۔'' اظہر حسین کچھ دیر پہلے ہی انیکسی سے آئے تھے۔ دارین نے ہی انہیں بتایا کہ اگلے روز وہ واپس جا رہا ہے۔ سعدیہ نے کچھ پوچھتی نظروں سے ارسلہ کو دیکھا تو وہ کندھے اچکا کر رہ گئی..... لیکن کچن کے اندر اپنے لیے ناشتا نکالتی میرب کو لگا جیسے یہ اس کی سماعت کا دھوکا تھا۔ ابھی پچھلی شام ہی تو بات ہوئی، کہیں جانے کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔ دن گیارہ بجے جب لاؤنج میں کوئی نہیں تھا، اس نے جلدی سے آؤٹ ہاؤس کا نمبر ملایا۔

''ہیلو.....'' دارین کی آواز پر جیسے سستی سی غالب تھی۔

''میں میرب۔'' اس نے بتانا ضروری سمجھا۔

''زہے نصیب۔ میں تو ''راہ'' دیکھ رہا تھا، آپ فون میں سے برآمد ہو گئیں۔'' وہ مسکرا دیا۔

''کیوں جا رہے ہیں؟'' وہ عجلت میں تھی، کسی کے آجانے کا ڈر..... لیکن اِدھر اُدھر گھومتی اس کی .... بے چین نگاہیں دارین کی لمبی سرد آہ پر ایک جگہ پر ساکت ہوئیں۔ وہ سنجیدہ ہوا تھا۔

''ڈیڑھ ماہ کی مدت پوری کرنا مطلب الگوں کی امید کو بڑھاوا دیتے جانا ہے اور جب میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ ''نہیں'' تو اپنا مقصد پورا ہونے تک یہاں رہنا خودغرضی اور چیٹنگ کے سوا کچھ نہیں۔'' اس نے سبھاؤ سے اپنی پریشانی فوراً ہی اسے بتا دی، وہ بات جو وہ کسی اور سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ رات کو امی سے بس اتنا کہا کہ واپس آ رہا ہوں، سعدیہ آنٹی اگر آپ سے اس بارے میں بات کریں تو اپنی خرابی طبیعت کا کہہ دیجیے گا۔

''اپنا فیصلہ بدل نہیں سکتے؟''

''کیا مطلب، اس سے کیا ہوگا، جواب تو میرا پھر بھی.....'' وہ کہتے، کہتے رکا اور میرب کی بات پر غور کیا۔

''نہیں۔'' دارین نے سر نفی میں ہلایا۔ ''فیصلے سے میری مراد ارسلہ سے شادی نہ کرنا ہے، جس فیصلے کی آپ بات کر رہی ہیں۔ وہ فیصلہ نہیں تھا، دل کی.... بے اختیاری تھی۔ اسے بدلنا میرے بس میں نہیں۔''



www.pklibrary.com

''لیکن اس کا انجام ناکامی ہے، صرف ناکامی۔''

''میں یہ نہیں سمجھتا..... لیکن چلیں ذرا دیر کو آپ کی مان لیں کہ ناکامی ہے تو پھر ارسلہ بھی کیوں؟''

''دارین.....'' وہ دبا، دبا سا پکار بیٹھی۔

''بلاتی رہا کریں، اپنا نام کبھی اتنا اچھا نہیں لگا۔''

''ہمیں صرف دوست ہونا چاہیے۔'' وہ بے بسی سے خواہش کر بیٹھی۔ دارین ہنس دیا۔

'' پھر مجھے ٹوٹ کے چاہا اس نے
پھر بچھڑنے کے زمانے آئے ''

''چلیں جائیں گے کل؟''

''ہاں صبح سویرے۔'' اس نے پختگی سے کہا۔

''اچھا خیریت سے جایئے، پڑھائی تو وہاں جا کر بھی ہو سکتی ہے، خوب دل.....''

''نہیں، امتحان اب بھول جاؤ.....'' وہ تلخ ہوا اور میرب کا دل کانپ گیا۔

''کیا..... مطلب..... بھول کیوں.....؟''

''میرے لیے آسان نہیں ہے۔''

''اب تو چند ہفتے باقی رہ گئے دارین، پورے دو سالوں کی محنت ہے، صرف کچھ دن کی توجہ..... پلیز۔'' وہ دبا، دبا چیخ اٹھی۔ دارین کا ایسا جواب اس کے لیے قطعی ناقابلِ یقین تھا۔ ایسے جواب کی توقع صرف ایک ناسمجھ بچے سے کی جا سکتی ہے جو اس جیسا سمجھ دار، ذی شعور آدمی دے رہا تھا۔

''میرے لیے بہت مشکل ہوتا ہے ایک فیز سے نکل کر دوسرے میں جانا اور ایسی سچویشن میں تو بالکل بھی نہیں جب پہلا فیز اتنا تکلیف دہ ہو۔'' دارین نے سر جھٹکا۔

''یہ تو ٹھیک نہیں ہے۔'' میرب کا بالکل ہی دل بیٹھ گیا۔

''میں کوشش کروں گا میرب، آپ پریشان نہ ہوں۔'' دارین کو لگا وہ کچھ زیادہ ہی کہہ گیا۔ میرب بلاوجہ پشیمانی میں گھر سکتی تھی کہ یہ سب اسی کی وجہ سے ہوا۔

''جی پلیز، ضرور کوشش کیجیے۔'' میرب نے بھاری دل کے ساتھ ریسیور واپس رکھ دیا۔

☆☆☆

دوپہر کا کھانا اگرچہ ایک ساتھ کھایا گیا لیکن معمول کی نسبت آج ذرا خاموشی کے ماحول میں، اظہر حسین ہی دارین سے یہاں وہاں کی باتیں کرتے رہے۔ کھانے کے بعد سب سے پہلے سعدیہ مامی اور پھر ارسلہ اٹھ گئے۔ کچن میں کھڑی میرب بار، بار پلٹ کر بے چینی سے اس طرف دیکھتی اور جب اظہر ماموں بھی موبائل پر کال اٹینڈ کرتے سائڈ پر چلے گئے تو میرب نے بے یقینی سے ماموں کی پشت کو دیکھا۔ مراد تو بر آئی تھی۔ وہ جلدی سے ٹیبل کے قریب آ کر برتن سمیٹنے لگی اور دارین کھلے، کھلے لائٹ گرین کلر میں اپنی اپنی سی دکھائی دیتی میرب کو سکون اور تسلی سے دیکھنے لگا۔

''آخری ریک، سرخ رنگ کا سفر نامہ۔'' میرب نے اس کے سامنے کی پلیٹ اٹھاتے جھک کر آہستہ سے کہا تو دارین پہلے بری طرح چونکا پھر ایک دم مسکرا دیا۔ میرب جلدی سے پلٹ گئی اور اظہر انکل جب کال ختم کر کے واپس آئے تو دارین ان سے اجازت لے کر پہلے لائبریری آیا اور یہاں سے مطلوبہ کتاب لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

''کبھی، کبھی کوئی ایسا مسافر آتا ہے
رستے اپنے آپ سنورتے جاتے ہیں
کوئی نیا احساس کہ ہمدم دیرینہ
جتنے پرانے زخم تھے بھرتے جاتے ہیں''

''تھینکس میرب فاطمہ..... تھینک یو سو مچ۔'' اس نے نچلا لب خوشی چھپانے کی کوشش میں دبایا لیکن مسکراہٹ چہرے کا ساتھ چھوڑنے کو تیار نہ تھی۔ وہ خوش تھا بہت خوش..... اور مطمئن.....

☆☆☆

''محبت میں جاننا اہم نہیں ہے میرب، چاہنا ہی سب کچھ ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے؟'' وہ چھوٹی گلی کے دروازے میں چوکھٹ سے ٹیک لگائے مدھم چاندنی میں کچھ، کچھ گھبرائی نظر آتی میرب کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس



www.pklibrary.com

وقت بلیک ڈریس میں تھی۔ اس کی سفید رنگت ہلکی چاندنی اور کالے کپڑوں میں نورانی سی چمک رہی تھی۔
''ایزی رہو میرب۔ یوں سمجھو آج بھی تم اپنے گھر سے چوری، چوری کچھ لینے آئی ہو۔'' دارین نے مسکرا کر یاد دلایا تو وہ مسکرا دی۔
''ویسے کیا ہی اچھا ہوتا، ہم اپنی من پسند چیزیں چپکے سے لے لیا کرتے۔'' دارین ہی بولے گیا۔
''چوری کی کشش بھی اسی کو محسوس ہوتی ہے جسے ہاتھ آئی چیز کی قدر نہ ہو۔'' میرب کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔ دارین سمجھ گیا کہ اس کا اشارہ ارسلہ کی طرف ہے۔
''قدر سچائی کی ہوتی ہے میرب...... اور جو جھوٹ تھا وہ تو دو ہی دنوں میں پھونک سا اڑ گیا۔ بناوٹی زندگی میں میرا ایک پل کے لیے گزارہ ممکن نہیں۔ پھر کیسے میرا رب میرے ساتھ یہ سب ہونے دیتا۔''
''مانتی ہوں دارین......'' وہ اب گلی کی دیوار سے ٹیک لگائے نیچے دیکھ رہی تھی۔ ''آپ کے گہرے مشاہدے نے مجھے بہت حیران کیا ہے۔ میں نے سنا تھا آرکیٹیکچر بہت مشکل پسند اور نفیس مزاج ہوتے ہیں لیکن آپ تو نظر شناس بھی بلا کے ہیں۔''
''تمہاری پرسنل چیزوں سے چھیڑ چھاڑ پر معذرت خواہ ہوں لیکن یقین کرو، یہ سب آدھا سچ پالینے کے بعد پورے سچ کی کھوج میں تھا۔ تمہاری شخصیت نے مجھے چونکایا ہی نہیں پوری شدت سے اپنی جانب کھینچا تھا۔ اور میں خود اپنے آپ کو رک کر، سنبھل کر، سوچنے، سمجھنے کی مہلت دے رہا تھا۔ میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ وہ پہلے دن ملازمہ سے لڑتی جھگڑتی، سڑیل، روکھی پھیکی بدمزاج لڑکی...... کیا میں واقعی اسی کے بارے میں سوچ رہا ہوں...... اور......'' وہ کچھ کہتے، کہتے رکا۔
''ویسے تمہارا منہ پھٹ بدتمیز ہونا اب تک معما ہے میرب، یہ بھی تمہارے مزاج سے لگا نہیں کھاتا۔''
وہ پُرسوچ نظروں سے اسے دیکھتے ایک بار پھر صاف گوئی سے سراپا سوال تھا اور میرب اس بار بھی ہار مان کر ہنس دی۔
''یہاں بھی آپ ٹھیک ہیں دارین...... ملازموں سے ایسا ہتک آمیز رویہ انتہا کا غیر انسانی پن ہے...... لیکن مجھے نہایت افسوس ہے کہ ماجدہ صرف ملازمہ ہی نہیں بکی ہوئی جاسوسہ ہے۔ باقاعدہ رقم لے کر وہ نہ صرف میری جاسوسی کرتی ہے بلکہ اس کی بدولت میں ٹارچر ہونے کی حد تک زچ ہوئی ہوں۔ بس اب زیادہ تفصیل میں کیا جانا، جو گزر گیا اسے بھول جانا ہی اچھا ہوتا ہے۔ آئندہ میں اپنے لہجے پر قابو رکھوں گی۔''
''ہوں...... تو...... انتظار کرو گی میرا؟'' وہ اسے جھک کر دیکھ رہا تھا۔ ''بس ایگزامز کے فوراً بعد......''
''ایگزامز نہیں، رزلٹ کے بعد۔'' میرب نے سر نفی میں ہلایا۔
''اچھا وہ کیوں؟''
''مجھے ڈیزائنر بننے کا بہت شوق تھا دارین......'' اس نے ایک آہ بھر کر کہنا شروع کیا۔ ''لیکن حالات نے ساتھ نہیں دیا۔ امی زندہ ہوتیں تو میرے لیے بہت آسان تھا لیکن خیر......'' اس نے ہنس کر دارین کی طرف دیکھا۔
''آپ کسی مقام تک پہنچ جائیں میری یہ خوشی اس صورت تو پوری ہوسکتی ہے ناں؟''
''کس صورت......؟'' وہ محظوظ ہوا تو میرب شرما گئی۔
''مجھے واقعی بہت دلی سکون اور حقیقی خوشی حاصل ہوگی اگر آپ کا یہ ٹیسٹ کلیئر ہو جائے، آپ کی اپنی فرم ہو ایک دن۔''
''بس اتنا ہی......؟'' وہ اسے اکسا رہا تھا، میرب نے جھینپ کے سر جھکایا۔
''ساتھ دو گی ناں میرب؟'' وہ سنجیدہ ہوا تو میرب نے سر اٹھا کر سوالیہ نظر ڈالی۔
''میں امی سے بات کروں گا اور مجھے پورا یقین ہے وہ میرا ساتھ دیں گی۔ ابو کو بھی منا لیں گی۔''
''اور یہ لوگ دارین؟'' میرب کی آنکھوں میں خدشات لہرائے۔



www.pklibrary.com

"میں انکل سے خود بات کروں گا۔ وہ کوئی بچے تو نہیں کہ کسی کے دل کی مجبوری سمجھ نہ سکیں۔ اور پلیز....." اس نے سر جھٹکا۔

"چھوڑو ساری دنیا کی فکر..... مجھے تمہاری رائے سے مطلب ہے..... تم ہاں کہہ دو۔ پھر میں سب کو جواب دے دوں گا۔ ایک بار یہ ٹیسٹ ہو جائے، بس پھر....."

"اچھا فوراً نہیں پلیز....." اس نے جلدی سے اس کی بات کاٹی۔

"میرا مطلب ہے کچھ وقت گزر جائے تاکہ بات کا اثر بھی کچھ کم ہو۔"

"تو تمہاری ہاں ہے ناں میرب.....؟"

"آپ کی تو لگتا ہے کبھی تسلی نہیں ہو سکتی۔" اس نے خفا ہو کر منہ پھلایا تو دارین نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"بالکل میری امی لگی ہو ابھی..... ان کی بھی ہمیشہ یہی شکایت ہوتی ہے۔"

"اچھا اب میں جاؤں.....؟" میرب نے گلی کے کونے کی طرف دیکھا جس کے بعد لان شروع ہوتا تھا۔

"بس اتنی جلدی..... کل تو میں یہاں نہیں ہوں گا..... پتا نہیں پھر کب میرب....." دارین پر تو جیسے اس ایک جملے کے بعد جدائی کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ میرب نے ایک نظر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ اس کے بہت مجبور کرنے پر اس سے آخری بار ملنے آ گئی تھی کیونکہ اگلی صبح وہ جا رہا تھا، اداس اور غیر مطمئن سا، وہ انکار کر کے اس کی فرسٹریشن بڑھانا نہیں چاہتی تھی اس لیے چلی آئی۔ لیکن اب وہ بچوں کی طرح ضد کر رہا تھا تو یہ صحیح نہیں تھا۔

"صبح باہر تک آؤں گی خدا حافظ کہنے۔ اس لیے اسے آخری ملاقات نہ سمجھیں۔" وہ ہلکا سا مسکرائی لیکن دارین حیران ہو گیا۔

"اچھا..... یہ لوگ تمہیں باہر تک آنے دیں گے..... وہ بھی مجھے الوداع کہنے؟"

"چلیں، دیکھ لیجیے گا۔" وہ مسکرا کر ہاتھ ہلاتی واپس پلٹ گئی۔

☆☆☆

"بہت جلدی جا رہے ہو بیٹا..... اب اسے اپنی مہمان نوازی کی کمی، کوتاہی سمجھوں یا....."

"ارے نہیں پلیز آنٹی....." دارین شرمندہ ہو گیا۔ "میں آپ سب کا بے حد ممنون ہوں، کوئی اپنے قیمتی وقت میں سے اتنے ڈھیر سارے دن نکالے، اپنے معمولات کو کسی اور کی وجہ سے ڈسٹرب کرے۔"

"تم کوئی پرائے تھوڑی ہو....." انہوں نے پیار سے اس کا گال تھپکا، پاس کھڑی ارسلہ نے شرما کر سر جھکایا، دارین کی نظر پورچ سے پرے برآمدے کی کرسی پر بیٹھی میرب پر گئی۔ وہ صبح ہی صبح اپنا ناشتا باہر لے آئی تھی، اور ناشتے کے بعد کتاب کھول کر وہیں بیٹھی رہی کہ واقعی اسے بھلا دارین کو الوداع کہنے کس نے بلانا تھا۔ اس نے اپنا وعدہ البتہ اس طرح پورا کیا تھا۔

"آپ سب کی مہمان نوازی کا بہت' بہت شکریہ، یہاں گزارہ خوب صورت وقت میرے لیے ایک قیمتی یاد ہے۔ میں آپ سب کو، آپ کی محبتوں کو بہت مس کروں گا۔"

"دوبارہ بھی آنا، ہمیں اچھا لگے گا۔" سعدیہ اس لمحے کھل کر نہیں کہہ پائیں کہ وہ اس کی دوبارہ آمد کی کس شدت سے منتظر رہیں گی۔

"جی ان شاء اللہ ضرور..... بہت جلد....."

☆☆☆

"اب بتاؤ..... کیا بات ہوئی..... ہوں!" عارفہ رات کے کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد بجائے اپنے کمرے میں جانے کے دارین کے کمرے میں آ گئیں۔ بیڈ پر نیم دراز دارین کے قریب بیڈ پر ہی اطمینان سے آلتی پالتی ماری۔ دارین مسکرا کر سیدھا ہو بیٹھا۔

"آئیں میری زیرو، زیرو سیون اماں..... آپ کو بھی کل سے آرام نہیں۔"

"ہاں تو کیسے آرام آئے..... آدھے راستے میں ہی منہ اٹھا کر واپس آ گئے تو....."

"آدھے کیوں میری ماں..... پورا وہاں تک گیا تھا، سب دیکھ بھال کر آیا ہوں۔"



www.pklibrary.com

''دیکھ بھال کے بچے..... پڑھائی کا کیا.....؟''
عارفہ نے اس کے کندھے پر تھپڑ لگایا، ان کی پریشانی کی وجہ تو اس کی پڑھائی تھی۔ میاں نے جب بتایا کہ وہ اسٹڈی پر فوکس نہیں کر پا رہا تو عارفہ دل ہی دل میں چور بن گئیں کہ جاتے، جاتے ایک نیا شوشا تو انہی نے چھوڑا تھا۔ اچھا بھلا وہ اسٹڈی کرنے جا رہا تھا۔ اگر وہ ارسلہ سے رشتے کی بات نہ کرتیں تو آج وہ بیچ راہ میں یوں تیاری نامکمل چھوڑ کر واپس نہ آتا۔

''کیا بات ہوئی۔ مجھے بتاؤ..... اور سچ، سچ.....''
انہوں نے دارین کا ہاتھ اپنے دونوں میں ہاتھوں میں لیا، چہرے پر تشویش کی لکیریں گہری پڑ رہی تھیں..... دارین نے لب آپس میں دباتے محبت سے ان کا ہاتھ دبایا۔

''یقین رکھا کریں مجھ پر کہ آپ سے ہمیشہ ہر بات مصلحتیں تک ایک سائڈ پر رکھ کر شیئر کی ہیں۔ اور بھروسا رکھا کریں اپنی تربیت پر کہ آپ نے جھوٹ بولنا کبھی سکھایا ہی نہیں۔ کل جو جھوٹ آپ سے بلوایا، وہ میرے میزبانوں کا دل نہ توڑنے کی ایک کوشش تھی بس..... کیونکہ یہاں سے آپ کی تصدیق نے ان کی پریشانی کو بالکل ختم کر دیا کہ واقعی ماں کی طبیعت کی وجہ سے ہی گیا ہے۔''

''لیکن اس کی نوبت کیوں آئی؟'' عارفہ کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔ دارین نے گہری نظر سے مسکرا کر ماں کو دیکھا۔

''آپ نے خودغرضی اور احسان فراموشی بھی تو نہیں سکھائی، ڈر رہا تھا ان دونوں کا مرتکب نہ ہو جاؤں۔ ایک مہینہ ان کی خاطر داری کے مزے اٹھا کر جب احسان نہ اتار پاتا تو خودغرض ہی کہلاتا ناں۔''

''کیسا احسان، کیسی خودغرضی..... کھل کر بتاؤ داری۔'' وہ چڑنے لگیں۔ تبھی دروازے سے ضحیٰ نے اندر جھانکا۔ دارین نے پیار سے بازو وا کیے تو بھاگ کر اس سے آ کر لپٹ گئی۔

''چاچو، دلہن پسند آئی تھی.....؟'' ضحیٰ نے اپنے بکھرے بال کان کے پیچھے کرتے دل میں مچلتا سوال فوراً ہی داغ دیا۔

''ہوں.....'' لب دبا کر اس نے سر ہلایا۔

''بہت پسند آئی، اور اب دادی کو دکھانی ہے اپنی پسند۔'' اس نے معنی خیز سی نگاہ چوری چوری اوپر اٹھا کر ماں کے تاثرات جانچے۔

''دادی نے دیکھ رکھی ہے، یہی نیا دیوانہ ہوا ہے۔'' انہوں نے روایتی ساس جیسے تیور دکھائے تو دارین نے مزید انجوائے کیا۔

''دادی سے کہو ضحیٰ، آپ کی اور چاچو کی پسند بالکل نہیں ملتی۔''

''یہ تو بالکل بتانے کی ضرورت نہیں.....'' عارفہ بیگم نے منہ پھلایا۔ ''ایک تم ہی ہو جس کی خاطر ہمیشہ مجھے مارکیٹ کا دوسرا چکر لگانا پڑا۔ تنگ آ جاتی تھی میں تمہاری اس نہ سمجھ آنے والی پسند سے۔''

''لگتا ہے ایبٹ آباد کا چکر بھی لگوانا پڑے گا۔'' وہ مسلسل مسکرائے جا رہا تھا۔ سیدھی سادی اماں اب بھی اس کے اشاروں تک نہ پہنچی تھیں۔

''اس بار تو ایک ہی چکر لگواؤ گے ناں، دو تو نہیں.....'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر تصدیق چاہی۔

''چکر ایک لگے گا لیکن لڑکی جو ''دوسری'' ہے۔'' وہ اب انہیں تنگ کرنے کی انتہا پر تھا، اس مرتبہ عارفہ چونکیں۔

''دوسری لڑکی..... ایبٹ آباد میں.....؟''
انہوں نے حیرت سے دُہرایا۔

''ضحیٰ بیٹا، مما سے کہو چاچو کہتے ہیں ایک کپ کافی مل سکتی ہے؟''

''جی چاچو، ابھی لائی آپ کے لیے گرما گرم کافی.....'' وہ گود سے اتر کر بھاگ گئی اور دارین نے ماں کی طرف دیکھا جواب مکمل توجہ سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''جی، ایبٹ آباد میں، اسی گھر میں.....'' وہ اب سنجیدہ تھا۔

''وہ کون.....؟'' عارفہ کا دل اس کی سنجیدگی سے ڈرنے لگا۔

''اظہر انکل کی بھانجی..... میرب فاطمہ.....''
دارین نے اعتماد سے فوراً ہی نام لے دیا۔



www.pklibrary.com

''یعنی تمہیں ارسلہ پسند نہیں آئی بلکہ..... وہ میرب.....'' عارفہ مکمل بے یقین تھیں۔ انہیں صاف لگ رہا تھا ابھی وہ مذاق کہہ کر ہنس دے گا۔ ''ان کی وہ بیوہ مرحومہ بہن ... ان کی بیٹی.....؟ اور تم اس کی وجہ سے بیچ میں ہی تیاری چھوڑ کر.....'' وہ اب اٹک، اٹک کر ساری بات خود ہی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں.....

''لیکن پھر ارسلہ.....؟''

''اسی لیے تو واپس آ گیا..... میں ان لوگوں کی امیدوں کو بڑھاوا نہیں دینا چاہتا تھا۔''

''اور وہ لڑکی..... کیا وہ بھی تمہیں.....؟'' عارفہ اب دارین کی سنجیدگی کو ہضم کرتے اس سب پر یقین لانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''ہوں..... وہ بھی.....''

''لیکن اتنی جلدی، بس اتنے سے دنوں میں.....؟'' وہ سخت متعجب تھیں۔ ''تم تو بہت محتاط ہو ریلیشن وغیرہ کے معاملے میں پھر.....''

''محتاط نہیں، کنفیوز رہا تھا اب تک کے وقت میں، اس لیے کبھی کسی سے کھل کر اعتماد سے اظہار نہیں کیا۔''

''تو اس بار اتنی عجلت کیوں، وہ بھی ایسی حساس جگہ؟''

''مجھے وہ تیسری ملاقات میں اچھی لگی اور اسی تیسری ملاقات میں ہی میں نے اظہار بھی کر دیا۔'' بڑی دیر بعد وہ پھر کھل کر مسکرایا تھا۔

''کیسی ہے دیکھنے میں.....؟'' عارفہ کے اندر اشتیاق ابھرا۔

''میری نظر سے.....'' وہ اب ماں کو دیکھتے شوخ ہو رہا تھا اور عارفہ حیرت سے بیٹے کا چہرہ دیکھ رہی تھیں..... دارین کی کالج اور یونیورسٹی میں بہت سی فرینڈز تھیں۔ کچھ بہت اچھی دوست تھیں، سب کے متعلق اس نے ماں کو بتا رکھا تھا لیکن اس سے پہلے کبھی اس کے چہرے پر یہ رنگ نہیں دیکھا تھا۔

''کب ملی، کیسے پسند آئی..... دیکھنے میں کیسی ہے؟''

''آپ سنیں گی.....؟'' دارین نے تکیہ گود میں رکھتے دبے، دبے جوش سے ماں کو دیکھا تو عارفہ نے پلکیں موند کر سر اقرار میں ہلایا اور دارین نے اظہر انکل کے گھر کی بیل بجانے سے لے کر آخری دن گیٹ سے نکلنے تک کی روداد پورے جذبے سے ماں کو کہہ سنائی۔

''ہوں.....'' عارفہ نے ایک ہنکارا بھرتے ہوئے بیٹے کی داستانِ محبت پر غور کیا۔ ''تو مطلب، تم ارسلہ سے شادی نہیں کرو گے؟''

''کیسے کر سکتا ہوں..... آپ بتائیں۔''

''تو اس سے بھی کیسے.....؟''

''بس اسی لیے تو واپس بھاگ آیا ہوں، یہ کیوں، کب، کیسے سے ٹیسٹ کے بعد نمٹنا ہے۔''

''تمہارے بابا سے کیا کہوں..... اور اگر سعدیہ نے کال کر کے پوچھا تو.....؟''

''کچھ بھی کہہ دیں لیکن ارسلہ کے معاملے میں کوئی امید افزا بات پلیز مت کیجیے گا.. بعد میں مجھے مشکل ہوگی۔''

''نہیں خیر..... وہ تو تمہاری واپسی سے میں سمجھ رہی ہوں، تم نے ٹھیک کیا دارین۔'' وہ اب اپنے لب کاٹتے ہوئے کسی تجزیے میں مصروف تھیں۔ ''اگر تم مہینے ڈیڑھ کے بعد آ کر یہ بات بتاتے تو سب سے زیادہ تکلیف مجھے ہوتی اور میں تمہیں ارسلہ سے شادی پر مجبور بھی کرتی۔''

''مطلب، اب تو اچھی امید ہے ناں؟''

''سچ میں بڑے مشکل پسند ہو۔'' وہ مسکراہٹ روکتے اس کا ہاتھ جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ''تمہارا کوئی بھی کام کبھی سیدھے سبھاؤ ہوا ہی نہیں..... اب بھی پتا نہیں کتنے پاپڑ بیلنے پڑیں۔''

''آپ تو کر لیتی ہیں ناں میرا ہر کام.....''

''بس ابھی تم ٹیسٹ کی بات کرتے نظر آؤ مجھے، اور ہاں تمہارا سامان گیسٹ روم میں شفٹ کر دیا ہے، وہاں ڈسٹربنس کم ہوتی ہے۔ کل صبح سے تم وہیں پڑھائی کرو گے۔''

''کل صبح سے نہیں، آج رات سے..... ان شاء اللہ۔'' وہ اٹھ کر ان کے قریب آیا اور بانہیں ماں کے



www.pklibrary.com

گلے میں ڈال دیں۔ ”کسی نے ٹیسٹ پاس کرنے کی کڑی شرط رکھی ہے۔“ وہ مسکرا رہا تھا اور عارفہ پھر حیرت سے دیکھے گئیں۔

”تم بدل گئے ہو دارین..... تم نے تو کبھی لڑکیوں کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔“

”کیونکہ وہ خاص ہے امی اور سب سے بڑھ کر میری محبت ہے۔“

”اللہ پاک میرے بیٹے کو اس کی خوشیاں نصیب فرمائے۔“ انہوں نے پیار سے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیا۔

”آمین۔“ دارین نے ان کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔

☆☆☆

دارین کا رزلٹ آگیا تھا۔ ساڑھے چار سو اسٹوڈنٹس میں سے پچیس پاس ہوئے تھے اور دارین ان پچیس خوش نصیبوں میں سے ایک تھا۔ گھر میں .... بے انتہا خوشی کا ماحول تھا۔ دارین کے اپنے کام میں قدم کچھ اور مضبوط ہو گئے تھے۔ باقر صاحب مسکرا رہے تھے، بیٹے پر ان کا اعتماد بلاوجہ نہیں تھا۔ دارین خود کو ثابت کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اب وہ ایک کامیاب آرکیٹیکچر تھا اور لائسنس ملنے کے بعد اپنی ذاتی فرم کھول سکتا تھا۔ وہ اپنے دوست اظہر کے بھی بے حد .... شکر گزار تھے جس نے بروقت حامی بھرتے دارین کو ایبٹ آباد بلایا تھا۔ بھلے وہ محض پندرہ دن ہی تھے لیکن دارین کی کامیابی بتاتی تھی کہ پندرہ دنوں کی محنت کا بھی ضرور اس میں دخل رہا تھا۔ باقر صاحب نے بیوی سے ذکر کیا، وہ اظہر حسین کا شکریہ ادا کرنا چاہتے تھے۔ عارفہ نے ان کی بات کو سمجھتے سر اثبات میں ہلایا۔ لیکن اندر ہی اندر کسی سوچ میں ڈوب گئیں۔ بیٹے کے خیالات کے بارے میں ابھی تک شوہر سے کچھ بھی کہنے کا حوصلہ نہیں ہوا تھا۔ انہیں اب پہلے دارین سے کچھ مشورہ کرنا تھا۔ وہ بھی جلد سے جلد۔

☆☆☆

سہ پہر تین بجے وہ ماں کو ساتھ لیے ایبٹ آباد پہنچا تھا۔ دونوں صبح سویرے اپنی کار میں لاہور سے نکلے تھے۔ دارین نے ہوٹل میں کمرا بک کروایا تھا۔ اظہر انکل کے ہاں ان دونوں کے آنے کی پہلے سے اطلاع نہیں تھی۔ عارفہ بہت ہمت کر کے باقر صاحب کو بس اتنا ہی بتا پائیں کہ ارسلہ، دارین کو اچھی تو لگی لیکن وہ اس سے شادی کرنے کے لیے اپنا مائنڈ نہیں بنا پایا..... اور چاہتا ہے کہ ان لوگوں کو وقت پر اپنے خیالات سے آگاہ بھی کر دیا جائے، انتظار کروانا زیادتی ہے۔ اظہر حسین فوری طور پر اپ سیٹ تو ہوئے لیکن وہ ان والدین میں سے نہیں تھے جو بچوں پر اپنی مرضی مسلط کرتے ہیں۔ انہوں نے بیوی کو اجازت دی کہ وہ اچھے ڈھنگ سے بہتر ہے کہ وقت پر ہی ان لوگوں کو اپنے خیالات سے آگاہ کر دیں۔ اور بہت سوچنے پر عارفہ اور دارین کو یہی سوجھا کہ ایبٹ آباد جا کر باقاعدہ ان سب کا شکریہ ادا کیا جائے، اس لیے تحائف وغیرہ لے کر وہ دونوں لاہور سے نکلے البتہ پہلے سے اپنی آمد کی اطلاع یہاں کسی کو نہیں دی کیونکہ بتا کر جانا ان کو بلاوجہ ایکسائٹڈ کر دیتا اور جو وہ کہنے آرہی تھیں، فون پر سمجھایا نہیں جا سکتا تھا۔

”آج تو آپ ہوٹل میں ریسٹ کریں امی، شام کو کہیں باہر نکلیں گے۔ اظہر انکل کے ہاں کل دن کو جائیں گے۔“ دارین نے انہیں اپنے پروگرام سے آگاہ کیا۔

”ہاں بھئی، میں تو اتنے لمبے سفر سے خوب تھک گئی۔“

”چائے منگواتا ہوں۔ آپ ذرا لیٹ جائیں اتنی دیر.....“ وہ موبائل اٹھا کر باہر نکل گیا۔ دل میں ایک خیال بڑی دیر سے چٹکیاں لے رہا تھا۔ اس نے باہر نکل کر مسکراتے ہوئے آج پہلی مرتبہ میرب کا نمبر ملایا۔

”ہیلو!“ وہ نیا نمبر دیکھ کر کچھ جھجکی۔ دارین کا نمبر ابھی تک اس نے موبائل میں محفوظ نہیں کیا تھا۔

”ابھی، ابھی تمہارے شہر میں وارد ہوا ہوں۔“

”دارین آپ.....!“ وہ تعجب سے اٹھ بیٹھی۔

”ایبٹ آباد میں؟“ میرب کا دل بڑے زوروں سے دھڑکا، لب پریشانی سے بے اختیار دانتوں میں دیے۔



www.pklibrary.com

''خیریت؟'' آواز ایک دم مری، مری ہوگئی۔

''کیوں..... آپ نہیں جانتیں کس لیے آنا تھا؟'' وہ شوخ لہجے میں بولا' میرب بوکھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ پورا کمرا جیسے اس کے اردگرد چکرانے لگا تھا۔

''آپ مذاق تو نہیں کر رہے..... سس..... ساتھ کون ہے؟''

''ساتھ امی ہیں..... بات کریں گی؟''

''آپ..... یہاں آچکے ہیں..... مطلب گھر میں؟'' وہ اب نہ جانے کیا سوچنے لگی تھی۔

''نہیں' یہاں کل صبح آنا ہے۔ ابھی ہم ہوٹل میں ہیں اور یہاں سوائے تمہارے ہماری آمد کی کسی کو اطلاع نہیں۔'' دارین اب سنجیدگی سے بتا رہا تھا اور میرب کا دماغ لگاتار کسی ادھیڑ بن میں تھا۔

''آپ نے بتایا نہیں، پہلے سے اپنی آمد کا.....'' وہ جیسے یقین چاہ رہی تھی، اس کے یہاں ہونے سے زیادہ ''نہ ہونے'' کا اگر دارین کہہ دے کہ وہ مذاق کر رہا ہے تو شاید میرب کی انکی سانسیں بحال ہو سکتی تھیں۔

''بھئی سرپرائز دینا تھا۔''

''کیا کہیں گی آنٹی..... یہاں ان سب سے؟'' وہ بری طرح اپنی انگلیاں چٹخا رہی تھی، بہت سوچنے پر بھی اسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا کہے، کیا کرے۔

''وہی جو میری کامیابی کی صورت میں مجھے کہنا چاہیے۔'' دارین اس کی حالت سے بالکل انجان اپنی کہے جا رہا تھا۔

''لیکن ابھی یہ سب کہنا بالکل صحیح نہیں..... دارین آپ سمجھیں پلیز، فی الحال ایسی کوئی بات مت کریں.....''

''ارے بھئی ایک دن تو بتانا ہی ہے، بہتر یہی ہے کہ جلدی آگاہ کر دیا جائے۔''

''پلیز نہیں۔ ابھی بالکل نہیں۔'' وہ سر نفی میں ہلاتی جا رہی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے میرب، بھئی فی الحال ہم صرف ارسلہ کے رشتے سے انکار کریں گے..... بعد میں.....''

''نہیں دارین، وہ بھی نہیں..... آ..... آپ.....''

''اچھا ابھی چائے ریڈی ہو گئی ہے۔ امی ویٹ کر رہی ہیں۔ بعد میں بات ہو گی۔'' دارین کے لہجے کی شوخی اور بے فکرے پن میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ میرب دیر تک خالی، خالی نظروں سے موبائل کو دیکھتی رہی۔ دماغ میں اگلے دن پیش آنے والے منظر چلنے لگے، یہ دارین نے کیا، کیا تھا، بغیر کسی مشورے کے اپنی امی کو ساتھ لیے آبھی گیا۔ وہ سخت پریشانی سے یہاں وہاں ٹہل کر کچھ سوچنے لگی۔ ارسلہ اور ممانی کل شام سے بہت خوش تھیں، انہیں اظہر ماموں سے دارین کی کامیابی کا پتا چلا تھا۔ ممانی' ارسلہ سے کہہ رہی تھیں کہ اب وہ خود دارین کی امی سے اس سلسلے میں بات کریں گی۔

اور یہاں..... یہاں تو دارین اپنی امی کو لیے ان سب کو انکار کرنے آگیا تھا..... اس نے بہت دیر تک سارے معاملے پر غور و خوص کیا اور پھر دارین کو خود ہی کال ملا دی۔

''زہے نصیب.....'' دارین نے مسکرا کر کال اٹینڈ کی۔ عارفہ بیگم بیٹے کے کھلتے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔ کال یقیناً خاص تھی۔ میرب کو دیکھ لینے کے لیے ان کا دل کچھ اور بے تاب ہونے لگا۔

''فری ہوئے آپ.....؟'' میرب نے لہجہ متوازن رکھا۔

''جی ابھی چائے پی ہے۔ فی الحال بالکل فری۔''

''وہ..... آنٹی سے بات ہی نہیں کروائی آپ نے..... کیا سوچیں گی؟''

''اچھا..... امی سے بات کرنی ہے۔'' دارین نے خوش ہو کر ماں کو دیکھا۔ ''لو، سامنے ہی بیٹھی ہیں۔ بات کریں۔'' دارین نے فوراً ہی موبائل ماں کی طرف بڑھایا۔

''ہیلو.....'' عارفہ بیگم نے موبائل کان سے لگایا۔

''السلام علیکم آنٹی..... کیسی ہیں آپ.....؟''

''وعلیکم السلام میرب بیٹا۔ میں بالکل ٹھیک، آپ کیسی ہیں؟''

''جی آنٹی، الحمدللہ۔ آپ سنائیں سفر کیسا رہا۔ تھک گئی ہوں گی؟''



www.pklibrary.com

''ہاں بالکل۔'' وہ مسکرائیں۔ ''مجھے ویسے بھی سفر وغیرہ سے بڑی گھبراہٹ ہوتی ہے۔ گھر رہنے کو ترجیح دیتی ہوں۔ بس آنا ضروری تھا تو.....''

''آ..... آنٹی.....'' میرب کا لفظ ضروری پر پھر دل دھڑکا۔

''جی.....؟'' عارفہ کو اس کے لہجے پر اچنبھا ہوا۔

''مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے لیکن آپ دارین سے ابھی کچھ مت کہیں، پلیز..... کسی طرح اکیلے میں.....'' اس نے دبے، دبے لہجے میں فوراً ہی کہہ دیا کہ سوائے اس کے چارہ نہیں تھا۔

''اچھا، اچھا..... چلیں کل ملتے ہیں۔ اللہ حافظ۔'' انہوں نے میرب کی بات پر دارین کی موجودگی کی وجہ سے کسی قسم کا رسپانس نہ دیتے مسکرا کر اجازت طلب کی اور کال آف کر دی۔

''بس..... اتنا سا حال احوال.....'' دارین کے ابرو جڑ گئے۔

''ارے بھئی، کوئی آ گیا تھا شاید.....''

''ہاں..... اچھا۔'' دارین نے سر ہلایا۔ عارفہ بیگم البتہ کسی سوچ میں پڑ گئیں۔ میرب سے اکیلے میں وہ کیسے بات کر سکتی تھیں۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اور پتا نہیں وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔ اسی وقت دارین نے بیگ کی زپ کھول کر کپڑے نکالے اور باتھ روم چلا گیا۔ عارفہ نے موقع غنیمت جان کر چپکے سے میرب کا نمبر اپنے پاس محفوظ کر لیا۔ اب وہ دارین کی غیر موجودگی میں اپنے موبائل سے رابطہ کر سکتی تھیں۔

☆☆☆

''آپ بھی آ جاتیں میرے ساتھ..... رات کو یہاں آس پاس کے پہاڑوں کا نظارہ بہت خوب صورت ہوتا ہے۔''

''ہاں وہ تو میں ہوٹل کی کھڑکی سے دیکھ ہی رہی ہوں۔'' عارفہ بیگم نے مسکرا کر پردہ پورا ہٹا دیا۔ دور پہاڑوں پر بنے گھروں کی روشنیاں ستاروں کے مانند ٹمٹما رہی تھیں۔

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ،
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

پاکستان

میں کچھ عرصے سے

مختلف مقامات سے یہ شکایت موصول ہو رہی ہیں کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو اسٹال پہ پرچا نہیں ملتا اس سلسلے میں ادارے کے پاس دو تجاویز ہیں۔

آپ اپنے قریبی دکان دار کو ایڈوانس 100 روپے ادا کر کے اپنا پرچا بک کروا لیں۔

یا

ادارے کو 1500 روپے بھیج کر سالانہ خریدار اور 750 روپے ادا کر کے 6 ماہ کے لیے بھی خریدار بن سکتے ہیں اور گھر بیٹھے پورے سال اپنے پسندیدہ ڈائجسٹ وصول کر سکتے ہیں

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ،
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت



www.pklibrary.com

''بہت تھکاوٹ ہو رہی ہے بیٹا..... تم ہو آؤ..... جانتے تو ہو تھوڑا سا چل لوں تو کیسے سانس پھولنے لگتی ہے۔'' عارفہ بیگم مسلسل ساتھ جانے سے پہلوتہی کر رہی تھیں۔ رات کا کھانا بھی دارین کمرے میں لے آیا تھا اور اب کھانے کے بعد اس کا واک کرنے کا موڈ ہو رہا تھا جبکہ عارفہ بیگم کے دماغ سے ابھی تک میرب کا لہجہ چبھن بن کر چپکا تھا۔

''اوکے..... پھر آپ ریسٹ کریں۔ میں بس گھنٹے بھر تک لوٹ آؤں گا۔'' وہ انہیں ہاتھ ہلاتا باہر نکل گیا اور عارفہ بیگم نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اٹھ کر کمرے کا دروازہ اندر سے بند کیا اور میرب کو کال ملا دی۔

''ہیلو.....'' وہ ایک بار پھر ایک نیا نمبر دیکھ کر جھجک سی گئی۔

''میرب میں ہوں، آپ کی عارفہ آنٹی۔''

''جی آنٹی السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام..... سو تو نہیں گئی تھیں بیٹا؟''

''جی نہیں آنٹی، ابھی کھانا کھا کر اپنے روم میں آئی ہوں۔''

''اچھا، دارین بھی کھانے کے بعد تھوڑا باہر گھومنے نکلا ہے۔ سوچا یہی موقع ہے آپ کی بات سن لوں۔''

''شکریہ آنٹی، آپ کو یاد رہا، زحمت دینے کے لیے معذرت۔''

''ارے ایسی کوئی بات نہیں، آپ کھل کر بات کریں۔ سب خیریت تو ہے ناں؟''

''جی..... وہ دارین بتا رہے تھے کہ آپ لوگ یہاں کسی خاص مقصد کے لیے آئے ہیں..... میرا مطلب ہے ارسلہ کے لیے انکار.....'' وہ جھجک کر آہستہ، آہستہ کہنا شروع ہوئی۔

''جی، یہی بات ہے.....'' عارفہ نے متانت سے اقرار کیا۔ ''کیونکہ بیٹا اگر وہ ہمارے انتظار میں بیٹھے رہیں تو یہ بھی دھوکا دہی ہے۔ ہوسکتا ہے ان کے پاس چند اور آپشنز بھی ہوں لیکن وہ ایک بلاوجہ کی امید میں باقیوں کو بھی انکار کرتے رہیں، ہمیں وقت پر اپنے خیالات ظاہر کر دینے چاہئیں تاکہ وہ اپنا ذہن کسی اور آپشن کے لیے تیار کریں اور اس کے بعد ہم آپ کے لیے.....''

''نہیں آنٹی.....'' میرب کا دل اس تصدیق کے بعد پوری شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔ ''میرا رشتہ میرے کزن سے ہو چکا ہے۔''

''جی.....؟'' عارفہ بیگم بے یقینی سے رکیں۔

''کب.....؟''

''جی..... وہ میری پھپھو نے بات تو بہت پہلے کی تھی لیکن باقاعدہ رشتہ اب ہوا ہے۔''

''اچھا.....'' وہ بے یقین ہوئیں۔ ''مجھے دارین نے نہیں بتایا۔''

''انہیں نہیں پتا.....'' میرب نے لب کاٹے۔

''تو آپ نے دارین کو کیوں نہیں بتایا تھا بیٹا؟''

''جی بس ایسا کبھی موضوع نہیں آیا۔'' میرب شرمندہ ہونے لگی۔

''تو دارین سے آپ کی دوستی.....'' عارفہ بہت جھجک کر جیسے اپنے منہ میں بڑبڑا کر رہ گئیں..... میرب کی بات سن کر عجیب سی کوفت اور ناگواری محسوس ہوئی تھی، پوچھنے کو ڈھیر سارے سوال تھے لیکن وہ کبھی منہ پھٹ اور بے مروت نہیں رہی تھیں۔ یہاں بھی فطری لحاظ آڑے آ گیا۔ البتہ میرب نے ان کی مشکل سمجھ لی تھی تبھی خود ہی دھیرے، دھیرے کہنا شروع کیا۔

''معافی چاہتی ہوں آنٹی، دراصل دارین کی عجلت نے مجھے بالکل سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ اپنے خیالات کا اظہار کر لینے کے بعد جوابی اظہار بھی چاہ رہے تھے۔ اور ویسے تو میں کبھی ایسا نہ کرتی بلکہ ان کو اپنے کزن کے متعلق بتانے کی کوشش میں تھی لیکن انہوں نے فون پر ایک دن اپنے ابو سے اپنی پریشانی کا ذکر کر کے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ وہ ان سے کہہ رہے تھے کہ ان سے اچھے ٹیسٹ اور نمبروں کی امید نہ رکھی جائے، بس پتا نہیں کیوں مجھے لگا کہ معاملہ ان کے مستقبل کا ہے تو مجھے اپنا فیصلہ جلد بازی میں سنا کر ان کا دل نہیں توڑنا چاہیے، وہ بھی ایسے نازک موقع پر جب



www.pklibrary.com

ان کی زندگی ان کے کیریئر کے اتنے اہم ٹیسٹ بس پندرہ دن کی دوری پر ہے، میں نے سوچا ان کا یہ ٹیسٹ ایک بار کلیئر ہو جائے پھر دل ٹوٹنے کی حقیقت شاید اس شدت سے محسوس نہ ہو۔"

"پھر تو مجھے دارین کا ٹیسٹ کلیئر ہونے پر آپ کا شکر گزار ہونا چاہیے..... نہیں.....؟" عارفہ کے لہجے میں نہ جانے ایسا کیا تھا میرب نے سخت نادم ہو کر سر نفی میں ہلایا۔

"نن..... نہیں، ان کی محنت اور لیاقت ہے سب۔"

"اور مجھے لگا آپ کی دوراندیشی ہے....." عارفہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کر کال بند کر گئیں۔ اس سے زیادہ سننا انہیں گوارا نہیں تھا۔ اللہ جانے یہ کیسی لڑکی تھی، کوئی جھجک نہ لحاظ..... کیا ایک شریف لڑکی کے لیے اتنا آسان ہوتا ہے کسی کا دل رکھنے کے لیے یونہی دل لگی کر لینا، ایک پلاننگ ترتیب دے کر کسی سے بھی دوستی کر لینا۔ پتا نہیں دارین جیسے محتاط طبیعت، سلجھے ہوئے انتہا کے سمجھ دار بندے کو بھی یہ کیا سوجھی تھی۔

☆☆☆

عارفہ نے ڈرتے، ڈرتے دارین کی طرف دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے سامنے دیکھتے کار چلا رہا تھا۔ چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری بالکل بے تاثر اور سپاٹ لگا۔ وہ دونوں ابھی، ابھی اظہر بھائی کے ہاں سے واپس ہوٹل کی جانب جا رہے تھے۔ وہاں ان سب سے ملاقات کا دورانیہ مشکل سے ایک گھنٹے پر محیط رہا تھا۔ عارفہ بالکل اچانک بنا اطلاع کے نہیں جانا چاہتی تھیں، انہیں کچھ غیر اخلاقی سا لگ رہا تھا اس لیے ہوٹل سے نکلنے سے کچھ دیر پہلے سعدیہ کو فون کر کے اپنے ایبٹ آباد پہنچنے کی اطلاع کر دی۔ اظہر بھائی، سعدیہ بھابی اور ارسلہ سے تو جاتے ہی ملاقات ہو گئی لیکن عارفہ اور دارین کی متلاشی نگاہیں میرب کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ سعدیہ سے البتہ یہ بے چینی چھپی نہ رہ سکی۔ پھر کچھ دیر ہوئی عارفہ نے باتوں، باتوں کے دوران انہیں دارین کے فیوچر پلانز بتا کر ان کی امیدوں پر اوس بھی ڈال دی تھی۔ عارفہ بیگم کا اتنا کہنا کم تو نہیں تھا کہ...

فی الحال دارین اپنی ذاتی فرم کھولنے میں انٹرسٹڈ ہے اور آگے تین چار برس تک اپنے پیروں پر کھڑا ہونے تک شادی نہیں کرنا چاہتا۔ اب ایسی صورت میں جبکہ ان کی ایبٹ آباد آمد کا سن کر سعدیہ رشتے کا ذہن بنائے بیٹھی تھیں، سراسر مایوس اور ناامید ہو گئیں۔ ایسے میں عارفہ اور دارین کا کھوجتی آنکھوں سے کسی کی راہ دیکھنا انہیں مزید تپا گیا تبھی بس اظہر علی کے وہاں سے جانے کا انتظار کیا اور جونہی وہ وہاں سے اٹھے خود ہی موضوع چلا دیا۔ سمجھدار تو وہ بلا کی تھیں۔

"جی بھابی بس لڑکوں کے لیے تو آسان رہتا ہے، قدم جمانے تک شادی بیاہ کے جھنجٹ سے خود کو روکے رکھنا لیکن لڑکیوں کے معاملے میں ذرا مشکل ہو جاتا ہے..... اب یہی دیکھ لیں گھر میں میری ارسلہ ابھی موجود ہے لیکن مجھے اپنی مری نند کی بیٹی میرب کی زیادہ فکر تھی، آخر اولاد کی طرح پالا ہے میں نے، اس کی خوشی اور مرضی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی منگنی کر دی، حالانکہ اس کی پھپھو کو شروع سے ارسلہ بہت پسند تھی لیکن بچوں کی مرضی بھی تو دیکھنی پڑتی ہے۔ میرب کا اپنا رجحان شروع سے پھپھو کے ہاں تھا، بہت خوش ہے ماشاءاللہ، ویسے اویس بھی بہت اچھا لڑکا ہے، ہمارے ہاں بہت آنا جانا رہتا ہے اس کا۔ تم سے شاید ملاقات نہیں ہو پائی تھی، ان دنوں اصل میں وہ کراچی گیا ہوا تھا، جاب ڈھونڈ رہا تھا ناں، اب تو مل گئی....." وہ خوب بھگو، بھگو کر مار رہی تھیں۔ میرب کے ساتھ ساتھ اب تو دارین اور عارفہ سے بھی بدلے چکانے تھے۔ یہ صلہ دیا تھا ان کی پندرہ روزہ میزبانی کا..... وہ دل ہی دل میں ہنکارا بھر کر رہ گئیں۔ "بڑے آئے شکریہ ادا کرنے والے....."

☆☆☆

"کیا سوچ رہے ہو؟" عارفہ نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔

"مجھے ان سعدیہ آنٹی کا بھروسا نہیں۔" دارین نے بدمزاجی سے فوراً ہی اظہار کر دیا۔



www.pklibrary.com

''یعنی وہ جھوٹ بول رہی تھیں؟''

''بالکل، ہوسکتا ہے.....'' دارین نے کندھے اچکائے۔ ''میرب مجھے بے خبر نہیں رکھ سکتی۔''

''سعدیہ بھابی جھوٹ نہیں بول رہی تھیں۔'' عارفہ نے دھیمے سے کہہ ہی دیا۔

''مطلب.....؟'' دارین نے یقین نہ آنے والے انداز میں گردن گھما کر دیکھا۔

''مجھے میرب نے خود بتایا تھا کل۔''

''کل..... کب؟'' دارین کی کار کو بریک لگے اور عارفہ نے پچھلی شام کی گفتگو دارین کو بتادی۔

''اور آپ مجھے اب بتارہی ہیں؟''

''اس نے تمہیں کیوں نہیں بتایا؟'' عارفہ الٹا اس سے سراپا سوال تھیں۔

''میں نے کل یہاں آنے سے پہلے اس کا نمبر محفوظ کیا ہے اور ایک دو مرتبہ ہی بات ہوسکی بس۔ ہم رابطے میں نہیں تھے لیکن یہ سب کیسے.....؟'' وہ جیسے اب اپنے آپ سے مخاطب تھا۔

''سوری دارین لیکن مجھے تمہاری پسند بالکل اچھی نہیں لگی۔'' عارفہ کے لہجے میں پچھلی شام والی ناگواری در آئی۔ ''کیسی لڑکی ہے، اس سے ایک مہینہ بھی تمہاری راہ نہیں دیکھی گئی۔''

''اور اس نے آپ سے یہ بھی کہا کہ اس نے میرا دل رکھنے کو.....'' وہ دانستہ ہی رک گیا۔

''ہاں..... وہ تمہاری ناکامی کی ذمے داری اپنے سر نہیں لینا چاہتی تھی۔''

''ہوں.....'' دارین نے اس مرتبہ تبصرہ محفوظ رکھتے کار دوبارہ اسٹارٹ کردی۔ عارفہ نے بھی مزید کچھ نہ کہنے کا تہیہ کرلیا لیکن ہوٹل آکر جب انہوں نے پیکنگ شروع کی اور دارین نے ٹوک دیا تو تعجب سے رکیں۔

''کیا مطلب..... نکلنا نہیں ہے واپسی کے لیے؟''

''ابھی نہیں.....'' وہ ان سے نظر چرا کر بات کر رہا تھا۔ عارفہ کام چھوڑ کر اس کے سامنے آئیں۔

''کیا سوچ رہے ہو.....؟''

''کچھ نہیں، بس فی الحال میرا مائنڈ کچھ اپ سیٹ ہے، مجھے سفر کے لیے نہ کہیں۔''

''اوہ.....'' عارفہ کو بات دیر سے سمجھ آئی اور اب تو وہ بھی دارین کو ٹکنے پر ہرگز زور نہ دیتیں کہ آخر اتنی دور کے سفر کا معاملہ تھا۔

''اچھا کوئی بات نہیں، تم ریسٹ کرو..... تم چاہو تو ہم کل صبح تک بھی رک سکتے ہیں۔''

''جی، میں بتاتا ہوں آپ کو.....''

''جا کہاں رہے ہو.....؟'' وہ اسے باہر جاتا دیکھ کر کچھ پریشان ہوگئیں۔

''بس یونہی نیچے تک جارہا ہوں، آپ آرام کریں۔'' وہ کہہ کر رکا نہیں اور عارفہ بھی ایک آہ بھر کر رہ گئیں۔ کچھ سفر بھی نہ جانے کیوں اپنے اندر اتنا بھاری پن لیے ہوتے ہیں۔ کاش وہ اپنے بیٹے کی خوشی کے لیے کچھ کرسکتیں۔

☆☆☆

حرفِ غم خون سے تحریر کیا تھا اِک دن
وقت نے درد کو تصویر کیا تھا اِک دن
سخت مشکل تھا خلاؤں سے گزرنا پھر بھی
دل نے اس چاند کو تسخیر کیا تھا اِک دن
کس افق پر ہے ضیا بار نہ جانے اب وہ
جس نے روشن خطِ تقدیر کیا تھا اِک دن
آج بھی یاد دلاتے ہیں یہ چھالوں کے نشاں
ایک دُھن نے مجھے رہگیر کیا تھا اِک دِن
لوگ کہتے ہیں جسے جنت احساس شہاب
ہم نے اس خواب کو تعبیر کیا تھا اِک دن

بہت دنوں بعد پھر ایک بے چینی تھی جس نے لکھ دینے پر مجبور کیا تھا۔ اس نے میرب کے نمبر پر بنا سوچے یا معلوم نہیں خوب جان بوجھ کر بہرحال جو دل میں آیا لکھ ڈالا۔

''آپ ابھی ایبٹ آباد میں ہیں؟'' میرب کی طرف سے کچھ ہی دیر میں جواب موصول ہوا تو دارین نے ''جی'' لکھ دیا اور اس جواب کے ملتے ہی میرب



www.pklibrary.com

نے اسے کال کردی۔

''کہاں ہیں آپ..... کیا سفر میں؟'' اس کے لہجے میں جھجک سی تھی، شاید عارفہ آنٹی کی آس پاس موجودگی کے خیال سے۔

''جی نہیں.....''

''تو پھر کہاں.....؟'' میرب کو اس کے مختصر جوابات سے الجھن ہورہی تھی۔

''نکلا تو جانے پہچانے راستوں پر تھا۔ نہیں معلوم کہاں آگیا ہوں.....'' دارین کے لہجے پر سستی اور غائب دماغی کا غلبہ تھا، آہستہ سے ایک آہ بھر کہ پھر کہنا شروع کیا۔ ''ندی کا کنارا ہے۔ اور اس سے آگے سرسبز چراگاہ۔ پیچھے گھنے درختوں کا پورا جنگل پھیلا ہے۔ اور آبادی..... اس سڑک کا موڑ کاٹنے سے پہلے آئی تھی جہاں سے میں اِدھر آنکلا۔''

''اوہ.... آپ شاید ہمارے گھر کے نزدیک ہیں، آپ یہیں رہیں دارین..... میں ثمرہ سے ملنے گھر سے نکلی تھی لیکن مجھے آپ سے ملنا ہے، میں آرہی ہوں۔'' اس نے کال کاٹ دی اور دارین تب بھی بے تاثر چہرہ لیے کچھ دیر تک موبائل کو تکتا رہا پھر سامنے بہتی ندی کو دیکھنے لگا۔ درد کہیں جسم و جاں میں پھیلتے منظر کی رعنائی کو بھی زرد سے پیراہن میں ڈبو کر اپنے جیسا بنا چکا تھا۔

وہ دس بارہ منٹ کے اندر ہی وہاں پہنچ کر اس کے نزدیک ندی کنارے بیٹھ چکی تھی۔

''مجھے انتظار نہیں تھا۔'' دارین نے جتانا ضروری سمجھا۔

''جی، میں جانتی ہوں۔'' وہ سنجیدہ رہی۔

''اور آنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔'' وہ ناراض، ناراض سا سامنے ہی دیکھ رہا تھا۔

''یہ آپ نہیں کہہ سکتے..... کیونکہ آپ کو بہت کچھ نہیں پتا۔''

''اور میرے لیے وہ جاننا کیوں ضروری ہے۔ وہ بھی اب؟''

''شاید میں نہ بتاتی۔'' میرب نے اپنی کھلی ہتھیلیوں کو دیکھا۔

''مجھے لگا تھا نہ بتانا زیادہ بہتر رہے گا.... بدگمانیاں، غلط فہمیاں شاید راستے جدا کرنے میں زیادہ سہل ثابت ہوتی ہیں۔''

''جی، یہ صحیح ہے..... لیکن آپ نے جو غزل بھیجی اس میں کسی ''بے وفا، ہرجائی، دھوکے باز، آوارہ کا ذکر نہیں تھا۔'' اس بار وہ ہلکا سا مسکرادی تھی۔ جیسے بہت جبر کر کے لبوں کو زحمت دی ہو۔

''کیونکہ یہ جدائی کسی غلط فہمی کسی بدگمانی کی راہ سے ہو کر نہیں جاتی میرب، تم اپنی ''مجبوری'' بتاؤ اور اس اعتماد کی وجہ.....؟''

وہ حیران ہوئی۔

''وہ اہم نہیں۔'' دارین نے سر جھٹکا۔

''تم بتاؤ کہ اس ''ہنگامی'' قسم کی منگنی کی کیا وجہ ہوئی؟'' اب وہ پہلی مرتبہ گردن موڑ کر اسے دیکھ رہا تھا، جو اس کے آخری جملے پر ازحد حیران ہو کر اسے دیکھے جارہی تھی۔ لفظ ہنگامی استعمال کر کے دارین نے یہ بھی جتادیا کہ وہ مجبور کردی گئی تھی۔ اسے واقعی دارین کے اعتماد کی وجہ نہیں جاننا تھی، دارین کا وجدان ہی اس کا مددگار تھا ورنہ یہ جملہ اتنے کانفیڈنس سے کہنے کا نہ تھا۔ میرب نے ایک آہ بھر کے سر ہلایا، ذہن میں اس دن کی یاد تازہ ہوگئی جب دارین پندرہ دن گزارنے کے بعد سولہویں صبح ایبٹ آباد سے رخصت ہوگیا تھا۔

☆☆☆

''کچھ کھالو ارسلہ..... چائے تک نہیں پی تم نے۔'' سعدیہ سے اس کا اترا چہرہ دیکھا نہیں جارہا تھا۔ دارین ناشتا کر کے ابھی کچھ دیر پہلے ہی واپس چلا گیا تھا۔ اظہر حسین بھی ناشتے کے بعد اخبار ہاتھ میں لیے باہر لان کی طرف چلے گئے تھے۔ سعدیہ نے بیٹی کو ایک مرتبہ پھر کچھ کھانے پر اکسایا لیکن وہ دارین کے اچانک چلے جانے کی وجہ سے بہت اپ سیٹ ہوگئی تھی۔ معلوم نہیں کیوں پر دل کچھ مطمئن سا نہیں ہورہا تھا۔ اس کا چلے جانا بھی اتنا اداس نہیں کررہا تھا جتنا یہ احساس کہ دارین نے ان پندرہ دنوں میں اپنی پسندیدگی کا کچھ



www.pklibrary.com

اس طرح اظہار نہیں کیا تھا کہ جس سے کوئی امید باندھی جا سکے۔ سب کچھ ادھورا، ادھورا سا بہت بے چین کرتا محسوس ہو رہا تھا۔

میرب کمرے سے اپنا کپڑوں کا بیگ لیے لاؤنج سے گزر کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی جب وہاں سے ماجدہ اندر داخل ہوئی۔

''ارسلہ باجی..... یہ دیکھیں..... دارین بھیا کے تکیے کے نیچے سے ایک پرچہ نکلا ہے۔'' وہ بڑے جوش سے ایک پیپر لہراتی ارسلہ کی طرف بڑھی اور میرب کی سانس وہیں رکی۔ قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔

''دکھاؤ.....'' سست، سست سی ارسلہ کے اعصاب میں ایک جوش سا پیدا ہوا۔

''اپنا کوئی اہم کاغذ نہ بھول گیا ہو۔'' سعدیہ کو تب تک کسی خاص زاویے سے سوچنے کا خیال نہیں آیا تھا۔

''دارین بھیا کے لیے نہیں آنٹی..... ارسلہ باجی کے لیے خاص لگتا ہے، اندر پھول بھی ہے۔'' ماجدہ شرما کر دُہری ہوتی ارسلہ کے نزدیک آئی اور پھول کا سنتے ہی ارسلہ نے مسکراہٹ دباتے جلدی سے پیپر کھینچا تو لمبی سی شاخ والی پنک رنگ کی کلی ہاتھ میں آ گئی، اس نے ایک نظر حیرت سے دیکھ کر پیپر کھولا اور خاموشی سے پڑھتی چلی گئی..... پھر حیرت سے ماں کی طرف دیکھا۔ وہ بھی ایک ٹک اشتیاق سے بیٹی کے تاثرات دیکھ رہی تھیں جب ارسلہ نے مسکرا کر سر اٹھایا اور پیپر ماں کی طرف بڑھا دیا۔

''آپ بھی سمجھیں، مجھے تو کچھ اچھا، اچھا ہی لگ رہا ہے۔'' وہ لگاتار مسکراتے اب ایک بالکل ہی الگ موڈ میں آ گئی تھی۔ سعدیہ کی نظر پیپر ہاتھ میں لیتے دور کھڑی میرب پر پڑی۔

''جاؤ..... تم کیوں کھڑی ہو۔'' انہوں نے ماتھے پر بل دیے اور وہ سر جھکائے مرے، مرے قدموں سے باہر نکل گئی۔ نہ جانے جاتے، جاتے دارین نے اس کے لیے کیا چھوڑا تھا۔ بتانے کا موقع شاید وہ نہیں نکال پایا تھا لیکن اتنا اعتماد ضرور تھا کہ اس کے جاتے ہی فوراً وہ اپنے گھر واپس آئے گی تو خود ہی خط کو پا لے گی، پر..... یہ ماجدہ اس سے تیز نکلی تھی۔

''امی آپ کو کیا لگا.....؟'' ارسلہ کی دبی، دبی جوشیلی آواز باہر نکلتی میرب کے کانوں میں پڑی۔

''ہاں، لگ تو خاص پیغام ہی رہا ہے..... ساتھ میں گلاب کا ہونا صاف بتا رہا ہے کہ یونہی وہ اپنا کوئی پیپر بھولے نہیں جا رہا بلکہ کسی کے لیے کچھ چھوڑے جا رہا ہے۔'' سعدیہ نے مسکرا کر اپنی شرمائی بیٹی کی ٹھوڑی اوپر کی اور وہ کھلکھلا کر ہنس دی اور میرب درد بھرا تجسس لیے باہر نکل گئی۔ دارین سے بھی پوچھا نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے ایگزامز ختم ہونے تک رابطہ نہ کرنے کا پکا وعدہ لیا تھا، اب اتنی سی دیر میں خود وعدہ توڑ دیتی، ابھی تو وہ اس کے شہر سے بھی باہر نہیں گیا ہوگا۔ وہ بس مایوس دل لیے اپنے گھر واپس آ گئی۔ صبح سے شام آ گئی تھی، میرب کے بے چین دل کو قرار نصیب نہیں ہو رہا تھا۔ اپنے گھر میں واپس آ کر تو وہ کچھ اور بھی اپ سیٹ ہو گئی تھی..... دارین نے یہاں پندرہ دن گزارے تھے۔ وہ آج اپنے ہی گھر کو اجنبی نظروں سے دیکھتے خود کو ایک الگ میرب محسوس کر رہی تھی۔

ماجدہ آج صبح ہی دارین کے جانے کے بعد آدھا سامان تو صاف کر گئی تھی۔ ان کے سادہ سے گھر کو خوب صورت آؤٹ ہاؤس بنانے کے لیے خوب زور لگایا تھا اور آج یہاں سے قیمتی پردے، قالین، نفیس ڈیکوریشن پیس، لیدر کا صوفہ سیٹ، کین ووڈ کی کرسیاں، مہنگی بیڈ شیٹس پھونک مار کر غائب کر دی گئی تھیں۔ میرب پھر بھی بار، بار پلنگ کے کنارے آ بیٹھتی اور تکیے کو الٹ پلٹ کر حسرت بھری آہ بھر کے رہ جاتی، کاش صبح وہ ماجدہ سے پہلے یہاں آ گئی ہوتی۔ اپنی سستی پر جی بھر کہ خود کو کوس کر بھی آرام نہیں آیا۔ یہ آگ اندر ہی اندر جلائے جا رہی تھی کہ خوب صورت جذبات سے بھرا وہ آخری خط ارسلہ کے ہاتھوں میں ہے، افسوس جسے وہ ایک مرتبہ بھی پڑھ نہیں پائی تھی۔ اور اب..... کتابوں کو ترتیب سے رکھتے اسے اچانک خیال آیا کہ دارین کی



www.pklibrary.com

آمد سے پہلے ارسلہ اس کی ایک ڈریس ڈیزائننگ والی فائل مانگ لے گئی تھی۔ میرب ایک جذبے سے اٹھی، یہ بہانہ بہت معقول تھا، اس طرح وہ ارسلہ کے ساتھ اس کے کمرے کے اندر تک جا سکتی تھی..... وہ فوراً اٹھی اور تیز قدموں سے چلتے اس پورشن میں آ گئی۔

سعدیہ ممانی کچن میں تھیں اور ارسلہ..... وہ اپنی امی کے کمرے میں بیٹھی شاید جمیلہ باجی سے فون پر بات کر رہی تھی۔ میرب واپس پلٹتے چال میں اعتماد پیدا کرتے اس کے کمرے میں داخل ہو گئی..... چاروں جانب نگاہ دوڑاتے اسے ڈریسنگ ٹیبل پر گلاب کی کلی فوراً نظر آ گئی لیکن وہ پیپر..... وہ تڑپ کر ڈریسنگ ٹیبل کے نزدیک آئی۔ گلاب اٹھا کر پلو میں سنبھالا اور متلاشی نگاہیں اردگرد ڈالیں۔ ڈریسنگ ٹیبل پر تو کوئی پیپر رکھا دکھائی نہیں دیا، دھڑکتا دل لیے بیڈ کی سائڈ ٹیبل پر رکھی کتاب اٹھا کر میرب نے سانس روکتے وہ پھولا ہوا صفحہ کھولا جس میں کسی چیز کے ہونے کی نشاندہی ہو رہی تھی اور..... ہاتھ واضح کانپا کیونکہ لیٹر پیڈ کے اس کاغذی پیپر کو وہ پہچانتی تھی، میرب کے پاس ایسے بہت سے پیپرز جمع ہو چکے تھے..... وہ اس سلسلے کی آخری یاد..... کتنی دقت کے بعد اس کے ہاتھ آئی تھی۔

''سن اے غزالِ رعنا، اب دل یہ چاہتا ہے
ہر روز اِک غزل ہم درمدحِ یار بھیجیں
دل یہ بھی چاہتا ہے ہجراں کے موسموں میں
کچھ قربتوں کی یادیں ہم دور پار بھیجیں
دل یہ بھی چاہتا ہے ان پھول سے لبوں کو
دستِ صبا پر رکھ کر شبنم کے ہار بھیجیں
دل یہ بھی چاہتا ہے سب بھید چاہتوں کے
ہر مصلحت بھلا کر، بے اختیار بھیجیں
دل یہ بھی چاہتا ہے جب بے اثر ہو سب کچھ
تجھ کو بنا کے قاصد اے یادِ یار بھیجیں
دل جو بھی چاہتا ہو لیکن فراز سوچو
ہم طوق آشنائی کیسے اتار بھیجیں.....!''

میرب کے لب مسکرائے، پلکیں نم ہوئیں..... انگلی کو نرمی سے الفاظ پر پھیرا، ایک ننھا سا قطرہ پھسل کر نیلی روشنائی کو صفحے پر پھیلا گیا اور کسی نے پیپر اچانک اس کے ہاتھ سے کھینچا۔

''ہاہ.....'' وہ یک دم گھبرا کر مڑی، اپنے پیچھے کسی کی آمد کا اسے گمان تک نہیں ہوا تھا..... کھلے منہ اور تحیر سے بھری آنکھوں نے خوف سے سعدیہ ممانی کو دیکھا، وہ آنکھوں میں غیظ و غضب کے شرارے لیے پورے جلال سے اسے گھور رہی تھیں۔ دوسری نظر انہوں نے پیپر پر ڈالی اور پھر اس پر گرے قطرے پر جس کی وجہ سے صفحے کی چھوٹی سی جگہ ابھی تک نم تھی۔ ادھر میرب کی پلکیں۔

''یہ.....'' انہوں نے پرچہ لہرایا۔ ''تمہارے لیے تھا؟''

''نن..... نہیں، نہیں ممانی.....'' میرب کا حلق خشک ہوا۔ ''میں تو..... اپنی فائل لینے آئی تھی، یونہی نظر پڑ گئی تھی اس پر تو.....''

''اگر دارین کے واپس جانے میں تمہارا کچھ ہاتھ ہے میرب..... تو یاد رکھنا۔'' انہوں نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔ ''ارسلہ کے معاملے میں، میں اتنی سی رعایت بھی دینے والی نہیں.....''

''ایسا کچھ نہیں ہے ممانی..... آپ یقین.....''

''تم پہلے بھی دو مرتبہ یہی کہہ چکی ہو میرب..... اور میں چپ چاپ دیکھتی رہی۔ کہاں سے سیکھے ہیں یہ گُر.....'' ان کا بس نہیں چل رہا تھا سامنے کھڑی میرب کا منہ نوچ لیتیں، کتنی کوشش کی تھی انہوں نے اسے ہر لحاظ سے زیر کر دینے کی پر وہ..... جادوگرنی تھی کوئی..... انہوں نے نفرت بھری نگاہ میرب پر ڈالتے اسے ہاتھ سے باہر نکل جانے کا اشارہ دیا اور وہ بھی چپ چاپ باہر نکل گئی۔ اس مرتبہ اپنی ایک غلطی کی وجہ سے نشانے پر آ گئی۔ اور اس مرتبہ شاید وہ تھی بھی غلط..... نہ جانے کیا ہونے والا تھا۔

☆☆☆

''چیخ، چیخ کر کہتی رہی آپ سے کہ کنول کے رشتے میں دو مرتبہ اسی نے راہ ماری لیکن آپ ہمیشہ



www.pklibrary.com

ظاہر پر دھوکا کھاتے رہے، کبھی تو سمجھیں ان طوفانوں کو جو اس کی خاموشی میں چھپے ہیں۔ نفرت کرتی ہے یہ ہم سب سے۔"

"ارے پر کیوں نفرت کرے گی ہم سے....." اظہر حسین نے دبا، دبا احتجاج بلند کرنے کی کوشش کی لیکن آج تو بیگم کا غصہ اتنے کی اجازت بھی نہیں دے رہا تھا۔ ان کا بس چلتا تو میرب کا وجود آج خطۂ زمین سے ہی غائب کر دیتیں۔

"بہن کو بجائے بنگلے میں حصہ دینے کے ساتھ والے چھوٹے گھر میں ڈال دیا اس نے تو بیٹی کے دماغ میں یہی سب ڈالا ناں کہ تمہارے ماموں نے زیادتی کی ہمارے ساتھ، گھر بنانے پر رقم بھی ساری اس کے شوہر کی لگی، سات مرلے کے پلاٹ پر ٹرخا دیا۔"

"ایک منٹ....." اظہر سیدھے ہو بیٹھے۔ "تب تو یہی تم تھیں جب تہمینہ بیوہ ہو کر ابا کی جائداد میں اپنے حصے کا پوچھنے آئی تھی... تو تم بچیوں کو ساتھ لے کر میکے جانے پر تل گئیں کہ گھر میں حصہ دیا تو میرا یہاں آخری دن اور....."

"وہ سب چھوڑیں....." سعدیہ نے ہاتھ جھٹکا۔ "میں تو یہ سمجھا رہی ہوں کہ آپا اپنی بیٹی کے دل میں ہمارے لیے نفرت بھر گئیں، بس اس کو سمجھیں۔ وہ اپنی اندر کی آگ میری بچیوں پر نکال رہی ہے اور میں ہر بار بیٹھی ہاتھ ملتی رہ جاتی ہوں۔ ارے قسمت والوں کے گھروں میں ڈاکٹرز، انجینیرز کے رشتے آتے ہیں..... اور ہمارے ساتھ ہر بار یہی..... ہاتھ کو آیا منہ نہ لگا۔ میں کہے دیتی ہوں اس بار میں معاف نہیں کروں گی اس لڑکی کو..... دارین کا رشتہ میں کسی قیمت پر ہاتھ سے جانے نہیں دوں گی۔" سعدیہ کا شدت جذبات سے چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

"بیٹھ جاؤ، تمہارا بلڈ پریشر شوٹ کر جائے گا۔" اظہر حسین کو بیوی کی فکر ہونے لگی۔ پہلی بار بیوی کا غصہ کچھ جائز سا دکھائی دینے لگا۔ شاید انہوں نے چپ چاپ رہنے والی میرب کو واقعی بے ضرر سمجھنے کی غلطی کر دی تھی۔

"بیٹھو اور بتاؤ کہ کیا کروں میں؟"

"آپ کچھ مت کریں، بس آپ کو بتا رہی ہوں کہ اس کی پھپھو عطیہ کو کال کرنے لگی ہوں۔" وہ اب سر پکڑے گہری، گہری سانسیں لے رہی تھیں۔

"میرب کی پھپھو....." اظہر حسین حیران ہوئے۔ "ان سے کیا کہنا ہے، کہیں تم میرب کو یہاں سے بھیجنے....."

"ارے آپ بات تو سن لیں....." سعدیہ پھر چڑچڑی ہونے لگیں۔ "ان سے کہوں گی کہ اگر وہ اپنے اویس کے لیے انٹرسٹڈ ہیں تو ابھی میرب کا رشتہ لے آئیں کیونکہ اس کے اچھے، اچھے رشتے آ رہے ہیں اور اظہر اس کا رشتہ ارسلہ سے پہلے کرنا چاہتے ہیں، بس اتنی سی بات ہے۔"

"ہوں....." اظہر حسین بیوی کی ذہانت کے قائل تو تھے ہی، اس بار ان کی پلاننگ بھی دل کو لگی۔

"بس ذرا اچھے ڈھنگ سے بات کرنا۔" وہ کہہ کر باہر جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ دروازے سے باہر نکلتے سامنا میرب سے ہوا، وہ شاید وہیں کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی اور جانے وہ کیسی حسرت بھری نگاہ تھی، اظہر حسین کے لیے تاب لانا ممکن نہیں تھا، وہ جلدی سے نظر بچا کر باہر نکل گئے۔ میرب ہاتھوں میں ناشتے کے خالی برتن لیے کچن کی طرف آ رہی تھی، اپنا نام چیختی ہوئی ممانی کے منہ سے سن کر قدموں کا اپنے آپ رکنا اس کے اختیار میں نہیں تھا اور ماموں کے چلے جانے پر ابھی وہ اندر کی طرف پلٹی ہی تھی کہ ارسلہ کی غصے بھری آواز کانوں میں پڑی۔

"یہ کیا بات ہوئی امی..... کیا ضرورت ہے اس کی پھپھو کو یہ کہنے کی کہ اس کے اچھے، اچھے رشتے آ رہے ہیں، بلاوجہ اس کی ویلیو بڑھانا۔"

"بیوقوف مت بنو ارسلہ تمہیں کچھ سمجھ نہیں ایسی باتوں کی۔" سعدیہ بیگم نے بیٹی کو گھرکا۔ "جس کو رشتے کے لیے مائل کرنا چاہ رہی ہوں اسے لڑکی کے لچھن بتا



www.pklibrary.com

کر متنفر کر دوں.....؟ اتنا پاگل کون ہوتا ہے جو آنکھوں دیکھی مکھی نگلے، انہیں تو مقابلے کی فضا پیدا کر کے اکساؤں گی تاکہ جلد از جلد رشتہ لے کر آجائیں اور تم دیکھنا ایسے گھیرلاؤں گی کہ دارین کا جب تک ٹیسٹ کلیئر ہوتا ہے اس چڑیل سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے۔'' سعدیہ کے کلیجے میں سوچ کر ٹھنڈ پڑ رہی تھی، ارسلہ کو بات کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگی۔

☆☆☆

''ہا..... پر ایسا تو نہیں تھا ناں.....'' میرب نے ایک آہ بھرتے اس دیوانے کو دیکھا جو آج زندگی ہار جانے جیسی کیفیت میں نہایت شکست خوردہ، تہی دامن لگ رہا تھا۔

''سب میری غلطی ہے..... مجھے وہ نظم لکھ کر نہیں جانا چاہیے تھا۔'' بڑی دیر بعد اس نے نتیجہ نکالتے سر تاسف سے ہلایا۔

''ہمارے راستے پہلے بھی کون سے سہل تھے۔ یہ نہ ہوتا تب بھی تو.....''

''نہیں میرب، پتا ہے میرے ذہن میں کیا تھا۔'' دارین کو اپنی پلاننگ آپ ہی افسردہ کر گئی..... درد بھری مسکراہٹ نے چہرے کا احاطہ کیا اور میرب بس خاموش نظروں سے دیکھے گئی۔

''میں نے سوچا تھا امی کے ساتھ یہاں آکر ان سب کا شکریہ ادا کریں گے اور باتوں، باتوں میں اپنا جواب بھی ان تک پہنچا دیں گے تاکہ یہاں سے مایوس ہو کر وہ ارسلہ کے لیے کچھ اور سوچیں۔ اور پھر میں اور تم چپ چاپ اس وقت کا انتظار کرتے جب ارسلہ کی کہیں اور شادی ہو جاتی۔ چاہے اس میں سالوں کیوں نہ لگ جاتے..... یہ کوئی ایسی نامناسب خواہش تو نہیں تھی میرب، پھر ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟''

''آپ نے سنا نہیں، ارادوں کے ٹوٹنے سے ہی رب کی پہچان ہوتی ہے، ہمارا نصیب بھی یہی تھا، یہ نہ ہوتا تو کچھ اور ہو جاتا..... انجام بہر حال یہی تھا۔''

''کوئی امید میرب.....؟'' دارین کے اعصاب پر یہ مایوسی از حد گراں تھی۔

''امید کا مطلب ہے انتظار دارین..... اور یہ اذیت کے سوا کچھ نہیں.....'' وہ دامن جھاڑتے جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی، دارین نے نظر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا، ندی کی جھلمل میں لو دیتی وہ نگاہ چمک سے عاری تھی تو پھر وہ چمکتا تارا کیا تھا۔

''آیئے.....'' وہ نگاہ چھڑا کر جلدی سے پلٹ گئی۔ دارین نے اٹھ کر کھڑا ہوتے اس کی پشت کو دیکھا ضرور لیکن پیش قدمی نہیں کی..... وہ چند قدم تک جا کر مڑی لیکن سامنا دارین کے نفی میں ہلتے سر سے ہوا تو بس چند لمحے رک کر کچھ سوچا پھر پیٹھ موڑ لی، جب یہ ساتھ زندگی بھر کا نصیب نہیں تھا تو پھر چند قدم کی خوشی سے کیا حاصل..... بادلوں جیسے سرمئی پیراہن کا لہراتا آنچل دھند سا دارین کی نم آنکھوں پر چھاتا جا رہا تھا۔ آج بھی ہلکی نمی میں کرل ہوتی زلفیں آدھے چہرے کو چھپاتے پورا اس کی زندگی سے نکل گئی تھیں۔

ایک سفر وہ ہے جس میں
پاؤں نہیں دل تھکتا ہے
تیرا بچھڑنا جان غزل
شہرِ غزل کا مقطع ہے

☆☆☆

چاندی سی چمکتی اس شفاف ندی کے دوسرے کنارے پر ایک سرسبز چراگاہ تھی..... اور اس کنارے پر لوینڈر کے کاسنی پھولوں کے چند ایک خودرو پودے، کاسنی پھولوں میں، کہیں کہیں پیلے پھولوں کی شوخ سی بہار، پیچھے گھنے درختوں کے جھنڈ، ذیلی راستہ اس سرسبز قطعے سے قریب تیس، پینتیس میٹر پیچھے موڑ کاٹنے کے بعد آتا تھا۔ میرب اپنی دوست ثمرہ کے ساتھ ندی کے اس کنارے بیٹھی آج پہلی بار اسے بیتے دنوں کا احوال سنا رہی تھی۔

''ہوں.....'' ثمرہ نے ایک طویل ہنکارا بھرا۔ ''تو تم مکمل ناامید ہو؟''

''یہ راستہ توقع سے کہیں بڑھ کر کٹھن ہے۔ اس لیے امید اور انتظار کی نفی کر کے بس زندگی جیے جانا



www.pklibrary.com

ہے۔'' میرب مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تو پھر یہاں آنا.....؟'' ثمرہ بھی اپنی جگہ سے اٹھتے اب سوالیہ اسے دیکھ رہی تھی۔

''بس یونہی، کسی بیتی یاد کے سائے تلے بیٹھ کر اُن پلوں کو یاد کرنا بہت سکون آور ہے اور یہ لطف کسی امید کے آسرے پر خود کو بہلانے میں نہیں آسکتا۔ زندگی میں سے لفظ غرض اور ضرورت کو نکال کر بھی تو جیا جاسکتا ہے۔''

''ہاں بالکل..... لیکن یہ بہت مشکل ہوتا ہے۔'' ثمرہ دکھی تھی اس وقت، اپنی دوست کے لیے اس مشکل مرحلے کو سہل کرنے کی کوشش تو یہاں لے آئی تھی۔

میرب نے رک کر مسکرا کر ثمرہ کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''جب گھر پر ہوتی ہوں تو لگتا ہے ہم آخری ملاقات کر چکے، اب کچھ باقی نہیں بچا، تب دل کو مایوسی اور پریشانی بری طرح گھیرنے لگتی ہے۔ لیکن جب یہاں آجاتی ہوں تو وقت وہیں رکا سا لگتا ہے جہاں پر چھوڑا تھا، لگتا ہے آخری ملاقات ابھی جاری ہے۔''

''تو یہ دھوکا نہیں میرب..... جبکہ آخری ملاقات تو ہو چکی۔''

''یہ میں سوچ سکتی ہوں، تم سوچ سکتی ہو لیکن وہ تقدیر لکھنے والا..... کبھی کبھار وہاں سے ایک نیا باب لکھنا شروع کر رہا ہوتا ہے جسے ہم نے آخری سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ آج اگر میں یہ سوچ کر راستہ موڑ لوں کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تو میرے نصیب کا قلم بھی وہیں ٹوٹ جائے گا لیکن یہ جو محبت ہے ناں..... یہ کچھ نہیں مانگتی سوائے استقلال کے، تم جسے امید اور انتظار کا نام دے رہی ہو، میں اسے کب کا ثابت قدمی کے نام سے اس دل پر رقم کر چکی ہوں۔''

''اور کیا کہتی ہے یہ ثابت قدمی؟'' ثمرہ نے ہاتھ آگے باندھتے تدبر سے پوچھا۔ میرب نے جب اس سوال پر مسکراتے ہوئے پلٹ کر ثمرہ کو دیکھا تو آنکھوں میں ایک نورانی سی چمک لو دیتی نظر آتی تھی۔

''اس کا ارادہ یہ تھا کہ ارسلہ کی کہیں شادی ہونے تک ہم چپ چاپ اچھے وقت کا انتظار کریں گے، چاہے اس میں سالوں کیوں نہ لگ جائیں۔ لیکن وہ مایوس اور ناامید ہو کر اس لیے چلا گیا کیونکہ ارسلہ سے پہلے میری منگنی کر دی گئی تھی۔''

''تو میرب اسے بتاؤ کہ حالات کتنے تبدیل ہو چکے ہیں۔ ارسلہ کی شادی ہو گئی۔ تمہارا رشتہ باقی نہیں رہا۔''

''دو سال بعد.....؟'' میرب تعجب سے ہنسی۔ ''اتنی مدت میں بھروسے کی دیوار اگر بھربھری مٹی ثابت ہوئی تو ایک بس میرے چھونے کی دیر ہے اور زمین پر آرہے گی۔'' اس نے سر نفی میں ہلایا۔

''اتنی مدت بعد اپنا آپ کسی کو جھنجوڑ کر یاد دلانا کہیں مجھے اپنی نظروں میں شرمندہ نہ کر دے اور مجھے اپنی شرمندگی سے زیادہ اس کی ندامت سے خوف ہے۔ کیونکہ ثمرہ میں نے اسے چاہا ضرور ہے، سمجھا بالکل نہیں۔''

''تو پھر کیا سوچ رہی ہو تم؟''

''جس نے حالات بدلے ہیں، اس کی مصلحتوں کے رنگ دیکھ رہی ہوں۔'' میرب نے مسکرا کر کسی آس پر آسمان کی وسعتوں کو دیکھا، اسے ہمیشہ ہی اپنی خواہش کے حصول سے بڑھ کر اپنا مان اپنی خودداری عزیز رہے تھے۔

میرب فاطمہ قدرت کے کسی بڑے بے ساختہ لمحے میں جس کے دل کو چھو گئی تھی اب اس کی ثابت قدمی کو جانچنا چاہتی تھی، راہ چلتے انسان کو چیزیں تو بے شمار پسند آجاتی ہیں، پلٹ کر واپس لانے پر کون سی چیز مجبور کرتی ہے، یہ فیصلہ سوائے وقت کے کوئی نہیں کر سکتا، دارین کا اس وقت لوٹ کر آنا وقت کے عارضی دائرے کے اندر کی چیز تھا۔ جبکہ جذبے کی سچائی وقت کے پیمانے پر کہیں بہت دور آخر کے کسی عدد پر درج ہے۔

''اس لیے ثمرہ عابد.....'' میرب ایک گہری سانس کھینچتے مسکرا کر پلٹی۔ ''مستقبل کے کیلینڈر میں اگر ایسا کوئی دن درج ہے جس میں میرب اور دارین کو ایک ہونا ہے تو وقت کی چلتی سڑک اپنے آپ انہیں وہاں..... تک لے جائے گی، یہی میرا یقین اور یہی انتظار کی حد ہے دوست۔''

(ختم شد)



www.pklibrary.com

# طہارت..... قربِ الٰہی

تمام تر حمد وثنا اللہ رب العزت کے لیے جو ہمارا پیارا رب، خالق، مالک اور رازق ہے۔ وہی تو ہے جس نے ہمیں پیدا کیا اور تمام مخلوق پر فوقیت عطا فرمائی۔

میرا اللہ..... میرا ولی، میرا نگہبان، وہ جو میرے اندر کے تمام حال سے واقف ہے۔ وہی ذات جو ہماری ہمراز ہے..... یہی تو وہ ذات ہے جو شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ یہی تو وہ ذات ہے جس کے آگے ہم اپنا دل کھول دیتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ پردہ پوش ہے جو اپنے بندوں کے عیب ظاہر نہیں کرتا۔ وہ علیم و خبیر ہے۔ وہی لائق حمد وستائش ہے وہی سب سے بلند و برتر ہے۔

اللہ وہ حسین لفظ..... اللہ.....! وہ محبوب ہستی کہ جس کے بعد تمام حسن و محبت جھوٹی ثابت ہوتی ہیں۔ میرا رب جو بے حد حسین و جمیل ہے۔ اللہ ہمیں مصائب کے دریا میں ڈبونے کے لیے نہیں بلکہ ہمارے دامن کو دھونے کے لیے ڈالتا ہے۔

میرا اللہ! جب کچھ نہ تھا تو وہ تھا اور جب کچھ نہ رہے گا تو وہ رہے گا، وہ سب ظاہروں سے بڑھ کر ظاہر ہے کیونکہ دنیا میں جو کچھ بھی ظہور ہے اسی کی صفات اور اسی کے افعال اور اسی کے نور کا ظہور ہے، وہ ہر مخفی سے بڑھ کر مخفی ہے کیونکہ اس کی ذات کو محسوس کرنا تو درکنار عقل وفکر وخیال تک اس کی حقیقت کو نہیں پا سکتے۔

تو اے میرے رب! التجا ہے کہ اپنی بے پایاں رحمت کی وجہ سے ہمیں ہمیشہ ہدایت کے طلبگاروں میں شامل فرما..... اپنی اور اپنے حبیبؐ کی محبت اور معرفت عطا فرما..... اور ہم سے راضی ہو جا، آمین.....! درود وسلام ہو سرور کونین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کی آلؓ پر اور ان کے اصحابؓ پر.....

آج ہمارا موضوع ''طہارت'' ہے..... طہارت کے لغوی معنی ہیں، پاکیزگی، صفائی (یعنی گندگی اور نجاست کو اپنے سے دور کرنا) ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض طہارت ہے۔ طہارت دو قسم کی ہے، ایک باطنی طہارت..... دوسرے ظاہری طہارت..... ظاہری طہارت کے بغیر نماز درست نہیں اور باطنی طہارت کے بغیر معرفت الٰہی درست نہیں ہے۔ بدنی طہارت کے لیے پانی کی حاجت ہے جو کہ ناپاک یا استعمال کیا ہوا نہ ہو اور دل کی طہارت کے لیے خالص توحید کے پانی کی ضرورت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی سے ارشاد فرمایا..... ''ہمیشہ وضو سے رہو، تمہیں تمہارا محافظ دوست رکھے گا۔'' جو لوگ ظاہری طہارت پر عمل پیرا رہتے ہیں فرشتے ان کو دوست رکھتے ہیں اور جس کا باطن توحید سے پاک و مطہر ہو اللہ تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اور پاک لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''پاکی نصف ایمان ہے۔''

''دین کی بنیاد پاکی پر ہے۔''



www.pklibrary.com

طہارت سے متعلق بزرگی اور فضیلت اس کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔سوائے ذات باری تعالیٰ کے دیگر تمام اشیا سے دل کو پاک کرنا۔ (اصل میں کلمے کا مفہوم بھی یہی ہے.....کوئی معبود نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے)

۲۔دل کو برے اخلاق مثلاً حسد، کبر، ریا، حرص، عداوت، رعونت وغیرہ سے پاک وصاف کرنا۔ تاکہ پاکیزہ اخلاق سے مزین ہو۔ برے اخلاق سے بچنا نصف ایمان ہے۔

۳۔جسم کے اعضا کو گناہ سے بچانا.....یعنی پاک و صاف رکھنا، غیبت، جھوٹ، حرام کھانے، خیانت کرنے اور نامحرم عورت کو دیکھنے سے اجتناب کرنا۔ اور تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری کرنا۔

۴۔بدن اور کپڑوں کو پلیدی اور نجاست سے بچانا.....تاکہ تمام جسم ارکانِ نماز، رکوع، وسجود کے قابل ہو اور یہ مسلمانوں کی طہارت کا درجہ ہے۔ مسلمان اور کافر میں اسی نماز کی وجہ سے فرق ہے۔

☆☆☆

جسم اور کپڑے کی طہارت.....(کہ تمام لوگ اسی میں مشغول ہیں) یہ سب سے آخری درجہ ہے چونکہ یہ بہت آسان ہے اور نفس بھی اس سے راحت پاتا ہے کیونکہ صفائی اسے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اور لوگ بھی اس ظاہری طہارت وصفائی کو دیکھتے ہیں اور پارسائی و نیکی کا اندازہ اسی ظاہری صفائی سے لگاتے ہیں۔ اسی لیے عوام اسے آسان جانتے ہیں۔ لیکن دل کی پاکیزگی اور طہارت کو جو حسد، کبر، ریا اور دنیا کی دوستی ہے اور جسم کو گناہوں وغیرہ سے بچانے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور جسم کی ظاہری پاکیزگی کا اس میں کچھ تعلق نہیں اور چونکہ لوگوں کی نظر دل کے اندر نہیں پڑتی اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظارہ گاہ ہے۔ یعنی اللہ کے دیکھنے کا مقام ہے لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے اسی لیے ہر شخص اس کی پاکیزگی کے لیے دل کی طرف رغبت نہیں کرتا۔

اب ظاہری طہارت کے بعد جو سب سے اہم ہے وہ باطنی طہارت ہے۔

طہارت باطنی کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔اعضائے بدن کی طہارت گناہوں سے۔

۲۔دل کی طہارت برے اخلاق سے۔

۳۔ماسوائے اللہ کے کسی کو پوجنا۔

طہارت ظاہری کی بھی تین قسمیں ہیں۔

۱۔طہارت نجاست سے۔

۲۔طہارت حدث اور جنابت سے۔

۳۔بدن کی بڑھنے والی چیزوں سے مثلاً ناخن، بال، میل، کچیل وغیرہ سے۔ طہارت کے لیے وضو کرنا تاکہ نماز ادا کی جاسکے۔ جتنا اچھا وضو ہوگا اتنی بہترین آپ کی نماز ہوگی۔ (وضو کا طریقہ میں یہاں بیان نہیں کررہی آپ کو نماز کی کتابوں میں مل جائے گا) البتہ کچھ نکات ضرور بتانا چاہوں گی۔ ظاہری نجاست دور کرنے کے لیے وضو کی نیت کریں اور بسم اللہ پڑھ کر شروع کریں۔ پھر دعائیں مانگتے جائیں۔

"اے اللہ میرے ظاہر و باطن کو پاک کردے.....کلی کریں تو دعا مانگیں۔ اے میرے رب میری زبان کو اپنے ذکر میں مصروف کر غیبتوں سے بچا.....ناک میں پانی ڈالیں تو دعا مانگیں اے میرے رب.....! مجھے جنت کی خوشبو سونگھا اور مجھ سے راضی ہو جا۔ چہرہ دھوتے ہوئے دعا مانگیں اے میرے رب.....، میرے چہرے کو اپنا نور عطا کر.....وہ نور جو تو اپنے دوستوں کو عطا کرے گا۔ اور مجھے ان میں شامل فرما جنہیں تو اپنا دیدار عطا کرے گا۔

دایاں ہاتھ دھوئے ہوئے دعا مانگیں.....اے میرے رب.....! میرا نامۂ اعمال میرے دائیں ہاتھ میں عطا فرمانا.....بایاں ہاتھ دھوتے ہوئے دعا کریں کہ اے میرے رب! میں اس بات سے پناہ مانگتی ہوں کہ میرا نامۂ اعمال مجھے بائیں ہاتھ میں دیا جائے۔

گردن کا مسح کرتے ہوئے دعا کریں کہ اے میرے رب.....! مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے



www.pklibrary.com

اور اپنے عرش کے سایہ میں جگہ عطا فرما کہ جس روز کہیں اور سایہ نہیں ہوگا تیرے سائے کے بغیر......

دایاں پیر دھوتے ہوئے دعا کریں کہ اے میرے رب مجھے صراط مستقیم پر چلا...... بایاں پیر دھوتے ہوئے دعا کریں کہ اے میرے رب مجھے پل صراط پر ثابت قدم رکھنا اور خیر و عافیت کے ساتھ پل صراط طے کرانا...... آمین۔ وضو مکمل کرنے کے بعد کلمہ شہادت ادا کریں......اور اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ...... پڑھیں۔

جو شخص طہارت کرتے وقت اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کے بدن کے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں...... جب طہارت ختم کرے تو اسے سمجھنا چاہیے کہ یہ جو اعضا ظاہری پاک کیے گئے ہیں، یہ لوگوں کے دیکھنے کی جگہ ہیں۔ اور اللہ کے دیکھنے کی جگہ دل ہے اگر اسے گناہوں اور خباثتوں سے پاک نہ کیا جائے تو اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جیسے کوئی شخص کسی بادشاہ کو دعوت دے رہا ہو اور گھر کے دروازے کو صاف ستھرا رکھے لیکن مکان کے اندر کا حصہ جہاں بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ ہے وہ گندا رہنے دے۔

ایک اہم بات جو طہارت کے لیے بہت ضروری ہے کہ جب آپ رفع حاجت کے لیے جائیں تو پیشاب کی چھینٹوں سے بچنے کا بہت زیادہ خیال رکھیں۔ اسی طرح چھوٹے بچوں کو بھی یہی چیز سمجھائیں اور بچوں کو آب دست کا درست طریقہ خود بتائیں۔ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو قبروں کے قریب سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا...... ان دونوں قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ ایک شخص اپنے بدن اور لباس کو پیشاب کی چھینٹوں سے محفوظ نہیں رکھتا تھا اور دوسرا لوگوں کی غیبت اور چغلی کیا کرتا تھا۔

یہ مقام لمحہ فکریہ ہے ان لوگوں کے لیے خاص طور سے جو اس میں انتہائی غفلت برتتے ہیں۔ خدارا اپنے معاملات درست کرلیں۔

☆☆☆

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں آنا آسان ہے مگر یہاں سے بری الذمہ ہو کر جانا بہت مشکل ہے۔

☆ آدمی کو جتنا علم ہوتا ہے اتنا ہی خوف ہوتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے تمام برائیوں کو ایک جگہ جمع کر کے دنیا کو اس کی کنجی قرار دیا۔

☆ بہت سے لوگ غسل خانے سے پاک ہو کر نکلتے ہیں مگر بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ کعبہ اطہر سے بھی پاک ہو کر نہیں نکلتے ......(استغفر اللہ))

حضرت بایزید بسطامیؒ ہمیشہ اذان اور تکبیر کہا کرتے ایک مرتبہ ظہر کی اذان کے بعد تکبیر کہنے کو ہی تھے کہ ایک اجنبی شخص کو دیکھا کہ صف میں داخل ہوا چاہتا ہے...... یہ شخص مسافر معلوم ہوتا تھا۔ آپؒ فوراً صف سے ہٹ کر اس کے پاس گئے اور چپکے سے کہا کہ میاں! مسافر کو بلا ضرورت شرعی حدود شہر کے اندر تیمم کرنا درست نہیں ہے۔ وہ شخص اسی وقت صف سے ہٹ گیا اور وضو کر کے جماعت میں شامل ہوا...... نماز سے فارغ ہو کر نمازیوں میں سے ایک نے اس شخص سے دریافت کیا کہ جناب بایزیدؒ نے تم سے چپکے سے کیا بات کہی تھی......؟ مسافر نے بتایا...... کہ میں نے صبح کی نماز شہر سے باہر تیمم سے پڑھی تھی اور اب بھی تیمم سے پڑھنا چاہتا تھا تو شیخ نے مجھے بھولی ہوئی بات یاد دلا دی تو میں نے وضو کر کے ادا کرلی۔

☆☆☆

ایک بار حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے کچھ لوگ ملنے کے لیے آئے جن میں سے ایک شخص بظاہر شکستہ حال نظر آیا جب جانے لگے تو آپؒ نے اسے اشارے سے ٹھہرا لیا اور فرمایا کہ ''جاء نماز اٹھا کر جس قدر ضرورت ہو لے لو۔''

اس نے حیران ہو کر کہا...... ''حضرت میں دولت مند ہوں مجھے اس کی ضرورت نہیں......'' تب آپؒ نے فرمایا۔ ''پھر ایسی صورت کیوں بنائی ہوئی ہے جس سے دوسروں کو محتاجی کا شبہ ہو۔''



www.pklibrary.com

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے حضرت داؤد طائیؒ کو ٹوٹی ہوئی بوسیدہ چھت کے نیچے یادِ الٰہی کرتے دیکھا تو کہا کہ ”آپ کی چھت بالکل بوسیدہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں گر جائے اور آپ کو چوٹ آئے.....“ تو حضرت داؤد طائیؒ نے فرمایا..... ”چھت کے بوسیدہ ہونے اور مضبوط ہونے کی تو اسے خبر ہو جو آنکھ اٹھا کر اوپر دیکھتا ہو..... اے فضیل.....! میں اپنے مولا کی یادگاری کروں یا چھت کو آنکھیں اٹھا، اٹھا کر دیکھوں۔“

حضرت داؤد طائیؒ جب کپڑے دھوتے تو ساتھ ہی اس کے فرماتے کہ ”اگر اس طرح ہل، ہل کر میں اپنے دل کو دھوتا..... تو کیا اچھا ہوتا.....“ حضرت عبدالواحد بن زیدؒ فرماتے تھے کہ حضرت حسن بصریؒ کو جو مرتبہ حاصل ہوا وہ اس لیے ہوا کہ وہ جو کچھ لوگوں کو کہتے سب سے پہلے خود کرتے تھے اور جس سے ان کو روکتے سب سے بڑھ کر خود اس سے دور بھاگتے تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ ہم نے حضرت حسن بصریؒ سے بڑھ کر کوئی ایسا شخص نہیں پایا کہ جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو۔

سب اعمال میں سب سے افضل عمل مخفی گناہوں کا ترک کرنا ہے کیونکہ جب آدمی مخفی گناہوں کو چھوڑ دے گا تو وہ ظاہری گناہوں کو بدرجہ ادنیٰ ترک کر دے گا..... تو لوگو! اپنے نفس کی چھان بین کرو کہ وہ ظاہر و باطن میں یکساں ہیں یا نہیں.....

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اپنی دعاؤں میں یہ کہا کرتے تھے کہ ”اے خدا! میرے دل کو باطنی آلودگیوں سے پاک رکھ.....“ اور کسی قسم کی باطنی آلودگی آپ کے قلبِ اطہر تک نہیں پہنچ سکی۔

مناسب یہی ہے کہ ظاہری طہارت، باطنی طہارت کے موافق ہو یعنی جب ہاتھ دھوئے جائیں تو چاہیے کہ دل سے دنیا کی محبت دھو ڈالی جائے۔ اسی طرح جب استنجا کرے تو مناسب ہے کہ جس طرح ظاہری گندگی کو دور کیا جائے تو اسی طرح باطن سے بھی غیر خدا کی محبت کو دور کر دیا جائے۔ جب منہ میں پانی لیا جائے تو منہ کو غیر کی یاد سے پاک کرے۔

جب ناک میں پانی ڈالے تو سزاوار ہے کہ شہوتوں کو اپنے اوپر حرام گردانے۔ جب چہرہ دھوئے تو تمام دنیاوی الفتوں سے یک دم کنارہ کش ہو جائے اور حق کی طرف متوجہ ہو جائے..... جب ہاتھ دھوئے تو پھر اپنے نصیبوں سے دست کش ہو جائے..... اور جب سر کا مسح کرے تو اپنے معاملات کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دے..... جب پاؤں دھوئے تو فرمان الٰہی کے خلاف ہر چیز پر قائم رہنے سے بچنے کی نیت کرے جب اس پر عمل کرے گا تو اسے دونوں قسم کی طہارت حاصل ہو جائے گی اس لیے کہ تمام ظاہری امور باطن کے ساتھ ہوتے ہیں۔

یہی خاصۂ ایمان ہے کہ ظاہر میں زبان سے اقرار ہو تو باطن میں اس کی تصدیق بھی۔ نیت کا تعلق دل سے ہے۔ شریعت میں طاعت کے احکام جسم ظاہری پر ہیں۔ لہٰذا دل کی طہارت کا طریقہ دنیا کی آفت میں غور و فکر کرنا ہے۔

حضرت ابو طاہر حرمیؒ مکہ مکرمہ میں چالیس سال اس حال میں مقیم رہے کہ وہاں کبھی رفع حاجت نہ کی۔ جب بھی حدودِ حرم سے بہت دور باہر رفع حاجت کے لیے جاتے تو خیال آجاتا کہ یہ وہ زمین ہے جسے حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ منسوب فرمایا ہے۔ استعمال شدہ پانی کو بھی اس جگہ گرانا مکروہ سمجھا۔

حضرت ابراہیم خواصؒ کا واقعہ ہے کہ رے کی جامع مسجد میں مرض اسہال لاحق ہوا۔ دن رات میں انہوں نے ساٹھ مرتبہ غسل کیا۔ بالآخر ان کی وفات پانی میں ہی واقع ہوئی۔

حضرت علی رودباریؒ عرصے تک وسوسۂ طہارت میں مبتلا رہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن دریا میں صبح سے ٹھہرا ہوا تھا..... یہاں تک کہ سورج نکل آیا اور میں پانی ہی میں رہا۔

حضرت سفیان ثوریؒ نے بیماری کی حالت میں ایک نماز کے لیے ساٹھ مرتبہ طہارت کی..... مرض



www.pklibrary.com

موت میں انتقال کے دن اللہ سے دعا مانگی کہ ''اے اللہ.....! موت کو حکم دے کہ وہ اس وقت آئے میں جب پاک صاف ہوں۔''

حضرت ابو بکر شبلیؒ نے ایک دن مسجد میں جانے کے لیے طہارت کی۔ غیب سے ندا آئی کہ تم نے ظاہر کو تو آراستہ کرلیا..... باطن کی صفائی کہاں ہے؟ وہ لوٹ آئے اور تمام ساز و سامان صدقہ کر دیا اور ایک سال تک صرف اسی قدر لباس پہنا کہ جس سے نماز جائز ہو سکے۔ پھر جب حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس حاضر ہوئے تو آپؒ نے فرمایا۔ اے ابو بکر شبلی.....! جو طہارت تم نے کی ہے وہ بہت سود مند ہے..... اللہ تعالیٰ تمہیں اس طہارت پر ہمیشہ قائم رکھے۔ اس کے بعد حضرت شبلیؒ آخر وقت تک کبھی بے طہارت نہ رہے..... جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو ان کی طہارت ٹوٹ گئی۔ آپؒ نے اپنے مرید کی طرف اشارہ کیا کہ مجھے طہارت کرائے..... مرید نے انہیں طہارت کرائی لیکن داڑھی میں خلال کرنا وہ بھول گیا..... اس وقت ان میں کلام کرنے کی سکت نہ تھی۔ تب آپؒ نے مرید کا ہاتھ پکڑ کر داڑھی کی طرف اشارہ کیا پھر اس نے داڑھی میں خلال کیا..... آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کبھی طہارت کا کوئی ادب ترک نہیں کیا جب بھی ایسا ہوا میرے باطن پر نصیحت ظاہر ہوگئی۔

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ جب کبھی میرے دل پر دنیا کا اندیشہ گزرتا تو میں فوراً وضو کر لیتا..... اور جب آخرت کا اندیشہ گزرتا تو میں غسل کر لیتا کیونکہ دنیا محدث ہے اس کا اندیشہ حدث ہے اور آخرت محل غیبت و آرام ہے اس کا اندیشہ جنابت ہے لہٰذا حدث سے وضو اور جنابت سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔

طہارت کے بیان میں مشائخ کے بکثرت ارشادات ہیں کہ وہ ہمیشہ مریدوں کو ظاہر و باطن کی طہارت کا حکم دیتے رہے ہیں کہ جب بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونے کا ارادہ کرو تو ظاہری عبادت کے لیے ظاہری طہارت تو ضرور کرو..... اور جب باطن میں قربت کا مقصد کرو تو باطن کی طہارت کرو۔ ظاہری طہارت پانی سے ہے اور باطنی طہارت توبہ و رجوع کے ذریعے ہے۔

☆☆☆

حضرت امام مالکؒ کی مجلس درس میں بہت زیادہ لوگ شرکت کیا کرتے تھے۔ اور حج کے زمانے میں تو یہ تعداد بہت زیادہ بڑھ جاتی تھی۔

پھر اچانک نظام درس میں ایک بڑا انقلاب آیا وہ یہ کہ لوگوں نے دیکھا کہ ان کے امام مالکؒ نے مسجد میں آنا چھوڑ دیا ہے۔ عقیدت مندوں کے ہجوم میں شدید اضطراب پھیل گیا..... اس سلسلے میں کسی نے امام مالکؒ سے سوال کیا تو آپؒ نے فرمایا..... ''اب بوڑھا ہو چکا ہوں جسمانی نقاہت گھر سے نکلنے نہیں دیتی۔'' اس فطری مجبوری کے باوجود درس کا سلسلہ جاری رہا۔ لوگ اپنے علم کی پیاس بجھانے کے لیے اب امام کے گھر پر حاضر ہوئے۔ اس طرح امام نے کئی سال تک لوگوں میں دولت علم تقسیم کی۔ صرف روز جمعہ آپؒ مسجد نبویؐ میں تشریف لے جاتے۔ انسانی ہجوم امام کے گرد سمٹ آتا۔ آپ حاضرین کو چند نصیحتیں کرتے اور گھر واپس چلے آتے..... حسد کرنے والوں کو کسی طور قرار نہ تھا۔ کہنے والے کہتے۔ ''ایسی بھی کیا ناتوانی، آدمی مسجد چھوڑ کر گھر پر بیٹھ رہے۔'' دل آزاری کی یہ باتیں امام کے کانوں تک بھی پہنچیں مگر آپؒ صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو جاتے۔ ''لوگوں کو کیا معلوم کہ ہر شخص اپنی مجبوریاں بیان کرنے پر قادر نہیں ہے۔'' امام کا یہ انداز بڑا معنی خیز تھا مگر کوئی بھی آپ کے الفاظ میں چھپے ہوئے کرب کو نہ پہچان سکا۔ مخالفین کے اعتراضات کا یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا..... لیکن امام نے اپنی ذات سے متعلق کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ ناتوانی آپ کو مسند درس سے اٹھا کر بستر علالت پر لے گئی۔ شاگردوں اور عقیدت مندوں نے تیمارداری کا حق ادا کر دیا۔ مگر بیماری مسلسل بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر کار طبیبوں نے جواب دے دیا۔ امام کی علالت کو اکیس دن گزر چکے



www.pklibrary.com

تھے۔ آپ کی علالت کی خبر دور، دور تک پھیل گئی۔

مدینے اور دوسرے شہروں کے بڑے، بڑے علما آخری لمحات میں امام مالکؒ کو دیکھنے کے لیے .... بے چین تھے۔ مشہور بزرگ یحییٰ بن یحییٰ کا بیان ہے۔ اس وقت امام کے گرد ایک سو تیس فقیہہ اور عالم اداس کھڑے تھے۔ میں بار، بار امام کے سامنے جاتا اور سلام عرض کرتا۔ میری خواہش تھی کہ الوداعی ساعتوں میں کس طرح امام مجھے ایک نظر دیکھ لیں اور پھر یہی نگاہِ کرم آخرت میں میرے لیے وسیلہ بن جائے۔"

اچانک امامؒ نے آنکھیں کھولیں اور تمام عزیز و اقارب اور شاگردوں کو اپنے قریب طلب کیا..... لوگوں کا خیال تھا کہ شاید امام کوئی وصیت کرنا چاہتے ہیں..... ہر شخص امام مدینہ کے آخری الفاظ کے لیے بے قرار تھا۔ امام نے اپنے گرد کھڑے لوگوں کو دیکھا اور پھر کمزور مگر باوقار آواز میں فرمایا..... "اللہ کا شکر ہے کہ جس نے مجھے کبھی ہنسایا اور کبھی رُلایا، میں اسی کے حکم سے زندہ رہا اور اسی کی مرضی سے جان دے رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میں آج تم لوگوں سے رخصت ہو کر اپنے رب کے حضور چلا جاؤں گا اگر میرا آخری وقت نہ آتا تو میں ہرگز تم پر اپنا یہ راز ظاہر نہیں کرتا کہ میں کئی سال سے پیشاب نکل جانے کے مرض میں مبتلا ہوں، مجھے کسی طرح بھی یہ گوارا نہ تھا کہ وضو کے بغیر میں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں قدم رکھوں..... اور مجھے اس بات سے بھی شرم آتی تھی کہ لوگوں کو اس بیماری کا حال بتا کر اپنے اللہ کی شکایت کروں....." یہ کہہ کر امام نے اپنی آنکھیں بند کرلیں مگر ہونٹ پھر بھی لرز رہے تھے..... آپ کے شاگرد نے کان لگا کر سنا..... امام بہت آہستہ، آہستہ آواز میں کہہ رہے تھے۔

"اے جہانوں کے پالنے والے! تیرا احسانِ عظیم ہے کہ تو نے اپنے گناہ گار بندے مالک بن انسؒ کو خاک مدینہ سے اٹھایا اور خاکِ مدینہ میں ملا دیا۔" پھر لبوں کی جنبش ختم ہوگئی۔

علم اور تقویٰ کا سورج اس سمندر میں اتر گیا جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔

امام ساری زندگی اہلِ دنیا کی الزام تراشیوں پر صبر کرتے رہے اور جب آخری لمحات میں اپنی مجبوریاں بیان کیں تو دشمن بھی رو پڑے۔ انتقال کے وقت امام کی عمر چھیاسی سال تھی اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

☆☆☆

تو طہارت جسے نصف ایمان قرار دیا گیا ہمارے لیے اس قدر اہمیت کی حامل ہے۔ اسی طہارت کے باعث ہمیں اپنے رب کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ تو ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی طہارت کو اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ یہی راہِ نجات ہے۔

اللہ کریم ہمیں اپنے ظاہر اور باطن دونوں کو پاک کرنے کی توفیق عطا فرمائے..... آمین، الٰہی آمین۔

**حرفِ آخر:**

اللہ کریم کی بارگاہ میں انتہائی عاجزی کے ساتھ دعا گو ہوں کہ اس مضمون میں کہیں کوئی غلطی، کوتاہی یا آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات میں کوئی سہواً غلطی ہوگئی ہو..... تو رب کریم سے التجا ہے کہ وہ میری اس غلطی اور کوتاہی کو میری کم فہمی، کم علمی اور بشری کمزوری کے باعث معاف فرمادے۔

الٰہی آمین

جن قابلِ احترام ہستیوں کی کتب سے مضامین کا انتخاب کیا ہے اللہ کریم ان کے درجات بلند فرمائے..... آمین

۱۔ احیاء العلومؒ امام ابو حامد محمد الغزالیؒ
۲۔ کیمیائے سعادت، امام ابو حامد محمد الغزالیؒ
۳۔ کشف المحجوب، حضرت سید علی ہجویریؒ
۴۔ بستان اولیا، مولانا حافظ محمد اسحاق دہلویؒ
۵۔ بہشتی زیور، علامہ عالم فقری
۶۔ سفیرانِ حرم، جناب خان آصف صاحب
۷۔ حسن احوال، ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب



www.pklibrary.com

# وہ آئے بزم میں

نزہت اصغر

## اصلاحی تحریروں کی خالق...

## معنویت سے پُر کہانیوں کی مصنفہ

## قانتہ رابعہ

### سے فکر انگیز گفتگو

ماہنامہ پاکیزہ کی سالگرہ کا لطف اٹھاتے محترم و قدردان قارئین کے لیے آج ہماری بزم میں ایک اصلاحی اور تعمیری طرزِ فکر دینے والی قلم کار کی آمد ہے۔ اور ہم سب کی یہ بزم مثبت و روشن فکر رکھنے والی لکھاری قانتہ رابعہ کی دل نشیں گفتگو سے سجی ہے۔ آیئے سوالات کا آغاز کرتے ہیں۔ آج مہمان شخصیت کی کتب ہی ان کی بہترین تصویریں ہیں۔

پاکیزہ ✧..... سب سے پہلے تو آپ کو ادارہ



www.pklibrary.com

پاکیزہ کی جانب سے خوش آمدید کہتے ہیں آپ کو کیسا لگ رہا ہے؟

قانتہ رابعہ ❖.....بہت اچھا لگ رہا ہے پاکیزہ تو بچپن کی یادوں میں سے ایک یاد ہے۔ جب صفیہ ملک انٹرویو لیتی تھیں اور میرے لیے اس ماہنامے کی کہانیاں، کردار، مصنفین سب ماورائی کردار تھے بس ان کو سوچا جاسکتا تھا۔

پاکیزہ ✧.....جی ہماری یہ بزم ہماری پیاری رائٹرز کی آمد سے سج جاتی ہے تو اسی وجہ سے آپ کو آج زحمت دی اور آپ تو بہت دور سے تشریف لائی ہیں کیوں، ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں.....؟

قانتہ رابعہ ❖.....گوجرہ ہے تو فیصل آباد سے قریب، کراچی سے بہرحال دور ہی ہے مگر دل والوں کے نزدیک قربت ہی ہوتی اور رہتی ہے۔ فاصلاتی دوریاں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ (جی بالکل درست کہا)

پاکیزہ ✧.....ماہنامہ پاکیزہ سے آپ کی دوستی کا کیا راز ہے، کیا داستان ہے، کچھ بتائیں گی؟

قانتہ رابعہ ❖.....پاکیزہ سے پرانا تعلق ہے۔ بہنوں کی محفل پڑھتی تھی تو آنکھوں میں ستارے جگمگاتے تھے پتا نہیں کیسے لوگ ہیں جو اس محفل میں شامل ہونے کا شرف پاتے ہیں۔ ویسے بھی اس کا گھریلو انداز دل موہ لیتا تھا۔ (نوازش)

پاکیزہ ✧.....اچھا اپنی قلم و کاغذ کی دوستی کا احوال پہلے بتایئے پھر آپ کی تحریروں پر بھی بات ہوگی؟

قانتہ رابعہ ❖.....قلم سے پہلے کاغذ سے دوستی ہوئی تھی.....گھر میں اردو ڈائجسٹ، سیارہ، نقوش، بتول، نور کے علاوہ بھی کئی رسالے آتے تھے۔ میرا خیال ہے حرفوں کو جوڑ کر پڑھنا رسالوں سے ہی سیکھا۔ جیب خرچ کے نام پر پیسہ دھیلا ملتا تھا وہ کمال احمد رضوی اور اسی طرح کے دوسرے لکھنے والوں کی جیبی سائز کے اٹھنی میں ملنے والے رسالوں پر خرچ ہوتا.....کھیل کود سے دلچسپی اپنی جگہ مگر پڑھنا سب سے پسندیدہ شوق.....پھر یہ کہ ڈھیروں کزنز، ماموں، خالائیں بھی ہم عمر تو کھیلنے میں ایک کھیل لفظی تاش، کھیلنے کا بھی معاون رہا۔ ڈھونڈ، ڈھونڈ کے حرف لائے جاتے اور سوچ، سوچ کر بنائے جاتے.....زیادہ تر نئے لفظ انہی لفظی تاشوں سے ہی سیکھے۔ (جی بالکل ہم نے بھی بچپن میں یہی تعلیمی تاش کھیلے اور بہت کچھ سیکھا)

پاکیزہ ✧.....آپ نے شروع سے ہی کسی مقصد کے تحت کہانیاں لکھنا شروع کیں یا بس پڑھ، پڑھ کر لکھنے کا شوق ہوا؟

قانتہ رابعہ ❖.....مجھے خود نہیں یاد لکھنا کیسے اور کب شروع کیا۔ بس گھر اور خاندان میں پڑھنے والوں کا غلبہ تھا۔ پہلی یاد یہی ہے کہ میرے نانا ابو فوت ہوئے تو ابا جی نے ان کی یاد میں میرے نام سے بچوں کے رسالے نور میں نظم بھیجی۔

کیسے تھے اچھے نانا
کیسے تھے پیارے نانا
جنت میں ان کو یارب
اچھا ملے ٹھکانا

جب وہ نظم رسالے میں شائع ہوئی تو اپنا نام رسالے میں چھپا دیکھنا.....اتنا حیران کن اور مسرت بخش تھا کہ نام شائع ہونے کے نشے میں لکھنا شروع کیا اور بچپن میں تو مقصدیت یا نظریے کا کیا علم ہوگا۔ بس نام چھپ گیا یہ بہت حیرانی تھی۔ (واہ بہت خوب)

پاکیزہ ✧.....آپ کے گھر والوں نے، آپ کے اساتذہ نے اور پھر آپ کے دوست احباب نے کس طرح اور کس حد تک تعاون کیا؟

قانتہ رابعہ ❖.....تعاون سے مراد اگر تو تعریف ہے، آگے بڑھنے کی تلقین ہے تو وہ میرے قریبی عزیزوں میں سے میرے ماموں حکیم عبدالوحید سلیمانی (جو کرنل اشفاق کی جنٹلمین سیریز کے پبلشر بھی تھے) اور میری چچی سیدہ رشیدہ قطب جو لکھنؤ سے تعلق رکھتی تھیں اور بہت عمدہ ادبی ذوق رکھتی تھیں نے میری بھرپور حوصلہ افزائی کی.....میری ہر اوٹ پٹانگ تحریر پر ماموں تبصرہ کرتے، تحفے میں ہر نئی شائع ہونے والی کتاب ملنا تو لازمی تھا۔



www.pklibrary.com

باقی امی، ابو میری تحریر پر خوش ہوتے تھے۔ مگر میں ہی شرمساری سے تحریریں لکھ کر چھپاتی اور شائع ہونے کے بعد بھی۔

پاکیزہ ✧.....قانتہ آج کل بیشتر ڈائجسٹ رائٹرز ٹی وی ڈراموں کی طرف جارہی ہیں، آپ کو بھی آفر آئی؟

قانتہ رابعہ ❖..... باضابطہ طور پر ڈراموں کی آفر نہیں آتی مگر ڈھکے چھپے لفظوں میں یہ کہا کہ آپ بھی لکھیے۔ (تو پھر؟)

پاکیزہ ✧.....چلیں ڈرامے کی تاریخ پر نہیں جاتے یہ بتائیں آج کل کس طرح کے ڈرامے آرہے ہیں اور کیسے ناظرین پسند کررہے ہیں؟

قانتہ رابعہ ❖.....میں بہت عرصے سے ٹی وی اسکرین سے دور ہوں۔ سننے اور پڑھنے میں ڈرامے کے نام پر معاشرتی اقدار کا تیا پانچا ہوتا ہی پتا چلتا ہے۔

پاکیزہ ✧.....ڈراموں میں یا افسانوں، ناولوں میں کس حد تک اصلاحی پہلو ہو کہ بوریت نہ محسوس ہو؟

قانتہ رابعہ ❖.....مقصدیت غالب نہ آئے..... لمبے، لمبے مکالمے نہ ہوں۔

پاکیزہ ✧.....آج کل کا ادب کس طبقے کی، کس ماحول کی عکاسی کررہا ہے؟

قانتہ رابعہ ❖.....جس ماحول میں ادیب سانس لے رہا ہے اسی کی عکاسی ہورہی ہے۔ (ہاں یہ تو ہے)

پاکیزہ ✧.....اچھا قانتہ باتیں کافی سنجیدہ پہلو اختیار کرگئیں..... یہ بتائیں آپ کس قسم کی تحریریں پڑھنا اور لکھنا پسند کرتی ہیں؟

قانتہ رابعہ ❖.....میں سفرنامے، آپ بیتی کے بعد اچھے افسانوں کی دلدادہ ہوں..... ناول بھی پسند ہیں مگر قسط وار نہ ہوں..... مکمل ناول۔ شروع سے ہی پچھلی قسط بھول جاتی ہوں۔

پاکیزہ ✧.....کیا آج کی نسل آپ کو ان کہانیوں سے سبق لیتی محسوس ہوتی ہے؟

قانتہ رابعہ ❖.....آج کی نسل میری تحریروں سے تو سبق لیتی ہے مجھے ریسپانس یا فیڈ بیک ملتا ہے..... الحمدللہ..... کسی نہ کسی طرح تحریر کے متعلق پتا چل بھی جاتا ہے۔

پاکیزہ ✧.....نوجوان بچیوں کو کس طرح گائڈ کریں گی کہ کلاسیکل ادب اور سنجیدہ ادب میں دلچسپی لیں؟

قانتہ رابعہ ❖.....پہلے کلاسیک ادب کی اہمیت بتایئے..... پھر کتاب ہاتھ میں دیں۔

پاکیزہ ✧.....آج ہر چیز کمرشل ہوگئی ہے تو کیا ادب بھی اس راہ پر چل پڑا؟

قانتہ رابعہ ❖.....ہاں کسی حد تک..... ادب، ادیب کمرشل لکھنے والوں کا انداز ہی جدا ہوتا ہے۔ خواہ مخواہ پانی میں مدھانی ڈال کر کہانی کو طول دینا..... قسطوں پر قسطیں گزر جاتی ہیں اور کہانی وہیں کی وہیں۔ (نو کمنٹس)

پاکیزہ ✧.....آپ نے اپنے اردگرد کس طرح سے مثبت سوچ اور مثبت اندازِ فکر اختیار کرنے کے اقدامات کیے؟



www.pklibrary.com

قانتہ رابعہ ❖.....مجھے ایک افسانے ڈگری کا عذاب اور ممتا کی موت پر میری ادبی راہنما محترمہ نیر بانو نے نصیحت کی تھی کہ گٹر کا گند دکھانا نیکی نہیں.....اس کی صفائی کرنا نیکی ہے۔ معاشرے کے انتشار اور افراتفری کو کہانیوں میں لاؤ گی تو کون سا ثواب کماؤ گی..... سوائے اس کے کہ خلقِ خدا، خدا سے دور ہوگی.....بات سمجھ میں آگئی حالانکہ یہ 1980ء کی دہائی کی بات ہے پھر رب سے دعا بھی مانگی جو قلم بطور امانت دیا ہے تیری رضا کے لیے استعمال ہو الحمدللہ! اس کے بعد لاشعوری طور پر تحریروں میں یہی پیغام سامنے رکھا۔ (سبحان اللہ! بہت خوب)

پاکیزہ ✧.....نئی نسل کے لیے کیا کہیں گی؟

قانتہ رابعہ ❖.....نئی نسل میں ٹیلنٹ بہت ہے لیکن دجالی فتنوں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے.....سب سے قیمتی دولت وقت کے زیاں کا احساس ہی نہیں ہوتا.....لہو ولعب میں مبتلا ہیں.....لہو صرف کھیل تماشے یا ناچ گانے کو نہیں کہتے بلکہ ہر وہ چیز جو آپ کو آپ کے مقصد سے غافل کردے..... دو سوال..... کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جانا ہے.....اس کا جواب دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے نہ اہمیت۔

پاکیزہ ✧.....اچھا، کچھ اپنے بچپن اور لڑکپن کی دلچسپ یادیں ہم سے شیئر کریں جو آج مس کرتی ہیں؟

قانتہ رابعہ ❖.....میرا بچپن بہت منفرد تھا..... کھیل کود میں بھی بہت کچھ سیکھنے کو ملتا تھا.....اب سوچتی ہوں شاید یہ عقیدے کی مضبوطی اور اللہ سے میرے بڑوں کے پختہ تعلق کی وجہ سے تھا.....سرخ آندھی بھی آتی تو کھیل چھوڑ کر توبہ استغفار کرتے گھروں میں چلے جاتے کہ قیامت سے پہلے بہت زیادہ قتل ہوں گے اور سرخ آندھیاں آئیں گی۔ موبائل تو بعد کی ایجاد ہے، اگلے دن واقعی اخبار میں کسی قتل کی خبر چھپی ہوتی.....یوں بچپن کے کھیل بھی سبق آموز ہی تھے..... اقدار اور اخلاق کا دھیان رکھا جاتا تھا۔ (بالکل درست)

پاکیزہ ✧.....کچھ اپنی پسند ناپسند بھی ضرور بتائیں۔ پسندیدہ کتاب، شخصیت۔

قانتہ رابعہ ❖.....شخصیات تو ہر زمانے میں راہنمائی کے لیے موجود ہوتی ہیں مگر آئیڈیالائز کرنے کے لیے تو ایک ہی ہستی ہے۔ ایک ہی شخصیت ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.....رہیں کتب.....تو کتب کا یہ ہے کہ ہر کتاب کا اپنا الگ انداز ہوتا ہے آپ بہت دکھ کے عالم میں مزاحیہ کتاب خواہ کتنی ہی پسند کیوں نہ ہو، نہیں پڑھ سکتے۔ بہت سرور کے عالم میں المیہ ناول، ایک طرف رکھ دیا جاتا ہے۔ تو وہ کتاب جو ہر موڈ، ہر وقت ہر عالم میں بہترین ہے وہ بھی ایک ہے..... دکھ میں بندے کو دلجوئی کرنے والی، سکھ میں عاجزی کا سبق دینے والی.....انگلی پکڑ کے ہر آزمائش کی بھٹی سے نکالنے والی..... بسا اوقات تو محبت سے دل لبریز ہوجاتا ہے کہ میرے رب کا کتنا بڑا احسان ہے.....نبیؐ دیا تو انبیا کا سردار، کتاب دی تو کتب کی سردار.....اُمّ الکتاب..... اس کتاب سے جُڑ جاؤ.....عرش کے خزانے آپ کی ملکیت میں ہوں گے۔ (بے شک کیا سچی بات ہے)

پاکیزہ ✧.....آپ کو کتب بینی، اخبار بینی، ٹی وی یا فلم بینی کس سے زیادہ دلچسپی ہے؟

قانتہ رابعہ ❖.....ٹی وی کسی زمانے میں بہت دیکھا اقرا سے شروع ہو کے رات گئے جھنڈا لہرانے تک مگر اب ٹی وی نہیں دیکھتی..... جو کچھ اس پر ہوتا ہے وہ تھکے اعصاب کو مزید تھکانے کے لیے کافی ہے، اخبار دیکھتی ہوں، سرخیوں پر نظر ڈالتی ہوں اور کچھ کالمز کا مطالعہ۔

پاکیزہ ✧.....اپنے ملک پاکستان کو کیسا دیکھنا چاہتی ہیں؟

قانتہ رابعہ ❖.....پاکستان کے بارے میں کیا لکھوں.....قومِ ثمود نے اونٹنی مانگی اور قونچیں کاٹ ڈالیں ہم نے بھی معجزہ مانگا.....اور بازو کاٹ ڈالا.....جو کچھ اس کے ساتھ ہو رہا ہے یقین آتا ہے کہ اسے کوئی غیبی طاقت ہی چلا رہی ہے.....صالح قیادت نہیں ملی اسے.....قیادت صالح ہو تو نیت درست ہوجاتی ہے اور



www.pklibrary.com

نیت درست ہو تو اللہ کی مدد شاملِ حال ہوتی ہے۔ (اللہ پاک اپنا رحم و کرم جاری و ساری رکھے، آمین!)

پاکیزہ ❖..... کوئی ایسی خواہش جو باوجود کوشش کے پوری نہیں ہوئی؟

قانتہ رابعہ ❖..... نہیں، دنیا میں دنیا کے متعلق کیا، ہر خواہش پوری ہونا ناممکن ہے؟ ہاں حج کے دوران حجرِ اسود کو بوسہ لینے کی شدید خواہش تھی مگر بوسہ لینے والیوں کو حالوں سے بے حال دیکھ کے تائب ہو جاتی..... یہ خواہش اب بھی ہے کہ ایک دفعہ پھر جاؤں اور ہر کام ویسے کروں جیسے میرے رب کا حکم ہے..... پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی ملک دیکھنے کی خواہش بھی قبر میں ساتھ ہی جائے گی۔ (اللہ سے تو ہر آن بہتری کی ہی امید رہتی ہے)

پاکیزہ ❖..... اپنی فیملی کے بارے میں کچھ بتائیں؟

قانتہ رابعہ ❖..... الحمد للہ چار بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے..... بڑی تینوں شادی شدہ ہیں، مومنہ، ڈاکٹر کی حیثیت سے ملازمت بھی کر رہی ہے اس کے تین بچے ہیں اور اس کی بیٹی عائشہ مہدیہ کی آمد پر میں نے فکاہیہ کالم، میری ایٹی نائن (نواسی) لکھا تھا جو گاہے بگاہے اس کی معصومانہ اداؤں پر جاری ہے۔ پھر مزنہ فاطمہ ہے جو ایم فل بائیو کیمسٹری ہے اور پھر محسنہ مریم کی ایم ایس سی کے دوران شادی ہوگئی۔ اب ذروہ اور داؤد دونوں گھر کی رونق ہیں۔ میاں حال ہی میں پوسٹ گریجویٹ کالج سے ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔ وہ ایسوسی ایٹ پروفیسر تھے۔ الحمد للہ میرے بچوں کا ادبی ذوق مجھ سے کہیں بہتر ہے۔ (اللہ آپ کے کنبے کو شاد و آباد رکھے، الٰہی آمین)

پاکیزہ ❖..... آپ کے لکھنے پڑھنے کا شوق کس حد تک وہ سب برداشت کرتے ہیں؟

قانتہ رابعہ ❖..... الحمد للہ میری لکھنے کی رفتار ناقابلِ یقین حد تک تیز رہی ہے..... میں ایک نشست میں اللہ کی توفیق سے تین، تین افسانے لکھتی رہی ہوں۔ اب اعصابی نظام نے لاچار کر دیا ہے۔ وگرنہ میرے لیے تو لکھنا کبھی مسئلہ نہیں رہا۔ لکھنے کے متعلق میں نے زندگی بھر پلاننگ نہیں کی کہ اس موضوع پر بھی لکھنا ہے اور فلاں شخص کے متعلق بھی..... میرے لیے لکھنے کے لیے کیا ضروری ہے؟ آسان لفظوں میں اسے آمد کہہ سکتے ہیں۔ شعر و شاعری کی دنیا میں آمد کا لفظ مانوس اور برحق ہے لیکن نثر میں، آمد، میرے لیے ربی تحفہ ہے۔ لوگ بھلے مجھے بسیار نویس کہتے ہوں یا تیز رفتار لیکن جب یہ لکھنے لکھانے کا سلسلہ جاری ہوتا ہے تو تابڑ توڑ موضوعات دماغ میں کھلبلی مچاتے ہیں۔ اودھم کو دا تنی شدید ہوتی ہے جب تک لکھ نہ لوں میں یکسو نہیں ہو پاتی۔ لکھتے ہوئے مجھے اردگرد کا کوئی ہوش نہیں ہوتا..... جب لکھ لیتی ہوں تو ہلکی ہو جاتی ہوں..... مگر اس ماحول یا ان کرداروں سے باہر آنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ لکھنا لکھانا میرا شوق یا مشغلہ نہیں، مشن ہے۔ بچپن کی یادوں میں سے ایک یاد جو ضرور شیئر کرنا چاہوں گی کہ جب بھی قرآنی قاعدہ یا کوئی کتاب کھولتی تو کسی بچپن کے سنگی ساتھی کا نسخہ کام آیا تین مرتبہ یا فتاح یا فتاح اور رب زدنی علما ضرور پڑھنا..... اس کے ورد کا یہ فائدہ ہوا کہ ڈگری تو دنیاوی حساب سے بی اے ہے میرے پاس مگر الحمد للہ قرآن کے علم کے لیے اللہ نے مجھے چن لیا۔ میری تحریر خواہ کالم ہو یا افسانہ بچوں کی کہانی ہو یا بلاگ، وہ قرآنی احکامات یا احادیث کا پیغام لیے ہوتی ہیں۔ ورثے کے اصل احکامات، طلاق، عدت کی پابندی، نکاح کی شرعی حیثیت یہ سب جن کا علم ہونا ہر مسلمان کے لیے بے حد ضروری ہے۔ یہ علم کرداروں کے ذریعے قارئین تک پہنچانا اس کلام کی برکت سے ہے..... ورنہ میں کیا اور میری مجال کیا..... کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ..... آپ حیران ہوں گی کہ قارئین کی اکثریت ان احکامات یا تعلیمات سے لاعلم ہوتی ہے اس کا اندازہ مجھے ان کے تبصروں سے ہوتا ہے..... میرے افسانوں پر جی سی یونیورسٹی فیصل آباد سے ایم فل کی ڈگری جاری ہو چکی ہے اور بے شمار طلبہ و طالبات ایم ایس سی، بی ایس یا ایم فل کے کسی نہ



www.pklibrary.com

کسی سلسلے میں میری تحریروں پر کام کر رہے ہیں..... یہ خدا کا فضل ہے اس کے کلام کی برکت ہے کہ لکھنے کے لیے مجھے الحمدللہ شروع دن سے ہی پلیٹ فارم مل گیا۔ بزم بتول، جو بعد ازاں حریم ادب کے نام سے ادبی تنظیم کے طور پر رجسٹر ہوئی خواتین میں با مقصد اور اصلاحی ادب کے لیے کوشاں ہے۔ میرے پاس اس کی ذمے داری بھی ہے یہ میرے لیے ممد و معاون ثابت ہوئی..... باقی رہی شہرت تو وہ تو بدنام اور بدمعاش بھی مشہور ہوتے ہیں۔ اصل باقی رہنے والی چیز تو نیکی ہے بس اس کو پہنچانا میرا مشن ہے اس کا شعور دینا..... بدی کو ضرور دکھاؤ مگر انجام بھی برا دکھاؤ ورنہ بدترین خیانت ہے (جی بالکل درست کہا) دولت کی میرے نزدیک اہمیت نہیں، میں نے بڑے، بڑے دولت مندوں کے دل بھوکے دیکھے ہیں اور بہت سے غریب کم دولت والے دل کے بادشاہ دیکھے ہیں..... دولت مقدر سے ملتی ہے وہ اللہ کا فضل ہے کہ اللہ نے عطا کی ہے اصل دولت تو قناعت کی دولت ہے..... میں مشنری جذبے سے لکھتی ہوں..... اس لیے میں فی سبیل اللہ لکھتی ہوں..... اعزاز یہ ملتا ہے تو یہ لفظوں کی قیمت نہیں ہوتی۔ جب ذہن افسانے کے متعلق کلک ہوا..... چند منٹوں میں چلتے پھرتے افسانہ لکھ لیتی تھی۔ اللہ نے توفیق دی کہ کبھی قسطوں میں نہیں لکھا..... میں قسطوں میں لکھ بھی نہیں سکی بس مختصر افسانہ..... باقی پڑھنے کا شوق میرے میاں سمیت سب کو ہے گو میدان مختلف ہے تو کبھی ناگوار صورتِ حال نہیں ہوئی۔ (ماشاء اللہ زورِ قلم اور ہنرِ تربیت سازی روز افزوں ترقی کرے، آمین)

پاکیزہ ✧..... اپنے پیارے پاکیزہ کے لیے کوئی رائے مشورہ؟ پیام سلام؟

قانتہ رابعہ ❖..... پاکیزہ سے بہت سی یادیں ہیں، بہت سے نام ہیں جو یہاں پہلی مرتبہ پڑھنے میں آئے۔ ہمیشہ اچھا رسپانس ملا پاکیزہ سے۔

پاکیزہ ✧..... ہماری محفل کیسی لگی؟

قانتہ رابعہ ❖..... بہت شکریہ..... میرے لیے اپنے بارے میں لکھنا کارِ دشوار ہے مگر میں نے نزہت، آپ کی محبت کے سامنے ہتھیار ڈال دیے..... مروت میں بے بس ہوتی ہوں یا محبت میں۔ پاکیزہ کے قارئین کا، بہنوں کی محفل میں انداز بے حد اچھوتا ہے جیسے گھر کی محفل ہو..... بس اصل محفل تو عرش کے سائے تلے ہوگی ان شاء اللہ اور یہ کہ دنیا والے دھوکا دیتے ہیں اس لیے کہ آپ دنیا اور دنیا والوں سے بے نیاز ہو سکیں.....

دلا غافل نہ ہو یک دم یہ دنیا چھوڑ جانا ہے
جسے چھوڑ کے جانا ہی ہے تو دل لگانا کیسا.....

بہت دعائیں..... آپ سب کے لیے۔

پاکیزہ ✧..... زندگی کا مقصد تین جملوں میں؟

قانتہ رابعہ ❖..... زندگی آمد برائے بندگی..... زندگی بے بندگی، شرمندگی۔

پاکیزہ ✧..... بہت نوازش کرم قانتہ رابعہ کہ آپ نے اپنی مصروفیات سے چند دقیقے ماہنامہ پاکیزہ کے لیے نکالے۔

☆☆☆

قارئین عزیز..... حسب سابق آپ کو آج کی بزم میں بھی یقیناً لطف آیا ہوگا..... اور آج تو لطف کے ساتھ، ساتھ مثبت و تعمیری سوچ کے در بھی وا ہوئے۔ اپنی لکھاری بہنوں کے گرانقدر خیالات یقیناً دیگر بہنوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اسی پیاری سی بات کے ساتھ اجازت کہ زندگی سے پیار کیجیے اس لیے کہ یہ پروردگار عالم کا حسین تحفہ ہے اور اس قیمتی تحفے کی حفاظت و نگہداری اپنے رب کے احکامات کے مطابق کیجیے، اللہ نگہبان!

جنوں کے راستے یوں تو کٹھن سے لگتے ہیں
مگر یہ راستے منزل تلک نکلتے ہیں
زمانہ ہر قدم پہ راہ روکنے والا
عزائم پختہ ہوں جن کے وہ کب بھٹکتے ہیں

☆☆☆



www.pklibrary.com

# نیکی کا جذبہ، کارِ خیر اور رمضان المبارک

شائستہ زریں

شکر الحمدللہ..... ایک مرتبہ پھر رمضان کی روح پرور ساعتیں اور اس کے فیوض و برکات کی سعادت ہمارے حصے میں آگئی۔ یہ وہ فرض عبادت ہے، جس کی جزا دینے کا وعدہ رب کریم نے اپنے بندوں سے خود کیا ہے۔ یہ بجا کہ عبادت میں لطف تو سال بھر ہی آتا ہے لیکن ماہِ رمضان میں اس حلاوت کی لطافت کی اپنی ہی تاثیر ہے۔ بالکل ایسے ہی رمضان میں نیک اعمال کا اپنا ہی کیف و سرور ہوتا ہے۔ لیکن یہ ہمارے سماج کا بہت بڑا المیہ ہے کہ بعض عاقبت نااندیش عبادات اور نیکیوں کو محض رمضان المبارک کی سوغات ہی سمجھتے ہیں اور سارا سال اس جانب بھرپور تو بڑی بات ہے ادنیٰ سی توجہ بھی نہیں دیتے.....؟ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ رمضان کا چاند دیکھتے ہی نیکی کا جذبہ دل میں جنم لیتا ہے اور ماہ مبارک ختم ہونے کے ساتھ ہی یہ سارا جوش و خروش ٹھنڈا بھی پڑ جاتا ہے۔ گویا کارِ خیر محض ماہ رمضان سے منسوب کر دیے گئے ہیں۔ جبکہ نیکی کا حکم اللہ نے محدود یا مخصوص مدت کے لیے نہیں دیا۔ یہ کارِ خیر تو کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے۔ عبادات کے ساتھ، ساتھ معاملات کی بھی بہت اہمیت ہے بلاشبہ رمضان المبارک کے مقدس ایام میں کیے جانے والے خیر کے امور دیگر دنوں کی بہ نسبت زیادہ تسکین کا باعث بنتے ہیں۔ اب یہ علیحدہ سی بات ہے کہ یہ اطمینان ہر انسان اپنے ظرف کے مطابق ہی حاصل کرتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ نیکی کا جذبہ جب عملی صورت اختیار کر لیتا ہے تو لطفِ عبادت بھی بڑھ جاتا ہے۔

ان ہی امور کے پیش نظر ہم نے ایک سروے رپورٹ کا اہتمام کیا ہے اور سروے کے شرکا سے معلوم کیا کہ....

سوال ۱: کیا نیکی کے جذبے کو ماہِ رمضان تک محدود رکھنا چاہیے؟ یا سال بھر اس حکمِ خداوندی پر عمل کرنا چاہیے؟

سوال ۲: عبادات کے ساتھ، ساتھ وہ کون سا ایسا عمل ہے جو رمضان المبارک میں آپ کے لیے باعث تسکین بنتا ہے؟

## عذرا منصور
### (ٹی وی آرٹسٹ)

ا: یوں تو ہم اپنے چاروں طرف بہت سے لوگ دیکھتے ہیں جو نمازی ہیں اللہ کے فرمانبردار لگتے ہیں لیکن وہ جذبہ ان میں نہیں ہوتا جس کی اللہ نے ہدایت کی ہوئی ہوتی ہے۔ خداوند کریم کہتا ہے کہ "مجھے تمہارے نماز اور روزے نہیں چاہئیں میں یہ دیکھوں گا کہ تم نے میرے بندوں کے ساتھ کیا سلوک کیا" تو نیکی بھی ایک طرح سے دین ہوتی ہے جو ہر ایک کو ملتی بھی نہیں اور نیکی صرف رمضان ہی میں کیوں؟ نیکیاں تو عمر بھر کرنی چاہئیں کیونکہ آخر میں جب ہم رب کے حضور جائیں گے تو وہاں پر ہماری نیکیاں ہی شمار کی جائیں گی۔ اور کوئی چیز نہیں گنی جائے گی۔ آس پاس، ہمارے جاننے والوں میں ہر جگہ ضرورت مند ہیں۔ سفید پوش ضرورت مند جو کسی

www.pklibrary.com

کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ وہ طالب علم جو باوجود معاشی مسائل تعلیم حاصل نہیں کر سکتے، ایسے بیمار جو علاج نہیں کروا سکتے، ایسی بیٹیاں جو گھروں میں بیٹھی ہیں اور والدین ان کی شادی کا بندوبست نہیں کر سکتے۔ گویا چاروں طرف حاجت مند ہیں۔ اگر ایک برتن میں پانی بھر کر رکھ دیں کہ چڑیاں پی لیں تو وہ بھی بڑی نیکی ہے۔ نیکی تو یہ بھی ہے کہ ماں باپ سے حسن سلوک سے پیش آئیں۔ کوئی سلام کرے تو مسکرا کر جواب دیں۔ تو میں سمجھتی ہوں کہ نیکی ہر جگہ، ہر وقت جہاں موقع ملے ہر حال میں کرنی چاہیے۔ صرف رمضان ہی اس کے لیے مخصوص نہ ہو۔

۲: میں شاید اور لوگوں سے بہت مختلف ہوں۔ مجھے اچھا لگتا ہے جب میں رمضان میں تہجد کے لیے اٹھتی ہوں۔ اس وقت مجھے لگتا ہے کہ میں اور میرا رب، بس ہم دونوں ہیں۔ وہ میری بات سن رہا ہے، جانتا ہے۔ خیر وہ تو ویسے بھی سنتا اور جانتا ہے جب ہم نہ بھی کہیں لیکن تہجد کی ان ساعتوں میں اللہ سے قربت کا جو احساس ہوتا ہے اس کی مثال نہیں۔ سحری کے بعد نماز اور کلام پاک کی تلاوت میں تو سکون ملتا ہی ہے لیکن مجھے اچھا لگتا ہے کہ میں آس پاس کے بچوں سے گپ شپ کروں، ان کو اچھی، اچھی باتیں بتاؤں، کھیل، کھیل میں۔ کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ سختی سے بتاؤ تو آج کل کے بچے نہیں سنتے اور اگر مجھے وقت ملے تو میں ضرور کسی نہ کسی کو پڑھاؤں۔ چاہے وہ کلام پاک ہو یا اور کوئی چیز۔ ان باتوں کے ساتھ، ساتھ میں سمجھتی ہوں رمضان میں جو تسکین سب کے ساتھ اللہ کے ذکر سے ملتی ہے اور کسی چیز میں نہیں ملتی۔

## ڈاکٹر رفیعہ تاج
## (ماہر تعلیم)

۱: بحیثیت مسلمان ہمیں نیکی اور بھلائی کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ کسی خاص مہینے یا دن سے مشروط نہیں۔ لیکن چونکہ رمضان کا مہینہ بہت ہی بابرکت اور رحمتوں والا مہینہ ہے۔ اس کے تین عشرے ہیں۔ پہلا رحمت، دوسرا مغفرت اور تیسرا جہنم کی آگ سے نجات کا۔ لہٰذا ہم اس

مہینے میں زیادہ عبادات اور نیک کاموں کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ مہینہ ہمارے لیے ایک تحفہ ہے۔ اس ایک مہینے کی عبادات گویا ہماری تربیت کے لیے ہیں کہ ہم اپنے دین کی طرف راغب ہوں اور اپنی پوری زندگی کو سنوار لیں۔ صرف رمضان ہی میں نہیں، ہمیں تاحیات نیک کام کرنے چاہئیں تاکہ ہماری عاقبت بھی سنور جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے، آمین۔

۲: مستحق روزے داروں کو افطار کرانا۔ سحری میں اٹھنا، افطار کے وقت پانی پینا اور کھجور کھانا اور اپنے رب کا شکر ادا کرنا۔

## محبوب سرور
## (براڈ کاسٹر، پروگرام منیجر ایف ایم 93)

۱: نیکی کا سلسلہ صرف رمضان تک محدود نہیں بلکہ نیکی انسانی فطرت کا حصہ ہے اور پھر مسلمان ہونے کے ناتے نیکی ہمارے فرائض میں شامل ہے لہٰذا ہر ایک کی کوشش ہونی چاہیے کہ اپنی استطاعت کے مطابق ہر دم نیکی کے لیے تیار رہیں تاکہ نیک عمل کے لیے رمضان کا انتظار نہ کرنا پڑے۔

۲: ہر وہ عمل جس سے ہمارا دل مطمئن ہو ہمارا ضمیر مطمئن ہو اسی سے ہم سب مطمئن ہوتے ہیں اور وہی عمل ہمارے لیے تسکین کا باعث ہوتا ہے۔



www.pklibrary.com

## ساجد علی شاہ
### (ٹی وی آرٹسٹ)

ا: کوئی بھی نیکی کا کام اور عبادت صرف رمضان کے مہینے تک محدود نہیں رہنی چاہیے، علاوہ فرض روزوں کے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ سارا سال ہر روز کوئی نہ کوئی نیکی کا کام ضرور کرنا چاہیے۔ سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ دوسروں کا احساس کریں، ان کے کام آئیں، اپنے سے کم استطاعت والوں کی مدد کریں، ان کے کھانے پینے کا خیال رکھیں، بیماروں کا علاج کروائیں۔ غرض اللہ تعالیٰ جس نیک کام کی بھی توفیق دے اس کی نیت کر کے عمل کریں۔ میری نظر میں سب سے بڑی نیکی دوسروں کے مسائل حل کرنا ہے، جس حد تک ہو سکے ان کے جائز

کاموں میں مدد کریں۔ خاص کر کھانے پینے میں، غربت میں۔ اس کے لیے رمضان کے مہینے کی کوئی قید نہیں رہتی۔ پوری زندگی تک نیکی کا کام کرنا ہی بہتر ہے۔

۲: وہ تمام نیک اعمال جو سارا سال کرتے ہیں۔ وہ خوش قسمت ہیں جن کے ماں باپ حیات ہیں ان کی ہر طرح سے خدمت کرنا، دوسروں کے کام آنا، سوال کرنے والے کی حتی المقدور مدد کریں۔ یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ وہ ہٹا کٹا ہے جوان ہے یا بوڑھا جو دے سکتے ہیں دے دیں کہ آپ اللہ کے نام پر دے رہے ہیں کسی کو متاثر کرنے یا دکھاوے کے لیے نہیں دے رہے۔ کسی بھی سائل کو نہ جھڑکیں۔ رمضان کے فرائض کے ساتھ ساتھ حقوق العباد اور دوسروں کا خیال رکھنا ہے۔ عبادت خالصتاً بندے اور اللہ کے درمیان کا معاملہ ہے۔ اللہ غفور الرحیم ہے وہ چاہے تو عبادات میں بندوں کی کوتاہی کو معاف کرنے پر قادر ہے۔ لیکن حقوق العباد کے معاملے میں اللہ کی جانب سے معافی نہیں جب تک کہ وہ انسان معاف نہ کر دے کہ جس کا حق ادا نہیں کیا گیا۔ اللہ ایک دوسرے کے کام آنے کی توفیق عطا فرمائے آمین جو کسی کے کام آتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہمیشہ کام آتا ہے۔ محض نیکیوں کو جمع ہی نہیں کرتا بلکہ ایک نیکی کو ضرب دے کر ایک نیکی کے عوض کئی گنا ثواب حصے میں آجاتا ہے۔ وہ روزے دار جو سحری و افطار کی استطاعت نہیں رکھتے ان کی سحری و افطاری کا انتظام کروانا، عید کے کپڑے بنوانا۔ جو بھی ہماری حیثیت ہے اس کے مطابق دل بڑا کر کے اگر ہم کرتے رہیں گے تو اللہ بہترین رزق عطا کرنے والا ہے، اللہ ہمارے رزق میں کہیں زیادہ اضافہ کرے گا۔ ان شاء اللہ۔

## پروین سعید
### (سوشل ورکر منتظم اعلیٰ کھانا گھر)

ا: نیکیوں کو رمضان یا کسی بھی اسلامی مہینے کے لیے مخصوص نہیں کر سکتے۔ اللہ کے بندے سارا سال اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ اس لیے نیکی کا یہ عمل سال بھر جاری رہنا چاہیے۔ اللہ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم سال بھر اللہ کے بندوں کے لیے کام کرتے رہیں۔

۲: رمضان میں سب سے بہترین عمل یہ ہے کہ لوگوں کو کھانا کھلائیں، روزہ افطار کرائیں کہ اللہ کے نزدیک یہ بہت مقبول عمل ہے۔ اس کی بڑی فضیلت ہے۔

## عرفان واسطی
### (شیف)

ا: نہ سال کی بات ہے نہ مہینے کی یہ جذبہ تو زندگی میں شامل ہونا چاہیے۔ اس کو معمولات کا حصہ بنالیں۔



www.pklibrary.com

۲: عبادت رمضان کیا سارا سال کریں لیکن اپنے دل کو صاف رکھنا چاہیے۔ یہ یقین کہ ہمارا دل صاف ہے اس سے بڑھ کر باعث تسکین تو کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی کہ ہمارا ضمیر مطمئن ہے۔ سو میں جو بھی عمل کرتا ہوں خواہ وہ اپنے لیے ہو یا اوروں کے لیے خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہوں۔

## نادیہ حسین
### (ماڈل، ٹی وی آرٹسٹ)

ا: بلا شبہ نیکی کا جذبہ سارا سال قائم رہنا چاہیے کیونکہ نیکی اللہ کا حکم ہے۔ اور یہ صرف انسانوں کے لیے نہیں پرندوں اور جانوروں کے لیے بھی ہے۔ یہ نیک اعمال اور رویے صرف رمضان میں ایک اضافی عمل کے طور پر نہیں ہونے چاہئیں بلکہ سارا سال اسے جاری رکھنا چاہیے۔

۲: اپنے گھر اور اپنے سیلون کے باہر لوگوں میں کھانا تقسیم کرتی ہوں، اس سے مجھے سکون ملتا ہے اور بہت اچھا لگتا ہے کہ جب لوگ روزہ افطار کرتے ہیں اور اگر ان کو اپنے گھر والوں کے لیے چاہیے ہوتا ہے تو وہ لے بھی جاتے ہیں۔ ان روزہ افطار کرنے والوں کی دعاؤں سے مجھے بہت سکون ملتا ہے۔

## عفان وحید
### (ٹی وی آرٹسٹ)

ا: ظاہری بات ہے نیکی کے جذبے کو سارا سال قائم رہنا چاہیے۔ لیکن چونکہ رمضان وہ خاص مہینہ ہے جس میں اللہ کی رحمتیں وسیع ہوتی ہیں اور فطری طور پر نیکی کا جذبہ بھی بڑھ جاتا ہے اس لیے نیکی کا رجحان بڑھ جاتا ہے۔ اس کے باوجود نیکی کے جذبے کو رمضان تک محدود رکھنے کے بجائے سارا سال نیکی کے عمل کو جاری رکھنے ہی میں بہتری ہے۔

۲: اللہ تعالیٰ نے رمضان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم پر قرآن مجید نازل فرمایا۔ قرآن حکیم مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اللہ نے قرآن مجید اور معلم اخلاقؐ کی تعلیمات کو ہماری رہنمائی کا بہترین ذریعہ بنایا۔ سو، جہاں تک ممکن ہو ہر وہ نیک عمل جو اللہ کی خوشنودی کے لیے کیا جاتا ہے میرے لیے باعث تسکین بنتا ہے۔

## ڈاکٹر ندا نسیم کاظمی
### (ٹی وی اینکر)

ا: نیکیوں کے بیج تو پورے سال بوئے جاتے ہیں لیکن ماہِ رمضان نیکیوں کا موسم بہار ہوتا ہے۔ درخت موجود ہو تو اس پر پھول کھلیں گے ناں اور پھول کھلنے کا موسم بہار کا ہوتا ہے اسی طرح شبانہ روز نیکیاں کرنے والوں کے لیے ماہِ رمضان گولڈن پیریڈ ہے۔ سارا سال نیکیاں اور عبادات ہوتی ہیں مگر رمضان میں کئی گنا بڑھ جاتی ہیں اور اس کا اجر بھی کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن نیکیاں سارا سال ہونی چاہئیں۔ لوگوں میں آسانیاں اور محبتیں تقسیم کیجیے۔ فرمان نبوی صلی

www.pklibrary.com

اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ”ساری مخلوق اللہ کی عیال ہے“ سو جس طرح اپنے کنبے کا خیال رکھتے ہیں اسی طرح ساری مخلوق کے ساتھ احسان کا معاملہ رکھیں، جس کا رمضان اخلاصِ نیت کے ساتھ نیکیوں میں گزرے گا۔ اس کا سارا سال نیکیوں میں گزرے گا۔

۲: نیکیوں کے ساتھ عبادات سے جو لطف اور تسکین حاصل ہوتی ہے میں سمجھتی ہوں وہ اللہ کی خاص عطا ہے۔ اپنی حیثیت کے مطابق اللہ کے بندوں کے کام آکر سکون محسوس کرتی ہوں۔

## منیٰ طارق

### (ٹی وی آرٹسٹ)

۱: نیکی صرف رمضان ہی میں کیوں کرنی چاہیے؟ اللہ کا حکم ہے تو سارا سال کریں کہ اللہ تو سارا سال ہم پر رحم کرتا ہے، ہمیں خوشیاں دیتا ہے، تو صرف ایک مہینہ ہی کیوں؟

۲: نماز، تلاوت قرآن پاک کے ساتھ جو ہم تھوڑی بہت تسبیح پڑھ لیتے ہیں یہ تو سال بھر ہوتا ہے۔ رمضان میں خاص طور پر کوشش کرتی ہوں کہ عبادت کے ساتھ، ساتھ زیادہ وقت اپنے آپ کو اس طرح دینا چاہیے کہ اللہ کی اس حکمت پر غور کرنا چاہیے کہ رمضان کے ان تیس دنوں میں روزے ہم پر فرض کیوں کیے گئے؟ اس کی اصل وجہ کیا تھی؟

صبر؟ جی ہاں صبر اور برداشت سو روزہ رکھ کر غصہ تو بالکل نہیں کرنا، میں بہت کوشش کرتی ہوں اس بات پر عمل کرنے کی۔ غصہ پر برداشت سے قابو پایا جاسکتا ہے۔ سحری سے افطاری تک اللہ روزے داروں کا صبر دیکھتا ہے۔ تو میں روزے کی حالت میں صبر اور برداشت سے کام لینے کی پوری کوشش کرتی ہوں۔ معلوم نہیں کہ اللہ نے کتنی بار میرے اس عمل کو قبول کیا ہے یا نہیں بھی کیا۔ اس کے باوجود رمضان میں روزے رکھ کر اگر غصہ آئے تو اللہ کی رضا کے لیے خاص طور پر غصہ پینا، صبر اور برداشت سے کام لینا ہی میرے لیے باعث تسکین بنتا ہے۔

## معیز خاور

### (طالب علم، جامعہ کراچی)

۱: رمضان المبارک رحمتوں اور برکتوں کے حصول کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں ارواح ملائک اترتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نیکیاں بٹورنے کا موقع دیتا ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ ہم رمضان میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمانے کی کوشش کرتے ہیں۔ صدقہ، خیرات، زکوٰۃ جی بھر کر کرتے ہیں اور ماہ رمضان ختم ہوتے ہی تمام نیکیاں آہستہ، آہستہ معدوم ہو جاتی ہیں۔ جبکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم سال بھر ان نیکیوں کو جاری رکھیں۔ کیونکہ یہ حکم خداوندی ہے اور اس پر عمل کرنے سے اللہ بھی خوش ہوتا ہے اور بندے کو بھی دلی تسکین ہوتی ہے۔

۲: رمضان المبارک میں ہمارے دن رات میں نمایاں تبدیلی آتی ہے۔ سحری سے لے کر افطار تک ہمارا دن الگ طریقے سے گزرتا ہے۔ عبادات سے تو تسکین حاصل ہوتی ہی ہے مگر اس مہینے میں ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمائیں اور اللہ کی خوشنودی کے لیے وہ عمل کریں جو اللہ کا پسندیدہ ہو۔ مثلاً فلاحی کام۔ لوگوں کی جان و مال سے مدد، اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ دیں۔ لوگوں کے خوشی و غم میں ساتھ دیں اور حقوق العباد پورے کریں۔ خدمت خلق ہی



www.pklibrary.com

بہترین عمل ہے۔

☆☆☆

معزز قارئین! اپنے پہلے سوال کے جواب میں شرکا کا ''نیکی صرف رمضان ہی میں کیوں؟'' کا اٹھایا جانے والا سوال بہت بھلا لگا۔ بے شک حکم الٰہی کی تعمیل مخصوص یا مقررہ ساعتوں میں کرنے کے بجائے حسبِ توفیق کارِ خیر کا اپنا ہی لطف ہے۔ حدیث مبارکہ ہے ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے'' بلاشبہ نیک نیتی ہی عمل خیر کی پہلی سیڑھی ہے اور رمضان المبارک کی پر نور ساعتوں میں عبادات کے ساتھ ساتھ معاملات میں بھی ہمیں کھرا رکھے کہ روزے کی حالت میں خالص جذبے اور نیک نیتی سے ہم جو بھی عمل اختیار کریں گے اللہ کی نظر میں پسندیدہ اور ہمارے لیے باعث تسکین ہوگا۔ اس امر سے تو ہم سب ہی واقف ہیں کہ آخرت اگر دارالجزا ہے تو دنیا دارالعمل سو آج دنیا میں جو بوئیں گے وہی آخرت میں کاٹیں گے۔

بشر اعمال کر اچھے ترے عقبیٰ میں کام آئیں
وہاں جنت نہیں ملتی یہاں سے ساتھ جاتی ہے

اللہ تعالیٰ مجھ سمیت تمام مسلمانوں کو نیکی کی راہ کا مسافر بنادے۔ کچھ اس طور کہ کارِ خیر ہماری زندگی کا ایک جز بن جائے کہ اللہ کی رضا کے لیے نیک اعمال کرنے والوں کو اللہ بے طلب نوازتا ہے۔ دلی دعا ہے کہ ماہ رمضان ہمارے لیے ایمان، عزت اور صحت کی سلامتی کے ساتھ ساتھ بے حساب برکتیں اور رحمتیں لے کر آئے اور ہم جی بھر کر اللہ تبارک تعالیٰ کے ان انعامات سے فیضیاب ہوں۔ آمین

☆☆☆

نوٹ: (قارئین یوں تو ماہِ اپریل میں ہم ماہنامہ پاکیزہ کی سالگرہ کے لیے مخصوص سروے کرتے ہیں مگر چونکہ ماہِ رمضان بھی اسی ماہ ہے لہٰذا سالگرہ کے حوالے سے خصوصی سروے ان شاء اللہ مئی کے شمارے میں پڑھیں۔ ان شاء اللہ)

☆☆☆

## دو گھونٹ

لیے فقط دو ہی گھونٹ میں نے
جبکہ اس کی خوشبو میں بھی اک مدہوشی سی چھائی تھی
آنکھ جب کھلی تو میں نے دیکھی اک دنیا جو پرائی تھی
چاروں طرف تھیں رنگ و بو کی محفلیں
رنگینیاں ہر طرف چھائی تھیں
اک طرف تھی بہتی ندیاں کہ جس کے پانی میں، میں نے جھانکا
تو نظر اک موہنی سی صورت آئی تھی
کشتیاں یوں چلتی تھیں پانیوں میں
کہ جیسے کچھ حسین پریاں جادوئی دنیا سے آئی تھیں
شجر تھے کچھ انوکھے وہاں جن کے پتے
ہوا سے سرسراتے اک مدھری دھن بجا رہے تھے
ایسا جادوئی سا تھا ماحول وہاں کہ
چرند پرند بھی خوشیاں منا رہے تھے
رقص میں تھا اب سارا جہاں
خوشیاں ہی خوشیاں چار سو چھائی ہوئی تھیں
لیکن جب آنکھ کھلی وہی میں تھی وہی چارپائی تھی
وہی درد تھا چار سو فقط وہی رسوائی تھی

کلام: اقصیٰ طالب حسین ساہی، ڈسکہ
مرسلہ: ریحانہ حسن، کراچی

## غزل

رسم دنیا سے دوستی نہ ہوئی
زندگی تو کبھی میری نہ ہوئی

اجنبی یوں تو احباب ہوئے
خود مری ذات بھی مری نہ ہوئی

ہر کسی کا تکلف نہیں گوارا ہمیں
الگ تھلگ بھی رہ کر فقیری نہ ہوئی

یوں تو سب تیرا خود کو کہتے ہیں
دنیا کبھی بھی تو تیری نہ ہوئی

از: جینا، کراچی



www.pklibrary.com

# بہنوں کی محفل

مدیرہ

خط کتابت کے لیے پی او باکس 662 جی پی او کراچی 74200

ای میل: jdpgroup@hotmail.com

03316266612,021.35386783.021.35802552.Ext:110

پیاری پاکیزہ بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ وبرکاتہ!

تمام حمد وستائش اس ذات والا صفات کو زیبا جو کل کائنات کا خلق کرنے والا ہے۔ یکتا و وحدہ لاشریک ہے اور کروڑوں درود وسلام حبیب خدا رحمتہ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر جو وجہ تخلیق کائنات ہیں۔ پروردگار عالم کے حضور دست بستہ دعا گو ہیں کہ اپنے خزانہ غیب سے وہ سب کچھ عطا کرے جو ہمارے حق میں بہترین ہو۔ نہ صرف ہمارے وطن پاکستان بلکہ پوری دنیا سے اس وبا کا خاتمہ کردے، انسانیت کو امان ہو اور ہم بحیثیت مسلمان اپنے رب کی بارگاہ میں حقیقی معنوں میں بخشش وعنایات پائیں۔ (الٰہی آمین)

## کچھ باتیں اپنی بہنوں سے

پیاری بہنو! سلام اور پُرخلوص دعائیں لیے آپ کی محفل میں حاضر ہوں..... سب بہنوں کو اپنے پیارے پاکیزہ کی سالگرہ بہت، بہت مبارک ہو۔ ماہنامہ پاکیزہ کی کامیاب اشاعت میں میری قلم کار بہنوں کا بھرپور ساتھ تو ہے ہی مگر آپ سب قاری بہنیں بھی اس کامیابی میں برابر کی حصہ دار ہیں۔ آپ کے بھیجے گئے دلچسپ اور معلوماتی مراسلے، تراشے، اور مختلف موقعوں کی مناسبت سے تحریریں، اشعار، مزے، مزے کے پکوان، نسخے و دیگر نگارشات یقیناً سب کے لیے قابلِ غور ہوتی ہیں۔ بس اسی طرح آپ سب بہنیں اپنے اس ہردلعزیز ماہنامے سے تعاون جاری رکھیں۔

الحمدللہ پورے سال ہی سبق آموز، اصلاحی اور متاثر کن افسانے، ناولٹ وغیرہ شائع ہوئے اور جن کی لوگوں نے ذاتی طور پر مجھ سے تعریف بھی کی اور مدیرہ نزہت اصغر کی کارکردگی کو سراہا کہ بلاشبہ وہ بہت محنت اور لگن سے رسالہ مرتب کررہی ہیں اور تحریروں کا انتخاب بھی عمدہ ہے۔ وقت سے پہلے پرچے کا مارکیٹ میں آجانا بھی ایک اضافی خوبی ہے جو پڑھنے والوں کا دل خوش کردیتی ہے ویسے فرداً فرداً تو تمام رائٹرز کا ذکر نہیں ہوسکتا مگر مجموعی طور پر اس سال بھی سب نے ہی بہترین تحریریں دیں۔ سینئر رائٹرز کے ساتھ، ساتھ نئی لکھنے والیاں بھی بہت محنت اور تندہی سے قلم کا حق ادا کررہی ہیں۔

گزشتہ کئی مہینوں سے سعدیہ ہما شیخ کی اچیومنٹس اور بہترین کارکردگی کی خبریں مسلسل مل رہی ہیں۔ جنہیں سن کر، دیکھ کر، پڑھ کر خوشی ہوتی ہے سعدیہ اللہ تمہاری صلاحیتوں کو مزید جلا بخشے اور تم اسی طرح ایوارڈز لیتی رہو۔ نزہت جبیں ضیا نے خاص طور پر فون کرکے میرا شکریہ ادا کیا کہ پچھلے شمارے میں، میں نے ان کی کہانی کے حوالے سے ذکر کیا تھا تو نزہت جبیں واقعی تم نے اہم اور منفرد موضوع پر لکھ کر سب کی توجہ اس جانب دلوائی کہ یہ کتنی اہم باتیں ہیں بس اسی طرح تم منفرد اور سبق آموز موضوعات کا انتخاب کرکے پاکیزہ بہنوں کو فائدہ پہنچاتی رہو۔

ناہید سلطانہ اختر تو بلاشبہ ادارے کا مضبوط ستون ہیں جو اولین دنوں سے جے ڈی پی سے وابستہ ہیں اور ناہید تمہاری تعریف تو میں کیا کروں ایک سے ایک اعلیٰ تحریر بھیجتی ہو، مارچ کے



www.pklibrary.com

شمارے میں بھی شامل تحریر میں تم نے نہایت حساس موضوع کو نہایت مہارت اور خوب صورتی سے قلم بند کیا..... ہمارے معاشرے میں واقعی بیشتر خواتین کی زندگی مختلف وجوہات کی بنا پر ایسے ہی دکھوں اور تلخیوں سے بھری ہوئی ہے۔

افشاں آفریدی اور نایاب جیلانی کے قسط وار ناول جو شروع سے ہی قارئین کی توجہ کھینچے ہوئے ہیں اور اب اختتامی مراحل تک پہنچتے پہنچتے مزید دلچسپی اختیار کر گئے ہیں، تجسس اور انہونے واقعات لیے یہ کہانیاں واقعی دلچسپ موڑ پر آ گئی ہیں۔ اس دفعہ خصوصیت سے ان ناولوں پر بات کروں گی جو کہ دونوں ہماری مصنفات بہت جانفشانی اور لگن سے لکھ رہی ہیں۔ نایاب تمہاری بہت عمدہ تحریریں میری نظر سے گزری ہیں ہمیشہ ہی بہت اچھا لکھتی ہو اور افشاں اگرچہ بہت عرصے بعد طویل ناول لے کر آئی ہو مگر بہت بھرپور انداز میں کردار نگاری کی اور کرداروں کے نفسیاتی تجزیے بہت عمدہ ہیں۔

آخر میں بہنوں کو رونا وائرس کے حوالے سے جو حالات ہیں تو سب مل کر یہ دعا کریں کہ اس وبا سے جلد چھٹکارا ملے اور اس بیماری سے جو بھی متاثر ہیں اللہ پاک انہیں صحت کلی عطا فرمائے، الٰہی آمین..... اچھا بہنو چلتے چلتے ایک مرتبہ پھر سالگرہ کی مبارک باد، ان شاء اللہ بشرطِ صحت و زندگی اگلے ماہ پھر ملاقات ہوگی۔

اللہ نگہبان، دعا گو عذرا رسول

☆☆☆

عزیزو! آپ نے عذرا آپی کی زبانی سالگرہ کی مبارک بادیں وصول کر لیں، اب ذرا بات ہو جائے ہماری ان قاری تبصرہ نگار بہنوں کی جو عرصۂ دراز سے ہمارے ساتھ اس تخلیقی سفر میں اپنے تئیں بہت حصہ ڈال رہی ہیں۔ جی آپ کے تجزیے، تبصرے، تجاویز، تنقید و توصیف سب ہمارے لیے بہت اہم ہیں، جن سے وقتاً فوقتاً ہم فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔

آپ کا پاکیزہ سُبک رفتاری سے اپنے گولڈن جوبلی کی طرف گامزن ہے، بس اس حوالے سے اپنی نگارشات ترتیب دیتی رہیں۔ تمام شرکا کا ذکر تو نہیں ہو سکتا پھر بھی ہم دور دراز بیٹھی اپنی تبصرہ نگاران کو خصوصی خراجِ تحسین پیش کر دیں جیسے ٹورنٹو کینیڈا سے شمع حسین، افراح سکندر، امریکا سے نیلم احمد بشیر، فریدہ فضل، راحیلہ فردوس، جرمنی سے راشدہ عفت احمد مطیع، دبئی سے تسنیم منیر علوی، راس الخیمہ سے نفیسہ آرا علوی، آسٹریلیا سے صدف آصف، فریدہ لاکھانی، نیویارک سے رعنا کوثر، مونا شہاب اور سب سے بڑھ کر پیاری دوست، صدا کار، اداکارہ، قلم کار بہن نیلوفر عباسی پاکیزہ کے ساتھ، ساتھ رہتی ہیں۔ تمام بہی خواہوں کی صحت و سلامتی اور کامیابی کے لیے ہم بھی دعا گو رہتے ہیں۔ ان چند ناموں کے علاوہ بے شمار قارئینِ کرام کی وقتاً فوقتاً شمولیت ہر شمارے کے لیے بے حد اہم ہے۔ پورے پاکستان سے بے شمار خطوط، ای میلز، پیغامات اور فون کالز موصول ہوتی رہتی ہیں جو جا بجا ہماری راہنمائی بھی کرتی ہیں۔ بس خاص طور پر کوئٹہ، ادستا محمد سے شامل ہونے والی بہنوں جمیلہ لوہی، بختاور ابڑو، شفا سعید کا ذکر کروں گی کہ بہت مسحور کن انداز میں اپنے خوب صورت علاقائی لہجے کے ساتھ اردو بولتے ہوئے پاکیزہ پر گہرا تبصرہ کرتی ہیں۔ اسی طرح شگفتہ حیا ترمذی، وادی کاغان سے مستقل رابطے میں رہتی ہیں اور وہاں کے دلکش موسم کے بارے میں بتا، بتا کر ہمارے دل کو بھی گدگداتی ہیں اور خواہش ہوتی ہے کہ اپنے ملک کے حسین نظاروں سے ہم بھی جلد سے جلد لطف اندوز ہوں۔ ویسے موسم سرما وہ ایبٹ آباد آ کر گزارتی ہیں۔ اسی طرح سعیدہ بانو مری سے مخاطب ہوتی ہیں، آزاد کشمیر سے انیس جبار، اسلام آباد سے ماہرِ اقتصادیات شہلا، لیہ سے بیگم یٰسین، وہاڑی سے اقبال بانو، تونسہ شریف سے عاتکہ



www.pklibrary.com

خصر بلکہ پاکستان کے ہر گوشے سے تبصرہ نگار بہنیں شاملِ اشاعت ہوتی ہیں۔ آج خصوصیت سے فہمیدہ جاوید، ملتان کا ذکر کروں گی کہ ان کے پُرخلوص نامے پاکیزہ کی بہتری کے لیے بہت کچھ تجاویز لاتے ہیں ڈیرہ غازی خان سے ثریا شہاب، راول پنڈی سے نادیہ برابر شریک رہتی ہیں۔ کیماڑی سے نگینہ ضیا اور ہالا سے شاہینہ مبارک کا بھی خصوصی ذکر کروں گی۔ لاہور سے اسما شاہد آپ کی غیر حاضری لگ رہی ہے، خیر تو ہے؟ اور سنبل ملک لگتا ہے اپنے سکھی گھر میں مصروف ہیں۔ اسی طرح ارم کمال فیصل آباد بھی غیر حاضر ہیں۔ کوثر خالد تو خیر محلے داری اور رشتے داریوں میں بندھی رہتی ہیں۔ ساجدہ ظفر، زرناب ایمن، ماہین مسعود و دیگر ان کمالیہ سے مستقل سلسلوں میں شامل رہتی ہیں اور دقیق تبصرہ کرتی ہیں۔

فریدہ جاوید فری، لاہور اپنی شدید بیماری کے باوجود شریکِ محفل ہوتی ہیں۔ ان کے لیے ہم سب کی بہت سی دعائیں ہیں۔ پچھلے دنوں بہت بہنیں کووڈ 19 سے متاثر ہوئیں جن میں تسنیم ماپارا، کراچی تو خاصی بیمار رہیں، اب روبہ صحت ہیں۔ شگفتہ شفیق کے لیے ہم سب دعا گو رہتے ہیں کہ اسی طرح مسکراتی شاد باد رہیں۔ پیاری طیبہ عنصر بھی بیماری کے باوجود اچھی تحریریں دیتی رہیں۔ اسی طرح افسر سلطانہ، سیما رضا، رضوانہ پرنس، ہما علی، غزالہ رشید، صبیحہ شاہ، ہما بیگ، آسیہ عامر، غزالہ عزیز، فرحی نعیم، نگہت سیما، عالیہ حرا، سعدیہ رئیس، فرحین اظفر، سعدیہ ہما شیخ، قیصرہ حیات، ناہید فاطمہ حسنین، فریدہ ہاشمی مخفی، شمیم فضل خالق، ہاجرہ ریحان، عطیہ ہدایت اللہ، مسرت رانی خلیل، فریدہ افتخار، سحر ساجد، مدیحہ شاہ اور فرح بھٹو اس کے علاوہ بھی بہت سی پیاری بہنیں، رائٹرز اور تبصرہ نگاران ہمارے رسالے کی رونق ہیں، شان ہیں، مان ہیں۔ اس دفعہ تو روحیلہ خان نے بھی دوبارہ سے قلم تھام ہی لیا۔

سینئر ترین رائٹر ناہید سلطانہ اختر کے متعلق تو عذرا آپی کے خیالات سے بالکل متفق ہوں۔ اسی طرح ہماری رفعت سراج آج کل تھوڑا ریسٹ کر رہی ہیں۔ فرح بخاری کی آمد سب کو ہی بھائی ہے۔ بس ان شاء اللہ جلد ہی بہنیں دلشاد نسیم، عنیزہ سید اور تنزیلہ ریاض کے طویل سلسلوں سے لطف اندوز ہوں گی۔ دیکھیں ہم نے راز سے جلدی پردہ اٹھا دیا ہے۔

ساجدہ حبیب آپی بذریعہ فون رابطے میں رہتی ہیں۔ بس لکھنے سے ذرا دور ہو گئی ہیں مگر ہم انہیں کسی نہ کسی سلسلے میں کھینچ لائیں گے۔

ہماری محترم بزرگ مصنفہ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی اپنی جسمانی ناتوانی کے باوجود رسالہ ضرور دیکھتی ہیں اور جب بھی فون کرو تو ان کی پیاری فرمانبردار بہو بسمہ آصف نہایت نرم لہجے میں گفتگو کر کے ذکیہ آپا تک ہمارا پیغام اور پھر ان کا جوابی پیغام بھی ہم تک پہنچا دیتی ہیں۔

ہم یہاں خصوصیت سے کپل آف فیصل آباد جناب لعل محمد ناصر اور بیگم شگفتہ ناصر کا ذکر کریں گے۔ ان کی آمد پاکیزہ قارئین کو بہت دلچسپ اور اچھی لگتی ہے۔ اللہ ان کی جوڑی سلامت رکھے۔

ہماری بہنیں ادارہ پاکیزہ کے کارکنان کے بارے میں بھی تفصیلی جاننا چاہتی ہیں تو بس ان کے لیے عرض ہے کہ یہ سب ٹیم ورک ہے۔ آمنہ حماد کے تعاون اور محنت سے تو آپ آگاہ ہی ہیں۔ اس کے علاوہ جو بھی شاملِ کار ہے ان سب سے تفصیلی بات چیت ان شاء اللہ خصوصی نمبر یعنی گولڈن جوبلی میں کریں گے۔ بس آپ سب کی دعائیں، نیک تمنائیں، پُرخلوص مشورے، تجاویز اور پُرمحبت خیالات ہمارے شاملِ حال رہیں تو یہ سفر پلاٹینم جوبلی تک بھی بخیر و خوبی جائے گا۔ کارکنانِ ادارہ کوئی بھی ہوں، سب ہی طے شدہ ضابطۂ اخلاق اور ادارے کی پالیسی پر عمل پیرا رہتے ہیں اور رہیں گے، ان شاء اللہ! افراد تو آتے جاتے رہتے ہیں، نظریات اور اہداف واضح



www.pklibrary.com

ہوں تو کامیابیاں ملتی ہیں۔

اگر کسی کا ذکرِ خیر رہ گیا ہے تو سالگرہ نمبر ۲ اور عید نمبر میں ضرور شامل ہوگا۔ آپ بھی یاد دلا دیجیے گا۔

جزاک اللہ! لکھنے کو تو بہت کچھ ہے عزیزان مگر صفحات کی قلت پھر پڑ سکتی ہے۔ پیاری رفاقت جاوید آج کل زبردست مصروف کر رہی ہیں۔ اب الفاظ کی مصوری بھی جلد ہی کریں، رفاقت۔ ویسے تو ان کی کتابوں پر کتابیں چلی آ رہی ہیں۔ شیریں حیدر جلد ہی نیا ناول لے کر آئیں گی۔ جلدی کا مطلب اگلا برس ہے بہنو..... اس کے ساتھ، ساتھ اگر..... اسلامی مضامین کی خالق اختر شجاعت کا ذکر نہ کیا تو ناانصافی ہوگی کہ جس طرح وہ تحقیق و محنت سے لکھ رہی ہیں اللہ پاک اس کی ڈھیروں جزا دے، الٰہی آمین۔ اور ہماری پیاری محنتی بہن شائستہ زریں کے ترتیب دیے گئے سروے بہت لاجواب ہوتے ہیں۔ اب حسبِ سابق سالگرہ نمبر میں جہاں سب کا تذکرہ وہاں تمام گزشتگان کا بھی ذکرِ خیر لازم ہے کہ ان کی کاوشیں آج بھی یادگار کے طور پر ہماری پاکیزہ لائبریری میں محفوظ ہیں اور یہ ہستیاں عالم بالا میں اپنے عزیز و اقارب کی طرف سے بھیجے گئے فاتحہ و درود کے تحفوں کے ساتھ، ساتھ ہماری طرف سے دعائے مغفرت کی بھی یقیناً منتظر رہتی ہوں گی۔ تو درود اور فاتحہ کے خوشبو بھرے گلدستے ان مصنفات کے لیے حاضر ہیں۔

☆ رضیہ بٹ، خالدہ اسد، نسیم السحر فریدی، فاطمہ شہناز مرتضیٰ، عظمت عزمی، ایم سلطانہ فخر، وحیدہ نسیم، بلقیس ظفر، ایم کے صوفیہ، مسز طلعت حسین، چاندنی عمران، ظفرانہ عباس، گوہر عباس، ناظمہ طالب، فرح نقوی، شگفتہ کنول، پروین شاکر، لبنیٰ عروج، محسن فاطمہ ترمذی، گوہر سلطانہ عظمیٰ، اطہر وہ نایاب، عطیہ بانو، شازیہ چوہدری، فرزانہ سلیم، اختر یگانہ، فرحانہ ناز ملک، شبنم شکیل، حیا بخاری، شہناز وسیم، ڈاکٹر ممتاز ضیا، سلمیٰ نگار، سیما یاسمین مجتبیٰ، آسیہ رزاقی اور صدیقہ انور..... ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر ان کی درجات کی بلندی کے لیے ضرور دعا کریں۔

☆☆☆

پیاری بہنو..... حسبِ روایت نت نئی خبروں اور سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے سے قبل ایک بار خلوصِ دل سے درود ابراہیمی اور اس کے بعد تین بار آیت کریمہ ضرور پڑھ لیں اور اپنی دعاؤں میں اپنے پیاروں کے ساتھ، ساتھ تمام اہلِ وطن کو بھی یاد رکھیں۔

## مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار اور ابھرتی ہوئی شاعرہ حمیرا انجم وحید، واہ کینٹ کے پیارے بھائی بفضلِ خدا رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔ (بہت مبارک ہو)

☆ مستقل قاری اور تبصرہ نگار مسز یٰسین کے کزن مدثر یوسف کے ہاں پیارا سا بیٹا ہوا ہے۔ (مبارک باد قبول کریں) ان کے حوالے سے دوسری خبر یہ ہے کہ پچھلے دنوں ان کے پیارے بھتیجے حماد اور چھوٹے بھائی اسد کی سالگرہ منائی گئی۔ (بہت بہت مبارک ہو، اللہ پاک صحت و سلامتی عطا کرے، آمین)

☆ بے شمار تحریروں کی خالق، مصنفہ قانتہ رابعہ کے نئے افسانوں کا مجموعہ دن زیست کے ادارۂ مطبوعات سلیمانی کے بینر تلے شائع ہو گیا ہے۔ جس کے مطبع حاجی حنیف پرنٹرز ہیں۔ 215 صفحات پر مبنی دیدہ زیب سرورق لیے اس کتاب کی قیمت صرف 400 روپے ہے۔ بے انتہا اصلاحی تحریروں اور سبق آموز داستانوں پر مبنی کتاب کا انتساب قانتہ رابعہ نے حریم ادب کے نام کیا ہے جس کا مقصد نوجوان نسل کی کردار سازی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کرنا ہے۔ کتاب ملنے کا پتا رحمان



www.pklibrary.com

مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور ہے اور فون نمبر 042-37361408۔

☆ ماہر تعلیم، ادیبہ، شاعرہ، سماجی کارکن اور پاکیزہ کی دیرینہ دوست محترمہ افتخار شوق کی شاعری پر مبنی مجموعہ..... اکیلا چاند کا نیا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے۔ اس میں شاعری کی تمام اصناف پر افتخار شوق نے طبع آزمائی کی ہے۔ آئی ٹی کمپیوٹر کالج میاں چنوں سے کمپوزنگ کے مراحل طے کرتی یہ کتاب بک پیپر ہاؤس لاہور نے طبع کی ہے۔ کتاب ملنے کا پتا محلہ حسنین آباد گلی نمبر 3 آخری پلاٹ میاں چنوں ہے۔

☆ ادب کے مختلف شعبوں کو اپنی تحریروں اور شاعری سے نوازنے والے مظہر بخاری کی کتاب شگفتِ گل ناشر پیش رفت پبلی کیشنز کے بینر تلے شائع ہوئی ہے۔ جس میں چند نامور ادبی شخصیات کے خوب صورت تاثرات بھی شامل ہیں۔ 88 صفحات پر مبنی اس کتاب کی قیمت صرف =/300 روپے ہے۔ کتاب کا انتساب مظہر بخاری نے اپنی شریک حیات اور بچوں کے نام کیا ہے۔ کتاب ملنے کا پتا۔ سادات منزل، 14 بلاک، نواب کالونی، میاں چنوں ہے۔ فون نمبر 03334576130۔

☆ رائٹر، شاعرہ اور مستقل تبصرہ نگار صبا آصف کی بھتیجی یمنی عبدالرحمان کے ہاں بیٹا تولد ہوا ہے جس کا نام سبحان خان بن عبدالرحمان رکھا گیا ہے۔ ان کے حوالے سے دوسری خبر یہ ہے کہ ان کے پیارے بھانجے اسامہ مظہر کی منگنی آنسہ وانیہ سے انجام پائی۔ (بے حد مبارک ہو، دونوں خوش خبریاں پورے خاندان کے لیے باعثِ رحمت و برکت ہوں، آمین)

☆ رائٹر اور مستقل تبصرہ نگار زرتاشیہ نعمان اپنے نئے گھر میں شفٹ ہو گئی ہیں۔ (مبارک ہو)

## دعائے صحت کے لیے التماس ہے

☆ مستقل مراسلہ نگار تبصرہ نگار عالمہ حدیث اختر، حاصل پور کی صحت و تندرستی کے لیے دعا کی درخواست ہے۔

☆ پاکیزہ کی مخلص و دیرینہ پرستار، معلمہ، مراسلہ نگار امینہ عندلیب، سلانوالی کی مکمل صحت یابی کے لیے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری، تبصرہ نگار اور ابھرتی ہوئی شاعرہ فرخندہ جعفری، گجرات کی مکمل صحت یابی کے لیے ضرور دعا کریں۔ فرخندہ کی پیاری بیٹی کی ٹانگ میں شدید تکلیف ہے اسے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

☆ ماہنامہ پاکیزہ کی بزرگ قاری عصمت آپا، اوکاڑہ کی مکمل صحت یابی کے لیے ضرور دعا کریں اور آپا کے شوہر بھی یادداشت کی کمزوری کا شکار ہیں۔ انہیں بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ عصمت آپا کی بھتیجی سلمیٰ شیراز، سرگودھا اور بھانجی سفق گل، لاہور کورونا وائرس کا شکار ہو گئی ہیں۔ دونوں فرنٹ لائن میں ہیں۔ قارئین ان کی مکمل صحت یابی کی ضرور دعا کریں۔

☆ مستقل قاری، تبصرہ نگار نرگس سلیم، صابہ موہڑہ کی طبیعت ان دنوں ناساز ہے۔

## انتقالِ پُرملال

☆ نامور آرٹسٹ اور صداکار آصف الیاس کی اہلیہ انتقال کر گئیں۔

☆ ماضی کی معروف رائٹر اور پاکیزہ کی دیرینہ خیر خواہ سیما یاسمین مجتبیٰ مختصر علالت کے باعث انتقال کر گئیں۔

☆ معلم، ادیب، شاعر اور میاں چنوں ساہیوال، وہاں کی ادبی محفلوں کی جان، سرگرم سماجی شخصیت سید مظہر الدین بخاری مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے۔

☆ پچھلے دنوں فرخندہ جعفری، گجرات کو دو صدموں کا سامنا کرنا پڑا، ان کے دیور اور



www.pklibrary.com

بہنوئی اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔

☆ معروف شاعرہ شہناز نور مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئیں۔

☆ سینئر مصنفہ، براڈ کاسر، افسانہ نگار، غزالہ رشید کی ساس محترمہ سلطانہ عرشی قضائے الٰہی سے انتقال کر گئیں۔ مرحومہ ایک نیک، ہمدرد تمام رشتوں سے محبت اور ان کی قدر، مدد کرنے والی وضعدار خاتون تھیں۔ غزالہ رشید کے لیے وہ ایک قیمتی سرمایہ تھیں بے شک گھروں میں بزرگوں کی موجودگی کسی نعمت و رحمت سے کم نہیں ہوتی۔ مرحومہ کے درجات کی بلندی کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆☆☆

اب بہنوں آتے ہیں آپ کے پیارے، پیارے خطوط کی طرف۔

شہلا نواز، لاہور سے۔ ''تبصرے سے پہلے آپ کو ایک بات بتاتی چلوں کہ نومبر میں ہماری فیملی میں شادیوں کا ہیضہ پھیل گیا۔ اتنی مصروف تھی کہ زندگی میں پہلی بار پاکیزہ مس ہو گیا۔ بہت تلاش بسیار کے بعد پاکیزہ اردو بازار سے لے کر آئی۔ پاکیزہ کی تلاش میں

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے..... (بہت خوب بھئی)

مگر خیر جنوری کے مڈ میں نومبر کا پاکیزہ تھوڑا سا پڑھ کر آنکھیں ٹھنڈی کیں ہم نے۔ آسیہ عامر کا ریمارکس شرارتی بچی پڑھ کر بہت خوش ہوئے ہم۔ آسیہ جی نے کہا کہ شہلا بچی شادی کے بعد ساری مستیاں نکل جائیں گی تو ڈیئر آسیہ ہم سدھرنے والوں میں سے نہیں، ہم بڑھاپے میں بھی ان شاءاللہ یونہی رہیں گے کیونکہ ہمارے اندر ایک شرارتی بچہ موجود ہے جسے ہم مرنے نہیں دیتے۔ آسیہ جی آپ سے فرینڈ شپ کرنا چاہتی ہوں اگر منظور ہے تو نزہت اپنا سے میرا سیل نمبر لے کر رابطہ کریں۔ (ہاں ضرور) ٹائٹل گرل کی آنکھوں کا میک اپ اور اوڑنی ٹوپی اچھی لگی۔ اس مرتبہ تمام افسانے سپر ڈوپر تھے۔ ہمارے حصے کی خوشی بہت اچھی لگی۔ کورونا کی وجہ سے دلچسپ تبصروں پر انعام تو رہ گیا ہمارا نازک سا دل ٹوٹ گیا۔ اس طرف دھیان دیں۔ چلیں ہمیں تو ویسے ہی انعام بھیج دیں۔ کوئی کتاب اتنے پرانے قاری ہیں ہم پاکیزہ کے اتنا تو ہمارا حق بنتا ہے۔ (ہاں بالکل بھیجیں گے) کچھ کھٹی میٹھی ہماری بھی آسیہ عامر کا انداز انجم انصار آنٹی جیسا لگا۔ بہت پسند آیا یہ بھی ہماری طرح شرارتی ہیں اگر ہماری فرینڈ شپ ہو جائے تو خوب جمے۔'' (تم تو حیران کرتی رہتی ہو کافی دنوں بعد آئیں اپنا وہی دلچسپ انداز لے کر پڑھ کر مزہ آیا، تبصرے کا شکریہ۔ ہاں آسیہ ضرور رابطہ کریں گی، اب باقاعدگی سے تبصرہ لکھنا۔ کتاب بھی روانہ کر دیں گے)

سلمیٰ غزل، کراچی سے۔ ''آپ بیمار ہوئیں اور ماشاءاللہ ٹھیک بھی ہو گئیں شکر الحمدللہ۔ جسم کی زکوٰۃ نکل گئی یہ سب تو زندگی کے ساتھ چلتا رہتا ہے لیکن ہماری عمر جیسے لوگ بیمار پڑیں تو دنیا سے رخصتی کا خیال آنے لگتا ہے جو برحق ہے۔ (یہ خیال تو ہر صحت مند کو بھی رہنا چاہیے کہ جانا تو ہے) اختر شجاعت نے تنکر، نورالٰہی پر خوب لکھا۔ مشکل الفاظ کا چناؤ پتا نہیں وہ کیسے کر لیتی ہیں۔ خاص طور پر ان کا یہ جملہ تنکر حجاب آخرت ہے، لاجواب لگا۔ اب آتے ہیں افسانوں کی طرف۔ حقیقت یہ ہے کہ تبصرہ کرنا مشکل ہو گیا ہے ہر افسانہ لاجواب، ہر کہانی بے مثال مگر پھر بھی کچھ کہانیاں تو طویل ہونے کے باوجود دل کو چھو گئیں مثلاً فرح طاہر کی محروم تمنا، ابتدا میں تو کوئی خاص نہیں لگی لیکن آخر تک اتنی زبردست مزہ آ گیا۔ بغیر سوچے سمجھے گھر چھوڑنے والی لڑکیوں کے لیے ایک سبق۔ مگر عزیز جیسے لوگ کس دنیا میں ملتے ہیں؟ (اسی دنیا میں پیاری) میرا سارا رنگ اتار دو، بالکل مزہ نہیں دے رہا۔ طوالت بور کر رہی ہے۔ (چلیں اگلی قسط میں لطف آئے گا) ناہید سلطانہ اختر میری



www.pklibrary.com

پسندیدہ رائٹر کہ فلسفہ، نہ منطق اور نہ لفظوں کا الجھاؤ۔ سیدھے سادے الفاظ لیکن اینڈ بالکل بھی اچھا نہیں لگا۔ عورت کو آخر اس قدر مجبور، لاچار اور بے بس کیوں بنا دیا گیا ہے؟ (بھئی ہوتا تو یہی ہے ناں) شیریں حیدر کے ناولٹ پر اگلے ماہ آخری قسط کے بعد تبصرہ کروں گی۔ کسک، میں سیما پنت عاصم نے جبران کے حوالے خوب دیے ہیں۔ مدیحہ شاہد نے ترکی کی سیر کرا کے دل میں تجسس بیدار کر دیا۔ زیادہ تر لوگ تعریف ہی کرتے ہیں مزہ آیا۔ زاہدہ نفیس نے مہنگائی کا، بہت اچھے موضوع پر لکھا کیونکہ گاؤں میں تو بلڈ ٹیسٹ یا گروپ معلوم کرنے کا تو کوئی تصور ہی نہیں۔ فرح بخاری کا سرائے خواب وخیال بھی اچھا لگا مگر بقیہ اگلے ماہ پڑھ کر سر پکڑ لیا کیونکہ دماغ اتنا خراب ہو گیا ہے کہ اگلے ماہ تک سلسلے وار ذہن سے ہی نکل جاتا ہے۔ وردہ بخاری نے کوزے میں دریا کو بند کیا ہے حسبی اللہ ونعم الوکیل بہت اچھا پیغام ہے ناشکرے اور مقابلہ کرنے والے لوگوں کے لیے پتا نہیں ہم ہر حال میں کیوں خوش نہیں رہتے۔ اللہ کا شکر ہے میں ہمیشہ مقابلے بازی سے دور رہی ہوں اور اللہ کا شاید اسی لیے مجھ پر خاص کرم رہا ہے۔ (شکر الحمدللہ ایسا ہی ہونا چاہیے) تسنیم کوثر کو ڈھیر ساری دعائیں کہ انہوں نے مجھے یاد رکھا مگر اتنی طالبات ہوتی ہیں انہیں تو اساتذہ یاد رہتے ہیں اساتذہ کو نہیں۔" (دقیق تبصرے کا شکریہ، دعاؤں کے لیے جزاک اللہ)

ہے عائشہ خان، لاہور سے۔ "پاکیزہ میرے ہاتھوں میں ہے اور نگاہیں مجھے کچھ کہنا ہے کی سطور پر..... اور دل کی کیفیت کے بارے میں کیا بتاؤں نزہت جی..... اور بتاؤں بھی تو شاید آپ کو یقین نہ آئے۔ یوں تو دل ہمیشہ سے ہی بے حد حساس ہے لیکن جب سے یہ احساس پختہ ہوا ہے کہ زندگی تو بس ایک جلتی ہوئی شمع کے مانند ہے جو کسی بھی لمحے بجھ سکتی ہے تب سے ہر کسی کی تکلیف، دکھ، دردیوں دل کی گہرائیوں میں اترتا ہے کہ بعض اوقات تو میں خود حیران ہو جاتی ہوں۔ جبکہ یہاں تو دکھ ہے عذرا آپی کا جن کے ساتھ میرا صرف خلوص کا نہیں محبت کا تعلق ہے۔ محبت بھی وہ جس کی بنیاد اللہ کی محبت ہے۔ (درست کہہ رہی ہیں) دنیا کی سب سے بے غرض اور سب سے بے لوث محبت ہوتی ہے یہ..... کئی بار عذرا آپی کے لفظوں نے اچانک سے ملنے والے ان کے.... کسی میسج نے جیسے مجھے تھپکی دے کر اٹھایا ہے۔ ہر لمحے میں بہترین پرفارمنس دینے کے میرے مقصد کو میرے لیے آسان بنایا ہے۔ میری بے شمار اور لاتعداد دعائیں ان کے لیے اور ان کے پیاروں کے لیے کہ پیارے اللہ جی ان سب کی دنیا اور آخرت شاندار بنائیں اور بے شمار آسانیاں اور خوشیاں عطا فرمائے، الٰہی آمین۔ آپ نے بالکل ٹھیک کہا کہ معراج رسول صاحب کی کمی ہر آن، ہر پل محسوس کی جاتی رہے گی اور ان کے کارہائے نمایاں، اراکین ادارہ اور شائقین مطالعہ کو ہمیشہ اک نئی تحریک اور نئی تازگی بخشتے رہیں گے۔ (بے شک عائشہ ایسا ہی ہے انہی کے مرتب کردہ زریں اصول وحکمت عملی پر ہم کاربند ہیں الحمدللہ) معراج رسول صاحب کو ان کی زندگی میں، میں عذرا آپی کے حوالے سے جانتی تھی۔ بہت سارے اور حوالوں سے ان کی وفات کے بعد جانا۔ اس لمحے میں اپنی پیاری عذرا آپی کے بہت پیارے، بہت محبوب شوہر کی ان سے جدائی پر تو اداس ہوں ہی لیکن اس سے کہیں زیادہ اداس ہوں اس انسان کے لیے جس کی کمی صرف اپنوں کو ہی نہیں پرایوں کو بھی شدت سے محسوس ہو رہی ہے اور ہمیشہ محسوس ہوتی رہے گی اور یہ کمی ہمیں یہ یقین دلاتی رہے گی کہ جو لوگ محبتیں بانٹتے ہیں۔ خیر اور آسانیاں بانٹتے ہیں وہ چلے بھی جائیں تو دل ان کی یاد سے ہمیشہ آباد رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے درجات بلند فرمائے اور عذرا آپی کو صحت وسلامتی اور عافیت عطا فرمائے اور وہ ہمیشہ اپنے سب پیاروں سے عزت اور محبت پائیں، آمین۔ پاکیزہ پڑھنے کی صورت میں لیٹ ہونے کا خدشہ تھا اس وجہ سے تبصرہ آئندہ ان شاء اللہ۔" (جی ضرور لکھیے گا جزاک اللہ عائشہ



www.pklibrary.com

آپ کے پُرخلوص جذبات قابلِ قدر ہیں)

٭ ساجدہ ظفر، کمالیہ سے۔ ”امید ہے کہ پاکیزہ کی پوری ٹیم بخیر و عافیت ہوگی۔ (الحمدللہ) فروری کا پاکیزہ اپنی تمام تر خوب صورتیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ ٹائٹل کی ماڈل حسینہ خوب صورت میک اپ اور دیدہ زیب لباس کے ساتھ اپنی ٹوپی یوں درست کر رہی ہے جیسے مرد حضرات اپنی تعریف سن کر ٹائی اور کالر درست کرنے لگتے ہیں۔ اداریہ حسبِ معمول سبق آموز تھا۔ بہنوں کی محفل میں ساجدہ حبیب کے بھائی، فہمیدہ جاوید کی بھانجی اور صبا آصف کی والدہ محترمہ کے انتقال کی خبر پڑھ کر دل اداس ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ان مرحومین کی مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین۔ اس بار اختر شجاعت صاحبہ نے وقت کی ضرورت اور حالات کے تقاضے کے عین مطابق خاموشی کے متعلق سیر حاصل مضمون تحریر کیا ہے۔ کاش ہم اس سے کچھ سبق حاصل کرلیں۔ ورنہ موجودہ حالات میں تو زیادہ بولنے والے کو سچا جان کر اس کی زیادہ عزت کی جاتی ہے اور خاموش رہنے والے کو مجرم قرار دیا جاتا ہے۔ ہمارے سیاست دانوں کی مثال سامنے ہے۔ ہر روز ٹی وی شوز میں گرج برس کر جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اچھے حکمران عطا فرمائے اور ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے۔ روحانی مشورے میں سورۂ کہف اور آیت الکرسی کے فضائل خود بھی پڑھے اور گھر کے باقی افراد کو بھی پڑھائے۔ بعدازاں فوٹو کاپی کروالیے تاکہ دیگر چند پیاروں کو بھی اس سے مستفید کرسکوں۔ بزمِ پاکیزہ بہت مزیدار ہوگیا ہے بلکہ بارہ مسالے کی چاٹ کا مزہ دیتا ہے۔ اشعار کا کالم، میں اکثر گنگناتی ہوں، میں بہت خوب صورت اشعار پڑھنے کو ملے اور کچھ میں نے اپنی ڈائری میں بھی نوٹ کرلیے۔ البتہ پاکیزہ ڈائری کے معیار کا گراف پہلے سے ذرا نیچے محسوس ہوا۔ (اچھا ہوا اظہار رائے کیا ان شاء اللہ بہتری کی جائے گی) صحافی شازیہ انوار کا انٹرویو دلچسپ رہا۔ اب جبکہ کورونا کا زور ختم ہوتا جا رہا ہے تو امید کی جاتی ہے کہ اپریل میں سالگرہ نمبر نہایت دھوم دھام سے منظرِ عام پر آئے گا۔ (کوشش تو ہے) بہت موسم بیتے، سردی، گرمی...... کتنے لمحے اپنے اندر یادوں کے سمندر سموئے دبے پاؤں گزرے۔ بہت بار اداس ہوئے اور بہت بار خوش مگر پاکیزہ کا ہمیشہ پکے دوست کی طرح ساتھ رہا اور ان شاء اللہ رہے گا۔ (جی بالکل یہ آپ کے دکھ سکھ کا ساتھی جو ہے) بس ذرا نت نئی تبدیلیاں کرتے رہا کریں تاکہ پاکیزہ یکسانیت کا شکار نہ ہو۔ گزشتہ دنوں بہاول نگر کی بہن پروین افضل شاہین کے جیٹھ کی رحلت کی خبر سننے کو ملی، بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور درجات کو بلند فرمائے اور لواحقین خصوصاً بھائی افضل شاہین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین۔“ (تجزیاتی اور تجاویز دیتے تبصرے کا شکریہ۔ ہم یہی چاہتے ہیں کہ بہنیں ضرور اپنی مخلصانہ رائے دیتی رہیں۔ زندگی میں خوشی غمی تو ساتھ، ساتھ ہے۔ اللہ پاک سب رشتے ناتے نبھانے کی ہمت، توفیق اور صلاحیت دیتا رہے، آمین)

٭ زرتاشیہ نعمان، ملتان سے۔ ”پاکیزہ اب مہینے کی پہلی تاریخوں میں ہمارے ہاتھوں میں ہوتا ہے، ویلڈن نزہت آپی اور پاکیزہ ٹیم۔ اللہ پاک آپ سب کی محنتوں کو مزید ثمر عطا کرے اور آپ ہمارے لیے یہ بہترین پرچہ نکالتے رہیں۔ (آمین) طیبہ عنصر مغل کے مٹی کا آب خورہ، سے تبصرے کا آغاز کروں گی۔ اُف کیا کہوں اس ناول کے بارے میں...... سچ مانیں جھرجھری ہی آگئی۔ قتل در قتل، سازش در سازش لیکن بے حد پسند آیا ان کے لکھنے کا انداز بہت خوب صورت ہے۔ وہ ہجر جو ہم کو لازم تھا، کی دوسری قسط پڑھی اور پڑھ کر غش کھانے کو تھی...... وہ ایسے کہ میں نے اندازہ لگایا تھا خود سے ہی کہ کوثیا اور مہتاب کے مابین کھانا بنا کے دینے سے کچھ اوپر کا ہی کام ہو



www.pklibrary.com

جائے گا۔ جوان مرد اور عورت کے بیچ تیسرا شیطان ہوتا ہے جسے نفسِ انسانی کو ورغلانے میں دیر نہیں لگتی۔ (درست کہہ رہی ہو) سحر ساجد کی میسج پڑھی۔ اچھا نیا کانسیپٹ تھا۔ فرحین کی ع عورت م ماضی بھی خوب تھی۔ افسانے بھی پسند آئے۔ بہنوں کی محفل میں سب بہنوں کے خط پڑھے۔ نزہت آپی آپ کہتی ہیں تنقید بھی کیا کریں۔ اب کوئی شے رسالے میں ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے جس پر تنقید کی جائے تو بندہ کیا کرے؟" (ڈھونڈو تا کہ مزید بہتری آئے، تبصرے کا شکریہ)

بھ سمارا انعم بھٹی، ڈی جی خان سے۔ "اس ماہ یعنی کہ فروری کا شمارہ حسبِ روایت لیٹ موصول ہوا۔ (دکان دار سے پہلے بک کروالیا کریں) سرورق بہترین تھا لیکن کراچی میں سردیاں کہاں ہوتی ہیں؟ (بھئی رسالہ تو پوری دنیا میں جاتا ہے ناں اسی حساب سے ترتیب دیا جاتا ہے) سب سے پہلے صفحہ، اداریے کا کھولا اور آپ کی طرح ہم نے بھی معراج انکل کے لیے دل سے دعا فرمائی۔ اللہ قبول فرمائے، آمین۔ اس کے بعد بہنوں کی محفل میں جا پہنچے۔ میرے خط کے جواب میں آپ کا مشورہ سر آنکھوں پر اس کے باوجود مشورہ دل افسردہ و غم زدہ کر گیا۔ لیکن پھر بھی محنت جاری ہے اور یقیناً نزہت آپی کسی کی محنت رائگاں ہرگز نہیں کرتیں۔ دل میں یہ یقین واثق ہے۔ (ہر کام کے لیے عشق ضروری ہے) سرگرمیاں بہنوں کی بتانا پاکیزہ کا شاندار وتیرہ ہے۔ اپنائیت ہے اس معلومات میں۔ سب کے لیے دعائے خیر کرتی رہتی ہوں۔ اس بار مکمل ناول ایک تھا کیوں آپی؟ (بھئی کبھی ایک، کبھی دو ورائٹی ہونی چاہیے ناں) طیبہ عنصر مغل نے دل جیت لیا۔ اسٹارٹنگ جملہ آسم تھا ناول کا۔ سلسلے وار ناول میں فیورٹ نایاب جیلانی اپنے مخصوص اسٹائل میں منہمک ہیں۔ دوسرا ناول میرا سارا زنگ اتار دو، افشاں آفریدی صاحبہ کو پہلی دفعہ پڑھ رہی ہوں اور ان کی تھوڑی، تھوڑی فین بنتی جا رہی ہوں۔ ان کی کہانی سے کہانی لکھنا سیکھنا بہترین ہے نئی لڑکیوں کے لیے۔ کہانی سے یاد آیا عورت کہانی، فرحین آپ اتنا نیا، نیا ہر ماہ کیسے لکھ لیتی ہیں؟ افسانوں میں۔ (چلو بتاؤ فرحین) حوریہ بتول کا بس ایویں ہی تھا جبکہ سلمیٰ غزل اور شفا سعید کے افسانے بے حد پسند آئے۔ انٹرویو اس مرتبہ بہترین لگا۔ اس سلسلے میں فرمائش ہے کہ پی ایس ایل آنے والا ہے تو آپ کراچی میں موجود کسی کرکٹر کو بھی بلائیں پلیز، پلیز۔ کرکٹ کے موسم میں کسی کرکٹر کا انٹرویو لازمی ہو۔ (کرکٹ سیزن کے دوران کوئی میسر نہیں ہوتا، ہاں آپ کی فرمائش نوٹ کر لی ہے اس پر بھی توجہ دیں گے) باقی مستقل سلسلوں میں، دین کی باتیں لاجواب ہیں۔ گوشۂ ظرافت بہترین اور اختر آنٹی کا شمع ہدایت سو پرڈوپر ہے۔ پاکیزہ ڈائری، پُراثر و دل فریب ہوتی ہے۔ محنت نظر آتی ہے اس سلسلے میں سو آمنہ جی کو بھی سلام و مبارک باد ہو کہ وہ اپنی محنت میں ہمیشہ کامیاب ہوتی ہیں۔ بیاد معراج رسول، خصوصی سلسلہ خراجِ تحسین ہے انکل کو اور آخر میں ناولٹ کی بات کروں گی کہ اس دفعہ جو پاکیزہ میں دل جیت لیا وہ شیریں حیدر صاحبہ کا ناولٹ وہ ہجر جو ہم کو لازم تھا، تھا۔ خصوصی سلام و دعا شیریں حیدر کے لیے۔ یقیناً ناولٹ مزید دلچسپ ہو رہا ہے۔ اگلی قسط کا شدت سے بے چینی سے انتظار ہے۔ باقی دونوں ناولٹ بھی ٹھیک تھے۔ یعنی اوور آل فروری 2021ء کا پاکیزہ پسند آیا۔ اتنا اچھا پرچا ترتیب دینے کے لیے ادارے کو عذرا باجی اور خصوصاً آپ کو مبارک باد قبول ہو۔" (محنتوں کو سراہنے کا شکریہ۔ یہ آپ سب کی شمولیت ہے اور حوصلہ افزائی ہے، جزاک اللہ)

بھ مسرت عزت، شبقدر کے پی کے سے۔ "اس مرتبہ پاکیزہ کچھ بھاری، بھاری لگا۔ صفحات کے لحاظ سے نہیں بلکہ بھاری بھرکم تحریروں کے لحاظ سے۔ پہلی تحریر مٹی کا آب خورہ پڑھی۔ عورت ہمیشہ عورت کے ہاتھوں برباد ہوتی ہے وہ اپنے حسد اور انتقام کی آگ میں اس قدر اندھی ہو جاتی ہے کہ اپنے انجام تک کو بھول جاتی ہے۔ ہمارے حصے کی خوشی نے ہماری بوجھل سانس کو مست،



www.pklibrary.com

مست کر دیا۔ حقیقتاً دل بہت خوش ہوا اور ہنسی تو رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ خاص طور پر کہانی میں 400 میٹر کی دوڑ کے مقابلے کا احوال پڑھ کر تو لوٹ پوٹ ہو گئے پتا نہیں موبل احمد تھی یا جادوگرنی، بہر حال بہت مزہ آیا۔ اور بے حد دلچسپ تحریر تھی۔ اب رہائی ملے گی تو، ہما علی نے بہت خوب صورت لکھا۔ آج کل کے حالات کے لحاظ سے اچھی تحریر تھی۔ اب تو مائیں قربانی نہیں دیتیں بچوں کے لیے، آئے دن اخباروں میں خبریں چھپتی رہتی ہیں کہ شادی شدہ عورتیں بھی پانچ، کبھی دو اور کبھی تین بچوں کو چھوڑ کر بھاگ جاتی ہیں..... آج کی ماں کہتی ہے دو دن کی زندگی ہے کیوں برباد کروں، وہ راہِ فرار اختیار کرتی ہے۔ (ایسی بات نہیں، وجوہات بہت مختلف ہوتی ہیں جس سے ہر کوئی آشنا نہیں ہو پاتا) وہ ہجر جو ہم کو لازم تھا، شیریں حیدر صاحبہ کا ناولٹ اچھا جا رہا ہے۔ چھوٹے کیمروں نے تو کمال کر دیا اب پتا چلے گا مہتاب جی کے کارناموں کا۔ (ہاں جی دیکھو پتا چل گیا ناں) میرا سارا رنگ اتار دو اور میں عشق ہوں، بھی اچھی جا رہی ہیں۔ دل جو کہتا ہے، بہت اہم ٹاپک تھا اور بہت خوب صورت انداز میں سمجھا دیا ہے مصنفہ نے ہمیں ورنہ اس بات کی طرف تو کبھی ہمارا دھیان ہی نہیں گیا۔ (اچھا ہوا ناں، یہی تو ہماری رائٹرز کی خوبی ہے) ع عورت م ماضی، فرحین اظفر نے اس بار بھی بہت خوب لکھا اور بہت سچے، سچے دل کو چھو لینے والے جملے لکھے، واقعی عورت، مرد کے ماضی کو خواہ کیسا بھی ہو، دل سے قبول کر لیتی ہے مگر مرد عورت کے ماضی کے متعلق کوئی بھی ایسی ویسی بات برداشت نہیں کر سکتا موضوع مختلف اور منفرد تھا۔ مسیحا، سحر ساجد نے بہت اداس کر دیا اور بہت دیر تک کہانی کے زیر اثر رہے۔ (یہی تو ایک کہانی کی خوبی ہوتی ہے) اسما طاہر اور سلمیٰ غزل کی تحریریں بھی زبردست تھیں اور باقی سب تحاریر بھی اچھی لگیں۔ شمع ہدایت، میں اس بار خاموشی کے متعلق باتیں تھیں جو سیدھا دل پر اثر کر گئیں۔ اللہ پاک ہمیں عمل کی توفیق دے، آمین۔ شازیہ انوار صاحبہ کا انٹرویو پڑھ کر بہت اچھا محسوس ہوا اور روحانی مشورے میں بہت کام کی باتیں سیکھیں، خوش ذائقہ میں ادرک کا حلوا، بنانا سیکھا اب ان شاء اللہ جلد ہی ٹرائی کریں گے۔ اب آخر میں ایک مشورہ دوں گی کہ حسن نکھارے کا سلسلہ آپ کیوں گول کر جاتی ہیں آج کل لوگ کیمیکل سے بنی ہوئی فارمولا کریموں کے استعمال سے سخت عاجز آ چکے ہیں ہر دوسری لڑکی کو چہرے کا کوئی نہ کوئی مسئلہ ہے آپ کا رسالہ ایسے، ایسے علاقوں میں جاتا ہے جہاں نیٹ تو دور کی بات بجلی تک نہیں ہے اور نہ خواتین اور لڑکیوں کے پاس موبائل ہوتے ہیں۔ رنگت صاف کرنے کے لیے اور گورا ہونے کے لیے آسان اور آزمودہ ٹپس بتائیں مثلاً اب ایلوویرا کا پودا تو ہے مگر استعمال کا پتا نہیں کہ اس کے گودے کو پارس کو کیسے استعمال کرنا ہے۔" (ہاں بالکل درست کہہ رہی ہو کبھی کسی سلسلے میں صفحات کی کمی ہو جاتی ہے چلو اس مرتبہ حسن نکھارے میں ایلوویرا کے متعلق ہی لکھ دیا ہے)

ثریا شہاب، ڈیرہ غازی خان سے۔ "آپی آپ کی طبیعت کا پتا چلا اب کیسی ہیں؟ ہم آپ کے لیے بہت دعائیں کرتے ہیں۔ (جزاک اللہ) اداریہ تو خوب اچھا تھا اور شیریں حیدر کا ناولٹ سب سے پہلے پڑھا۔ بہت ہی عمدہ جا رہا ہے۔ معاشرے کی صحیح عکاسی کی ہے۔ آپی ایک بات ہے اگر بہنیں برا نہ مانیں کہ اگر تصویریں کہیں چھپوانی ہے تو سر پر دوپٹا ضرور لے لیا کریں یہ عورت کی شان بڑھاتا ہے آج کل تو دوپٹا ہی نہیں ہوتا بس ان باتوں پر افسوس ہوتا ہے۔ یہ میری خواہش ہے۔ اب جس کی مرضی مانے نہ مانے۔ (بات تو بالکل صحیح کی ہے آپ نے مگر یہ سب کا ذاتی فعل ہے۔ اللہ ہدایت دے) قیصرہ حیات، اسمائے الٰہی بہت خوب صورت انداز میں لکھ رہی ہیں۔ باقی تحریریں ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ ہم پاکیزہ سے بہت اچھی، اچھی باتیں سیکھتی ہیں۔ عذرا آپی کو اور پوری ٹیم کو سلام۔" (مختصر تبصرے کا شکریہ آپی کی طرف سے بھی سلام اور جزاک اللہ)



www.pklibrary.com

٭ فریدہ ہاشمی مخفی، کراچی سے۔ ”بہت سی دعائیں پچھلے دنوں آپ کی طبیعت خراب تھی۔ خدا کرے اب بالکل ٹھیک ہوں۔ (الحمدللہ اب خیریت سے ہوں) اس بار بھی اختر بہن کا مضمون بہت اچھا لگا۔ جہن عنوان بھی خوب لکھتی ہی۔ تفکر نور الہٰی بہت اچھا لگا۔ افشاں آفریدی اور نایاب جیلانی دونوں کے ناول بہترین انداز میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ شیریں حیدر کے ناول نے بھی شوبز کے سلسلے میں بہت اچھا لکھا ہے۔ اگلی قسط کا انتظار ہے۔ خدا کی بستی پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ خدا محفوظ رکھے ایسے انسانوں سے جو صرف دولت سے پیار کرتے ہیں۔ مرد کی لالچ اور عورت کی بے کسی پر بہترین کہانی ہے۔ سیما بنت عاصم کی کسک بہت متاثر کن محبت کی خوب صورت داستان ہے۔ خاص کر یز دانی ہاؤس کی باتیں جیسے کسی پرانی حویلی کی باتیں بہت اچھی لگیں۔ مدیحہ شاہد کا ناولٹ بھی بہت اچھا لگا۔ ترکی کی خواب ناک باتیں اور محبت کا اچھا انجام۔ واہ زرتاشیہ نعمان کو بھی لکھنے کا سلیقہ ہے۔ اچھی کہانی ہے۔ فرح بخاری کا ناولٹ بے حد دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ اگرچہ موضوع پرانا ہے مگر اچھے انداز میں لکھا گیا ہے۔ دوسرے حصے کا انتظار ہے۔ وردہ بخاری کی کہانی نے یہی سبق دیا کہ انسان کو اس بات پر یقین رکھنا چاہیے کہ خدا کی مشیت سب سے بہتر ہے۔ وہ جو کرتا ہے بہترین کرتا ہے۔ فرح طاہر کی کہانی نے رُلا دیا۔ ماں کی محبت اور عزت کرنا سکھائیں۔ گھر میں ایک محفوظ سائبان کا احساس ہو اور جہاں یہ سب کچھ نہیں ہے تو گھر کی محرومی ہمیشہ غلط راستہ دکھاتی ہے۔ خدا اس نئی نسل کو محفوظ رکھے اور والدین سبق سیکھیں، آمین۔ اتنی سبق آموز بہترین کہانی لکھنے پر فرح طاہر کو مبارک باد دے دیں۔ (جی ضرور، ان تک پیغام پہنچ جائے گا) زاہدہ ثقلین نے بے حد اہم موضوع پر قلم اٹھایا ہے جو کہ ہر ماں کے لیے جاننا ضروری ہے، جزاک اللہ خیر۔ گوشۂ ظرافت میں مرزا عابد عباس کی تحریر نے دل خوش کر دیا واقعی آج کل گھروں کا یہی حال ہے۔ روحانی مشورے بہترین ہیں۔ پاکیزہ ڈائری میں بہنوں کی کاوشیں بہت خوب ہیں۔ دعا کرتی ہوں کہ خدا ہماری سب بہنوں کو اچھا رکھے اور یونہی ہم سب اس خوب صورت رشتے میں جڑے رہیں، آمین۔“ (بہت خوب صورت تبصرے اور دعاؤں کا بہت شکریہ)

٭ فہمیدہ جاوید، ملتان سے۔ ”فروری 2021ء کا سرورق اس بار بھی بالکل پسند نہیں آیا۔ ماڈل نے ٹوپی ایسے پکڑی ہوئی تھی جیسے کوئی چھین کر بھاگ رہا ہو۔ (اسٹائل ہے بھئی) سرورق پلیز دلکش اور بجے سنورے دیا کریں۔ (ٹھیک تمہاری فرمائش کا بھی خیال رکھیں گے) میں چاہتی ہوں پاکیزہ ہر لحاظ سے اچھا رہے۔ (شکریہ تمہاری محبت ہے) خاموشی، پر اختر بہن نے اس بار کمال لکھا اور میری بھی بہت سی باتوں میں اصلاح ہوئی اور یہ اہم ترین بات لگی کہ قیامت کے دن ہر لفظ کے متعلق پوچھا جائے گا۔ اختر خدا تمہیں مزید علم و صحت دے۔ پاکیزہ کے مہمان، میں شائستہ تم نے دل خوش کر دیا۔ انٹرویو کر کے دس تو کیا سو نمبر دوں گی۔ اتنا معلوماتی، دلچسپ اور طویل انٹرویو پڑھ کر لگا کہ تم شازیہ کی بہن ہی ہو۔ کوئی خامی نہ تھی۔ بس ایسے ہی کرتی جاؤ۔ پاکیزہ کی یہی خوبی پسند ہے کہ اداکاروں کے انٹرویوز کم لگتے ہیں ان کے تو دن رات ٹی وی پر آتے ہیں۔ پاکیزہ کے انٹرویوز متعلقہ شعبے کے ہونے کے ساتھ، ساتھ عام قاری کے لیے بھی فائدہ مند ہوتے ہیں ماشاءاللہ۔ روحانی مشورے، اس بار زیادہ پسند آئے۔ گوشۂ ظرافت تو میں پڑھتی ہی نہیں اور نہ پسند ہے۔ خوش ذائقہ میں ادرک کا حلوا ضرور ٹرائی کروں گی کہ ہم لوگ تو ویسے بھی ادرک کی چائے بغیر دودھ پتی کے مطلب، گرین ٹی پیتے ہیں۔ (اچھی بات ہے) بہنوں کی محفل میں زرتاشیہ نعمان کی میں عشق ہوں کی پیش گوئی سے میں بھی متفق ہوں۔ واہ زرتاشی کیا کمال سوچا تم نے۔ حنا تصور احمد کے خط میں جو معیار کی بات تھی... تو اگرچہ ان کا خیال درست ہو مگر میرے خیال سے جتنی مذہبی، تعمیری اور اصلاحی کہانیاں پاکیزہ میں ہوتی





www.pklibrary.com

ہیں وہ کسی رسالے میں نہیں ہوتیں۔ (ہر ادارہ اپنے تئیں دلچسپ ہی انتخاب کرتا ہے، ہم تو کوشش کرتے ہیں کہ قلم کا حق ادا ہو جائے) کارنر، ان باکس پر ہم بہنوں کی حوصلہ افزائی اور اشاعت بھی کہ اگر چہ ہم بہنیں یعنی مجھ جیسی جو رائٹر نہیں مگر اس طرح کی حوصلہ افزائی جو پاکیزہ کرتا ہے۔ ہماری لکھنے اور پڑھنے کی عادت کو مزید تحریک ملتی ہے۔ افشاں جی کے ناول میں بس اب جلدی سے دو شادیاں ہو جائیں اور ہم بھی شہرین، زاویار اور دری، عکرمہ کی شادی میں شرکت کریں۔ (اب تو شرکت کر لی ہو گی تم نے) میں عشق ہوں، اب کہانی کچھ کھلنے لگی ہے۔ نایاب بچ میں اب مزہ آ رہا ہے اینڈ میں فیقہ کی ماں نے تو سونیا کو لاجواب ہی کر دیا مگر دیکھتے ہیں کہ سونیا کیسے احسان کا بدلہ لے گی۔ مجھے یہ ناول بہت پسند آ رہا ہے کہ منفرد ہے اور پراسرار بھی اور مجھے تو بھئی مکمل سے زیادہ قسط وار ناول و ناولٹ پسند ہیں کہ انتظار کرنے میں الگ ہی لطف ہے جو مجھے مکمل ناول میں نہیں آتا۔ ہاں، آخری قسط پڑھ کر تھوڑی سی اداسی ہو جاتی ہے کہ کہانی ختم ہو گئی ویسے ہی جیسے 1980ء کے 13 اقساط پر مبنی ڈراموں کے ختم ہونے پر ہوتی تھی۔ (ہاں فہمیدہ تمام قارئین کی پسند ناپسند کا خیال رکھتے ہوئے چیزیں ترتیب دینی ہوتی ہیں) شیریں حیدر کا قسط وار ناول بھی اچھا ہے مجھے تو پہلے لگ رہا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ وادی گل بہت ہی دلچسپ تھا ناولٹ خاص کر شروع میں جو منظر نگاری کی اسمانے۔ سحر ساجد ایک معتبر نام، نار...... جیسے شاہکار کے بعد یہ ناولٹ موضوع کے اعتبار سے زبردست رہا۔ سحر کی ہیروئن زیادہ تر یونیورسٹی کی ہوتی ہیں۔ بہت ہی احسن انداز میں نفسیاتی ڈاکٹر نے ہیروئن کا مسیحا بن کر اس کی زندگی کے خلا کو پورا کیا۔ سحر تم بھی جلدی سے پھر سے قسط وار ناول کے ہمراہ آؤ۔ (چلو سحر تیاری پکڑ لو) مٹی کا آب خورہ، بچی طیبہ تم نے یہ لکھ کر میری دیرینہ خواہش پوری کر دی۔ جس انداز میں، جس طرز پر، جیسی منفرد کردار نگاری تم نے کی ہے مجھے ایسی پرانے وقت کی گھوڑوں والی یہ غرارہ اور رانی ہاروں کی تاریخی قسم کی سی کہانیاں بہت ہی پسند ہیں مگر یہ فرحان آغا بڑا ابرالگا۔ نزہت جبیں ضیا کا افسانہ بہت ہی اصلاحی رہا۔ صدیقہ خالہ پر پیار آیا اور ان کی اولاد پر غصہ۔ نزہت نے افسانے میں وراثت سے متعلق بہت اہم کام کی نشاندہی کی۔ اصل و نقل، بھی متاثر کن رہا واقعی ہر چمکتی چیز سونا نہیں۔ حور یہ بتول کا نیلی آنکھیں، نارمل سا تھا۔ سلمیٰ غزل کے افسانے کا عنوان بہت زیادہ پسند آیا اور کہانی بھی اچھی تھی۔ عنوان کی طرح شکر ہے کہ کائنات کو فارس مل گیا ورنہ میں کائنات کی وجہ سے پریشان رہتی، ہاہاہا۔ شفا سعید کا افسانہ بھی اچھا تاثر چھوڑ گیا اور یہ اصلاحی رہا نو عمر لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے۔ جبکہ ہما علی کا افسانہ مختصر تھا۔ صبر، برداشت، سمجھوتا اور عفو درگزر عورت ہی کو کرنا پڑتا ہے اور یہی عورت کہانی میں فرحین نے بتایا۔ فرحین کا سلسلہ نہایت دلچسپ ہے اور امید ہے کہ یہ، کے بعد فرحین کی کتاب آئے گی۔" (ان شاء اللہ تفصیلی تبصرے کا شکریہ۔ تجاویز نہایت عمدہ ہیں اور قابل عمل بھی اور بچ جانے والے مراسلات محفوظ کر لیے جاتے ہیں ضائع نہیں ہوتے بے فکر رہو)

آسیہ عامر، کراچی سے۔ "جنوری اور فروری کا تبصرہ ایک ساتھ کروں گی۔ (اچھا بھئی) ہماری پیاری مدیرہ صاحبہ نے جنوری کے شمارے میں کچھ کہنا ہے میں فرمایا کہ انسان بے بس ہے۔ فروری کے شمارے میں سر معراج رسول صاحب کی برسی کے متعلق تھا۔ جتنی مرضی سیاروں پر کمندیں ڈال لے انسان اس کی اخیر یہی ہے۔ (جبھی تو اعمال پر توجہ دینی ہے) میری فیورٹ رائٹر شیریں حیدر کی تحریر اچھی لگی اور نگہت سیما کا میں اور فارہ پڑھ کر مزہ بہت آیا۔ نگہت سیما کی تحریروں میں روانی بہت ہوتی ہے افشاں آفریدی کا ناول تو رسالے کی جان ہے۔ افشاں جی آپ کو خدا کا واسطہ ہے اب تو دُرِ مکنون کی تکلیفیں کم کر کے ہمیں اسے دلہن کے روپ میں دکھا دیں۔ (ارے تھوڑا اور صبر کر لو بہن) نیا سال دوستوں کے ساتھ تسلیم شیخ کی مثبت تحریر کالج کے دنوں میں بہت یادگار ایڈونچر ہوتے ہیں۔



www.pklibrary.com

ریحانہ اعجاز کے بیٹے کی شادی میں ہم نے بن بلائے مہمان بن کر دعوت اڑا لی۔ سیما رضا ردا اور شازیہ انوار کا انٹرویو شاندار تھا۔ سیما بہت ٹیلنٹڈ رائٹر ہیں۔ (بے شک) سعدیہ ہما شیخ کو کامیابیاں بہت مبارک، اللہ پاک نظر بد سے بچائے۔ جنوری کی بہنوں کی محفل پڑھ کر دل جل جل کر کوئلہ ہو گیا۔ ہمارا پاکیزہ اور ہمارا ہی نئے سال میں تبصرہ نہیں چھپا۔ (اب تو چھپ گیا ناں جلدی بھیجا کرو) اختر شجاعت صاحبہ کا خاموشی، مضمون ماشاء اللہ بہت عمدہ لکھا اگر خاموشی اختیار کر لی جائے تو بہت سی نہیں بلکہ ساری معاشرتی برائیاں ختم ہو جائیں ان تمام باتوں پر عمل کر لیں تو زندگی سنور جائے۔ عذرا رسول آپی کا شکریہ انہوں نے بہت مزے کا ادرک کا حلوا بھیجا۔ عورت کہانی میں عنایت آپا بھی خود غرض نکلیں اگر پتا تھا سارے مرد ایسے ہوتے ہیں تو صدف کی زعیم سے ہی شادی کروا دیتیں۔ شفا سعید کا افسانہ پڑھ کر اپنے کالج کے خوب صورت دن یاد آ گئے۔ ہم جن سے متاثر ہوتے ہیں بعد میں پتا چلتا ہے وہ ہم سے زبردست متاثر تھے۔ سلمیٰ غزل کا افسانہ بہت اچھا پیغام لایا کہ چہرے کی خوب صورتی کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوتا ہے جو دوسروں کو بھاتا ہے۔ خوب صورتی ہی سارا کچھ ہو تو کم صورت لوگوں سے کوئی پیار ہی نہ کرے۔ اصل اور نقل پڑھنا شروع کیا تو حساب کے فارمولوں کی طرح اوپر سے گزرنے لگا لہٰذا ٹائم ضائع کیے بغیر چھوڑ کر دوسری کہانی شروع کر دی۔ (کیوں بھئی کچھ دماغ کو بھی کرنے دیا کرو) بہنوں کی محفل جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ سب بہنیں ہیں تو اپنی بہن پروین افضل شاہین سے ایک گلہ کرنا ہے جو کہ چاہتے ہوئے بھی ہماری مدیرہ نہیں کر پاتیں لیکن میں ضرور کروں گی۔ بہن آپ کو دو دن کے اندر تبصرہ بھیجنے کا کس نے حکم دیا ہوا ہے تسلی سے پڑھا کریں، میری جو ذاتی رائے ہے تبصرہ رائٹرز کا حق ہوتا ہے جو اتنی محنت سے ہمارے لیے لکھتی ہیں جب ہم تبصرہ کرتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے ان کی محنت وصول ہو گئی چاہے نئی رائٹر ہو یا سینئر رائٹر ہر کوئی تبصرہ پسند کرتی ہیں تو بہن کبھی کبھار کہانیاں بھی پڑھ لیا کریں۔ آج کل میں خود بہت سے افسانے، ناول نہیں پڑھ پا رہی تو یقین کریں ایسا لگتا ہے جیسے رائٹر کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے جس کی کہانی نہ پڑھی جائے۔ سلمیٰ غزل صاحبہ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ ہما علی کا اب رہائی ملے گی تو ہمیں آپ کے گھر واپس آنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ خوشی ہے، یہ ایک اچھا فیصلہ ہے۔ عورت کی جنت اس کا گھر ہے چاہے جیسا بھی ہو۔ اسما طاہر کا ناولٹ شروع کیا ہے ہمیں تو برف باری میں گھر بیٹھے مزہ ہی آ رہا ہے، حوریہ بتول کا نیلی آنکھیں، بڑی دیر میں احمد کو عقل آئی ہم تو شروع سے سوچ بیٹھے تھے افراح کو بلیو لینز لگوا دو آگے او تاں دی مرضی۔ طیبہ عنصر مغل کا ناول مٹی کا آب خورہ، کیسے لکھ لیتی ہیں۔ طیبہ جی آپ ایسی تحریریں مجھے بھی تو کچھ بتائیں۔ ایک ہوتا ہے انسان کا انتقام اسی پر جب اللہ کا انتقام آتا ہے تو بندہ کھڑے ہونے کے قابل نہیں رہتا۔" (تبصرے کا شکریہ)

☆ ثمینہ کوکب، جہلم سے۔ "پاکیزہ کا خوب صورت سا ٹائٹل دیکھ کر لگا کہ واقعی میں بہار آ گئی ہے۔ سب سے پہلے تو تمام بہنوں کو اور تمام پاکیزہ اسٹاف کو پاکیزہ کی سالگرہ بہت، بہت مبارک ہو اور اللہ پاک پاکیزہ اور پاکیزہ سے وابستہ لوگوں کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے۔ (جی بہت شکریہ)

سالگرہ پر تیری کروں میں نذر...... نیک دعائیں، وفائیں پاکیزہ

نزہت اصغر صاحبہ کا اداریہ ہمیشہ کی طرح منفرد اور خوب صورت طرزِ تحریر کے ساتھ بہار، 23 مارچ اور خواتین کے عالمی دن کے ذکر کی مناسبت سے بہت اچھا لگا۔ پھر حسبِ معمول دین کی باتیں اور نبی پاکؐ کے اسمائے گرامی سے دل و روح کو سرشار کیا۔ شمع ہدایت، اختر شجاعت صاحبہ نے تفکر...... نورِ الٰہی پر بہت ہی خوب صورت اور ایمان افروز تحریر سے نوازا ہے۔ اختر شجاعت صاحبہ ہمیشہ ہی اپنے ہر مضمون کو بے حد دلچسپی و محنت سے مستند کتابوں سے تحقیق کے بعد اپنی خوب صورت و معلوماتی تحریر



pklibrary.com



www.pklibrary.com

سے نوازتی ہیں۔ دعا ہے اللہ پاک انہیں اجر عظیم سے نوازے اور غور و فکر کی عادت ہمیں ہر برائی سے بچائے، آمین۔ میرا سارا زنگ اتار دو، افشاں آفریدی اور میں عشق ہوں، نایاب جیلانی صاحبہ دونوں ناول اور شیریں حیدر صاحبہ وہ ہجر جو ہم کو لازم تھا، بہت سو پر جا رہے ہیں۔ فرح بخاری، سرائے خواب و خیال ناولٹ اچھا لگا۔ اختتام کے لیے اگلے ماہ کا انتظار اف یہ انتظار۔ (کبھی، کبھی ہوتا ہے ایسا) حسبی اللہ و نعم الوکیل، وردہ بخاری بہت ہی پیاری تحریر تھی۔ خدا کی بستی، ناہید سلطانہ اختر صاحبہ کی بہترین تحریر تھی۔ گلابی پھول اور نیلا پانی مدیحہ شاہد، محروم تمنا، فرح طاہر دونوں مکمل ناول اچھے لگے۔ کسک، سیما بنت عاصم، مہنگا ٹیکا، زاہدہ نگین، شادی ان لاک ڈاؤن، زرتاشیہ نعمان اور امید بہار، ہاجرہ ریحان صاحبہ کے افسانے اچھے لگے۔ فرحین اظفر صاحبہ کی عورت کہانی کی کمی بے حد محسوس ہوئی۔ شائستہ زریں صاحبہ بہار آئی کھلے گل زیب صحن بوستان ہو کر، بہار کے موضوع پر بہترین سروے تھا۔ بہنوں کے جوابات بہت اچھے لگے۔ گوشۂ ظرافت، مرزا عابد عباس صاحب کی تحریر ٹیلی وژن کل اور آج بے ساختہ لبوں پر ہنسی بکھیر گیا اور انداز نو میں شیف عابدہ بلوچ صاحبہ سے ملاقات بہت مکمل و دلچسپ تھی اور عذرا آپی کی باتیں بہنوں کی محفل میں پڑھیں بہت اچھی لگیں کہ تمام قلم کار بہنوں کے لکھنے کی تعریف کرنا اور ان کا حوصلہ بڑھانا اور انہیں سراہنا یہ صرف عذرا آپی کی محبت و خلوص کو ظاہر کرتا ہے۔ (جی یہ تو ہے۔ ایک ادارے کے سربراہ کو ایسا ہی ہونا چاہیے) پاکیزہ کے تمام سلسلے لاجواب و بے مثال ہیں۔ تازہ بہ تازہ سرگرمیوں میں مدیحہ شاہد کو سالگرہ مبارک اور ہما بیگ کو بھی مبارک کہ وہ اپنے بیٹے کے خوابوں کی تکمیل کے لیے مستحق اور نادار خواتین کے لیے سلائی سینٹر کھول رہی ہیں۔ ماہ نور شوق کو شاعری کا مجموعہ شائع ہونے کی مبارک۔ آخر میں پاکیزہ رسالے کے لیے دعا ہے سدا اسی طرح اپنی پُراثر تحریروں سے روشنیاں پھیلاتا رہا ہے اور پھولوں کی طرح مہکتا رہے، آمین یارب العالمین۔

تم سلامت رہو ہزار برس ..... ہر برس کے ہو دن پچاس ہزار

تمام پاکیزہ اسٹاف اور بہنوں کو خلوص بھری دعائیں اور سلام۔ دعا ہے پاکیزہ ہمیشہ اسی طرح ترقی کی منازل طے کرے، آمین یارب العالمین۔" (جزاک اللہ دعاؤں کے لیے)

❁ حدیث اختر، حاصل پور سے۔ "پیاری نزہت امید ہے اور اللہ سے دعا ہے کہ آپ خیریت سے ہوں۔ طبیعت کی ناسازی کا پتا چلا تھا تو تشویش ہوئی، اب آپ کی آواز سن کر اطمینان ہوا۔ (پیاری حدیث آپ بہنوں کی دعاؤں سے الحمدللہ اب میں روبصحت ہوں) دین کی باتیں، اداریہ بہت اچھا ہے۔ نزہت اس دفعہ تسنیم کوثر کراچی نے جو پوچھا ہے کہ یہ جواب دینے والی بہن کون ہیں تو میں کہتی ہوں کہ یہ گمنام بہن یقیناً نزہت اصغر ہیں جواب صاف جھلکتے ہیں تو یہ آپ کے سوا کوئی نہیں۔ کیوں ٹھیک کہا ناں! اللہ آپ کو صحت و سلامتی سے رکھے ہمیں بھی دعاؤں میں یاد رکھا کریں۔" (جی بہن آپ کے پُرخلوص الفاظ یقیناً حوصلہ افزائی کا باعث ہوتے ہیں۔ اللہ پاک تمام بہنوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے، آمین)

❁ ذوالنورین، ہری پور ہزارہ سے۔ "معراج صاحب کی دوسری برسی پر اظہار تعزیت پیش کرتی ہوں۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ معراج رسول صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، میری تعزیت عذرا صاحبہ تک بھی پہنچا دیں۔ تبصرہ ان شاء اللہ اگلے ماہ کروں گی۔" (جزاک اللہ ذوالنورین، عذرا آپی کی طرف سے آپ کے لیے بہت دعائیں ہیں)

❁ گل بشرہ، پاک پتن سے۔ "میں کہانیاں بھیجنا چاہتی ہوں۔" (جی ضرور بھیجیں۔ پاکیزہ پر رائے بھی دیں)

❁ جبینا، کراچی سے۔ "محترم معراج صاحب کے لیے لکھے گئے میری قابلِ احترام سینئر



www.pklibrary.com

لکھاریوں کے مضامین، تاثرات ماشاءاللہ ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ خوب صورت شاعری اور اقتباسات سے بھی پاکیزہ ڈائری بہت اچھی لگی۔ میں اکثر گنگناتی ہوں، لاجواب انتخاب ہے۔ شازیہ انوار کا انٹرویو بہت پسند آیا۔ ایک خوب صورت سوچ رکھنے والی باہمت خاتون...... بیٹا بھی بہت پیارا ہے اللہ آباد رکھے، آمین۔ شیریں حیدر نے کمال کا لکھا ہے۔ شفا سعید نے بہترین، ہما علی کے کیا کہنے...... نزہت جبیں ضیا حقیقت سے بہت قریب لکھا۔ عروج لبنیٰ قدیر نے لاجواب، ثمینہ کوکب کے درود وسلام اور محترمہ اختر شجاعت صاحبہ کے مضمون خاموشی کے لیے میرے پاس الفاظ کم ہیں۔ بہت، بہت مبارک باد...... اتنا قیمتی لکھنے کی۔ کوثر خالد اور خالدہ اعجاز کی شاعری دل کی آواز تھی۔ عذرا آپی کے ادرک کا حلوا کے بارے میں ایک بات پوچھنی تھی کہ حلوے میں ادرک کی کڑواہٹ نہیں ہوگی کیا۔ (نہیں بلکہ سونٹھ کی خوشبو ہوتی ہے اور ادرک کو گھی میں بھوننا ہے) بہنوں کی محفل تو پوری کی پوری اپنوں سے ملاقات ہے پاکیزہ کی خوب صورت فیملی سارے ہی تو اپنے ہیں۔ (جی بالکل جیبنا آپ کی دو، تین کہانیاں تو چھپی ہیں اب اتنی بھی مختصر نہ بھیجا کریں) آپی خط میں کسی غلطی کی معافی چاہوں گی باقی رسالہ ابھی پڑھنا باقی ہے، کہانیوں کے بارے میں آپ کا جواب پڑھ کر تسلی ہوگئی پریشانی صرف یہ ہوتی ہے کہ مواد آپ تک پہنچا یا نہیں کیونکہ پچھلے چار سالوں میں میری آٹھ، دس کہانیاں ڈاک میں ہی غائب ہوگئیں۔" (کیا کہیں اب)

✿ ثانیہ مرزا، لاہور سے۔ "مارچ کا پاکیزہ ملا تو دل باغ باغ ہوگیا، دین کی باتیں خوب صورت اور ایمان افروز تھیں۔ مدیحہ شاہد کا ناول دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، استنبول کا توپ کاپی محل چیری بلاسم کے پھول، نیلے پانی کا سمندر، برصا کا گھر، پھولوں کا جنگل، زیتون کے کھیت، شاہی مہاجر بچے، رنگ بدلتے پتھر کی انگوٹھی، کپاڈوکیہ، تونیہ، انقرہ، یہ ایک ایسا خوب صورت اور شاہکار ناول تھا جو ہمیں برسوں یاد رہے گا۔ مدیحہ کے انداز تحریر میں خوب صورتی اور روانی ہے۔ ان کے موضوعات اور کردار منفرد ہوتے ہیں۔ فرح بخاری، ناہید سلطانہ اختر اور وردہ بخاری کی تحریریں بھی اچھی تھیں۔ مستقل سلسلے ابھی پڑھے نہیں۔ شیف عابدہ بلوچ سے ملاقات بھی اچھی رہی۔" (مختصر تبصرے کا شکریہ)

✿ نیر فہیم خان، کراچی سے۔ "آنکھ کی اچانک ہونے والی سرجری نے مطالعے کے عمل کو محدود کردیا ہے سو کم، کم پڑھ پاتی ہوں مگر دل میں پاکیزہ کی محبت روز اول کی طرح موجود ہے۔ بچپن سے جس رسالے کو امی اور پھپھو کے پاس دیکھا وہی میرا بھی پسندیدہ بن گیا ایک خوشگوار یاد ایوارڈ کی شکل میں موجود ہے۔ انعام یافتہ کتابیں بھی خوشگواری کا احساس دلاتی ہیں جو مختلف سلسلوں میں حصہ لینے کے بعد انعام کے طور پر ملی تھیں۔ دوبارہ اسی طرح ایکٹو ہونا چاہتی ہوں (جی ضرور ہوں) کیا بہنوں کی محفل میں تبصرہ میل کے ذریعے بھیج سکتے ہیں؟ کیا افسانہ بھی میل کے ذریعے بھیجا جاسکتا ہے۔" (آپ کی کہانیاں ابھی زیر مطالعہ ہیں، جی نیر تبصرے بھی میل کرسکتی ہو افسانہ بھی کمپوز کرکے اردو ان پیج میں)

✿ یاسمین کنول، پسرور سے۔ "فرینہ اعجاز کے خوب صورت انداز سے سجا پاکیزہ ملا...... مسرت ہوئی ماڈل کی ڈریسنگ بڑی اچھی ہے۔ اداریہ 23 مارچ کا احوال سناتا نظر آیا۔ 23 مارچ کا دن ایک سنہری دن تھا جو پاکستان کی نوید دلایا۔ 8 مارچ خواتین کے عالمی دن کے حوالے سے اہم ہے۔ واقعی اسلام نے عورت کو جو تحفظ دیا ہے وہ کوئی اور مذہب نہیں دیتا۔ اسلام دنیا کا سب سے اچھا مذہب ہے (بے شک) افسانوں میں خدا کی بستی اور امید بہار زیادہ اچھے لگے۔ مکمل ناول محروم تمنا پسند آیا۔ باقی پاکیزہ ابھی زیر مطالعہ ہے۔ پاکیزہ ڈائری میں نظم شامل فرمانے کا شکریہ...... بہنوں کی محفل میں شامل کرنے کے لیے ممنون ہوں۔ (ارے خط





www.pklibrary.com

وقت پر مل جائے تو ضرور شامل ہوتا ہے) مستقل سلسلے اچھے ہیں، سروے اچھا لگا۔ شمع ہدایت، اختر شجاعت صاحبہ بڑی محنت سے رقم کرتی ہیں۔ پڑھنے میں سکون ملتا ہے۔ (جی بالکل) منتخب غزلیں میں اس ماہ حبیب جالب کا انتخاب اچھا لگا۔ روحانی مشورے کئی روحانی مسائل حل کر دیتے ہیں، ادارہ مبارک باد کا مستحق ہے۔ انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے روح کی تسکین ضروری ہے۔ (الحمدللہ) آپ کی طبیعت کچھ ناساز ہے بہنوں کی محفل سے پتا چلا۔ اللہ تعالیٰ صحت و تندرستی کے ساتھ لمبی زندگی عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین، جزاک اللہ دعا کے لیے و مختصر تبصرے کا شکریہ) صحت کتنی ضروری ہے بستر پر پڑ کے پتا چلتا ہے اور جب کوئی کام کرنے والا بندہ بستر پر پڑتا ہے تو اسے کوفت بھی بڑی ہوتی ہے۔ مگر اچھی صحت کے لیے آرام بھی ضروری ہے۔ ہماری بے اعتدالیاں ہمیں بیماری کی طرف دھکیلتی ہیں۔ معقول اندازِ زندگی میں آرام بھی ضروری ہوتا ہے جو ہم نہیں کرتے پھر بیماری ہمیں آرام کرائی ہے تو ہم ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ دوا، دعا اور خود جینے کی لگن انسان کو جلد صحت مند کرتی ہے، (بالکل درست کہہ رہی ہیں، بس اللہ پاک ہاتھ پاؤں چلتے رکھے اور ہم ہر کام بخیر انجام دیتے رہیں، الٰہی آمین)

راشدہ عفت احمد مطیع، جرمنی سے۔ ''مکرم محترم معراج رسول صاحب اللہ تعالیٰ ان پر اپنی مغفرت کی چادریں ڈالے رکھے، آمین۔ انہوں نے پاکیزہ ادارہ قائم کر کے ساری دنیا کو اکٹھا کر دیا ہے۔ فرض کریں اگر خدانخواستہ اگر اب تک یہ ادارہ نہ ہوتا تو میں اپنے دل کو آپ کے آگے ہلکا کیسے کرتی۔ میری بڑی بیٹیاں اپنے، اپنے گھروں میں خوش ہیں جبکہ سب سے چھوٹی بیٹی اور میں اکھٹے رہ رہے ہیں۔ ہفتے میں دو دفعہ ایک لڑکی فزیوتھراپی کے لیے آتی ہے، گھر میں ایک میڈ ہے ہفتے میں دو بار آتی ہے۔ (اللہ پاک آپ کو صحت و سلامتی سے رکھے) عذرا صاحبہ کی تصاویر تو میں نے اکثر ہائی ٹی پارٹی کی اور عزیزم ذیشان رسول صاحب کی شادی کی تقریب میں دیکھی ہوئی ہیں شادی کا حال بھی پڑھا بہت اچھا لگا تھا۔ آپ سب ماشاء اللہ بہت پیارے اور سوبر ہیں نظرِ بد دور رہے۔ میں پاکیزہ کی شیدائی اور آپ سب کی دعاؤں کی محتاج ہوں۔ وطن سے دور بیٹھی آپ کے رسالوں کے ذریعے رابطہ رکھتی ہوں۔'' (عزیزم راشدہ عفت آپ کا بہت شکریہ کہ باقاعدگی سے خط لکھتی ہیں اللہ پاک آپ کو صحت سے رکھے، آمین)

مسز اے بخاری، فیصل آباد۔ آپ نے اپنی پوتی کی تعلیم کے بارے میں لکھا تھا جو فون نمبر آپ نے دیا اس پر کوئی نہیں اٹھاتا تو آپ سے رابطہ کیسے ہو۔ اگر یہ سطور پڑھ کر جواب دے دیں یا دیے گئے نمبروں پر رابطہ کر لیں تو اچھا ہوگا اور فرزانہ شیراز کیا آپ کی بیٹی ہیں؟ ضرور جواب دیجیے گا۔

نسیم کوثر، کراچی سے۔ ''چلتے ہیں سب سے پہلے درمکنون اور عکرمہ کی شادی کی تقریب میں۔ بھئی بڑی زبردست رہی درمکنون کو حسین دلہن کے روپ میں ہم تصور کی آنکھ سے دیکھ رہے تھے۔ افشاں آفریدی پلیز آگے بھی اچھا، اچھا ہی کیجیے گا اور خوب صورتی سے خوب صورت ناول کا جلدی سے وی اینڈ کر دیں اور شیریں حیدر تو اپنے شاندار ناول وہ ہجر جو ہم کو لازم تھا کہ چھکے لگا رہی ہیں ماشاء اللہ۔ بے مثال لاجواب ناول کے سحر میں ہم جکڑ سے گئے ہیں۔ شیریں کو بہت، بہت مبارک باد قبول ہو۔ اس کے علاوہ فرح بخاری کا ناولٹ سرائے خواب و خیال بھی اچھا لگ رہا ہے مگر جناب محروم تمنا، فرح طاہر نے جامع اور تقریباً حقیقت پر مبنی تحریر رقم کی ہے۔ اپنے ہی گھر سے اپنے والدین سے بچوں کو محبت اعتماد نہ ملنے سے سارا بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ مصنفہ نے معاشرے کے ایک اہم نکتے پر قلم اٹھایا ہے ان کی تحریر کو بہترین کا خطاب دیا ہے ہم نے۔ (ہاں یہ تو ہے) اب ذرا



www.pklibrary.com

میں عشق ہوں کے گھر میں پہنچتے ہیں بہت خوب، نایاب جیلانی تو رنگ بکھیرنے لگی ہیں ان کی کہانی میں دلچسپی بڑھنے لگی ہے اور اس کے علاوہ گلابی پھول اور نیلا پانی مدیحہ شاہد کا ناول بس مناسب لگا یعنی ہم اس سے متاثر نہیں ہو سکے۔ شمع ہدایت میں اختر شجاعت کی تحریر ہمیشہ کی طرح دل میں گھر کر گئی انہیں ہمارا سلام کہیے گا۔ پاکیزہ ڈائری بہترین ہو گیا ہے۔ ہمارا بھی دل اس سلسلے میں شامل ہونے کو چاہ رہا ہے۔ (ضرور ہوں) آمنہ حماد کی پیاری سی محنت پر مبارک باد اس بار پاکیزہ ڈائری میں فریدہ افتخار کی چائے گرم ہے بچپن کی یاد نے خوب مزہ دیا اس طرح ساجدہ ظفر کا ایماندار چور نے بہت متاثر کیا۔ اس دفعہ فرحین اظفر کی کمی بہت محسوس ہوئی۔ (فرحین بیچاری کے حادثاتی چوٹ لگ گئی تھی تو وہ لکھ نہ پائیں اب الحمدللہ وہ بہتر ہیں تو اس ماہ عورت کہانی شامل ہے) منتخب غزلوں میں حبیب جالب کی دلکش غزلیں بہت اچھی لگیں۔ پاکیزہ کا پیارا چٹ پٹا مزیدار سلسلہ بزم پاکیزہ نمبر ون جا رہا ہے۔ اس بار فہمیدہ جاوید اور پروین افضل شاہین کے دلچسپ سوال بہت اچھے لگے اس کے علاوہ تمام ہی پاکیزہ ہمیشہ کی طرح سندر، سندر پیارا، پیارا لگا۔ اللہ سلامت رکھے آپ سب کو دعاؤں کے ساتھ۔" (بہت پیارے تبصرے کا شکریہ)

سعدیہ حمیرا انجم وحید، واہ کینٹ سے۔ "میری دعا ہے کہ پاکیزہ سے جڑے ہر فرد کو اللہ پاک خوشحالی دے، آمین۔ پاکیزہ کے تمام سلسلے بہت اچھے ہیں۔ پاکیزہ ڈائری میرا پسندیدہ سلسلہ ہے بزم پاکیزہ اور میں اکثر گنگناتی ہوں، بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ اس دفعہ بھی افسانے اچھے تھے۔ سلسلے وار ناول اچھا جا رہا ہے۔ رمضان کی آمد، آمد ہے۔ اس بابرکت مہینے میں اللہ پاک تمام مسلمانوں کو صحیح معنوں میں عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میری طرف سے تمام مسلمانوں کو رمضان المبارک کی پیشگی مبارک باد..... اجازت چاہتی ہوں اس دعا کے ساتھ جہاں رہیں خوش رہیں، مختصر سی جو زندگی ہمیں ملی ہے اس میں دوسروں کو خوشیاں دینے کی کوشش کریں۔ پاکیزہ کو سالگرہ بہت، بہت مبارک ہو۔" (بہت شکریہ مختصر خط کا، کہانیوں پر بھی تبصرہ کریں)

✉ رابعہ خان، حیدر آباد۔ آپ کے والد کی وفات کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا تھا آپ نے پھر رابطہ نہیں کیا۔ کوئی کتاب اگر والد صاحب کی ہے تو ضرور ارسال کریں۔ اور جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ بے شمار سچے سبق آموز واقعات ہیں تو آپ ضرور لکھیں اور پاکیزہ کے پتے پر بھیج دیں بس کہانی کا انداز دلچسپ اور متاثر کن ہو۔

آخر میں آپ سب احباب کا شکریہ اور ڈھیروں دعائیں کہ پاکیزہ کی کامیاب نشر و اشاعت میں ہمارے ساتھ مکمل تعاون کرتے ہیں۔ مواد کے چھپنے میں دیر سویر ہو جائے تو ناراض مت ہوا کریں۔ ہم آپ کے لیے یہ صفحات مرتب کرتے ہیں اور مزید دلکش اور مؤثر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دعا ہے کہ پاک پروردگار ہم سب پر اپنا کرم، فضل، رحم، عنایات و بخشش کا باران جاری و ساری رکھے۔ پیارے ملک پاکستان پر سے بدامنی، بے سکونی کے بادل چھٹ جائیں اور اب ایک ملت، ایک قوم بن کر رہیں، الٰہی آمین۔

خیر اندیش، نزہت اصغر

نگارشات بھیجنے کا پتا: مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.C فیز III ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ، کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500



www.pklibrary.com

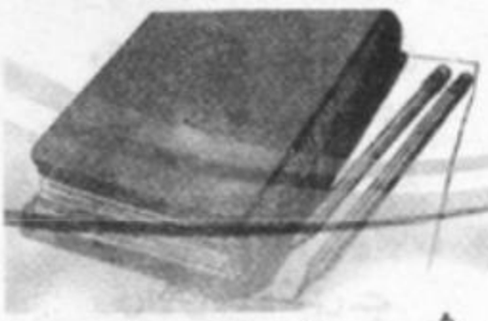

# پاکیزہ ڈائری

آمنہ حماد

## حمدِ باری تعالیٰ

جو حقائق ہیں زمانوں پہ رقم تیرے ہیں
یہ جہاں تیرا ہے یہ لوح و قلم تیرے ہیں
ہم پہ ہر لمحہ جو ہوتی ہے وہ رحمت ہے تیری
ہم پہ ہر آن جو ہوتے ہیں کرم تیرے ہیں
ہر گھڑی ہم پہ ہے احسان کہ تو مالک ہے
ہر گھڑی ہے ہمیں احساس کہ ہم تیرے ہیں
کارواں میں ہے تیرے ہر نفس یوں شامل
شرق و غربی ہواؤں میں علم تیرے ہیں
جو تیری سمت بڑھیں اُن کا محافظ تو ہے
جو تیری راہ میں اٹھتے ہیں قدم تیرے ہیں
ہم پہ لازم ہے کہ ہر حال کریں شکر تیرا
ساری خوشیاں ہیں تیری رنج و الم تیرے ہیں
ہم سے کج فہم تجھے بانٹ رہے ہیں ورنہ
یہ کلیاں، یہ شوالے، یہ پھول، یہ حرم تیرے ہیں

کلام: غلام حسین، سندھیلیا نوالی
پسند: ندا علی، لاہور

## نعتِ رسولِ مقبول

نعت پر نعت لکھوں اور کوئی کام نہ ہو
ایسا ممکن نہیں اس کام میں پھر نام نہ ہو
صبح دم اٹھ کے جو بھیجوں میں درود اور سلام
ایسی اِک صبح ملے جس کی کوئی شام نہ ہو
یہ جہاں فانی ہے دل میں نہ طلب ہو اس کی
ایسا کچھ کر کے ہر اِک جائے کہ گمنام نہ ہو
میرا قرآں ہو میرے ساتھ محافظ میرا
عشق کی مئے بھی پیوں اور کوئی جام نہ ہو
رات بھر جاگ کے سجدے کروں اپنے رب کو
دل میں خواہش ہے کہ یہ کام سرِ عام نہ ہو
میری جس شخص سے بھی رسم شناسائی ہو
وہ تیری نظروں میں ہو خاص کوئی عام نہ ہو

کلام: ذکیہ بلگرامی، کراچی

## اللہ کا قرب

آج وہ بہت اداس تھا۔ ایسے ہی خواہ مخواہ من بوجھل، بوجھل ہو رہا تھا۔ مہینے میں دو تین بار اسے اداسی کا دورہ ضرور پڑتا تھا۔ اس نے نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے سکون کی دعا مانگی پورا دن اس نے اپنی نمازیں توجہ اور اخلاص سے ادا کیں۔ شام چھ بجے وہ خود کو بہت ہشاش بشاش اور تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ اس کا دل خواہ مخواہ خوش ہو رہا تھا۔ جب اللہ نے اس کا دل اطمینان و سکون سے بھر دیا تو اب وہ اتنا غافل اور مست ہو گیا کہ اس نے مغرب اور عشا کی نمازیں چھوڑ دیں۔ اب اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ عبادت کرے۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ خوشی کی حالت میں اپنے رب کو بھلا بیٹھتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو مجھے خوشی کی حالت میں یاد رکھے گا، میں اسے پریشانی کی حالت میں اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ اپنی ذرا سی خوشی اور ذرا سے بھی اطمینان میں اپنے رب کی یاد سے ہرگز غافل نہ ہوں۔ ہمیں ہر آن چاہیے کہ خوشی کی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کا قرب ہاتھ سے جانے نہ دیں کہ یہی تو پکے مسلمان کی پہچان ہے۔

از: رابعہ فاروق، ڈیرہ اسماعیل خان

## صوفیانہ کلام

یار کو ہم نے جا بجا دیکھا
یہ نہ پوچھو کہاں، کہاں دیکھا
دل کے اندر ہے دل کے باہر بھی



www.pklibrary.com

وہی ظاہر، وہی ہے باطن بھی
وہی رحمان، رحیم و پاک پرور
ہاں وہ موجود ہر طرف موجود
یہ نظارے، یہ کہکشاں یہ جہاں
وہی ارض و سما کا خالق ہے
وہی برتر ربّی الاعلیٰ
وہی تو ہے ذوالجلال والاکرام

کلام: فریدہ افتخار، اسلام آباد

## حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ... بدگمانی سے اپنے آپ کو بچاؤ اس لیے کہ بدگمانی بدترین جھوٹی بات ہے اور کسی کا حال یا کوئی خبر معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو، جاسوسی نہ کرو اور کسی کے سودے کو نہ بگاڑو۔ (یعنی چیز کے لینے کا ارادہ نہ ہو اور خواہ مخواہ کسی کے سودے پر سودا کرنے لگو) آپس میں حسد نہ کرو، آپس میں بغض نہ رکھو آپس میں غیبت نہ کرو اور خدا کے سارے (مسلمان) بندے بھائی بن کر رہیں اور روایت میں یہ الفاظ ہیں آپس میں حرص نہ کرو۔

مرسلہ: ثمینہ کوکب، جہلم

## احترام رمضان المبارک

رمضان المبارک کے احترام میں لوگ بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دیتے ہیں۔ روزے کی اہمیت کا اندازہ کیے بنا وہ پابندی سے ماہِ رمضان کے روزے رکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن مذہب اسلام روزے کے جو تقاضے بیان کرتا ہے وہ اس سے غافل ہوتے ہیں یا پھر ناقص علم ہونے کے سبب صرف اس ماہ میں بس روزے رکھ لینے کو بڑا اجر و ثواب سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ درست بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزوں کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے اور اس کا اجر خود ہر بندے کی عبادت کو اور نیت کو دیکھتے ہوئے دینے کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ مگر دنیا ایک ایسی جگہ ہے جہاں انسان صبح سے شام تک صرف اور صرف دنیاوی کاموں میں مصروف نظر آتا ہے اور یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو اس ماہ میں روزے تو رکھ لیتے ہیں مگر رمضان کے مہینے کے تقاضے پورے نہیں کر پاتے ہیں..... تو پھر ایسے لوگوں کے لیے کہا جاتا ہے۔

"روزہ ڈھال ہے پس جو کوئی روزے سے ہوتا ہے۔ اسے چاہیے کہ دنگے، فساد سے دور رہے، اگر کوئی اس کو گالی بھی دے تو وہ یہ کہہ دے کہ بھائی میں روزے سے ہوں۔" (بخاری مسلم)

مرسلہ: ریحانہ حسن، کراچی

## وہی خدا ہے

کبھی جھولا جھلاتا ہے
کبھی تتلی دکھاتا ہے
کہیں مخمل سجاتا ہے
کہیں کھدر بچھاتا ہے
کہیں پہ خوان سجتے ہیں
کہیں بھوکا سلاتا ہے
کبھی پھٹنی بھی دیتا ہے
کہیں مسند بچھاتا ہے
کہیں صورت سویرا ہے
کہیں گرہن لگاتا ہے
کہیں تاج وراثت ہے
کہیں ہستی مٹاتا ہے
کہیں چھپر کی چھاؤں ہے
کہیں سورج ہی لاتا ہے
ازل سے ہے ابد تک بھی
خدا ہی ایسا داتا ہے

از: جینا، کراچی

## اپنے خاکستر میں عظیم چنگاری

☆ ایک ایسا عظیم شخص جس نے 1994ء میں کنگ فیصل ایوارڈ کو یہ کہتے ہوئے ٹھکرایا۔ کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے لکھا ہے لہٰذا..... میرے دین کو خراب نہ کریں۔

☆ ایک ایسا عظیم شخص جس کے ہاتھ پر چالیس



www.pklibrary.com

ہزار غیر مسلموں نے کلمہ پڑھا۔

☆ایک ایسا عظیم شخص جو بائیس زبانوں کا ماہر تھا اور چوراسی سال کی عمر میں آخری زبان تھائی سیکھ لی تھی۔

☆ایک ایسا عظیم شخص جس نے مختلف زبانوں میں 450 کتابیں اور 937 مقالے لکھے۔

☆ایک ایسا عظیم شخص جو اس قدر علمی مقام رکھنے کے باوجود اپنے برتن اور کپڑے خود دھوتے تھے۔

☆آپ نے 1952ء سے 1978ء تک ترکی کی مختلف جامعات میں پڑھایا۔

☆1980ء میں جامعہ بہاول پور میں طلبہ کو خطبات دیے جنہیں بعد میں خطبات بہاول پوری کے نام سے شائع کیا گیا۔

☆یہ عظیم علمی اور فکری شخصیت 17 دسمبر 2002ء کو امریکی ریاست فلوریڈا میں انتقال کر گئی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کہنے کو ایک تنہا شخص تھے لیکن کام کئی جماعتوں سے زیادہ کر گئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے۔

## رمضانی چوکے

کہا میں نے یہ بیگم سے اٹھانا مجھ کو سحری میں
وگرنہ کل کا روزہ بھی مرے ہاتھوں سے جائے گا
جواب آیا اگر تم آج بھی ساڑی نہیں لائے
تو میں نے کب اٹھانا ہے خدا، تم کو اٹھائے گا

☆☆☆

اس کی فیاضی کے بارے میں کہوں کیا آپ سے
شان و شوکت سے کہاں سب کو سمیٹ لے چلا
دعوتِ افطار دی تھی اپنے گھر کنجوس نے
سارے مہمانوں کو جو مسجد کے اندر لے چلا

از: ساجدہ ظفر، کمالیہ

## تیرے جنم دن پر اے پاکیزہ

میں نے چاہا تیرے جنم دن پر
ایسا تحفہ تیری نذر کروں
جسے تو مدتوں یاد رکھے
پھر ایک لمحے کی سوچ نے میرے ہاتھ بلند کیے
اور کچھ دعاؤں کے پنچھی دل سے آزاد کیے
کہ آنے والے موسموں میں
غم کی گھٹائیں کبھی تیرے قریب نہ آئیں
تیری آنکھوں کے جگنو سدا چمکیں
خدا تیرا دامن ہمیشہ خوشیوں سے ہمکنار کرے
تو سدا جیے، مسکرائے اے پیارے پاکیزہ
آمین، دعاؤں کے ساتھ

دعاگو: فہمیدہ جاوید، ملتان

## سالگرہ مبارک

نوکِ قلم پہ مچلتے سارے حسین و معتبر حرف
جلتی شمع کی ساری سنہری روپہلی کرنیں
سبز لباس پہنے سارے اونچے شجر
خوشنما پھولوں سے سجی دور تک پھیلی
بوگن ویلیا کی بیل
اِدھر سے اُدھر سوکھے پتوں کو اڑانے والی ہوائیں
آتی جاتی چودھویں کی روشنی میں نہاتی اونچی،
اونچی لہریں
سب کے سب تم کو آج کے دن تمہاری سالگرہ
کی مبارک باد دیتے ہیں۔ اے پیارے پاکیزہ.....

از: کائنات عبدالحلیم، میر پور خاص

## افسانچہ

تیرے آنے کا غم، تیرے جانے کی خوشی.....

ارے ارے کیا سمجھے آپ لوگ کہ کس کے آنے کا روگ مجھے لگ گیا تھا کیا مہمانوں کا.....؟ نہ بھئی نہ بھلا کوئی مہمانوں کے آنے پر بھی ناخوش ہوتا ہے۔ ارے بھئی ہم تو مہمانوں کو اللہ کی رحمت سمجھتے ہیں..... تو پھر.....؟

تو پھر کس کے جانے کی خوشی.....

ہاں جی تیرے جانے کے تصور سے میرا انگ، انگ ناچ رہا ہے..... تیرے آنے سے جو مرے چہرے کی شادابی کھو گئی تھی وہی چہرہ اب 1000 والٹ بلب کی طرح لشکارے مارنے لگا ہے۔



www.pklibrary.com

جا، جا ہمیں تیرے جانے کا کوئی غم نہیں..... ہم تو تیرے جانے پر اتنے خوش ہیں کہ....

تیرے جانے کے لیے..... اجتماعی عبادات کیں..... منتیں دعائیں کیا کچھ نہیں کیا..... باقاعدہ لڈو تک بانٹے.....

تو جا..... جہاں سے آیا تھا وہیں واپس پلٹ جا..... کسی کو تیری ضرورت نہیں..... چل بھئی محترم عزت مآب کورونا صاحب آگے لگ اور گھس جا اپنی دنیا میں واپس.....

تیرے آنے کا غم تھا اب تیرے جانے کی خوشی ہے

از: نرگس نسیم، صابہ موہڑہ، چکوال

## غزل

شہر بے نور میں دیا صاحب
ایک جھونکے سے جل بجھا صاحب
میں نے اس کو سنبھال رکھا ہے
تو نے جو درد بھی دیا صاحب
رنج و آلام کے بغیر بتا
آپ نے مجھ کو کیا دیا صاحب
آج بھی دیکھ تو سلامت ہے
مجھ میں جینے کا حوصلہ صاحب
کس قدر بے وفا سے لگتے ہو
کبھی دیکھا ہے آئینہ صاحب
جانِ تمثیلہ ایک تم ہی نہیں
ساری دنیا ہے بے وفا صاحب

کلام: تمثیلہ لطیف، لاہور

## کاروباری کرپشن

تاجر حضرات خاصے خدا ترس ہوتے ہیں۔ غریبوں اور عوام کی خاطر اپنی خدمات ہمیشہ پیش کیے رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں سرکاری محکموں کے نادار اور مستحق لوگوں کی خدمت اس انداز سے کرتے ہیں کہ دوسرے ہاتھ کو خبر تک نہیں ہوتی۔ ٹیکس اور بدنظر سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو کنگال ظاہر کرتے ہیں۔ ان پر قیدِ رمضان کا قانون بھی لاگو نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ روزہ داروں کی بھوک پیاس سے اپنا حصہ وصول کرتے ہیں۔ اور پورے سال سے کہیں زیادہ ماہِ صیام میں کھاتے ہیں۔ ایسی ہی کمائیوں سے حج وعمرہ کی ادائیگی اور محافل کا اہتمام کر کے معاشرے میں مقام پیدا کرتے ہیں۔

سید ضمیر جعفری اقبال کی زمین پر رقمطراز ہیں۔

تو کھانے پینے کا کوئی سامان پیدا کر
خودی کی راکھ سے بکرے کی ران پیدا کر
تو مرتبے کی جگہ مرتبان پیدا کر
مقام بیچ کے اپنا مکان پیدا کر

اقتباس از: ڈبویا مجھ کو ہونے نے
مصنف: امجد محمود چشتی
پسند: ماہ نور، میاں چنوں

## سالگرہ مبارک

تمہاری ہستی ہوئی زندگی کی راہوں میں
ہزاروں پھول لٹاتی ہوئی بہار آئے
تیرے چمن میں کبھی خزاں نہ رہے
بہار جاتے ہوئے بھی ٹھہر ٹھہر جائے

☆☆☆

نئے برس کا آغاز ہو چلا جاناں
تمہیں مبارک ہو سالگرہ کا دن اپنا
سدا رہو محبتوں اور مسرتوں کے بیچ
یہی دعا ہے یہی آرزو یہی سپنا
کیوں ہے اتنا دل خوش میرا
ارے بھئی پاکیزہ کی ہے سالگرہ

از: انشال، ملتان

## دعائیہ کلمات

اے رب کائنات تو نے ہی اس گلشن کو ہے بچانا
کورونا کو پھیلنے سے ہے روکنا
مشکل بڑی آن پڑی ہے ہم پر
ان مشکلوں کا حل تجھی کو ہے نکالنا
یہ گناہ گار آنکھیں اشکوں سے بھری ہیں
چھپے اس سیلاب کو ہے بہنے سے بچانا



www.pklibrary.com

ہم خطا کاروں کو اب معاف کردے تو
بڑی عظمت والا ہے تو، نام تیرا ہی دنیا میں ہے رہنا
لوگ اپنوں سے ہی ہوگئے ہیں دور
کیا خطا ہوئی ہم سے کیوں ہو گئے مجبور
کورونا نے جو خوف پھیلایا ہے دلوں میں
اپنے رب سے معافی مانگ کر اس سے ہے نکلنا
معاف کردے اے رب راضی ہوجا ہم سے
تو ہی ہے ہمارا رب تجھ سے ہی دعا مانگنا

دعا گو: حمیرا انجم وحید، واہ کینٹ

## ہنسنا منع نہیں ہے

استانی: ڈیٹ اور تاریخ میں کیا فرق ہے؟
پپو: مس ڈیٹ میں ''گرل فرینڈ'' کو لے کر جاتے ہیں اور تاریخ میں ''وکیل'' کو لے کر جاتے ہیں۔

☆☆☆

ایک عورت انسپکٹر سے۔ ''میرا شوہر آلو لینے کب کا گیا تھا ابھی تک نہیں آیا۔''
انسپکٹر: ''تو آپ باجی کچھ اور پکالوناں.....''

## لڑکی اور دھڑکن

لڑکی بوائے فرینڈ کے ساتھ آئس کریم کھاتے ہوئے۔
''جان کچھ ایسا کہو کہ میرے دل کی دھڑکن تیز ہوجائے۔''
لڑکا۔ ''میرے پاس پیسے نہیں ہیں بل تم دو گے، ہا.....ہا.....ہا۔''

جیا جاوید، ملتان

## غزل

اگر اس نے پہنچنا ہے در و دیوار تک پہنچے
مری چاہت کا افسانہ مرے گھر بار تک پہنچے
میں اس کے پیار کے قابل بنی ہوں اس طرح لوگو
میں اس کی یاد میں گم صم مرے اقرار تک پہنچے
بہت مدت سے میں اپنے غم بستر پہ سوئی ہوں
عیادت کے لیے آئے دلِ بیمار تک پہنچے
بہت معروف لڑکی ہوں مجھے سب جانتے بھی ہیں
مری غزلیں یہ زینت ہیں کسی اخبار تک پہنچے
مریضِ عشق ہوں مدت سے میری زندگی تنہا
وہ میرے پیار کو سمجھے دلِ آزار تک پہنچے
یہ میرے پیار کے چرچے فریدہ کس طرح پھیلے
کہیں کابل تلک پہنچے کہیں قندھار تک پہنچے

کلام: فری جاوید، فری یوسف زئی، لاہور

## پاکیزہ کی سالگرہ کے موقع پر

جاسوسی ڈائجسٹ کے بانی محترم معراج رسول صاحب ہم سے بچھڑ کر بھی ہر جگہ اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں۔ آج پاکیزہ کی سالگرہ کے موقع پر ہم انہیں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ جب تک حیات ہے ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ان کے چاہنے والے عقیدت مند جو دنیا کے گوشے، گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں، کبھی جاسوسی، کبھی پاکیزہ، کبھی سسپنس تو کبھی سرگزشت رسالے کو دیکھتے ہیں اور انہیں یاد رکھتے ہیں۔ معراج رسول کے بارے میں ہی کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو.... مرجاؤں گا
میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا

دعا ہے رب العزت سے کہ وہ محترم معراج رسول صاحب کے بلند درجات کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین اور ان کے ادارے کو مزید کامرانیوں سے نوازے۔ الٰہی آمین۔

ازطرف: نرگس نسیم، صابہ موہڑہ، چکوال

## غزل

ان بے وفا لوگوں میں فیض ڈھونڈنے والو
وفا پرست تو بہت ہیں وفا دار کوئی نہیں ہوتا
اپنے، اپنے دکھ رونے کو بیٹھ جاتے ہیں لوگ
دوسروں کے دکھ بانٹنے والا کوئی نہیں ہوتا
پھولوں کے ساتھ کانٹوں کو کسی نے قبول نہیں کیا
مگر پھولوں کا کانٹوں کے بغیر گزارہ بھی نہیں ہوتا
جعفری کوئی اپنا نہیں فریب ہے یہ دنیا
جب مقدر روٹھ جائے تو کوئی سہارا نہیں ہوتا

کاوش: فرخندہ جعفری، گجرات



www.pklibrary.com

☆صائمہ سجاد بنگش.....کوہاٹ
حسین چہرے کی تابندگی مبارک ہو
تجھے یہ سالگرہ کی خوشی مبارک ہو

☆زرینہ خان.....بہارہ کہو
یہ تو اِک رسم جہاں ہے جو ادا ہوتی ہے
ورنہ سورج کی کہاں سالگرہ ہوتی ہے

☆نگینہ ضیا بنگش.....کیماڑی
یہ بے خودی یہ لبوں کی ہنسی مبارک ہو
تمہیں یہ سالگرہ کی خوشی مبارک ہو

☆ثوبیہ ظہور.....ضلع اٹک
خزاں کی رُت ہے جنم دن ہے اور دھواں اور پھول
ہوا بکھیر گئی موم بتیاں اور پھول

☆ریحانہ سعدیہ ڈوگر.....کمالیہ
زمیں کے ذائقے چکھنے کا دور جاتا رہا
دیے منڈیر پہ رکھنے کا دور جاتا رہا
رفاقتوں کے لیے فرصتیں نہیں ملتیں
محبتوں کو پرکھنے کا دور جاتا رہا

☆فہمیدہ جاوید.....ملتان
چمن میں رہنے والوں سے تو ہم صحرانشیں اچھے
بہار آ کے چلی جاتی ہے ویرانی نہیں جاتی

☆میمونہ اشرف.....فیصل آباد
اِک منزل ہے کہ سورج سے بھی کھو جاتی ہے
اِک رستہ ہے کہ جگنو بھی دکھا دیتا ہے

☆جیا جاوید.....شجاع آباد
حسنِ بہار مجھ کو مکمل نہیں لگا
میں نے تراش لی ہے خزاں اپنے ہاتھ سے

☆انشال.....پنجاب
یوں بہار آئی ہے اس بار کہ جیسے قاصد
کوچۂ یار سے بے نیل و مرام آتا ہے

☆روحی صبا.....لانڈھی
کہاں تھا اتنا عذاب آشنا میرا چہرہ
جلے چراغ تو بجھنے لگا میرا چہرہ
یہ لوگ کیوں مجھے پہچانتے نہیں محسن
میں سوچتا ہوں کہاں رہ گیا میرا چہرہ

☆فاطمہ.....صوابی
ضبط غم ہجر میں آسان نہیں ہے عالیؔ
آگ ہوتے ہیں وہ آنسو جو پیے جاتے ہیں

☆راحت صبور.....فیصل آباد
منزل کو میرے شوق کا احساس جب ہوا
ہر ذرہ میری راہ میں دیوار بن گیا

☆زرینہ.....گوجرانوالہ
کتنا کم ظرف ہے وہ شخص
اپنے فن پر جسے غرور ہوتا ہے
کوئی کتنا بھی فن میں ماہر ہو
نامکمل ضرور ہوتا ہے

☆ایمن زرناب.....ٹوبہ ٹیک سنگھ
سوچوں کا تھا ہجوم تنہا کھڑی تھی میں
مجھ پر ہی میری سوچ کی دیوار گر پڑی

☆ثمرینہ قیصر.....کمالیہ
کھلے ہیں میری زندگی کے سارے ورق
نہ جانے کب کوئی آندھی اڑا کے لے جائے
کسی کا درد کہاں تک میں اپنے پاس رکھوں
یہ جس کا ہے وہ نشانی بتا کے لے جائے

☆تسنیم کوثر.....کراچی
خدا کرے چمکو مثالِ انجم تم
جو ہر سو کردے اجالا وہ آفتاب رہو
پڑھے جو تم کو وہ تم کو نہ بھولنے پائے
محبتوں سے جو مہکے وہ تم گلاب رہو



www.pklibrary.com

☆ساجدہ ظفر.....کمالیہ

وہ جو آجاتے ہیں آنکھوں میں ستارے لے کر
جانے کس دیس گئے خواب ہمارے لے کر
چھاؤں میں بیٹھنے والے ہی تو سب سے پہلے
پیڑ گرتا ہے تو آجاتے ہیں آرے لے کر

☆حمیرا انجم وحید.....واہ کینٹ

خزاں کے گرد ہوں یا موسمِ بہار میں ہوں
یہ کیسا موڑ ہے میں کس کے انتظار میں ہوں

☆پروین افضل شاہین.....رحیم یار خان

کیسے دستار سنبھالیں کہ انہی ہاتھوں سے
ہم نے مضبوطی سے کشکول پکڑ رکھا ہے

☆ارم کمال.....فیصل آباد

یادوں کو محبت کے گلابوں میں پرو کر
ہم کتنی نفاست سے تمہیں سوچ رہے ہیں

☆یاسمین کنول.....پسرور

کتابوں کی دنیا بہت پیاری دنیا
انہیں اپنے من میں بسا کر تو دیکھو
یہ سیرِ جہاں کا موجب ہیں بنتی
انہیں اپنا ساتھی بنا کر تو دیکھو

☆زرینہ خانم لغاری.....مظفر گڑھ

شام سے آنکھ میں نمی سی ہے
آج پھر آپ کی کمی سی ہے

☆کنول.....ضلع قصور

فسانے تو سنے ہیں تیرے لیکن
میں چاہوں پر تیرا کردار دیکھوں

☆تسنیم.....ایف بی ایریا

ہم نیند کے شوقین زیادہ نہیں لیکن
کچھ خواب نہ دیکھیں تو گزارہ نہیں ہوتا

☆ثمرینہ.....ٹوبہ ٹیک سنگھ

درد کے چاند کو راتوں کا ستم سہنے دو
وقت کی آنکھ سے کچھ اور لہو بہنے دو
اب میرے طرزِ تخاطب سے پریشاں کیوں ہو
میں نہ کہتا تھا کہ یارو مجھے چپ رہنے دو

☆ثمینہ کوکب.....جہلم

اٹھا رہا ہے جو فتنے میری زمینوں میں
وہ سانپ ہم نے ہی پالا ہے آستینوں میں
قصور وار سمجھتا نہیں کوئی خود کو
چھڑی ہوئی ہے لڑائی منافقینوں میں

☆جیبنا.....کراچی

تم سلامت رہو قیامت تک
اور قیامت کبھی نہ آئے شاد

☆زرتاشیہ نعمان.....ملتان

اب مری روح میں اس کیف کا احساس نہیں
جو تیری مدھ بھری نظروں سے ملا کرتا تھا
اب نہ وہ میں ہوں نہ وہ جذبۂ دل ہے مجھ میں
جس کی عصمت کا مجھے پاس رہا کرتا تھا

☆عرشیہ جنید.....کراچی

جب یقیں سامنے نظر آئے
پھر تو سارے گمان مٹی میں

☆کرن بلال.....کمالیہ

ہر چند کے ہے جگ میں رواج اور طرح کا
پایا ہے مگر ہم نے مزاج اور طرح کا
اس سے کبھی اپنی نہ بنی ہے نہ بنے گی
ہم اور طرح کے ہیں سماج اور طرح کا

☆سعیدہ بانو.....کوہِ مری

کس قدر سخت ہے اُف دل کے لیے یہ منزل
ساتھ اپنے کوئی لے جائے کسی کا جب دل
دور تا حدِ نظر کچھ نظر آئے نہ اسے
ڈوبنے والا پکارا کرے ساحل ساحل

☆اسما شاہد.....لاہور

پُر پیچ جس قدر ہے یہ شاہراہِ زندگی
اتنی تو زلفِ یار بھی پُر پیچ و خم نہیں

☆روحی.....کراچی

ایک انساں ہے اور اس کی ہزاروں قسمیں
کوئی روباہ، کوئی گرگ، کوئی ضیغم ہے

☆☆☆



www.pklibrary.com

# خوش ذائقہ

شگفتہ یاسمین

پیاری بہنو! خوش ذائقہ کے ان صفحات میں ہم آپ کے لیے معروف میزبان اور شیف شگفتہ یاسمین کے تیار کردہ کھانوں کی تراکیب بعنوان ''امی کی ریسپی'' لے کر آئے ہیں۔ (مدیرہ)

## فنگر فش

یہ عام طور پر سارا سال ہی کھائی جاتی ہے۔ اور تقریبات میں تو ضرور بنائی جاتی ہے۔

اشیا: فنگر فش، آدھا کلو۔ نمک، حسب ذائقہ۔ سرخ مرچ، ایک چائے کا چمچ۔ لیمن جوس دو کھانے کے چمچ۔ گرم مسالا، ایک چائے کا چمچ۔ زیرہ پاؤڈر، دو چائے کا چمچ۔ اجوائن آدھا چائے کا چمچ۔ چاٹ مسالا، دو چائے کے چمچ۔ بیسن، (بھون لیں) دو کھانے کے چمچ۔ تیل، حسب ضرورت۔

تل کی چٹنی کے لیے:: سفید زیرہ (بھون کر پیس لیں) تین کھانے کے چمچ، تل سفید (بھون کر پیس لیں) تین کھانے کے چمچ، ہرا دھنیا ۴/۱ کپ۔ ہری مرچ، ایک عدد (دونوں کو گرائنڈ کر لیں)۔ دہی ایک پاؤ (پھینٹ لیں)، املی کا پیسٹ، ایک کپ۔ نمک، حسب ذائقہ۔

ترکیب:: مچھلی میں تمام اجزا ملا کر دو گھنٹے کے لیے میرینیٹ کریں۔ پھر کڑھائی میں تیل ڈالیں اور درمیانی آنچ پر فرائی کریں اور تل کی چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔ دہی پھینٹ کر املی کا پیسٹ اور باقی تمام اجزا ملا لیں تو تل کی مزیدار چٹنی تیار ہے۔

## لبنانی کباب

اشیا: قیمہ، ایک کلو۔ ادرک، دو ٹکڑے۔ لہسن، دس جوے۔ نمک، حسب ذائقہ۔ پسی ہوئی لال مرچ ایک کھانے کا چمچ۔ پیاز، دو عدد۔ ابلے ہوئے آلو، دو عدد۔ ابلے ہوئے مٹر آدھا کپ۔ ہری مرچ، چار عدد۔ چند پودینے کی پتیاں۔

ترکیب:: دیگچی میں قیمہ، ادرک، لہسن، نمک اور پانی ڈال کر ابال لیں اور گلا لیں، پانی خشک کر لیں۔ پھر اس کے اندر تمام اجزا شامل کر کے ہاتھ سے ہی پیس کر مکس کر لیں اور کباب بنا کر فرائی کر لیں۔

## فالسے کا اسکوائش

اشیا: فالسہ، ایک کلو۔ لیموں، آدھی پیالی۔ چینی، سوا کلو۔ پوٹاشیم میٹا بھائی سلفیٹ، چوتھائی گرام۔

ترکیب: عمدہ قسم کے فالسے لے کر رس نکالنے والی مشین میں تھوڑا پانی ڈال کر رس نکال لیں۔ اس رس کو ایک پین میں ڈال کر دھیمی آنچ پر 5 منٹ تک پکائیں۔ اب اس میں ایک لیٹر پانی، لیموں کا رس اور چینی بھی شامل کر دیں۔ جب قوام تیار ہو جائے تو اس میں سوڈیم میٹا بائی سلفیٹ ملا دیں۔ ایک دو بار چمچ سے مکس کریں پھر اسے چولھے سے ہٹا لیں اور ٹھنڈا ہونے دیں۔ پھر خشک اور صاف کانچ کی بوتلوں میں بھر کر سختی سے بند کر دیں۔ یہ اسکوائش 10 دنوں کے بعد استعمال کریں۔

ہمیشہ یاد رکھیں امی کی ریسپی کیونکہ یہی ہے راز ہوم شیف بننے کا۔

## کھجور کا حلوا

آج کل کھجور کی بہار ہے اسی لیے آپ کے لیے کھجور کا حلوا حاضر ہے۔

اشیا: گندم کا آٹا، دو سو گرام۔ کھجوریں،



www.pklibrary.com

(گٹھلیاں نکال دیں اور کاٹ لیں) دو سو گرام۔ عرقِ گلاب، آدھی پیالی۔ چینی، آدھی پیالی۔ پسی ہوئی الائچی، ایک چائے کا چمچ۔ تازہ گرم دودھ، ایک کھانے کا چمچ۔ زعفران، آدھا چائے کا چمچ۔ گھی، ایک پیالی۔ بادام، پستے اور چاندی کا ورق سجانے کے لیے۔

ترکیب ❁ زعفران کو دودھ میں بھگو دیں، دیگچی میں گندم کا آٹا مسلسل چمچہ چلاتے ہوئے بھونیں۔ اس میں آہستہ، آہستہ کر کے گھی شامل کریں اور گھی کے آٹے میں مل جانے تک پکائیں۔ اس میں کھجوریں، عرقِ گلاب اور چینی ملائیں چند منٹ تک پکائیں اور پھر ٹرے میں ڈال دیں۔ اوپر سے بادام، پستے اور چاندی کے ورق سے سجا کر پیش کریں۔

از: آسیہ عامر، کراچی

## اسپرنگ رول

اشیا ❁ رول کے لیے پٹیاں، بارہ عدد۔ مکس سبزیاں (گاجر، ہری پیاز، آلو وغیرہ) آدھا کلو۔ باریک کٹی ہوئی۔ بند گوبھی، ایک عدد باریک کٹی ہوئی۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ کٹی ہوئی مرچ، ایک چائے کا چمچ۔ کالی مرچ پسی ہوئی، ایک چائے کا چمچ۔ سویا ساس، دو چائے کے چمچ۔ سرکہ، دو چائے کے چمچ۔ کوکنگ آئل، دو کپ۔

ترکیب ❁ تمام سبزیوں کو دو چمچے تیل میں ڈال کر فرائی کرلیں۔ تقریباً پانچ منٹ تک اس کے بعد تمام مسالے شامل کرلیں۔ جب تمام سبزیاں ٹھنڈی ہو جائیں تو ایک، ایک پٹی پر تیار سبزیوں کو رکھ کر رول بنائیں اور ڈیپ فرائی کرلیں۔ کیچپ کے ساتھ نوش فرمائیں۔ پٹیوں کو چپکانے کے لیے آٹا گھول کر لگالیں۔

از: زرینہ خان، بہارہ کہو

## چاکلیٹ اسٹرابیری موز کیک

اشیا ❁ انڈے، چھ عدد۔ میدہ، چار کھانے کے چمچ۔ کوکو پاؤڈر، دو کھانے کے چمچ۔ چینی، آدھی پیالی۔ ونیلا ایسنس، ایک چائے کا چمچ۔ گھی ایک کھانے کا چمچ۔

## اسٹرابیری موز کے اجزا

اسٹرابیری، دو پیالی۔ فریش کریم، دو پیالی۔ چاکلیٹ سیرپ، آدھی پیالی۔ جیلاٹن، ڈھائی کھانے کے چمچ۔ اسٹرابیری ایسنس، چند قطرے۔ چینی کا شیرہ، آدھی پیالی۔

## اسفنج بنانے کے لیے

صاف خشک پیالے میں انڈوں کی سفیدیوں کو چینی کے ساتھ پھینٹیں پھر اس میں زردی ملا کر پھینٹ لیں۔ میدہ اور کوکو پاؤڈر ملا کر چھان لیں اور ونیلا ایسنس کے ساتھ پھینٹے ہوئے انڈوں میں ملالیں۔ نو انچ کے دو سانچے لے کر ان میں برش کی مدد سے گھی یا مکھن لگالیں اور تیار کیے ہوئے مکسچر کو دونوں میں آدھا، آدھا ڈال دیں۔ پہلے سے گرم کیے ہوئے اوون میں 180c پر پندرہ سے بیس منٹ بیک کر کے نکال لیں اور ٹھنڈا کرنے رکھ دیں۔

## اسٹرابیری موز بنانے کے لیے

اسٹرابیریز کو صاف دھو کر ہلکی آنچ پر پکنے رکھ دیں۔ جب وہ اپنے ہی پانی میں گل جائیں تو ٹھنڈا کرنے رکھ دیں۔ چینی کے شیرے میں ایسنس ملا کر رکھ دیں، کریم کو فریزر میں دس منٹ رکھ کر ٹھنڈی کرلیں اور الیکٹرک بیٹر سے پھینٹ لیں۔ جیلاٹن میں چار کھانے کے چمچ نیم گرم پانی ملا کر اسے ابلتے ہوئے پانی کے پیالے میں پکالیں، جب پگھلنے پر آجائے تو اسے کریم اور بلینڈ کی ہوئی اسٹرابیری کے ساتھ، کر پھینٹ لیں۔ موز تیار ہے۔ جیلاٹن کو ڈائریکٹ نہیں پکاتے۔

کیک کو ٹھنڈا کر کے پین سے نکالیں اور دونوں کیک پر شیرہ پھیلا کر ڈال دیں۔ جب شیرہ تھوڑا سا جذب ہو جائے تو کیک کو چاکلیٹ سیرپ سے کور کر دیں اور اس پر موز پھیلا کر لگائیں اور فریزر میں رکھ دیں۔

دوسرے کیک کو بھی اسی طرح تیار کرلیں پھر دونوں کیک کو ایک دوسرے کے اوپر رکھیں اور اسے مکمل طور پر موز سے کور کر دیں۔ تین سے چار گھنٹے کے لیے فریزر میں رکھ کر ٹھنڈا کرلیں۔ پھر سرو کریں۔

از: فضہ بتول، اسلام آباد



www.pklibrary.com

# بزمِ پاکیزہ

پاکیزہ بہنیں

## پہلا انعام یافتہ سوال

☆ثمرینہ قیصر.....کمالیہ

سوال ﴿ پہلے اولاد ماں، باپ کا سہارا ہوتی تھی مگر اب خسارہ کیوں ہے؟

جواب ﴿ والدین بھی اپنے اعمال کا جائزہ لیں۔

## دوسرا انعام یافتہ سوال

☆فروا اکرام.....فیصل آباد

سوال ﴿ عبادت گاہ میں داخل ہونے سے پہلے ہم جوتے تو اتارتے ہیں مگر اپنی انا کو نہیں اتارتے کیا وجہ ہے؟

جواب ﴿ نالائقی ہے۔

☆ میمونہ اشرف.....فیصل آباد

سوال ﴿ ایک زندگی سدھارنے کے لیے ایک شوہر کافی ہے اور ایک شوہر کو سدھارنے کے لیے؟

جواب ﴿ آدھی زندگی۔

سوال ﴿ جنت ایسی جگہ جہاں ہر کوئی جانا چاہتا ہے مگر جلدی کسی کو نہیں.....کیوں؟

جواب ﴿ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے ناں!

☆ ساجدہ ظفر.....کمالیہ

سوال ﴿ لوگ کاغذ کی تصویر میں خوب صورت اور نمایاں نظر آنا چاہتے ہیں مگر کردار کی فکر نہیں کرتے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب ﴿ کیا سچی میں.....!

سوال ﴿ کہتے ہیں دنیا میں سب چیزیں مل جاتی ہیں مگر اپنی غلطی نہیں ملتی کیوں؟

جواب ﴿ کی جو نہیں ہوتی تو بھلا کیسے ملے۔

☆ یاسمین کنول.....پسرور

سوال ﴿ شور وغل کرنے میں لڑکیاں کیوں پیش پیش ہوتی ہیں؟

جواب ﴿ زیروز برلڑکے جو ہوتے ہیں۔

سوال ﴿ زیادہ آوازیں سوچ پر اثر انداز کیوں ہوتی ہیں؟

جواب ﴿ کان میں روئی ٹھونس لیا کرو۔

سوال ﴿ زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے کیسے؟

جواب ﴿ کیا تم چلتی ٹرین میں لکھ رہی ہو۔

☆حمیرا انجم وحید.....واہ کینٹ

سوال ﴿ آپ کے مسکراتے ہوئے چہرے کا کیا راز ہے؟

جواب ﴿ بہار نے اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیا ہے۔

سوال ﴿ حالات کتنے اچھے یا کتنے ہی برے کیوں نہ ہوں، بہار کا اپنا ہر رنگ ہے جو ہر عمر کے افراد محسوس کرتے ہیں۔ کیوں ٹھیک ہے ناں.....؟

جواب ﴿ بالکل درست.....سلامت رہو۔

☆ زرینہ خانم لغاری.....مظفر گڑھ

سوال ﴿ قیامت کے دن سب سے پہلا سوال نماز کے متعلق ہوگا لیکن پھر بھی مسلمان نماز سے اتنے غافل کیوں ہیں؟

جواب ﴿ اللہ نیکی کی ہدایت دے۔

☆جینا.....کراچی

سوال ﴿ بھنڈی ہے نہ ٹنڈا ہے جان بہت شرمندہ ہے، آخر کس سے؟

جواب ﴿ شرمندہ نہ ہو آلو پکاؤ آلو۔



www.pklibrary.com

سوال ٹماٹر 20 روپے کلو ہوگیا ہے اور شہر میں کوئی جلسہ بھی نہیں ہو رہا۔ کیا کروں..... اتنے ٹماٹروں کا۔

جواب اس پر بھی شکر نہیں ہے۔

☆ ثمرینہ قیصر..... کمالیہ

سوال آج کے انسان کے دو ہاتھ، دو پاؤں اور ایک دماغ تو ہے مگر چہرے زیادہ کیوں ہیں؟

جواب بھئی اتنے لوگوں کو منہ دکھانا ہوتا ہے تو اتنے ہی چہرے۔

☆ فہمیدہ جاوید..... ملتان

سوال پاکیزہ کی سالگرہ ہے تم کتنا کیک کھاؤ گی؟ پورا یا ایک بائٹ؟

جواب سب مل بانٹ کر کھائیں گے بھئی۔

سوال میاں جی میری سالگرہ پر چھوٹا سا، سمپل سا، ننھا سا، بہت ہی سادہ سا ہیروں کا ہار گفٹ کیوں نہیں دیتے؟

جواب آرڈر دیا ہوا ہے۔

سوال پاکیزہ اتنا ''پاکیزہ'' کیسے ہے؟

جواب آپ سب کی دعائیں اور خلوص ہے۔

سوال سالگرہ پاکیزہ کی ہے اور ہم بہنیں اتنی خوش کیوں ہیں؟

جواب اپنوں کی خوشی میں تو خوش ہی ہوا جاتا ہے۔

☆ ثمینہ کوکب..... جہلم

سوال خاتونِ اول کسے کہتے ہیں؟

جواب جس کو مرضی کہہ دو۔

☆ فروا اکرام..... فیصل آباد

سوال نصیحت ہم غور سے نہیں سنتے حالانکہ سچی بات ہے مگر خوشامد پوری توجہ سے سنتے ہیں حالانکہ یہ بدترین گناہ ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب تو مت کروناں چھوڑ دو بھئی۔

☆ روحی صبا..... کراچی

سوال میں پاکیزہ کے دفتر سب سے ملنے اتنے شوق سے گئی مگر؟

جواب پہنچ کر پتا چلا کہ آج تو اتوار ہے۔

سوال یہ مجھے چین کیوں نہیں آتا؟

جواب خارش ہوگئی ہے کیا۔

سوال جواب شعر میں دیں۔

کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

جواب

تو قد و قامت سے شخصیت کا اندازہ نہ کر
جتنا اونچا پیڑ تھا اتنا گھنا سایہ نہ تھا

☆ جیا جاوید..... ملتان

سوال بہار کا موسم آ گیا مگر وہ نہ آیا بھلا کیا؟

جواب ان کا سندیسہ!

سوال موسم بہار میں میاں جی مجھ سے ناراض کیوں ہو جاتے ہیں؟

جواب تمہارے میاں ہیں تم ہی جانو۔

سوال اپریل محبت کا موسم ہے اور نفرت کا؟

جواب کوئی موسم نہیں۔

☆ راحت صبور..... فیصل آباد

سوال پہلے لوگ سونے سے پہلے گیٹ، صحن اور چھت کا چکر لگاتے تھے اور اب؟

جواب موبائل کا۔

سوال کسی ماڈرن خاتون کے پاؤں کے نیچے چوہا آ جائے تو وہ انگلش میں کیسے چیخ مارے گی؟

جواب oooi

☆ کرن بلال..... کمالیہ

سوال عورت جوانی میں بیوی بن کر علیحدہ ہونے پر زور دیتی ہے اور بڑھاپے میں ساس بن کر اکٹھے رہنے پر دلیلیں دیتی ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

جواب سب کو اپنا، اپنا مفاد جو عزیز ہوتا ہے۔

سوال سل کی طرح عقل کو مضبوط کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

جواب ہاں سل کی طرح ضربیں لگوالیا کرو۔

☆☆☆



www.pklibrary.com

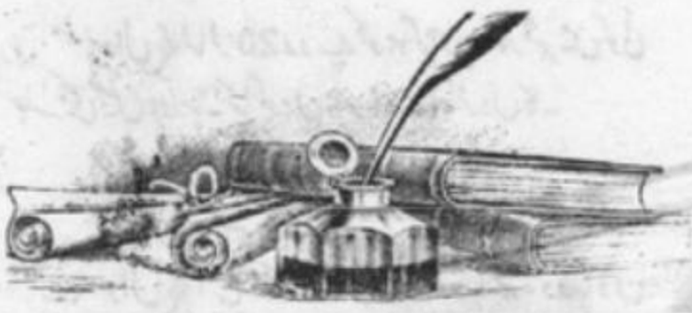

# روحانی مشورے

ادارہ

## روزے کی اہمیت

''جس نے ایمانی کیفیت اور اجرِ آخرت کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے سابقہ گناہوں کو اللہ بخش دے گا۔'' (بخاری، مسلم)

## روزے کی فرضیت

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔'' (سورۂ بقرہ 183)

## رمضان اور قرآن

رمضان کی عظمت و برکت کی بنیادی وجہ اس مہینے میں قرآن کا نزول ہے۔ اسی لیے یہ تلاوت کی بہار کا مہینہ ہے۔

ترجمہ: ''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے جو تمام انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو سیدھا راستہ دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔'' (سورۂ بقرہ 185)

قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھنے اور اس ...کی تعلیمات پر عمل کرنے کا اہتمام کریں۔

## روزے کے آداب

امام غزالیؒ نے روزے کے چند آداب بیان کیے ہیں جن سے روزہ مکمل ہوتا ہے۔

۱۔ جن چیزوں کو دیکھنے سے دل بھٹکتا ہو، اللہ کی یاد سے غفلت ہوتی اور جن چیزوں کی طرف دیکھنا اللہ کو ناپسند ہوں، ان کو نہ دیکھا جائے۔

۲۔ بے ہودگی، بے مقصد اور فضول باتوں سے زبان کو بچائے، ذکر الٰہی اور تلاوتِ قرآن میں مشغول رہے۔

۳۔ کانوں کو بری بات سننے سے روکے، جن باتوں کا زبان سے نکالنا حرام ہے ان کا سننا بھی حرام ہے۔

۴۔ ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا کو ناشائستہ حرکات سے بچائے۔

۵۔ افطار کے وقت حرام اور مشتبہ چیزیں نہ کھائے اور حلال کھانا بھی بہت زیادہ مقدار میں نہ کھائے۔

## لیلۃ القدر کی تلاش

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں تلاش کرو یعنی اکیس، تیئس، پچیس، ستائیس اور انتیسویں رات۔'' (بخاری)

## لیلۃ القدر کی دعا

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر مجھے لیلۃ القدر مل جائے تو مجھے کیا کہنا چاہیے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یوں کہو۔

ترجمہ: ''اے اللہ تو بہت معاف کرنے والا ہے معاف کرنے کو پسند کرتا ہے پس مجھے معاف کردے۔''

ماہِ رمضان میں اگرچہ ہر قسم کی نعمتیں وافر مقدار میں ملتی ہیں مگر کوشش یہی ہونی چاہیے کہ پُرخوری سے اجتناب کریں اور روح و ذہن کو سیراب کریں۔

## دوزخ سے رہائی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... ''اور یہ وہ مہینہ ہے جس کے آغاز میں رحمت ہے، وسط میں مغفرت ہے اور آخر میں دوزخ سے رہائی ہے۔'' (البیہقی) گویا اِدھر اس مبارک مہینے کی آمد پر آپ روزہ رکھنا شروع کرتے ہیں اُدھر اللہ کی رحمت آپ پر سایہ فگن ہوجاتی ہے۔ پھر رمضان کے وسط تک پہنچتے، پہنچتے اللہ تعالیٰ آپ کے قصوروں سے درگزر فرمالیتا ہے اور آپ کی مغفرت ہوجاتی ہے۔ اس طرح جب آپ رمضان کے آخر تک پہنچتے ہیں تو اِدھر آپ



www.pklibrary.com

آخری روزہ رکھتے ہیں، اُدھر آپ کو دوزخ کے خطرے سے آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔

اس آزادی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب آخری روزے کی وجہ سے آپ کو دوزخ سے آزادی حاصل ہو گئی تو اب آپ آزاد ہیں کہ جو چاہے کرتے پھریں۔ اب آپ پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔ ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ بعض لوگ رمضان کے ختم ہوتے ہی وہ سب پابندیاں توڑ ڈالتے ہیں جو اس مبارک مہینے میں انہوں نے اپنے اوپر عائد کر رکھی ہوتی ہیں۔

## امت کی مغفرت

ایک مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔ ”رمضان کی آخری رات میں میری امت کی مغفرت ہو جاتی ہے۔“ امت کی مغفرت ہو جانے کا یہ مطلب نہیں کہ ان لوگوں کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے جو نہ روزے رکھیں اور نہ دوسرے احکام کی پیروی کریں بلکہ یہ مغفرت امت ...کے ان لوگوں کی ہوتی ہے جو روزے رکھتے ہیں اور احکام خداوندی کی پیروی کرتے ہیں۔ اس زمانے میں یہ بات قابلِ تصور ہی نہ تھی کہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں بھی ہو اور پھر روزہ نہ رکھے۔ اس وقت پوری کی پوری امت روزہ رکھتی تھی۔ رمضان کا سارا زمانہ خدا کی عبادت میں گزارتی تھی۔ ہر طرح کی برائیوں سے بچتی تھی اور عام دنوں سے بڑھ کر نیکیاں کرتی تھی۔ اس لیے یہاں اس امت کی مغفرت کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ اس سے مراد وہ لوگ کیسے ہو سکتے ہیں کہ جب رمضان آتا ہے تو ان کی بے راہ روی اور سرکشی میں کچھ اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ روزہ رکھنا تو ایک طرف رہا الٹا برسرِ عام بے تکلفی سے کھاتے پیتے ہیں۔ اور اخلاقی طور پر بھی بے راہ روی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہم سب کو رمضان کی رحمتیں، سعادتیں اور نعمتیں سمیٹنے والا بنائے، آمین.....

## جہنم سے نجات

جو شخص صبح شام سات، سات مرتبہ مندرجہ ذیل دعا پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے بری کر دیتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّار

## حفاظت کا خاص عمل

صبح شام ایک، ایک مرتبہ ذیل کے کلمات پڑھے تو جن و انسان سے حفاظت ہوتی ہے۔

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِہٖ وَعِقَابِہٖ وَ شَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَعُوْذُبِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ

اور ہر فرض نماز کے بعد قل یا ایھا الکافرون، قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھے حدیث شریف میں ہے کہ سورۃ الکافرون چوتھائی قرآن مجید کے برابر ہے۔ (ترمذی) اور قل ھو اللہ احد (ثواب میں) تہائی قرآن کے برابر ہے (بخاری و مسلم) اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تمہیں سب سے بہتر دو سورتیں (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) نہ بتاؤں جو پڑھی جاتی ہیں (ابوداؤد) اور ایک روایت میں ہے کہ ان سورتوں کو پڑھا کرو، ان جیسی کوئی سورت (پناہ مانگنے کے بارے میں) تم ہرگز نہیں پڑھو گے۔

## نقصانات سے بچاؤ

تین مرتبہ ذیل کی دعا پڑھے تو کوئی شے ضرر نہ پہنچائے گی، لہٰذا صبح اور شام تین، تین مرتبہ پڑھ لیا کریں۔ خصوصاً ہر فرض نماز کے بعد.....

بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

## آفات و بلیات سے حفاظت

جو شخص صبح و شام درج ذیل کلمات دس، دس مرتبہ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے سو نیکیاں لکھ دیں گے اور سو گناہ نامۂ اعمال سے مٹا دیں گے اور اسے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور دن اور اس رات میں آفات و مکروہات سے محفوظ رہے گا۔ (ابن السنی)

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

☆☆☆



www.pklibrary.com

# حسن نکھار کے لیے

مہ جبیں

اپنے پیارے پاکیزہ کی سالگرہ کا لطف اٹھاتی پیاری بہنوں اب ذرا اپنے آپ کو بھی سنواریے اور جلدی، جلدی پاکیزہ میں دی ہوئی ٹپس استعمال کریں جو ہم وقتاً فوقتاً دیتے رہتے ہیں۔ اس مرتبہ بہت سی بہنوں نے خشک جلد کے لیے علاج پوچھا تو اس کے لیے اتنا کہنا ہے کہ اب تو موسم سرما کا اختتام ہو چکا ہے۔ لہٰذا اتنی خشکی تو نہیں ہوگی مگر پھر ہم کچھ ٹوٹکے بتا رہے ہیں کہ جو اکثر بہنیں اس کا شکار رہتی ہیں ان کے لیے کارآمد ہوں۔

1۔ روغن بادام یا روغنِ زیتون ہتھیلی پر چند قطرے ٹپکا کر انگلیوں کی پوروں کی مدد سے چہرے کا مساج کریں یہاں تک کہ تیل جلد میں جذب ہو جائے۔ یہ عمل رات میں مناسب ہوتا ہے، صبح فجر پر چہرہ بیسن کے محلول سے دھولیں۔

2۔ آدھا چمچہ لیموں کا رس، ایک چمچ کھیرے کا رس اور چند قطرے عرق گلاب اس آمیزے کو چہرے، گردن اور ہاتھوں پر لگائیں اور پندرہ بیس منٹ بعد سادے پانی سے دھولیں۔ یہ عمل دن میں کسی وقت بھی کیا جاسکتا ہے۔

3۔ رف اور خشک جلد کے لیے..... ایک انڈے کی زردی میں چند قطرے لیموں کا رس چند قطرے زیتون کا تیل ملائیں اور پھینٹ کر چہرے پر لگائیں خشک ہوجائے تو ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھولیں۔ معمول کے فیس واش سے چہرہ دھولیں جو آپ استعمال کرتی ہیں۔

دودھ کا مساج بھی بہترین ہوتا ہے خصوصاً بکری کا کچا دودھ.....

گرتے بالوں کو روکنے کے لیے، سرسوں کا خالص تیل نیم گرم کر کے لگائیں ہفتے میں دو مرتبہ ضرور مساج کریں۔ کھانے میں آئرن کا استعمال بڑھائیں۔ سیب، آلو، ہرے پتوں والی سبزیاں..... ناشپاتی، کیلا وغیرہ.....

گرتے ہوئے بالوں کے لیے: ایک لیموں کا رس نکالیں اور چار چمچ ناریل کا پانی لیں دونوں کا آمیزہ بنائیں اس کو سر کی کھال پر اچھی طرح ملیں۔ ایک گھنٹا ایسا ہی رہنے دیں۔ پھر سر کو دھولیں۔ اس عمل کو ہر ہفتہ دُہرائیں جب تک کے بال گرنا بند نہ ہو جائیں۔

☆☆☆

☆ ہماری ایک بہن مسرت عزت شبقدر کے پی کے نے ایلوویرا کا درست استعمال دریافت کیا ہے۔ اس کے لیے چند طریقے ہیں۔

☆ ایلوویرا (گھیکوار) کا پودا گملے میں... بہ آسانی لگ جاتا ہے اور اسے زیادہ دھوپ اور پانی بھی نہیں چاہیے ہوتا۔ اس کے لمبے پتے یا شاخیں کاٹ کر اس میں سے جیل نکال لیں۔ ایک پتا لیں۔ اسے بیچ میں لمبائی کے رخ کاٹ کر چمچے سے شفاف جیلی جیسا مادہ ہوگا، وہ نکال لیں۔ یہ دو تین دن فریج میں رکھا جاسکتا ہے۔ ایک ٹی اسپون جیلی لے کر چہرے اور ہاتھوں پر ہلکے، ہلکے مساج کریں پھر سادے پانی سے دھولیں۔ ایلوویرا جیلی سر میں لگائیں پھر بال دھولیں۔ یہ جیلی جوڑوں کے درد کی جگہ بھی لگا سکتی ہیں۔ اسے دیگر پھلوں کے ساتھ بلینڈ کر کے بھی استعمال کر سکتی ہیں مگر اس کی مقدار ایک فٹ کے لیے ایک چمچ ہی ہو۔

(ان شاء اللہ اگلے ماہ مزید تفصیل سے بتائیں گے)

☆☆☆



www.pklibrary.com

www.pklibrary.com

# شوابے ہومیو کلینک

SCHWABE



اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

## بھوک لگنے سے طبیعت غیر

**مسز امینہ...... بہاولپور**

ایک ہفتے سے مجھے بھوک بہت زیادہ لگ رہی ہے اگر کچھ نہیں کھاؤں تو دل بگڑنے لگتا ہے خاص طور پر صبح سو کر اٹھنے پر یہ کیفیت زیادہ ہوتی ہے۔ پہلے رات کو دیر سے بھاری کھانا کھایا ہو تو صبح بھوک نہیں لگتی تھی، اب صبح اٹھتے ہی بہت زیادہ بھوک لگتی ہے۔

جواب:۔ قطعاً گھبرانے اور پریشانی کی ضرورت نہیں یہ قدرتی امر ہے۔ طاقت اور بھوک کے لیے ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کا AlfalfaQ کے 11 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن میں 3 مرتبہ کھانے سے پہلے اور صبح ناشتے کے بعد لیں۔

## ہاضمے کا مسئلہ

**محمد عمر...... لاہور**

میرا پیٹ ٹھیک نہیں رہتا اور میرے پیٹ میں ایسا ہے جیسے پانی بھرا ہو، میں کھانے سے پہلے پانی پیوں تو میرا پیٹ خراب ہو جاتا ہے۔ اور کھانے کے بعد پانی پیوں تو ایسا لگتا ہے جیسے پیٹ ہلکا سا پھول گیا ہے، میرا ہاضمہ بھی کمزور ہے اسے طاقتور کرنے کے لیے کوئی طریقہ بتائیں۔ گیس بھی مجھے ہوتی ہے۔ میرا یہ مسئلہ

### ٹوکن

**برائے شوابے ہومیو کلینک**

**مئی 2021ء**

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ________________

پتا: ________________

________________



www.pklibrary.com

بچپن سے ہے۔ بہت علاج کرایا آرام نہیں آیا۔ ڈاکٹر صاحب میرا مسئلہ حل کردیں۔

جواب:۔ پانی تھوڑی مقدار میں پئیں کھانے سے آدھا گھنٹا پہلے، نوالے چھوٹے بنائیں، کھانے کو اچھی طرح چبا کر کھائیں، پھر پانی دو گھنٹے بعد پیا کریں۔ صبح نہار منہ اور رات کھانے کے بعد چہل قدمی کیا کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Nux vomica Pentarkan Ptk 63 کے 10 قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

## لیکوریا و جسمانی کمزوری

### عائشہ فاطمہ..... سمبڑیال سیالکوٹ

مجھے تقریباً بیس سال سے لیکوریا کی تکلیف ہے، میں نے تین دفعہ ہومیو پیتھک علاج کروایا ہے، شاید میں درمیان میں چھوڑ دیتی ہوں اس وجہ سے آرام نہیں آتا۔ ایلو پیتھک علاج اور حکیموں سے بھی علاج کروایا لیکن فرق نہیں پڑتا۔ میں بے حد کمزور ہوگئی ہوں۔ میری ہڈیاں نظر آنے لگ گئی ہیں۔ سب کہتے ہیں تم کمزور ہوگئی ہو۔ میرے لیے اچھی سی دوا تجویز کردیں میں آپ کی بڑی شکر گزار ہوں گی۔

جواب:۔ قدرتی سادہ متوازن غذا کا استعمال کریں۔ ورزش کریں اور ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Ferrum Pentarkan Ptk 45 کی دو گولیاں تھوڑے پانی کے ساتھ لیں دن میں 3 مرتبہ۔ AlfalfaQ کے 11 قطرے ایک گھونٹ پانی میں کھانے کے بعد دن میں 3 مرتبہ۔ Iodium 30 کے 5، 5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

## وزن کی زیادتی

### بنت صدیق..... کینٹ رحیم یار خان

میں پاکیزہ رسالہ میں آپ کے صفحات بہت غور و خوض سے پڑھتی ہوں۔ آپ کو اپنے مسائل سے آگاہ کررہی ہوں امید ہے آپ بہترین رہنمائی فرمائیں گے۔ گزشتہ پندرہ روز سے شام کے وقت ایک گھنٹا پیدل چلتی ہوں۔ کھانے میں پورے دن میں تین چپاتیاں اور ایک آدھ فروٹ کھاتی ہوں، چائے صبح ناشتے میں پھر دن گیارہ بجے اور مغرب کے بعد، رات کو سوتے وقت ایک گلاس دودھ پیتی ہوں۔ باہر کا کھانا بہت کم، فاسٹ فوڈ مہینے میں ایک آدھ بار۔ میں صبح سات سے دوپہر دو بجے تک اسکول میں پڑھاتی ہوں۔ میری آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اگرچہ پہلے سے تھے مگر اب زیادہ ہوگئے ہیں۔ چہرے پر جھائیاں پڑ رہی ہیں۔ میرا وزن اور پیٹ بڑھ رہا ہے، سر کے بال سیاہ اور لمبے تھے اب بال بہت اتر گئے ہیں۔ برائے مہربانی مجھے مسائل کا حل ضرور بتائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزا عطا کریں۔ آمین!

جواب:۔ رات کو دودھ نہیں لیں، بلکہ صبح ناشتے میں لیں۔ 6 سے 8 گھنٹے کی نیند لیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Ferrum Pentarkan Ptk 45 کی دو گولیاں تھوڑے پانی کے ساتھ لیں دن میں 3 مرتبہ۔ Iodium30 کے 5، 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ ایک گھونٹ پانی میں لیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

## ہیموفیلیا

### مسز عنصر قاضی..... کوٹ چھٹہ ڈیرہ غازی خان

محترم ڈاکٹر صاحب میرے ننھیال میں ہیموفیلیا کا مرض موجود ہے۔ میری شادی خاندان میں ہی ہوئی ہے لیکن میرے شوہر میرے فرسٹ کزن نہیں ہیں۔ میرے بڑے دو بچے ماشاءاللہ سے نارمل ہیں مگر میرے چھوٹے بیٹے کی پیدائش کے چھ ماہ بعد اس کے جسم پر چھوٹی چھوٹی گلٹیاں نظر آئیں۔ میں نے بڑوں سے سن رکھا تھا کہ یہ ہیموفیلیا کی علامت ہے۔ بچے کا بیماری کے



www.pklibrary.com

حوالے سے Factor8 ٹیسٹ کروایا جو کہ پوزیٹو آیا۔ مطلب بچے میں قوت مدافعت یعنی خون روکنے والا سسٹم صفر سے بھی کم تھا۔ اب بیٹا ماشاء اللہ چار سال کا ہے۔ ہلکی پھلکی چوٹ لگنے پر جسم کا وہ حصہ کالا نیلا ہو کر سوج جاتا ہے اور بچہ بعض دفعہ چل پھر بھی نہیں سکتا۔ سوجن ہفتے سے دس دن تک رہتی ہے۔ بچے کی رپورٹ ساتھ بھیج رہی ہوں۔ مہربانی کر کے میرے مسئلے پر توجہ دے کر میری پریشانی دور کریں۔

جواب:۔ قدرتی سادہ متوازن خوراک دیں۔ بھاگ دوڑ میں گرنے، چوٹ لگنے، کٹنے میں احتیاط کریں اور بچے کو بھی سمجھا دیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی Medorrhinum 1M کی ایک خوراک دیں۔ ایک ہفتہ بعد Arnica 30 ایک گھونٹ سادہ و صاف پانی میں 5 قطرے دن میں دو مرتبہ اور Carbo veg 30 کی ایک خوراک 5 قطرے دن میں ایک مرتبہ دیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

## ماہانہ نظام کی خرابی

### سدرہ رفیق.....داروغہ والا لاہور

مجھے پچھلے دو سال سے ماہانہ نظام کی شکایت ہے۔ دوا لی تھی لیڈی ڈاکٹر سے مگر اس سے یہ فرق ہوا کہ جو پہلے صرف ایک دن ہوتے تھے وہ دو دن ہو گئے مگر نظام میں بہتری نہیں ہو رہی۔ میری گردن پر بال نکل آئے ہیں۔ وزن بڑھ گیا ہے اس وقت میرا وزن 64 کلوگرام اور قد 5.2" انچ ہے۔ ایام کے بعد.... ٹانگوں میں بے حد درد ہوتا ہے اگلی تاریخ آنے تک ٹانگوں میں درد ہوتا ہے کبھی دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔ میرے سر کے بال بھی تیزی سے سفید ہو رہے ہیں۔

جواب:۔ میٹھی اور چکنائی والی تمام چیزوں سے پرہیز کریں اور متوازن غذا استعمال کریں۔ ورزش کیا کریں۔ صبح سویرے سورج کی دھوپ لیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی..... کی Pentarkan Ptk 60 'Magnesium Phosphoricum' ایک گولی دن میں 3 مرتبہ لیا کریں۔ Jaborandi Q کے دس قطرے دن میں تین مرتبہ ایک گھونٹ پانی میں لیں۔ 3 ماہ بعد کیفیت بتائیں۔

## ناک کا مسئلہ

### تانیہ رفیق.....کہروڑ پکا

ڈاکٹر صاحب آپ کی تجویز کردہ دوا سے بہت افاقہ ہوتا ہے۔ میں نے آپ سے دانوں کے نشانات کی دوا لی تھی جس سے اللہ کے کرم سے نشانات ختم ہو گئے۔ اب ایک اہم مسئلہ میری دوست کا ہے۔ اس کی ناک چہرے کے مطابق بڑی ہے جس کی وجہ سے چہرہ خوبصورت نہیں لگتا۔ ناک پر دانوں کی وجہ سے سرخ نشان پڑ گیا ہے ناک کے بائیں طرف سے ایسے لگتا ہے جیسے خون کی رگیں باہر نکلی ہوئی ہیں یعنی بائیں طرف سے ناک سرخ ہے اور بڑی بھی ہے باقی چہرے کی جلد نارمل ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ ناک کی جلد ٹھیک ہو جائے سرخ نشان ختم ہو جائیں اور ناک نارمل ہو جائے۔

جواب: ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں Calc.Carb 30,Teucrium mar 30,Graphitis 30 کے 5، 5 قطرے ایک گھونٹ صاف سادہ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں 3 ماہ تک۔ پھر دوبارہ کیفیت سے مطلع کریں۔

## جلد کی رنگت اور صحت

### ش.....لاہور

میری بیٹی کی عمر گیارہ سال ہے۔ قد ماشاء اللہ ٹھیک ہے، صحت بھی ٹھیک ہے مگر اس کی رنگت کالی ہے، چہرے پر بلیک تل بھی ہیں جو کہ بڑے بھی ہیں اور چھوٹے بھی اور بہت بُرے لگتے ہیں۔ نظر بھی کمزور



www.pklibrary.com

ہے 2 نمبر کا چشمہ لگا ہوا ہے، چشمہ پہن کر ٹی وی دیکھتی ہے چشمہ پہننا اُسے اچھا نہیں لگتا۔ بہت جلدی تھک جاتی ہے۔ چڑچڑی رہتی ہے سانس جلد پھول جاتا ہے۔ دانتوں میں کیڑا لگا ہوا ہے اور مسوڑھوں اور دانتوں کے ساتھ ساتھ بلیک کائی سی بھی جمی ہے۔ برش کرنے کے بعد بھی منہ سے بدبو نہیں جاتی۔ پڑھائی میں کمزور ہوتی جارہی ہے پڑھنے میں دل نہیں لگتا۔ ٹانگوں میں اکثر درد رہتا ہے بازوؤں کی ہڈیوں میں بھی درد کی شکایت کرتی ہے۔ سر میں بھی اکثر درد رہتا ہے۔ غصہ بہت اور جلد آتا ہے۔ غصے میں چیختی اور روتی ہے۔ میں بہت پریشان ہوں ایک ہی بیٹی ہے۔ برائے مہربانی تمام مسائل کا حل بتادیں اور اچھی سی دوا بھی تجویز کردیں۔

جواب:۔ پہلے تو یہ بات ذہن سے نکال دیں کہ بیٹی کی صحت ٹھیک ہے۔ دانتوں و مسوڑھوں کے لیے ڈینٹ ایڈ ٹوتھ پاؤڈر سے ہر کھانے کے بعد برش کرائیں۔ کھانا متوازن دیں جس میں سبزی، گوشت، دال، پھل، دہی، دودھ، انڈے و مکھن شامل ہوں۔ کھانا اچھی طرح چبا کر کھائے اور میٹھے سے پرہیز کرے۔ وزن زیادہ لگ رہا ہے کم کرائیں چشمے کا استعمال باقاعدگی سے کرائیں۔ جب تک نظر ٹھیک نہیں ہوتی ورنہ نظر اور کمزور ہوجائے گی۔ زیادہ لاڈ پیار نہ کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کرائیں Physostigma 30, Ruta 30, Staphysagria 30, Mercsol 30, Calc.Phos 30 کے 5، 5 قطرے ایک گھونٹ صاف، سادہ پانی میں دن میں 3 مرتبہ دیں۔ 3 ماہ بعد حالت بتائیں۔

## پتّی اچھلنا اور بواسیر

### رانیہ قیصر.....لیّہ

مجھے بہت عرصے سے الرجی ہے جسم پر اور خونی وبادی بواسیر ہے۔ دونوں بیماریوں کے لیے میں نے مختلف ہومیو پیتھک علاج کروائے، وقتی آرام آتا ہے پھر تکلیف بڑھ جاتی ہے۔ جسم پر سرخ دھبے بن جاتے ہیں۔ ان میں خارش ہوتی ہے اور بواسیر میں درد بہت رہتا ہے جلن بھی بہت ہوتی ہے۔ پہلے قبض کی صورت میں اجابت ہوتی ہے جس سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ پھر مروڑ شروع ہوجاتی ہے۔ آپ کو اس امید پر خط لکھ رہی ہوں کہ آپ اچھی دوا تجویز کریں گے شکریہ۔

جواب: کون سی چیز کھانے، پینے، لگانے، پہننے یا کسی جگہ جانے سے یہ الرجی ہوتی ہے؟ کس وقت ہوتی ہے؟ مرغن کھانوں سے پرہیز کریں، کولڈ رنکس اور ہر قسم کے مشروب سے بچیں۔ سبزیاں، پھل، چکی کے آٹے کی روٹی استعمال کریں۔ پانی کم از کم 12 گلاس روزانہ پیا کریں لیکن کھانے کے ساتھ اور کھانے کے فوراً بعد نہیں پیا کریں۔ کھانے کو خوب چبا کر کھائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Aesculus Pentarkan Ptk 3 اور Urtica Pentarkan Ptk 86 کے 10، 10 قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

## بال اور معدہ

### خالدہ.....لاڑکانہ

ڈاکٹر صاحب میرا مسئلہ بالوں کا ہے۔ ویسے تو ماشاءاللہ میرے بال لمبے اور گھنے ہیں لیکن بالکل بے رونق ہیں۔ لمبائی میں کمر سے نیچے تک آتے ہیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ بہت زیادہ دو منہ ہوچکے ہیں تقریباً کندھوں تک خراب ہوچکے ہیں۔ برائے مہربانی اس مسئلے کا حل بتائیں، میں بہت پریشان ہوں۔

میرے بالوں سے میل بھی اچھی طرح صاف نہیں ہوتا۔ شیمپو تبدیل کرنے سے... کچھ فرق پڑا ہے۔ میرا دوسرا مسئلہ معدے کا ہے۔ میں 11 سے 12 سال کی تھی جب سے میرے معدے میں جلن ہوتی ہے اور اتنی زیادہ



www.pklibrary.com

ہوتی ہے کہ معدے سے گرم پانی میرے منہ میں آجاتا ہے میں جگہ، جگہ تھوکتی رہتی ہوں گرمی سردی دونوں موسم میں جلن ہوتی ہے اب تو رات کو سوتے وقت بھی منہ سے پانی نکلنے لگتا ہے۔ جس سے بُو بھی آتی ہے۔ میرے مسئلوں کا حل بتائیں۔ اللہ پاک آپ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے (آمین)

جواب: متوازن صحت مند غذا کھائیں یعنی دودھ، انڈا، گوشت، سبزیاں، دالیں اور پھل۔ پانی کے کم از کم 6 سے 10 گلاس پئیں لیکن کھانے کے ساتھ نہیں اور کھانے کے فوراً بعد نہیں۔ کھانا اچھی طرح چبا کر کھائیں۔ بالوں کو ہفتہ میں 2 بار ہمارے والے شیمپو سے دھوئیں اور ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ پہلے Sulphur 200 کی ایک خوراک 5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں صبح نہار منہ لیں اس کے 2 دن بعد Carbo vegetabilis Pentarkan Ptk22 کی ایک گولی دن میں 3 مرتبہ تھوڑے پانی کے ساتھ لیں ایک ماہ بعد حال بتائیں۔

## بیماریوں کو جمع نہ کریں

صغیر احمد.....ملتان

تین سال پہلے سفر کے دوران کار کی ٹکر سے دماغی چوٹ کا شکار ہوا مگر گھٹنوں میں تکلیف رہ گئی.... شائیں شائیں کرتے ہیں۔ سماعت کمزور ہوگئی ہے۔ اب نزلہ دائمی قبض، کولہے اور پنڈلی میں کھنچاؤ ہے۔ دائیں طرف ہرنیا ہے، مثانہ میں درد اور پیشاب کم آنے پر گردوں میں ہلکا، ہلکا درد ہوجاتا ہے۔ پاؤں کی انگلیاں سن ہوجاتی ہیں۔ گھٹنوں کے پٹھوں میں درد ہے، گلا خراب رہتا ہے، تھوڑا بلغم آتا ہے، منہ کا ذائقہ پھیکا ہوجاتا ہے۔ سانس پھولنے لگا ہے۔

جواب: محترم اللہ آپ کو صحت و تندرستی دے آمین! آپ یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھیں کہ بیماری نہ ایک دم آتی ہے اور نہ ایک دم جاتی ہے۔ خواہش بے شک ہم سب کی یہی ہوتی ہے کہ ہم دوا کھائیں اور فوراً ٹھیک ہو جائیں۔ ایسا ہوتا ہے لیکن اس وقت جب بیماری حاد ہو، مزمن بیماری وقت لیتی ہے اور ایسی حالت میں بے صبری کرنا مرض کو ناقابلِ علاج بنادیتا ہے۔ کبھی ایلوپیتھک کبھی ہومیوپیتھک تو کبھی یونانی اسی وجہ سے امراض بڑھتے جارہے ہیں جوں جوں ادویات استعمال ہورہی ہیں۔ اللہ سے دعا کریں نماز پڑھیں قرآن کی تلاوت کریں۔ چہل قدمی کریں۔ پانی کم از کم 8 گلاس روزانہ پئیں، کھانا چبا کر کھائیں یا میش کرکے لیں کھانے کے ساتھ اور کھانے کے فوراً بعد پانی نہ پئیں۔ تیزابیت بڑھتی ہے جس سے گیس جلن اور پیٹ میں بھراؤ کا احساس ہوتا ہے۔ قبض/موشن کی شکایت ہوجاتی ہے۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات ایک ماہ تک استعمال کرنے کے بعد اپنا حال بتائیں۔ Barium Carb 30 کے 5، 5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن 3 مرتبہ لیں۔

## کورونا سے گھبرانا نہیں

کورونا سے گھبرانا نہیں کیونکہ یہ قابلِ علاج ہے۔
۹۸% لوگ شفایاب ہوئے ہیں اور ہورہے ہیں۔
ہومیوپیتھی میں اس کا فوری، مکمل اور شافی علاج ہے۔
احتیاط علاج سے بہتر ہے! احتیاط ضرور کریں۔
ہاتھوں کو صابن سے دھوئیں۔ فاصلہ رکھیں۔
ماسک کا استعمال کریں۔
سادہ، قدرتی، متوازن غذا لیں۔
رجوع کریں اپنے رب کی طرف....

☆☆☆

Dr.Willmar Schwabe Germany
Available at All Medical & Homoeopathic Stores
شوابے سنگل ریمیڈیز گھر بھر کی صحت کے لیے کلاسیکل ہومیوپیتھی



www.pklibrary.com